جنوری 2013
ماہنامہ
کرن
سالِ نو مبارک
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ
خود کو جانیں
دوسروں کو پہچانیں

حمد — تنویر پھول — 11
نعت — تنویر پھول — 11

بیادِ ابنِ انشاء

کلرڈ پیشنٹ — سحاب قزلباش — 12

انٹرویو

جنوری لوٹ آئی ہے — شاہین رشید — 21
سوہائے علی ابرو سے ملاقات — شاہین رشید — 30
میری بھی سنیے — میکال ذوالفقار — 259
مقابل ہے آئینہ — حیرا مہتاب — 266

مکمل ناول

ساڈا چڑیاں دا چنبا — نفیسہ سعید — 44
وہ اک لمحہ محبت — سمیرا شریف طور — 126

ناولٹ

وہ اک پری ہے — ریحانہ امجد بخاری — 239
تشنگی — لبنیٰ طاہر — 204
اک نئی محبت — حیا بخاری — 94

افسانے

ابرِ سالِ نو — میمونہ صدف — 35
بند ہونٹوں کی بات — بشریٰ احمد — 196
ہمارے اور بھی روگ تھے — روبی نور النساء — 118
احترامِ محبت — فرح طاہر قریشی — 231

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو — شعاع عمیر — 263
یادوں کے دریچے سے — بشریٰ محمود — 268
مجھے یہ شعر پسند ہے — شگفتہ سلیمان — 271
مسکراتی کرنیں — ریحانہ امجد بخاری — 273
کرن کا دسترخوان — خالدہ جیلانی — 276
حسن و صحت — ادارہ — 280
نہلے پہ دہلا — ذوالقرنین — 278
نامے میرے نام — مدیرہ کرن — 283

جنوری 2013
جلد 35 شمارہ 10
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37 - اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

جنوری 2013ء کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
تین سو پینسٹھ دنوں کا بھاری بوجھ ایک بار پھر حال کے ہاتھوں سے پھسل کر ماضی کے اندھیارے غار میں جا گرا ہے اور ہمارے دامن میں اچھے اور برے لمحوں کے بہت سے سکے ڈال گیا ہے۔ ایک لمحے کو پیچھے مڑ کر دیکھیں تو بہت سے کانٹوں بھرے دن تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ گزرے وقت میں زندگی ہر آن ایک نئے احساس، ایک نئے تجربے سے دوچار ہوتی۔ گزرے ہوئے سال میں، ہم نے کیا کھویا، کیا پایا؟ اس کے انمٹ نقوش ثبت ہو چکے ہیں۔ مہلک ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال، قتل و غارت گری نے انسانی جان کو ارزاں ترین بنا دیا۔ یہ انسانیت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ سال گزشتہ کا سورج لہو رنگ لیے غروب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سال نو کا ایسا روشن سورج طلوع ہو جس کی کرنیں ہر سو خوشیاں بکھیریں۔ (آمین) قارئین کو سال نو مبارک۔

ابن انشاء،

ابن انشاء دنیائے ادب کے شناور تھے۔ مزاح میں وہ صاحب طرز اسلوب کے مالک اور سفرناموں میں نئی طرح رکھنے والے انشاء پرداز تھے۔ مستند شاعر کی حیثیت سے ان کا حوالہ منفرد ہے۔
11 جنوری کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- بیادِ ابن انشاء،
- سالِ نو کے موقع پر معروف شخصیات اور قارئین سے سروے،
- اداکارہ سوہائے علی ابرو سے شاہین رشید کی ملاقات،
- کرن کا نیا سلسلہ "میری بھی سنیے"،
- نفیسہ سعید کا مکمل ناول "ساڈا چڑیاں دا چنبا" کا آخری حصہ،
- "وہ اک لمحہ محبت" سمیرا شریف طور کا مکمل ناول،
- "تشنگی"، لبنیٰ طاہر کا دلکش ناولٹ،
- حیا بخاری کا دلچسپ ناولٹ "اک نئی محبت"
- "وہ اک پری ہے"، ریحانہ امجد بخاری کا ناولٹ،
- میمونہ صدف، بشریٰ احمد، روبی نور النساء اور فرح طاہر قریشی کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

شخصیت کے اسرار کھولتی کرن کتاب "خود کو جانیں دوسروں کو پہچانیں"، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

میرے سینے میں دل مرا بولے
سب ہیں محتاج اُس کی رحمت کے

دیکھتا ہے وہ ہر گھڑی سب کو
کون ایسا ہے، اُس کو جو دیکھے

اُس کی رحمت سے ہی ہوا ممکن
رحمتؐ دو جہاں یہاں آئے

میں گنہگار ہوں، بہت خاطی
بخش دیتا ہے اپنی رحمت سے

مجھ نکمے پہ فضل ہے اُس کا
ایسا سجدہ کروں کہ سر نہ اُٹھے

آسماں پر ردا ہے تاروں کی
اور زمیں کو دیے ہیں گل بُوٹے

ہے وہ خالق، وہی مصور پھول
اُس نے سب کے بنائے ہیں چہرے

تنویر پھول

نعت رسول مقبول

وجودِ شاہؐ بطحا سے ہی توقیرِ مدینہ ہے
پگھل جاتا ہے واں ہر دل یہ تاثیرِ مدینہ ہے

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
ہے نازک عرشِ اعظم سے، یہ تقدیرِ مدینہ ہے

پرانا نام یثرب تھا، نجات آزار سے پائی
درود رحمتِ عالمؐ سے تطہیرِ مدینہ ہے

بہاریں خُلد کی یاں ہیں سمائی ذرے ذرے میں
جناں کا گوشہ گوشہ کیا ہے تفسیرِ مدینہ ہے

گیا تھا کچھ برس پہلے دیارِ نور و نکہت میں
ابھی تک قلب کے گوشے میں تنویرِ مدینہ ہے

خدا نے کی عطا کوثر، وہؐ مالک باغِ جنت کے
یقیناً کوثر و فردوس جاگیرِ مدینہ ہے!

بکھر جا پھول طیبہ میں ہو قرباں اپنے آقا پر
وہیں کی خاک میں مل جا جہاں میرِ مدینہ ہے

تنویر پھول

کلرڈ پیشنٹ

سحاب قزلباش

لیس اپ سٹیرز' ففتھ فلور بیڈ ٹو" ریسپشنسٹ' نیلی کنچے لگی آنکھوں والی خاتون نے رجسٹر پر گیسٹ نمبر 1 لال پنسل کا نشان لگایا اور چہرے پر پرانی مسکراہٹ سجا کر دوسرے مہمانوں کا استقبال کرنے لگی۔

لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی سفید براق یونی فارم میں ہنستی بولتی گڑیا سی نرس بھاگی بھاگی آئی۔ "آر یو مسٹر انشاز گیسٹ' پلیز دِس وے پلیز گیو می ہز فوڈ' آئی ول کیپ اٹ ان فریج!" تھینک یو۔ تھینک یو' دو تھینک یو آپس میں ٹکرانے بھی نہ پائے تھے جو انشا بھائی ڈریسنگ گاؤن کے بغیر' براؤن شلوار قمیص پہنے ایک ہاتھ سے قمیص کا دامن اور بیٹ پکڑے اور دوسرا کمزور سا ہاتھ دور سے پھیلائے کوریڈور تک چلے آئے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کوریڈور کی چمکیلی زمین پر اسکیٹنگ کرتے ہوئے مجھ تک پہنچ جائیں۔

"آؤ بھئی آؤ!" وہ ہاتھ اسی طرح بڑھائے چلے آرہے تھے۔ "کتنی دیر کردی' دس بجے فون کیا تھا کہ کھانا لا رہی ہو' اب تین بجے پہنچی ہو۔ واہ بھئی واہ! یہاں تو بارہ بجے ہی پھیکا ابلا ہوا کھانا زہر مار کرلیا۔" انہوں نے برتن کھول کر اس میں سے پکوڑیاں نکال کر کھانی شروع کردیں۔ "آج گیارہ دن کے بعد تمہارا نمک کھا رہا ہوں۔ یار اپنے کھانوں کی تو مدح لکھنی چاہیے۔ چلو اسے فریج میں رکھوا دوں۔" اور تھیلا اٹھا' براؤن سلیپر سٹر پٹر گھسیٹتے ہوئے اسی طرح ایک ہاتھ پیٹ پر رکھے شلوار اڑسے یہ جا وہ جا۔ کمرے کے باہر

"آپریشن کے چار ہی دن بعد تمہارے ملک کا مریض ایسی پھرتی سے چلا کرتا ہے؟" ناک میں نلکی لگے' بڈھے انگریز مریض نے مجھ سے اپنی ادھ کھلی آنکھ سے سوال کیا اور میرا جی چاہا کہ اپنی دوسری آنکھ بند کرکے کہوں۔

"نئیں ریساں جے ساڈے پاکستان دیاں۔"

"یہ کلرڈ مریض ایسا ہی سرپھرا ہے' جس کی تلی کے بھی کچھ حصے کو کاٹ دیا گیا ہے۔"

"کیا یہ معجزہ نہیں؟" اسی انگریز مریض نے آہستہ سے غنودگی کے لہجے میں مجھ سے بات کی۔ جو لال کمبل اوڑھے' ہاتھ پھیلائے لیٹا تھا۔ الٹی لٹکی ہوئی بوتل سے قطرہ قطرہ گلوکوز اس کی نیلی رگیں چوس رہی تھیں۔ کیا خبر یہ انگریزوں کے آپریشن کا معجزہ ہے یا اس کلرڈ پیشنٹ کی ول پاور!

"لیس لیس" وہ ہکلاتے ہوئے کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ کھانسی اور اچھو نے اسے بیر بہوٹی بنا دیا جو کچھ دیر پہلے مری ہوئی مرغی کی کھال چہرے پر چڑھائے مردہ لگ رہا تھا۔ میرا جی چاہا کہ وارڈ کے سارے مریضوں کو چیخ کر بتا دوں کہ یہ میرے ملک کا شاعر اور ادیب ہے' اس کے کالم پڑھنے کے لیے لوگ بے تاب رہتے ہیں۔ تم لوگ اسے کلرڈ مت کہو۔ اس کے پاس تو اب ارادوں کے اسکیٹنگ سلیپر رہ گئے ہیں جو یہ پہن کر دن رات تیزی سے بھاگتا جارہا ہے۔ اس کا رشتہ بے چین روح سے ہے۔ اس کی ہمت کو داد دو۔ اس نے اپنے عزیزوں کے بغیر اتنا بڑا آپریشن کروا ڈالا' خاموشی سے..... جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہاں کے ڈاکٹروں کا کیا کہنا' وہ تو جناب آپ کا سینہ چاک کرنے سے پہلے ہی بتا دیتے ہیں کہ اگر آپ کا ول کاٹ پیٹ کر جوڑا گیا تو صرف چانس ہی ہے' اگر جی گئے تو آپ کی خوش قسمتی' اس کاغذ پر یہ لکھ کر دستخط کردیجیے۔ ایسے عالم میں اچھے اچھے مضبوط قوی کے انسانوں کے چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں۔ انشا نے یہ سب کچھ سنا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر آپریشن کرالیا۔

"یہ بہت پیارا انسان ہے۔" مرغی کی کھال چہرے پر چڑھائے انشا کا ساتھی مریض نارمل ہوچکا تھا اور مجھ سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ "تم اس کی پہلی مہمان ہو جب سے اس کا آپریشن ہوا' سب سے بڑا پھولوں کا بوکے آیا تھا۔ کینسر کے مریضوں میں بہت پاپولر ہوگا ان مریضوں کے کچھ دن ہی اچھے گزرتے ہیں' روز کون ان کو دیکھنے آتا ہے' یہ جگہ شہر سے بہت دور ہے یہ عجیب آدمی ہے اکثر لکھتا رہتا ہے میں تو ہل بھی نہیں سکتا۔ ایک دوزخ کی آگ میرے پیٹ میں بھری ہوئی ہے اوہ خدا!" وہ چپ چاپ سو گیا یا پھر دوزخ کے دروازے اس پر کھل گئے تھے اور میں اس جنت اور دوزخ دونوں کے تصور سے کانپ رہی تھی۔

"اچھا بھئی' ہوں اوں۔" وہ اکھڑے سانسوں کو ڈھیلے کرتے کی سلوٹوں میں چھپا رہے تھے۔ "بتاؤ نا کیا ہوا؟ کیا رستہ بھول گئی تھیں۔" پلنگ پر آہستہ سے بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر ذرا مڑ کے بیٹھے' پیشاب کی تھیلی کرتے کے نیچے بندھی ہوئی تھی۔ اسے چھپانے لگے۔ میں نے نظریں بچالیں۔ ان کے چہرے کی اداسی دکھ دے رہی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ وہ دل کھول کر مجھے بتا دیں کہ کیسے آپریشن ہوا۔ کتنی تکلیف انہیں برداشت کرنی پڑی۔ مگر وہ تو سدا کے خاموش تکلیف چھپانے والے تھے' آنکھوں کے آگے فوراً پردے کھینچ دیتے تھے۔ "ارے بھئی بتاتی کیوں نہیں؟ کتنی مزے دار پکوڑیاں بنائی ہیں۔ مگر بہت دیر میں لائیں۔"

"جی اس میں قصور میرا نہیں ہے' جو بس آپ نے بتائی تھی' ریل سے اترنے کے بعد' وہ چھٹی کے دن چلتی ہی نہیں' کئی گھنٹے کے بعد جب انتظار کرکے تھک چکی تھی' ایک انگریز سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ آج چھٹی ہے' بس نہیں چلے گی' میں اس طرف تمہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ میں شکریہ ادا کرکے اس کی گاڑی میں بیٹھ تو گئی' لیکن اس راستے پر جب باغ ختم ہونے ہی میں نہیں آئے تو میں خاصی ڈری۔"

"اچھا اچھا ہمارے بہانے انگریز کی کار میں آئی ہو' خوب بھئی خوب!" وہ سچ مچ خوش ہوگئے۔ لیکن شرارت ان کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولے۔ "پھر کتنی دیر اس کی گاڑی میں گھومتی رہیں؟"

"ارے نہیں انشا بھائی! نہیں بھئی' یہ کینسر ہسپتال ہی اتنی دور بنایا گیا ہے۔" اور بغیر سوچے سمجھے میرے منہ سے یہ نکل گیا۔ ان کے چہرے پر زردی جب زیادہ

بڑھنے لگی تو مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ ایسی ہی زردی اس سے پہلے بی بی سی کی کینٹین کی مدھم روشنیوں میں ان کے چہرے پر نظر آئی تھی' جب وہ پاکستان سے آئے تھے اور ہم میں سے کسی کو اس کا علم نہ تھا اور وسیم صدیقی نے کیو میں لگے مجھے بتایا تھا کہ "یہ اپنا علاج کرانے آئے ہیں۔ ان کو کینسر ہے' ایمبیسی میں کچھ کام کریں گے اور اس طرح علاج مفت ہو سکے گا کینسر کا۔ میں چائے لے رہا ہوں تم کھانا لے لو۔"

"آپ تو بھوکے ہوں گے انشا بھائی!" چہرہ اتر گیا۔

"وسیم اس دفعہ بھی پیسے بچا گئے۔" حبیب نے فقرہ کسا جو خود بدنام کینٹین تھے۔ کاظمی بھائی' ناہید' شاہ صاحب سب ہنس پڑے۔ "بھائی لوگوں یہ بھائی بنا گئی نا۔ تم نے مجھے بھائی کس سلسلے میں بنایا سحاب؟"

"اچھا سنیے آپ کی ریکارڈنگ بڑی خراب تھی آپ بولتے ذرا بھی اچھا نہیں۔ کتنا اچھا کہتے ہیں۔" مگر انشا سب کے ساتھ ہنستے تو تھے لیکن چپکے سے غائب ہو جاتے۔ اندر سے اچھی خاتون نے کہا۔ "اس کے چہرے پر اطمینان تو ہے وسیم تو ایسا ہی لپاڑیا ہے۔ یوں ہی اڑا دی۔" اور میں نے جھٹ سے پوچھ ہی لیا۔

"انشا بھائی آپ علاج کے لیے آئے ہیں نا؟ ایمبیسی میں اسی لیے کام کریں گے کہ آپریشن کے لیے سہولت ہو جائے۔"

"نہیں' نہیں کون کہتا ہے کون ۔۔۔؟" وہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ پھر کانٹے سے چیز اور قیمے کا جگر چیرتے رہے اور کچھ نہ کھایا۔ میز پر سب کے کانٹے چھریوں نے شور برپا کر دیا۔ وسیم کو "فوراً" کام یاد آ گیا۔ ناہید کو برمنگھم کی ٹرین کا وقت یاد آیا اور ہم چپ چاپ چائے پیتے رہے۔ آخر انہوں نے خاموشی کو خود ہی توڑا "بھئی میں تو انڈیا آفس لائبریری میں کام کرنے آیا ہوں اور ایمبیسی میں منسٹر ہو کر آیا ہوں۔ لیکن یہ آخر کس نے اڑا دی۔"

"انشا بھائی ہو سکتا ہے میں نے کسی اور کے بارے میں سنا ہو؟"

میں نے جھوٹ بولا' جو میری آواز کو بدصورت کر رہا تھا' انہوں نے بغیر میری طرف نگاہ کیے کہا۔ "بھٹو صاحب نے حکم دیا کہ پرانے مسودے دیکھو۔ میں تو ریسرچ کرنے آیا ہوں منسٹر کا عہدہ بھی عنایت کیا ہے اور ایک پی اے اور ایک اسٹینو بھی ملے گا۔" وہ بچوں کی طرح کہانی سناتے رہے تھے۔ "ایرپورٹ پر آپ کو کوئی لینے نہیں گیا تھا؟ مجھے معلوم ہو جاتا' میں بھی تو ایمبیسی میں کام کرتی ہوں۔" میری اوچھی عورت اندر سے بہت خوش ہوئی۔

"نہیں! نذیر ایجوکیشن اتیچی آئے تھے مجھے لینے۔"

"تو آپ ان کے گھر میں ٹھہرے ہیں۔" میں نے سارا راز اگل دیا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"بھئی فریدہ میری دوست ہے۔ نذیر بھائی بھی میرے بڑے پیارے دوست ہیں۔"

"اچھا اچھا اب دیکھو بی بی بچوں سے الگ ہوں۔ گھر بار وطن سے دور' گھر کا ملنا تو آسان نہیں' کتنے دن نذیر کے گھر رہوں۔" وہ سوچ میں پڑ گئے۔ "یہیں کہیں کوئی کمرا ملتا تو لنچ اور ڈنر کا آرام ہو جاتا کہ بی بی سی میں یہ چیزیں بڑی سستی ملتی ہیں۔"

انشا کسی کی تکلیف دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ان کا ہسپتال لندن سے باہر بہت دور تھا۔ آنے جانے کے لیے تین پونڈ کرایہ لگتا تھا اور یوں اچھے اچھے لوگ بھاگ جاتے۔ مگر ہسپتال کا انگریزی کھانا ان کو پسند نہ تھا اس لیے وہ کسی قدر اصرار کے ساتھ مان جاتے۔ میں نے ایک دن فون کیا اور انہیں بتایا کہ آج جب آپ کا پی اے آئے گا تو میں پاکستانی کینٹین سے آپ کے لیے بھجواؤں گی۔ ان کے نئے دفتر میں دو آدمیوں کا اسٹاف تھا۔ ان میں سے ایک صاحب داڑھی والے' شرعی پاجامہ اور شیروانی ڈالے رہتے تھے۔ میں نے ان سے لجاجت سے کہا۔ انشاء صاحب کو دو دن سے پاکستانی کھانا نہیں دستیاب ہو سکا۔ آپ آج جائیں تو مہربانی کر کے یہ کھانا بھی ساتھ لیتے جائیں اور یہ پیسے بھی رکھ لیجیے۔ ان کا پتا بھی لکھے دیتی ہوں۔ انہوں

نے میری بات کاٹتے ہوئے چمک کر کہا۔ "جی نہیں مجھے تو راستہ ہی نہیں معلوم' پھر دیکھیے نا میں ان کا اسٹینو ہوں' میں کھانا وغیرہ نہیں لے جا سکتا' مجھے رسالے لے جانے ہیں' وہ لے جاؤں گا' بشرطیکہ مجھے کوئی ٹھیک راستہ بتا دے۔"

دوسرے دن میں جب گئی تو انشا سے میں نے یہ واقعہ بھی بیان کیا تو وہ ہونٹ لٹکا کر چپ ہو گئے' جیسے کچھ ہوا ہی نہیں' مجھے غصہ بہت تھا میں نے کہا۔ "انشا بھائی وہ مولانا ضرور سہی مگر ان میں انسانیت بالکل نہیں۔ ان کو جب یہ بھی بتایا گیا کہ آپ پسندیدہ کھانے کے لیے ترس رہے ہیں' کیسے مسلمان ہیں انہیں ذرا رحم بھی نہ آیا۔" وہ میری تیز کلامی پر ہلکے سے ہنسے۔

"وہ بے چارے راستہ ہی نہیں ڈھونڈ سکے' سحاب وہ سیدھے آدمی ہیں۔ دیکھو ان کی بیٹی یہاں لندن میں رہتی ہے۔ مجھے معلوم بھی نہ تھا۔ کسی سفارش سے وہ خود یہاں آ گئے ہیں۔ میں تو انہیں دیکھ کر حیران بھی ہوا کہ اپنے آپ یہ آخر کس طرح آ گئے۔ مگر وہ لگے منت سماجت کرنے کہ آپ خدا کے لیے اعتراض نہ کیجیے گا۔ میری بیٹی یہاں ہے اور وہ اکیلی ہے۔ اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔ آپ اگر اعتراض کریں گے تو میرے لیے مصیبت بن جائے گی۔"

"لیکن انشا بھائی وہ شخص اس قدر بے مروت بن گیا کہ اپنے محسن کے لیے کھانا ہسپتال نہ لے جا سکا۔"

کھانے کے لیے میرے پیسے ادا کرنے پر انشا بھائی ہمیشہ محسوس کرتے تھے اور خوشامدانہ انداز میں کہا کرتے "ارے بھئی سحاب یہ نہ ہو گا' میں تم سے بڑا ہوں اور تم سے زیادہ کماتا بھی ہوں۔ تم مجھ سے پیسے لے لو۔ تم مجھ سے محبت کرتی ہو' میرے لیے اتنی تکلیف اٹھاتی ہو' مجھے اس سے بڑا دکھ ہوتا ہے۔" میں ہنس کر کہتی۔

"اچھا بابا اکٹھے دے دینا۔"

ایک صاحبہ کے ہاں ہم لوگ کھانے پر مدعو تھے۔ بڑی بور پارٹی تھی۔ کہنے لگے۔ "یار نذیر دیکھو سحاب کی ان سے کیسی دوستی ہے؟" انہوں نے سن لیا وہ فوراً بولیں۔ "ہاں انشا بھائی آخر سحاب میں کیا ہے جو مجھ سے دوستی نہیں ہو سکتی؟" میں ڈر گئی کیونکہ وہ بہت لڑاکا تھیں۔ خالد نے گھبرا کر گلاس میں زیادہ مشروب انڈیل لیا مگر یہ اسی طرح دھیمے لہجے میں مسکرا کر بولے۔

"بھابھی دیکھیے سحاب اتنے اچھے کباب ہرگز نہیں پکا سکتی۔ اگر دوبارہ جنم لے لے تب بھی۔"

سب ہنس پڑے۔ وہ اپنے سہج انداز میں طوفان پی جاتے' چپکے چپکے اور کسی کو پتا بھی نہ چلا۔ اسی طرح ایک رات فریدہ اور نذیر بھائی کے گھر ہم سب جمع تھے۔ میز پر کھانے چنے ہوئے تھے' لیکن پاکستان کے حالات سے سب ہی کو تشویش تھی اور ٹی وی اور ریڈیو پر خبریں سننے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ خالد بار بار فون کر کے بیوی سے پاکستان کی خبریں پوچھ رہا تھا۔ دولتانہ صاحب فیض بھائی سے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فون پر باتیں کرتے تھے۔ ہم سب کے دلوں میں پاکستان دھڑک رہا تھا۔

انشا نذیر بھائی اور فریدہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ خالد حسن نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے گلاس میں کئی برف کے ٹکڑے گھبراہٹ میں ڈال لیے۔ سامنے صوفے پر سجی سفارت خانے کے افسران کی بیویوں نے اپنے پہلو بدلے اور دوسرے پوز بنا کر فیض کی دوسری نظم کے لیے تیار ہو گئیں۔ کئی ایک نے کنکھیوں سے اپنے اپنے میاؤں کی نظروں کا ٹارگٹ دیکھ کر نئے بنائے ہوئے بال درست کیے جو پندرہ بیس پاؤنڈ خرچ کر کے بیوٹی پارلر سے بنوائے گئے تھے۔ فیض صاحب نے نئی نظم "الیکشن" سنائی۔ پاکستان کا نقشہ کھنچ گیا۔ ہم سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہمارے پیار کا اظہار ابھی تک اس روایت سے ہوتا ہے۔ باہر رہ کر اپنا ملک کتنا عزیز ہوتا ہے۔ یہ اس محفل کی موتیوں بھری آنکھوں کو معلوم تھا یا صرف وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں دیارِ غیر میں رہنا پڑتا ہے۔

"ہمارے ملک میں لوگ مرنے کے بعد کیوں سوگ مناتے ہیں' ہیں جی فیض صاحب" "نہایت عمدہ سونے

کی گھڑی پہننے والے تاجر مہمانوں نے دو گلاس بھرے اور برف کی ٹھنڈک حلق میں اتارنے لگے۔ "آج انشا جی ضرور سنائیں گے۔" ہم سب چیخ رہے تھے۔ "لوگو کچھ خیال کرو پرسوں میرا آپریشن ہے آج نظم سناؤ' اوہو اوہو" وہ اپنی مخصوص تھکی ہوئی ہنسی سے بولتے بولتے صوفے میں گھس گئے۔ رومال سے منہ پونچھ کر سارے جسم کو ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں اپنے ہاتھوں سے سنبھال کر محسوس کر رہے تھے 'جیسے جسم تو ان کے ساتھ ہے' وہ ہمیشہ ایسا کرتے تھے 'پھر اطمینان سے سارا سراپا وہیں ملتا تو گھبراہٹ سے انگلیاں سوکھے' رنگ اڑے ہونٹوں پر رکھ لیتے تھے 'جن کا خون کب کا نچڑا ہوا تھا۔ جیسے کچھ کھوج کران کی سوچ لا رہی ہے۔ خزانوں کا پتا جو ان کے موٹے موٹے شیشوں کی عینک کے پیچھے چھپا رکھا ہو۔ خالد حسن 'فیض صاحب' نذیر بھائی پر ایک دم ٹیلی فون کی گھنٹی نے کیا جادو کیا کہ وہ منٹوں میں ختم کر گئے۔ سوچ کے ساتھ ان کی پیشانیاں بھی 'شبنمی قطروں سے نہا رہی تھیں۔ نہ جانے دولتانہ صاحب نے کیا کہا تھا۔ "یار جنگ نہ چھڑ جائے؟"

"یار یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔" اور ادھر انشا کہنے لگے۔ "فریدہ کھانا خوب تھا۔" انشا نے جنگ اخبار سے انگلیوں کا گھی پونچھا۔ "ارے یہ میرا آج کا کالم تھا۔ انشا بھائی"

"اوہو اوہو تم لکھتی رہو تو اچھا لکھ لو گی زبان تو گھر کی لونڈی ہے۔" وہ ہنسے۔ "خیر کچھ کہہ لیں آپ اچھے براڈ کاسٹر کبھی نہیں ہو سکتے۔ بڑا خراب بولتے ہیں۔ کالم آپ اچھا لکھتے ہیں' مان لیتے ہیں۔ آپ کے کالم جب تک نہیں پڑھے تھے آپ سے بڑی خفا تھی۔ آتے ہیں بی بی سی ڈیلیگیشن کے ساتھ رائٹر اور کوئی نہیں ملتا پاکستان کو؟ کتنا خراب بولتے ہیں۔ میں فہمیدہ اور سرندر سے کئی دفعہ آپ کی وجہ سے لڑی مگر جب ایک روز آپ کا کالم پڑھا' پھر "اردو کی آخری کتاب" پھر تو اخبار میں انشا کا نام دیکھا اور کھڑے کھڑے پڑھ لیا۔ حد تو یہ کہ کتابوں کا ریویو تک غضب کا ہوتا تھا۔ اتنے دور بیٹھے گھر والوں سے یہی فرمائش ہوتی تھی۔ مٹھائی نہیں چاہیے کوئی بھی نیا رسالہ اور کتابیں بھجوائیں۔ انشا کے آنے سے ایمبیسی میں جیسے عید ہو گئی ہو۔

صبح سے شام تک لوگوں کو پتے بتاتے 'ٹیلی فون پر بکواس کرتے 'چپراسیوں اور ڈرائیوروں سے جھک جھک کرتے 'آرمی 'نیوی ایرفورس کے سگریٹ اور شراب کے کارٹن کے کارٹن کوٹوں کی ڈلیوریز کو نکلواتے شام ہو جاتی تھی۔ نذیر اور انشا کی وجہ سے ایمبیسی میں میرے تو کئی مہینے سنور گئے۔ جیسے ادبی ٹھرک سے جینے میں لذت آ گئی ہو۔ خالد حسن (پریس کونسلر) اور فیض صاحب کسی فلم کا بیڑا غرق کرنے گئے ہوئے تھے 'لندن سے باہر اور غضب یہ کہ قدرت اللہ شہاب اور ڈاکٹر اجمل (اختر کے مہمان) بھی آ گئے۔ نذیر کی بیوی فریدہ جو ممتاز مفتی کی بہن کی لڑکی تھی' وہ اور ان کے میاں ایجوکیشن کونسلر بن کر آئے ہوئے تھے اور ادھر پدما سچ دیو (ڈوگری کی شاعرہ) بمبئی سے آ گئی تھی۔ گویا لندن میں بہار آ گئی ہو۔ انشا' شہاب' میں سب ہی ان کے عاشق زار تھے۔ خوب صورت کالے بال 'کالی آنکھوں والی معصوم سی شکل کی ۔میدے سے گندھی ہوئی شرمائی شرمائی پر تر شہد بھری آواز سے فائدہ اٹھانے والی پدما سچ دیو۔ ہم روز خوب ملتے۔ پدما کی ڈوگری نظمیں بی بی سی سے نشر ہونے کے بعد تین صفحے کا خط انشا نے آل حسن کو بی بی سی کے لیے بھیجا تھا جس کا اردو ترجمہ میں نے کیا۔ کچھ یوں تھا کہ پدما کی تعریف کے پل' پھر ان کے حلیے کی ساری ڈیٹیل 'شادی ہوئی یا نہیں۔ اسے پڑھ کر ان کے ٹھرکی پن پر ہم سب ہنستے رہے۔

شہاب بھائی اور ڈاکٹر اجمل کو میں نے یہ قصہ بھی بی بی سی کینٹین میں سنایا تھا مگر انشا بھائی کو نہیں معلوم تھا کہ بی بی سی میں یہ سب کو معلوم ہو چکا ہے 'اس شام وہ پدما سے ہنس ہنس کر ایسے مل رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں' وہ بس ایک شاعرہ ہیں اور ہندوستان سے آئی ہیں اور پھر ہم ہائڈ پارک کے ایک کونے میں سارے کے سارے اندھیرا ہونے تک بیٹھے رہے۔ وہ ایک عورت سے دوسری عورت کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ جب

میں نے پدما' فہمیدہ اور سرندر کی تعریف کی تو ایسی معصومیت سے بولے۔ "کون سرندر!" اور میں حیران رہ گئی۔ "ہائے انشا بھائی آپ سرندر کو بھول گئے۔ ماتا ہری!"

"کون ماتا ہری؟" وہ چونکے بے تعلق سے۔

"سرندر کوچر"

"اچھا اچھا کوچر 'کسی سے شادی ہو گئی۔" ذرا مسکرائے

"جی انشا جی! اب کے ان کے کانٹے میں ایک بے روزگار جرنلسٹ کا گوشت ہے۔" وسیم صدیقی نے اپنی طرف سے فقرہ کسا اور قہقہوں کے شور پر بی بی سی کنٹین کے غیر ملکی چہروں نے ایک بار ہماری میزوں پر نظر ڈالی۔ انشا کا چہرہ نیم تاریکی میں زیادہ سیاہی سے چمک رہا تھا انہوں نے بات کا رخ خوب صورتی سے بدل دیا۔ "ہال میں دنیا کی کتنی قومیں جمع ہیں' سب اپنے اپنے حلقوں میں خوش ہیں۔ سوائے ہماری قوم کہ ایک میز پر ہم سب نہیں بیٹھ سکتے۔ پاکستانی گروپ ہمیشہ آٹھ نو میزیں چھوڑ کر بیٹھتا ہے۔" میں نے راشد اشرف اور شمیم کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں یار سحاب یہ یہاں بھی چلتا ہے ایسا ویسا۔ یہ کون صاحب ہیں۔" وہ شمیم اور راشد اشرف کو رشک سے دیکھ رہے تھے۔ "یار تم لوگ مزے میں ہو۔ میں ہمیشہ بی بی سی کی کینٹین سے فیسی نیٹ ہوتا ہوں۔ یہ فرنگنیں گھاس نہیں ڈالتیں۔" وہ للچائی اداسی سے سب کو دیکھ رہے تھے۔ "انہیں کا مقولہ تو ہے کہ پڑوسیوں کا لان بڑا ہرا نظر آتا ہے۔" حبیب نے بھی فقرہ کس دیا "مگر ہم تو ساون کے اندھے ہیں۔"

"کنجوس لوگ خوب قہقہے لگا رہے ہیں۔" وسیم نے حبیب پر فقرہ کسا "چلو یار چلیں۔" انشا ڈر گئے کہ کہیں جھگڑا نہ ہو جائے۔

"کل بیوی بچے آ رہے ہیں ابھی تار آیا ہے۔" وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ "سحاب میرے دو بیٹے ہیں رومی اور سعدی۔ یہ دونوں بچے بہت پیارے ہیں۔ چھوٹا تو بہت شریر ہے۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا پہلی بار آج اپنے کواٹروں کی جھری کھولی پھر کسی کو ٹیلی فون پر بتاتے رہے۔ "ایئرپورٹ جانا وقت سے پہلے کہیں میرا بھائی اور بچے آ کر کھڑے رہیں۔ انہیں پریشانی نہ ہو! ہاں میرا بھائی ریاض۔ ارے یار پھر کیسے پہچانو گے؟ سنو میری بیوی کے بال سحاب کے بالوں جیسے ہیں۔ ہاں سحاب سے لمبی ہے" اور دوسری طرف کے فقرے کو ہنسی میں چھپا گئے۔

"دو بچے بھی ہوں گے پہچان لو گے نا!" پھر لگاتار تین ٹیلی فون اور کیے۔ ظاہر ہے تینوں ہی مجھے جانتے ہوں گے' وہ کون تھے نہ میں نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا۔ میرا حلیہ ضرور بتاتے رہے۔ چھپا کے بات کرنے سے شاید انہیں روحانی خوشی ہوتی تھی جو بات نہ بتانی ہوتی وہ بڑی خوب صورتی سے ٹال جاتے۔ فوراً بات کا رخ پلٹ دیتے تھے۔ لوگوں کا کام بھی چپکے سے کر دیتے تھے۔ محمود خاں مودی کا کتنا خیال کیا۔ اس کی نوکری کے لیے ہر ایک سے کہتے مگر زبان پر نہ لاتے اور چپکے چپکے سفارش کرتے رہے۔ وہ تو سومرو صاحب نے ایمبیسی میں ان کی پیٹھ ٹھونک کر سب کے سامنے یہ راز فاش کر دیا۔ "انشا جی یہ ایمبیسی کی نوکریاں منسٹری سے بغیر پوچھے نہیں حاصل کی جا سکتیں۔ بادشاہو! آپ کس طرح مودی کو اپنا سکریٹری رکھ سکتے ہیں۔ ابھی آپ کے بیٹھنے کے لیے کمرے تک کا بندوبست تو ہوا نہیں۔ آپ ایجوکیشن کے کمروں میں سے ایک کمرہ منتخب کر لیں۔"

ان کو ارمان ہی رہا کہ ایمبیسی میں انہیں بھی بڑا سا کمرہ ملتا جس کے باہر منسٹر کا بورڈ لگا ہوتا۔ انہوں نے آخر ایک دن ہنستے ہوئے کہہ ہی دیا۔ "بی بی شاعر ادیبوں کا کوئی قصور نہیں اقتدار میں بڑا حسن ہے۔"

اور آج یہ ادیب' یہ کلرڈ پیشنٹ چپ چاپ کتھئی شلوار قمیص پہنے سٹرپٹر کرتا ہوا ٹیلی فون پر نثار قربان ہوتا پھر رہا تھا اور اپنے خاندان کے لیے کیسا بے تاب تھا۔ دوبارہ زندگی کی امید پر' اطمینان پر کیسے ساری قوت ارادی کتنے زور شور سے واپس آ گئی تھی

اور میں چپ چاپ دیکھتی رہی۔

ناک میں نلکی لگا آدھا بیٹھا آدھا لیٹا انگریز جو نہ سو سکتا تھا نہ جاگ پا رہا تھا' اس کے چھلکے جیسے سینے میں سانس اس طرح تھا جیسے سرکش بچہ راستہ نہ ملنے پر ادھر سے ادھر بے قرار بھاگ رہا ہو' میں دیکھتی رہی اس کے سینے کی دھونکنی چلتی رہی اور میرا اکلرڈ پیشنٹ بیوی بچوں کے پہنچنے کے انتظامات کے لیے ٹیلی فون کھڑکھڑاتا رہا اور میں سوچنے لگی۔ "کیا واقعی آپریشن انشا نے کروایا ہے۔"

آپریشن سے پہلے ان پر گھبراہٹ اور مایوسی کا دور دورہ تھا' میں ان کا دھیان بٹاتی اور ہمت بندھانے کی کوشش کرتی رہی۔ "انشا بھائی! لندن کے ادبی حلقے میں ضرور چلیے کرشن چندر کے تعزیتی جلسے کی صدارت تو آپ ہی کو کرنی ہوگی۔"

"نہیں نہیں بھئی' خدا کے لیے نہیں سحاب' میں کسی جلسے میں نہ جاؤں گا۔ نہ کسی سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے کالم لکھنے چھوڑ دیے۔ میرا جی نہیں چاہتا' اب گھر مل گیا ہے۔ تم کسی دن آجاؤ۔ گھر کی کچھ چیزیں خرید لیں۔ آپریشن کے بعد دعوت کریں گے۔ وہاں سب سے ملنا ہو جائے گا۔ بھئی اگر زندگی ہے تو دیکھا جائے گا یار زندہ صحبت باقی۔

"حلقہ ارباب ذوق' کرشن چندر' یہ حلقہ کون چلا رہا ہے؟"

"میں اور کون۔۔۔"

"تم اچھا تم' پر تمہارا نام تو اخبار میں نہیں چھپا۔"

"میرا ٹیلی فون نمبر تو چھپا ہے۔" اسے دیکھ کر مشکل سے مانے' عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سنجیدہ آنکھیں جیسے دور کہیں کھو گئی تھیں' اس ملگجے لٹے ہوئے چہرے پر چمک دار رنگین اور بھرے پرے دنوں کی بندھی پوٹلیاں کھل رہی تھیں' وہ اسی طرح عالم خیال میں گم رہے۔ پھر چونک کر بولے۔ "کرشن ہمارا بڑا بیبا تھا' تم ہی بتاؤ سلمٰی کو کس طرح خط لکھوں۔" پھر پہلی دفعہ جلی راکھ کے پیچھے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں مجھے نظر آئیں اور وہ اخبار کے سادے کنارے پر قلم سے "بیبا" انسان کے بارے میں کچھ لکھتے رہے۔

کرشن چندر کے تعزیتی جلسہ عام میں شہر کا سب جمع ہو چکے تھے' شام کے سات بجے بارش شروع ہو گئی۔ صدر جلسہ غائب' کچھ حضرات نے میرا مذاق اڑانا شروع کیا۔ "ارے بھئی کہاں ہیں صدر جلسہ' وہ تو ہمیشہ کے عادی ہیں' وعدہ کر لیتے ہیں۔ انتہا یہ کہ ٹیکسی تک منگوا لیتے ہیں پھر بھی نہیں آتے۔" لیکن سب نے دیکھا انشا آئے' بارش میں بھیگتے ہوئے اور صدارت کی' رات کے گیارہ بجے تک بھوکے پیاسے رہے اور کرشن پر بڑا پیارا مضمون بھی پڑھا۔

چاند دیکھا تری آنکھوں میں نہ ہونٹوں پہ شفق
ملتی جلتی ہے شب غم سے تری دید اب کے

میں یہ شعر نہ جانے کیوں گنگناتی رہی۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔ مگر انشا کی آنکھوں میں غضب کی ویرانی تھی۔ وہ سچ مچ اداس تھے۔ اسی لمحے میں نے بے اختیار ہو کر کہا۔ "انشا بھائی آپ پاکستان ابھی ٹیلی گرام دے دیں ورنہ میں جا کر دے دیتی ہوں۔" وہ جیسے تڑپ گئے۔ "ارے نہیں بھئی' خدا کے لیے نہیں' ہرگز نہیں۔ میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا کہ پرسوں میرا آپریشن ہے۔ دیکھو سحاب کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔" وہ گھبراتے رہے اور پورے راستے مجھے منع کرتے رہے۔

جب سے لندن آئے تھے صرف تین چار کالم ہی لکھے تھے۔ میں نے وجہ پوچھی ٹال گئے۔ اخبار کے حاشیے پر البتہ ضرور لکھتے رہتے۔ سب باتیں کر رہے ہیں اور یہ چپکے سے قلم نکال کر حاشیے پر جلدی جلدی لکھتے جاتے ہیں جیسے کوئی ضروری بات یاد آ گئی ہو۔

نائٹس برج کے قریب ہیرڈ (Harrod) ایک معروف اسٹور ہے۔ انہیں اس کا بھی اشتیاق تھا کہنے لگے "سحاب چلو ہیرڈ بھی دیکھ لیا جائے۔ ملکہ عالیہ بھی اس اسٹور سے چیزیں خریدتی ہیں۔" میں نے کہا "سیل (Sale) کے پہلے روز سفارت خانے کے لوگ وہاں بھرے ہوتے ہیں۔ خواتین ۴۰' ۵۰ پونڈ کی شیفون کی ساڑھیاں خریدتی ہیں۔" کہنے لگے۔ "ہاں بھئی تم تو امیر عورت ہو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ارے انشا بھائی یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ میں تو سیل کے دن تولیہ' صابن ایسی چیزیں جو سیل میں سستی ہو جاتی ہیں' وہ ضرور خرید لیتی ہوں۔ میری اس خریداری کو آپ امیری کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے محنت کرتی ہوں تب اپنی ضرورت کی چیزیں میسر آتی ہیں۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہیرڈ کے تھیلوں میں ڈبل روٹیاں خریدنے جاتے ہیں۔ اور پھر یہ تھیلے ان کی بیویوں کے کام آتے ہیں کیونکہ ان تھیلوں کا دوسرے لوگوں پر رعب الگ پڑتا ہے۔"

"اچھا ہیرڈ کے تھیلوں سے دیکھنے والوں پر رعب پڑتا ہے؟"

لنچ کا ایک گھنٹہ ہم ہائیڈ پارک میں اپنے اپنے سینڈوچ' جوس کے کاغذی گلاس تھیلوں سے نکال کر پھولوں بھرے ایک کونے میں بیٹھ کر گزارتے۔ "کس سوچ میں پڑ گئیں۔ سحاب؟" وہ مجھے کھویا کھویا دیکھ کر کہتے۔ "کچھ بھی نہیں انشا بھائی میں یہ سوچ رہی تھی' دیکھیے نا یہاں کتنا سکون ہے۔ مجھے دفتر نہ واپس جانا ہو تا تو اسی ہری ہری گھاس کی تراوت میں آنکھیں بند کر کے لیٹی رہتی۔" سامنے والے جوڑے' تھوڑی دور قدرت کی فیاضی کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور انشا بھائی ان لوگوں کی بے نیازی کو مسلسل دیکھے جا رہے تھے یا پھر یوں سمجھیے کہ اتنی دور بیٹھے وہ حسرت سے تک رہے تھے۔ گویا ان کی رال ٹپک رہی تھی۔ میں کہے بغیر نہ رہ سکی۔ "انشا بھائی کچھ دن میں صبح شام ایسی فلمیں دیکھیں گے تو آپ پھر عادی ہو جائیں گے۔" اس پر وہ جھینپ گئے "نہیں بھئی میں تو کئی بار یہاں آ چکا ہوں' ہاں مجھے یاد آیا تمہارے چہیتے مستنصر تارڑ کا خط آیا ہے۔" پھر وہ شروع ہو گئے۔ "پروین شاکر نے بھی خط لکھا ہے اور ہاں کشور ناہید بڑی چیز ہے' بھئی اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" پھر وہ ایک دم خاموش ہو گئے۔ "پاکستان سے آ کر کیسے کیسے لوگ یاد آتے ہیں۔"

"ہاں انشا بھائی یہاں رہ کر ہی تو تکلیف ہوتی ہے' میں تو نوکری چھوڑ رہی ہوں۔"

"نہیں نہیں ایسا نہ کرنا۔ مجھ سے سومرو صاحب نے ذکر کیا تھا۔ میں نے کہا صاحب یہ لڑکی باؤلی ہے' اسے نوکری کی پروا کہاں؟ میں تمہیں ہرگز رائے نہ دوں گا۔ سومرو صاحب تمہارا بے حد خیال کرتے ہیں۔ کہتے تھے آپ سمجھائیں جب تک میں یہاں ہوں اسے ایمبیسی کی ملازمت نہیں چھوڑنی چاہیے۔ میں ہر طرح اس کی مدد کے لیے ہمہ وقت حاضر ہوں۔ بھئی تمہارا جادو سومرو صاحب پر بھی چل گیا نا۔"

میرے غم ناک آنسو خود بخود رک گئے اور وہ مجھے ہنسانے کے لیے برابر کوشاں رہے۔ میری کئی دوستوں ثمینہ' ماجدہ' نجمہ سے ان کی بھی دوستی ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ کہتے۔ "یار تم اپنی سب سہیلیوں کی ٹولی سمیت آیا کرو۔ لنچ ہوٹ پوٹ میں کھایا کریں گے۔" پھر سوچ کر انہوں نے پوچھا "بی بی سی سے جو تم پروگرام کرتی ہو کیا اتنے پیسے تمہیں وہاں سے نہیں مل سکتے؟"

"نہیں مجھے نہیں مل سکتے۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"انشا بھائی مصیبت یہ ہے کہ پروڈیوسر صاحبان کی الٹی سیدھی باتیں میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"ارے نہیں بھئی تمہیں تو سب ہی جانتے ہیں اور تمہارا بہت خیال کرتے ہیں۔" وہ دھیمے دھیمے انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اجی آپ کو کیا معلوم؟ پروگرام اس کو زیادہ مل سکتے ہیں جو پروڈیوسروں کی بے وقوف بیویوں سے دوستی کر کے انہیں بھی خوش رکھ سکے۔ بیویاں اپنے شوہر پروڈیوسروں کو ٹیلی فون کر کے راہیں سجھاتی رہتی ہیں۔ اگر ان بی بی کو پروگرام پسند آجائے تو پروڈیوسر خوش' آپ بوگس اسکرپٹ کی تعریف کرتے جائیں تو وہ نہال نہال ہو جاتے ہیں؟"

"ارے بھئی وہ۔۔۔ پروڈیوسر تو بڑا بیبا ہے' وہ بھی تمہیں پروگرام نہیں دیتا؟"

"جی اس پروڈیوسر کی بیوی خاک اچھا نہیں لکھتی۔

یہی رائے میں نے اسے بتادی تھی۔ بس وہ دن اور آج کا دن وہ صاحب خفا ہو گئے۔"

"اوف فوہ' ارے بھئی تمہیں کس نے کہا کہ تم اپنی رائے دو' بھئی کمال ہے۔ اوں ہوں ہوں ہوں ہوں....." وہ ہلکے ہلکے ہنستے رہے۔ "کیا تم نے سچ کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ بادشاہو! ذرا تو عقل سے کام لو۔" پھر ان کی ہنسی جاری رہی۔

وہ جب سے لندن آئے تھے انہیں کہاں کی جلدی تھی' ایجنٹوں کے ٹیلی فون آرہے ہیں۔ گھر ڈھونڈا جارہا ہے اور موری بھی ان کے فون سے کئی جگہ فون کرکے پوچھتے رہتے تھے' مگر انشا بھائی گھبرائے گھبرائے نظر آتے تھے۔ آخر وہ دن آہی گیا جب گلوسٹر روڈ پر اسی پونڈ ہفتے پر گھر مل ہی گیا۔ اچانک اتنا اچھا فلیٹ لندن کے قلب میں مل جانا معجزہ تھا۔ اور انتظامات سب اللہ تعالیٰ کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم تھا کہ وہ جلد بازی اور تیاری کس لیے کررہے ہیں۔

ان کا فلیٹ بہت اچھا تھا..... نیچے دفتر بنایا گیا اور اوپر رہنے کے لیے پانچ کشادہ کمرے' فلیٹ کی گھنٹی بجاتے ہی شلوار قمیص پہنے موٹے شیشوں کی عینک لگائے انشا جی نمودار ہو جاتے تھے۔ آخر انہوں نے ہمت کرہی ڈالی۔ ان کے زردی مائل چہرے پر زردی اور پھیل گئی تھی۔ جس دن وہ آپریشن کے لیے ہسپتال میں داخل ہونے جارہے تھے۔ ان کی حالت غیر تھی۔ ان کے ہاتھ میں رومال تھا۔ لیکن ان کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک جاتے تھے۔ ان کے موٹے شیشے والی عینک کے پیچھے بڑی اداس آنکھیں تھیں۔ انہوں نے بڑی یاس سے مجھے دیکھا۔ ان کے ہونٹ کانپے۔ اوہوں ہوں' اوہوں ہوں' کسی قدر کھانستے ہوئے بولے۔

"اچھا بی بی سحاب خدا حافظ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔" میری سمجھ میں نہیں آیا آخر انہیں کس طرح تسلی دوں۔ "انشا بھائی گھبرائیے نہیں' اللہ مددگار ہے۔ آپ کو تو علم ہے ناسر خوش بھائی نے تو یہیں لندن میں اوپن ہارٹ سرجری کرائی تھی۔ اللہ نے انہیں زندگی عطا کردی۔ آپ بھی ان شاء اللہ جلد تندرست ہوجائیں گے۔ آپ تو واقعی بہت ہمت والے ہیں کیوں پریشان ہوتے ہیں۔" وہ کمرے میں جلدی سے چلے گئے اور میں سوچتی رہی کہ کتنا ہمدرد انسان ہے' جو دوسروں کے دکھوں پر بے قرار ہو جاتا ہے۔ ہمدرد اتنے کہ ہر ایک کی مدد کے لیے فوراً "تیار" مہمان نواز اتنے کہ عید کے دن جب ہم لوگ ان کے ہاں جمع ہوئے تو وہ خاطر کے لیے بچھے جاتے تھے۔ کشور ناہید کے میاں اور مصلح الدین' انشا بھائی کی فلم بنانے آئے تھے۔ ہائے اللہ' یہ کیا؟ کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ اتنی جلدی چلے جائیں گے' ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر' وہ گھر جہاں زندگی کے قہقہے اور دوستوں کی چیخ پکار سے مکان گونجتا تھا آج غم کدہ بن گیا تھا۔

آج گیارہ جنوری ہے۔ گلوسٹر روڈ پر سیدھے ہاتھ پر تین منزلہ فلیٹوں کی لمبی لمبی قطار دور تک چلی گئی ہے' ایک سفید دروازے کی سیڑھیوں کے پاس گھنٹی لگی ہے۔ اس کے نیچے پلاسٹک کے حرفوں کو جوڑ کر ایک نام لکھا ہوا ہے۔ انشاء لیکن آہ! انشا کہاں؟ جہاں بجتے ہیں' نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں۔

آج یہاں سوگوار جمع ہیں۔ بھابھی (بیگم انشا) نے جب مجھے دیکھا تو چیخ مار کر مجھ پر گریں۔ "سحاب تو نے بھی مجھے نہیں بتایا کہ یہ مجھے رومی اور سعدی کو اس طرح چھوڑ کر جانے والے ہیں۔" انشا کا گھر موجود ہے لیکن انشا کہاں چلے گئے۔ بھرا گھر آج کیسا اداس لگ رہا ہے' انہی کا قول کانوں میں گونج رہا ہے۔

انشا جی اٹھو اب کوچ کرو اس شہر میں دل کو لگانا کیا؟
شہر میں بے شمار راستے ہیں کیا پتا وہ کدھر نکل گیا

☼ ☼
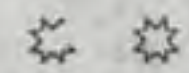
وقت گزرنے کا کب پتا چلتا ہے۔ ابھی 2012ء شروع ہوا تھا اور اب 2013ء بھی آگیا..... وقت کبھی ایسے تو نہ بھاگا تھا جیسے اب بھاگ رہا ہے۔ بچپن میں تو لگتا تھا کہ وقت گزر ہی نہیں رہا' سوچا کرتے تھے کہ کب بڑے ہوں گے اور جب بڑے ہوئے تو وقت رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا' کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا اور ماہ و سال اس سوچ بچار میں گزر گئے کہ کرنا کیا ہے اور جو کچھ کیا وہ بھی کچھ ایسا قابل فخر نہیں ہے کہ جس کا ذکر کیا جائے' سچ اب تو وقت کی اس دوڑ سے خوف آنے لگا ہے۔

خیر 2013ء آپ سب کو مبارک ہو۔ نیا سال ہو یا کوئی بھی موقعہ سروے کرنا سب سے مشکل ترین کام ہے۔ لیکن یہ مشکل کام ہم نے اپنے قارئین کے لیے آسان کردیا۔ امید ہے قارئین ہماری اس محنت کو پسند کریں گے

سوالات

1 نئے سال کو کس طرح خوش آمدید کہتے / کہتی ہیں۔
2 2012ء کیسا گزرا' کوئی انہونی ہوئی ہو آپ کے ساتھ تو بتایئے۔
3 2012ء میں کوئی ایسا کام کیا جس سے آپ کی روح کو تسکین ہوئی ہو۔
4 2013ء پاکستان میں الیکشن کا سال ہے۔ اس الیکشن سے آپ کی کیا امیدیں وابستہ ہیں۔

جنوری لوٹ آئی ہے

شاہین رشید

سوہائے علی ابرو..... (آرٹسٹ)

1 "بہت خوش دلی کے ساتھ..... اور اپنے دماغ میں ہمیشہ ایک پلان بناتی ہوں کہ اس سال میں ان چیزوں سے پرہیز کرنا ہے اور یہ کام زیادہ کرنا ہے' بہت کچھ سوچتی ہوں کہ یہ کرنا ہے وہ کرنا ہے۔"

2 "2012ء بہت اچھا گزرا..... کوئی انہونی تو نہیں ہوئی۔ بس اس فیلڈ میں آئی اور دو ہی سیریلز سے بہت کامیابی ملی اور بہت اچھا لگا۔ تو اس لحاظ سے 2012ء میرے لیے بہت لکی بھی ثابت ہوا۔"

3 (ہنستے ہوئے)..... "نہیں ایسا تو کوئی کام نہیں کیا۔"

4 "مجھے کچھ خاص امیدیں نہیں ہیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ کوئی بھی اپنے ملک کے لیے مخلص نہیں ہے۔"

صائمہ قریشی (فنکارہ)

1 "نئے سال کو بہت امیدوں کے ساتھ ویلکم کرتی ہوں۔ بہت دعاؤں کے ساتھ کہ یہ سال اچھا بلکہ بہت

ہمارے لیے بھی۔"

2 "2012ء بہت اچھا گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت پیارا بیٹا عطا کیا' اور انہونی بات یہ تھی کہ پورے سال میں نے ٹی وی کے لیے کوئی کام نہیں کیا کوئی سیریل نہ کوئی سنگل پلے۔"

3 "2012ء میں کسی کام نے روح کو تسکین دی تو سچ بتاؤں 2012ء میں نمازوں نے مجھے بہت تسکین، بہت سکون دیا' میری روح کو۔"

4 "الیکشن سے کوئی امید ہے نہ ہی آنے والوں سے ہم سب نیک بن گئے تو حکمران بھی نیک آئیں گے سنا ہوگا کہ جیسی قوم ویسے حکمران۔ اس لیے پہلے قوم کو ٹھیک ہونا پڑے گا۔"

علی گل پیر (گلوکار' سائیں)

1 "نئے سال کو کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ زندگی میں کچھ بھی مستقل نہیں ہوتا 2013ء میں آئی ایم ریڈی فور چیلنج۔ اللہ خیر کرے گا۔"

2 "2012ء میری زندگی کا بہت بڑا سال تھا میں کبھی بھی اسے نہیں بھلا سکوں گا۔ "وڈیرے کا بیٹا" بہت مقبول ہوا اور اس کی وجہ سے لوگوں سے بہت پیار اور بہت عزت ملی۔ 2012ء "وڈیرے کا بیٹا" اور

3 "بہت سے لوگوں کو تفریح مہیا کی اور ہنسایا بھی سونگ لائیو شوز اور ٹی وی پہ آکر لوگوں سے باتیں کیں اور جب میں دوسروں کو خوش دیکھتا ہوں۔ تو بہت خوشی اور روح کو تسکین ملتی ہے۔"

4 پاکستان کے لیے نیک خواہشات ہیں۔ جو بھی آئے کم سے کم وہ عوام کا خیال تو رکھے۔"

وجیہہ ثانی (نیوز کاسٹر)

1 "کچھ خاص نہیں گزشتہ سال تو آتش بازی کے خوب صورت نظارے دیکھ کر نئے سال کا استقبال کیا تھا اپنی فیملی کے ساتھ اور نئے سال کی آمد پر تجدید عہد وفا کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں کہ نیا سال ہم سب کے لیے اچھا ثابت ہو۔"

2 "2012ء بہت مصروف گزرا' بہت کچھ اچھا بھی ہوا' بہت کچھ برا بھی ہوا۔ انہونی تو کچھ نہیں ہوئی اچھا یہ ہوا کہ والدین نے حج کی سعادت حاصل کی اور میں نے اپنے بیٹے کی پہلی سالگرہ منائی برا یہ ہوا کہ میرے دادا جی کا انتقال ہوا۔"

3 "2012ء میں چھوٹے چھوٹے اچھے کام کیے۔ مگر نا قابل فراموش یا روح کو تسکین والا کوئی کام نہیں کیا۔"

4 "2013ء بے شک الیکشن کا سال ہے۔ لوگوں

تو بہت سی امیدیں ہوں گی' لیکن سچ بتاؤں مجھے کچھ خاص امیدیں نہیں ہیں اس الیکشن سے شاید کچھ بھی نہ بدلے اور شاید بہت کچھ بدل جائے۔۔۔۔ مگر لگتا نہیں ہے میں اگرچہ مایوس نہیں ہوتا لیکن اثرات تو یہی دکھائی دیتے ہیں کہ وہی مہنگائی بھی ہوگی۔ بے ایمانی بھی ہوگی سی این جی کے لیے لمبی لمبی قطاریں بھی ہوں گی' بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ بھی ہوگی اور لوگ بنیادی سہولتوں سے محروم ہی رہیں گے۔"

عیشا نور (آرٹسٹ)

1 "اچھی امیدوں کے ساتھ' بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اور خوشی کے ساتھ نئے سال کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

2 "2012ء اچھا گزرا' کوئی انہونی تو نہیں ہوئی البتہ 2012ء نے مجھے بہت کچھ سکھایا اور میرے تجربات میں اضافہ کیا اور شاید مجھے ہر سچویشن کو صبر و تحمل اور محبت کے ساتھ فیس کرنے کا ہنر بھی سکھایا۔ تو یوں سمجھیں کہ اس سال مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا۔"

3 "جی کام تو بہت سارے کیے ہیں اور میرے لیے سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ میرے دوست احباب اور میری فیملی کے لوگ مجھ سے خوش رہیں اور میری ذات سے ان کو کوئی تکلیف نہ ہو' کیا یہ سب کچھ روح کو تسکین دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔۔۔۔ اگر گھر میں آپ سے سب خوش ہیں تو اس سے زیادہ اچھی بات ہی کوئی نہیں ہے۔"

4 "بس اللہ تعالیٰ آنے والے ہر سال میں پاکستان اور تمام مسلمانوں کے لیے ترقی خوشیاں اور امن و امان لے کر آئے۔ پاکستان میں الیکشن ہوں تو کوئی ایسا بندہ ضرور آئے جو ہمارے ملک کے لیے مخلص ہو۔"

عمران رضا (آرٹسٹ)

1 "میں نئے سال کی آمد پر کوئی پارٹی ارینج نہیں کرتا بلکہ اپنے گھر والوں اور اپنی ماں کے ساتھ ان کی دعائیں

لے کر نئے سال کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہم پر اپنا کرم کرے' آنے والی ہر مصیبت اور پریشانی سے ہمیں بچائے رکھے۔"

2 "2012ء بہت کرب اور تکلیف میں گزرا' بہت سے گھروں سے جنازے اٹھے' بہت سے ناگہانی حادثات دیکھے اور لوگوں کو مشکلات میں اور تکلیف میں دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ کیا یہ انہونی کم ہے کہ ایک اسلامی ملک میں امن و سکون نہیں ہے۔"

3 "روح کو تسکین ڈراموں میں کام کرنے سے' اچھا رول کرنے سے اور ہٹ ہو جانے سے نہیں ملتی' بلکہ روح کو تسکین ذکر الٰہی سے ہوتی ہے' اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے ہوتی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ میں نے پورے سال میں کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے اللہ راضی ہوا۔ بس دعا گو ہوں کہ اگر کچھ اچھا ہوا ہے تو اللہ قبول کرے تاکہ میری روح کی تسکین ہو سکے۔"

4 "جی سنا تو یہی ہے کہ 2013ء الیکشن کا سال ہے۔ بس لوگوں سے یہی گزارش ہے کہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں تاکہ اپنے پیارے وطن پاکستان کا بھلا ہو سکے۔ پاکستان زندہ باد۔"

سید حسن علی رضوی

(مینیجر شوبز ہنگامہ + طالب علم ایم بی اے + بلیک بیلٹ فائٹر)

1 "جانے والے سال کو الوداع کر کے اور نیک دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ نئے سال کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

2 "2012ء سب کا ہی بہت غمزدہ گزرا۔ ایک کزن اور ایک یونیورسٹی کے دوست' کلاس فیلو کا انتقال ہوا اور میں ایک کار حادثے میں معجزاتی طور پر محفوظ رہا اللہ نے بڑا کرم کر دیا۔"

3 "2012ء میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ایک فیملی کی جان بچائی۔"

4 "بے شک 2013ء الیکشن کا سال ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ الیکشن کے بجائے پاک آرمی کو ملک کا کنٹرول سنبھال لینا چاہیے اور ملک کا نظام چلانا چاہیے۔ کیونکہ صرف پاک آرمی اس ملک کو بحران سے نکال سکتی ہے ورنہ پاکستان اور عوام کا اللہ ہی مالک ہے۔"

عمران اسلم' (آرٹسٹ)

1 "خوشی اور اس امید کے ساتھ کہ آنے والا کل اور آنے والا سال ہمارے لیے اچھا ثابت ہو۔ نئے

سال کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

2 "2012ء اچھا گزرا۔ مگر کوئی انہونی نہیں ہوئی۔"

3 "صرف فرسٹریٹ ہی ہوا ہوں' ملک و قوم کے حالات دیکھ کر۔ کوئی سکون نہیں ہے۔"

4 "ایک چور کے بعد دوسرے چور کی باری ہے۔"

افراز علی نازش

(آر جے FM-100 لاہور)

1 "جب سے موبائل پہ ایس ایم ایس کا ٹرینڈ چلا ہے تب سے اب کوئی نئے سال منانے کا انتظار نہیں کرتا میں اس دن دوستوں کو ایک اچھی دعا ایس ایم ایس کر کے نئے سال کی مبارک باد دیتا ہوں۔ لیکن میرے ریڈیو کے فینز مجھے کال کر کے مبارک باد دیتے ہیں۔"

2 "2012ء میں میری زندگی کی ایک انہونی ناقابل فراموش ہے جسے آج بھی یاد کر کے لوگوں کی عجیب سوچ پر افسوس ہوتا ہے۔ ہوا یہ کہ کرن ڈائجسٹ میں میرا انٹرویو شائع ہوا کچھ فیملیز نے ٹیلی فونک شادی کے لیے رابطہ کیا' ایک فیملی نے لاہور آ کے

ملاقات کی اور ہمیں پسند کیا۔ اس فیملی نے شادی کے لیے فائنل کیا اور جب ہم دوستوں کے ساتھ حیدر آباد گئے تو وہ وہاں سے شفٹ ہو چکے تھے۔ فون پر رابطہ کیا ان سے پوچھا آپ کہاں شفٹ ہو گئے ہیں آپ نے بتایا بھی نہیں تو انہوں نے ہنستے ہوئے کہا ہم تو مذاق کر رہے تھے اور پوری فیملی نے ہنس ہنس کر ہمیں نہ جانے کیا کیا کہا۔۔۔۔ بتائیے ہے نا یہ انہونی۔"

3 "اس اچھے کام کے بارے میں بتا دیا تو روح کی تسکین ختم ہو جائے۔ نیکی کرنے میں روحانی سکون ملتا ہے۔ یہی سچ ہے۔"

4 "2013ء میں الیکشن ہو بھی گئے تو حالات کچھ سازگار نہیں رہیں گے۔ عمران خان کو روایتی سیاست دان سیاست میں آنے نہیں دیں گے۔ اگر عمران خان جیت گیا تو پاکستان کے حالات بالکل ٹھیک ہو جائیں گے' ان شاء اللہ۔ اللہ سے ہمیشہ اچھے کی ہی امید رکھنی چاہیے۔"

کنور نفیس' (آرٹسٹ)

1 "دعاؤں کے ساتھ' اچھی امید کے ساتھ اور مثبت انداز میں نئے سال کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

2 "2012ء اچھا بھی گزرا اور برا بھی' زیادہ تر اچھا ہی گزرا اور کوئی انہونی نہیں ہوئی کہ جس کا ذکر کیا جائے۔"

3 "ہاں 2012ء میں عمرہ کی سعادت حاصل کی اور عمرہ کی سعادت حاصل کر کے روح کو تسکین ملی۔"

4 "بس کوئی عمران خان جیسا آ جائے۔"

ارشد ملک (شاعر)

1 "اس سلسلے میں تو اپنی ایک نظم کو ہی جواب کہوں گا

آنکھوں کی دہلیز پہ ارشد
گئے برس کے خواب
ابھی تک یوں ہی پڑے ہیں
نئے برس میں خواب کیا دیکھیں۔"

2 "شکر ہے مالک کا کہ اس نے مجھے اپنی حفظ و امان میں رکھا بہرحال اس ملک میں تو کوئی انہونی بھی انہونی نہیں لگتی وہ کسی کا شعر ہے نا۔"

اتنے یکساں ہیں میرے ملک کے سارے حالات

صرف تاریخ سے اخبار بدل جاتا ہے

3 "2012ء سے میرا ایک روحانی تجربہ وابستہ ہے۔ مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی جو یکسر مختلف پہلو ہے، میری زندگی کا۔"

عاصیوں کو تلاش کرتی ہے
رحمتوں کی ردا کا کیا کہنا!

4 "الیکشن سے امید تو اچھی لگانی چاہیے۔ مگر ہونا کیا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔۔۔۔ جب تک لوگ پوری ذمہ داری اور شعور کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اچھے لوگ سامنے نہیں آسکتے۔"

امجد بخاری (رائٹر۔شاعر)

1 نئی صبحیں نئی شامیں، نئے لمحے، نئے ساتھی
مگر اک میں۔۔۔۔
کہ جو ویسے کا ویسا ہوں!
فراتِ وقت پہ بکھرے
گزشتہ سال کی ساری
ادھوری خواہشوں کے
ان گنت ٹکڑوں کو چنتا ہوں!
انہیں اک ایک کرکے جوڑتا ہوں!
شکل دیتا ہوں!
میں پھر اک خواب بنتا ہوں!!!

2 "بس جی کیا بتائیں۔۔۔۔ جیسے تیسے گزر ہی گیا۔۔۔۔ اور انہونی پر یاد آیا کہ مجھے ملک کی ایک مضبوط سیاسی پارٹی کی جانب سے ٹکٹ کی آفر کی گئی لیکن انہونی یہ نہیں ہے۔ انہونی یہ ہے کہ میں نے انکار کر دیا۔ (مجھے اور بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں)"

3 "جی ہاں! گزشتہ ہفتے سی این جی اسٹیشن پر ڈیڑھ گھنٹے کے طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد آخر کار جب

گاڑی کی ٹنکی فل کروانے میں کامیابی ہوگئی تو روح کو بے تحاشا تسکین حاصل ہوئی۔۔۔۔"

4 (ہنستے ہوئے) "آج تک کسی بھی الیکشن سے وابستہ کوئی امید کبھی پوری ہوئی جو اب ہوگی؟"
"ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔"

کنور ارسلان، (آرٹسٹ)

1 "نئے سال کو نئی پلاننگ کے ساتھ خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جو غلطیاں گزشتہ سال ہوئی ہیں وہ دوبارہ نہ ہوں۔"

2 "2012ء ماشاء اللہ بہت اچھا گزرا اور آخر

کے دو ماہ میں میری زندگی میں، بہت چینج آیا اور سب سے بڑا اور اچھا چینج تو یہ آیا کہ میری شادی ہوئی۔ کیا یہ ایک نئی بات نہیں ہے۔"

3 "کوشش کرتا ہوں کہ سال میں نہیں بلکہ دن میں کوئی ایک ایسا کام ضرور کروں جس سے روح کو تسکین بھی ملے اور نیند بھی اچھی آئے۔"

4 "سب سے پہلے تو یہ دعا ہے کہ الیکشن اچھے ماحول میں ہو جائے اور ابھی بھی امید ہے کہ کوئی اچھی تبدیلی ضرور آئے گی اور جو بھی آئے گا وہ پاکستانی عوام کے لیے بہتر مستقبل کی خوشخبری لے کر آئے گا۔ جبکہ کبھی کبھی یہ سوچ صرف سوچ ہی لگتی ہے۔ بہرحال امید پہ دنیا قائم ہے۔"

فہد مصطفیٰ
(آرٹسٹ+اینکر مارننگ شو)

1 "اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے زندگی کی ایک اور بہار عطا کی، نئے عہد کے ساتھ نئی امید کے ساتھ نئے سال کی ابتدا کرتا ہوں۔"

2 "بہت اچھا رہا، جو میرے نصیب میں تھا رب نے دیا۔ جو نہیں ملا اس پر افسوس نہیں، اس میں بھی اللہ کی بہتری ہوگی اور کوئی انہونی تو نہیں ہوئی، سب کچھ نارمل رہا۔"

3 "اس سال یا گزرے ہر سال میں میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی کے ساتھ کچھ برا نہ کروں، سب سے اچھے انداز میں ملوں، اچھی طرح بات کروں۔ یہی روح کی تسکین کے لیے کافی ہے۔"

4 "خود کو صحیح کرلیں۔ اللہ پر امید رکھیں، سب اچھا ہے حکومت بھی، حالات بھی۔"

سید ہمایوں احمد (طالب علم+گلوکار)

1 "نئے سال کو اچھی امید اور نماز پڑھ کر خوش آمدید کہتا ہوں۔ ناچ کر اور گا کر نہیں کرتا جیسا کہ عموماً لوگ کرتے ہیں۔"

2 "2012ء بہت برا گزرا، بلکہ زندگی کا سب سے برا سال گزرا، انہونی بات یہ ہوئی کہ میرے بہت ہی اچھے اور قریبی دوستوں میں لڑائی ہوگئی۔"

3 "روح کی تسکین والا کام تو کیا مگر اس کو بتانے کا کیا فائدہ۔ بس ایک غریب انسان کی مدد کی تھی۔ اور

ایسے ہی کام روح کو سکون بھی دیتے ہیں۔"

4 "جی ہاں۔ 2013ء الیکشن کا سال ہے اور اس سال اللہ سے بہت امید ہے کہ شاید اس دفعہ کسی اچھے حکمران کو کسی اچھے انسان کو ہمارا حکمران بنا دے۔ ویسے دل تو یہ کہتا ہے کہ اس سال الیکشن نہیں ہوں گے۔"

حرا رشید
(طالبہ بی بی اے۔ بحریہ یونیورسٹی)

1 "نئے سال کا آغاز آتش بازی کے خوب صورت نظاروں کو دیکھ کر کرتی ہوں اور آتش بازی ہی خوب صورت طریقہ ہے نئے سال کو خوش آمدید کہنے کا۔ مگر نہ جانے لوگ فائرنگ کرکے خوف و ہراس کیوں پھیلاتے ہیں۔"

2 "2012ء ویسے تو اچھا گزرا۔ لیکن 5 نومبر 2012ء کو ایک ایسی انہونی ہوئی کہ شاید میں اسے اپنی زندگی سے کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ میری پھوپھو کو لمبی عمر دے۔ 5 نومبر کو جنریٹر میں پیٹرول ڈالتے وقت جنریٹر میں آگ لگ گئی اور پھوپھو کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بری طرح جل گئے۔ شکر الحمدللہ کہ اب وہ صحت یاب ہیں۔ مگر انہوں نے جو تکلیف اٹھائی اس کو سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔"

3 "2013ء میں میں انگلینڈ گئی اور خوب مزے کیے اور گزرے وقت کو یاد کرکے مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور روح کو تسکین بھی ملتی ہے کہ میری ایک دیرینہ خواہش پوری ہوگئی انگلینڈ جانے اور گھومنے پھرنے کی اور اگر آپ کا مطلب روح کی تسکین کا کچھ اور ہے تو ایسی باتیں بتانے والی کہاں ہوتی ہیں بس اللہ توفیق دیئے رکھے۔"

4 "جی 2013ء الیکشن کا سال ہے اور میں پہلی مرتبہ ووٹ کا حق استعمال کروں گی اور میں تو "عمو" کو ووٹ دوں گی، کیونکہ "عمو" (عمران خان) سے مجھے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور اگر ہمارے حلقے سے عمران خان کا کوئی امیدوار کھڑا نہ ہوا تو پھر یقیناً "نون لیگ کو ووٹ دوں گی۔"

ام فروا، (سیلز منیجر این آئی بی بینک)

1 "دعاؤں کے ساتھ کرتی ہوں اور دعاؤں کے ساتھ ہی کرنا بھی چاہیے۔ نئے سال کو ہمیشہ یہ سوچ کر خوش آمدید کہتی ہوں کہ آنے والا یہ سال میرے اور میری فیملی کے لیے کچھ نئی تبدیلی لائے اور گزشتہ چند سالوں سے ملک کے جو حالات ہیں تو اپنے ملک کے لیے بھی یہی خواہش اور دعا ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں بھی امن و خوش حالی ہو۔"

2 "2012ء میرے لیے بہت زیادہ تو نہیں لیکن کافی اچھا رہا اور کئی ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات ہوئے کہ جن کو یاد کرکے اور سوچ کر دل کو خوشی محسوس ہوتی ہے اور انہونی تو 2012ء کے شروع میں ہی ہوگئی اور اس انہونی کو یاد کروں تو مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ ایسا ہوا تھا معروف آرٹسٹ ذوالفقار شیخ اور تسمینہ شیخ جو میرے پسندیدہ ترین فنکار ہیں ان سے اچانک ملاقات ہوگئی اور میری زندگی کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔ میرے لیے یہ ایک بہت بڑی انہونی ہے۔"

3 "2012ء میں ایسا کوئی خاص کام تو نہیں کیا نہ کرسکی، البتہ اپنی فیملی کے لیے جتنا بھی ممکن ہوا جتنی بھی کوشش کرسکی کی اور اس بات کو سوچ کر روح کو تسکین اور سکون ملتا ہے کہ ایک لڑکی، ایک بیٹی ہوکر اپنے گھر والوں کے کام آئی، اللہ نے مجھے اس قابل تو بنایا کہ میں اپنی فیملی کے لیے کچھ کرسکوں۔ میرے لیے یہی تسکین کا باعث ہے۔"

4 "امیدیں تو بہت اچھی ہیں اور ہمیشہ اچھی امیدیں ہی رکھنی چاہئیں۔ مجھے اپنے وطن سے بہت پیار ہے اور ملک کے حالات دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کاش میں اپنے پیارے وطن کے لیے کچھ کرسکوں اللہ تعالیٰ پاکستان کو ایماندار لیڈر عطا فرمائے اور 2013ء کے الیکشن خیر و عافیت کے ساتھ ہوجائیں اور آنے والے پاکستان کے لیے کچھ تو اچھا کرسکیں۔ امیدیں تو ہیں مگر پوری تو ہوں۔"

محسن عباس حیدر
(ایف ایم 107 آر جے)

1 "بس خدا سلامت رکھے ان احباب کو جن کے پیغامات ہر سال نئے سال کی خبر دیتے ہیں انہی کی دعاؤں اور محبت کے سائے میں خود سے عہد و پیمان کرتے ہوئے نئے سال کا آغاز کرتا ہوں۔"

2 "2012ء بہت سبق آموز اور پروفیشنلی طور پر فیصلہ کن رہا۔ کوئی انہونی نہیں ہوئی۔"

3 "یادداشت ساتھ نہیں دے رہی۔ مگر خود سے اتنا بھی ناامید نہیں۔ کوئی ایک اچھا کام تو کیا ہی ہوگا۔"

4 "امیدیں اور خواہشات دونوں ہی پاکستان کے اچھے اور بہترین مستقبل کی ہیں۔ بس ووٹ ہمدردی اور زبردستی کی بجائے سمجھ داری سے دیے جائیں۔ تاکہ ملک کا بھلا ہو۔"

مہناز زبیر۔ ہاؤس وائف

1۔ دعاؤں کے ساتھ سال نو کا استقبال کرتی ہوں۔ اور اپنے بھائی، دوست احباب سسرالی رشتے داروں سب کو خاص طور پر فون کرکے سال نو کی مبارک باد دیتی ہوں۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے ——— 2011ء میں ہمارے بیٹے روحان کی پیدائش کی صورت میں ——— ہماری فیملی مکمل کردی حبا زبیر اور روحان زبیر کے ساتھ 2012ء میں ہم نے روحان کی پہلی سالگرہ منائی اس لمحے میں نے اپنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کا صدق دل سے شکر ادا کیا۔ مجموعی طور پر 2012ء بہت اچھا گزرا۔ انہونی البتہ کوئی نہیں ہوئی۔

3۔ دن میں چھوٹے چھوٹے کئی ایسے کام کرتی ہوں جس سے روح کو تسکین ملتی ہے۔ اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ چھوٹے چھوٹے کام ہی بڑے کاموں کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔

4۔ امیدیں ہر الیکشن سے ہوتی ہیں۔ الیکشن تو ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر برسر اقتدار آنے والے اپنا کام ذمہ داری سے نہیں کرتے۔ بتائیں کس سے کیا امید رکھیں۔

☼ ☼
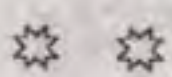
سوہائے علی ابرو سے ملاقات

شاہین رشید

کچھ عرصہ قبل ایک ڈرامہ سیریل "سنجھا" آن ایئر ہوا تھا اور اس کا مرکزی کردار جس فنکارہ نے کیا تھا ان کا نام "سوہائی ابرو" تھا اور آج کل ایک ڈرامہ سیریل "سات پردوں میں" بہت مقبول ہو رہا ہے وہ مرکزی کردار جو فنکارہ کر رہی ہیں ان کا نام بھی "سوہائی علی ابرو" ہے۔ نام کی مماثلت کے ساتھ ساتھ کام کی مماثلت بھی دیکھیں کہ دونوں کو اداکاری کا شوق ہے اور ڈانس کا بھی اور دونوں ہی سندھی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔

خیر یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اب اس فیلڈ میں نئی اور پڑھی لکھی لڑکیاں کثرت سے آرہی ہیں۔

"سات پردوں میں" سوہائی کا کام بہت عمدہ ہے اور اگرچہ یہ ان کا دوسرا سیریل ہے لیکن لوگ انہیں پہچاننے لگے ہیں اور پہچان ہی آرٹسٹ کی کامیابی ہے۔

★ "کیسی ہیں سوہائے؟"

✳ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "ایک اور آرٹسٹ بھی ہیں جن کا نام سوہائی ابرو ہے۔ اور آپ کا بھی کبھی مسئلہ ہوا؟"

✳ "میں ایک وضاحت کردوں کہ میرا نام سوہائے علی ابرو ہے جبکہ ان کا نام سوہائی ہے تو میرے تلفظ اور ان کے تلفظ میں فرق ہے اور کبھی کبھار مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن اب جیسے جیسے میرا کام سامنے آتا جارہا ہے لوگ مجھے میرے حوالے سے پہچاننے لگے ہیں لیکن ہم دونوں دیکھنے میں بہت مختلف ہیں۔ ہاں ہمارا کام ایک جیسا ہے آپ میرا نام سوہائے لکھیے گا۔"

★ "آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

✳ "آج کل ایک سیریل جو انڈر پروڈکشن ہے کر رہی ہوں اور یہ امید ہے کہ دسمبر کے آخر تک آن ایئر ہو جائے گا۔ ایک لائن اپ میں ہے اور ڈرامہ سیریز "کتنی گرہیں باقی ہیں" میں ایک کھیل کر رہی ہوں یوں سمجھیں کہ تین چار سیریلز انڈر پروڈکشن ہیں۔"

★ "آپ انجوائے کر رہی ہیں اور لوگ پہچان بھی لیتے ہوں گے کیونکہ یاسر نواز کا سیریل ہو اور کوئی نہ پہچانے یہ ممکن نہیں ہے؟"

✳ "بہت انجوائے کر رہی ہیں۔ بہت مزا آرہا ہے اور آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ یاسر نواز کے ڈرامے بہت مقبول ہوتے ہیں اور سچی بات ہے کہ میں کہیں بھی جاتی ہوں، خاص طور پر شاپنگ سینٹرز میں تو لوگ مجھے آسانی سے پہچان لیتے ہیں اور اس وقت بہت اچھا محسوس ہوتا ہے۔"

★ "سوچا تھا کہ اتنی جلدی اتنی شہرت مل جائے گی؟"

✳ "ایسا نہیں سوچا تھا اور جب میں "سات پردوں میں" کر رہی تھی تو مجھے آئیڈیا نہیں تھا کہ لوگ اتنی جلدی مجھے پہچان لیں گے۔ بلکہ مجھے تو یہ سمجھایا جاتا تھا کہ ابھی تو شروعات ہیں اور تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے اس فیلڈ کا، مجھے تو اس سیریل کے دوران بہت مزا آیا تھا۔ جب کہ میرا پہلا سیریل "من جلی" تھا۔ اگرچہ اس میں میرا مختصر رول تھا لیکن اچھا اور مضبوط تھا اس لیے مجھے اس کردار سے بھی کافی مقبولیت ملی ہے۔"

★ "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

✳ "جی نام کے بارے میں تو میں نے آپ کو بتا ہی دیا ہے میرے نام کا مطلب "چاند کی روشنی ہے" میرا نام میرے والد نے رکھا ہے میرے والد کا تعلق سندھ سے ہے اور میری والدہ کا تعلق پنجاب سے ہے میں 13 مئی 1993ء کو کراچی میں پیدا ہوئی اور میرا ستارہ ٹورس ہے اور میری ہائیٹ 5 فٹ اور ساڑھے

تین انچ ہے۔ والدین حیات نہیں ہیں اور بیچلرز کر رہی ہوں کام بھی کر رہی ہوں اور تعلیم بھی حاصل کر رہی ہوں میرے بہن بھائی میں ایک بھائی اور ایک بہن ہے۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔"

★ "آرٹ میں بیچلرز کر رہی ہیں۔ ہم نے سنا تھا کہ آپ کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا؟"

✳ "نہیں نہیں ..... میں کبھی بھی ڈاکٹر بننا نہیں چاہتی تھی۔ اگرچہ میرے والدین ڈاکٹر تھے مگر وہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ میں ڈاکٹر بنوں میرے ابا تو چاہتے تھے کہ میں لائر بنوں اور جو کہ میں بنوں گی مجھے تو بچپن سے ہی اداکاری کا شوق رہا ہے۔ ڈانس، فلم، ٹی وی یہ سب میرے شوق ہیں اور گھر والوں نے کبھی بھی مرضی سے چلانے کی کوشش نہیں کی میں بہت چھوٹی سی تھی تب سے میں نے ڈانس کی ٹریننگ لی اور میرے ابا بہت سپورٹنگ تھے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔"

★ "گو کہ آپ ابھی صرف انیس سال کی ہیں پھر بھی اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کچھ سوچا؟"

✳ "کوئی بہت جلدی ارادے نہیں ہیں میرے شادی کرنے کے اگر آئندہ زندگی سے آپ کی مراد یہ ہے۔ مجھے اس بات کا ایشو نہیں ہے کہ اس عمر میں کرنی

ہے یا کس عمر میں کرنی ہے جب صحیح وقت پر صحیح بندہ مل گیا تو کرلوں گی۔"

★ "شوبز میں آمد کیسے ہوئی؟"

✻ "اصل میں، میں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز تھیٹر سے کیا۔ اس دوران مجھے سیریل "من جلی" میں جسے خلیل الرحمٰن قمر نے لکھا تھا کام کی آفر آگئی تو میں نے ہامی بھرلی اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ رول چھوٹا تھا مگر چھوٹا ہونے کے باوجود کردار بھی اسٹرانگ تھا اور اسکرپٹ بھی اور اس کے دوران سات پردوں میں کام کرنے کی پیشکش ہوگئی اور یہ دونوں سیریلز ایسے ہیں کہ میں انہیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ کیونکہ ان کی ہی وجہ سے مجھے شہرت ملی۔"

★ "شوبز میں آنے کے بعد شہرت اور اپنی کمائی کا مزا ہی کچھ اور ہوگا۔ ایسا ہے یا نہیں؟"

✻ "ایسا ہے اور بالکل ہے۔ مگر شوبز میں آنے کے بعد میں نے کمائی نہیں شروع کی، بلکہ کمائی کا عمل تو چھوٹی عمر سے ہی شروع ہو گیا تھا جب میں چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھایا کرتی تھی اور پھر کالج کی تعلیم میں نے اپنی کمائی سے حاصل کی، پھر میڈیا میں آگئی میں نے تھیٹر بھی کیا اور اب ڈرامے بھی کررہی ہوں اور مجھے یاد ہے کہ جب مجھے اپنی کمائی کے پندرہ ہزار ملے تھے تو میں نے کچھ بل پے کیے تھے اور باقی کے پیسوں سے میں نے موبائل خرید لیا تھا اور شاید کچھ کتابیں لی تھیں۔"

★ "اچھا۔۔۔ پڑھنے کا شوق ہے مطلب مطالعہ کا شوق ہے؟"

✻ "جی بہت شوق ہے اور میرا خیال ہے کہ مطالعہ بہت ضروری ہے اور میں تو ناولز بھی پڑھتی ہوں اور میرا یہ خیال ہے کہ مطالعہ سے انسان گھر بیٹھے بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ لوگوں سے بہتر ہے کہ آپ کتاب کو اپنا دوست بنالیں۔"

★ "شوٹ کے لیے کبھی ملک سے باہر جانے کا اتفاق ہوا؟"

✻ "جی بالکل ہوا، ایک ڈراما سیریل کے لیے بنکاک جانے کا اتفاق ہوا ہے تھائی لینڈ بھی گئی باہر جاکر بہت اچھا لگا۔ ہم سب نے بہت انجوائے کیا اور وہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں۔ بہت خوش اخلاق ہیں۔"

★ "آپ نے دو سیریلز کیے اور دونوں میں ہی معروف فنکاروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔۔۔ کیسا رہا یہ تجربہ؟"

✻ "میں نئی ہوں، مجھے اس کا احساس تھا لیکن جن کے ساتھ میں کام کررہی تھی انہوں نے مجھے بالکل بھی احساس نہیں ہونے دیا کہ میں نئی اداکارہ ہوں سب نے مجھے اتنا اعتماد دیا کہ ایک وقت میں مجھے خود بھی احساس ہونے لگا کہ جیسے میں بہت پہلے سے کام کر رہی ہوں۔"

★ "گڈ۔۔۔ سنا تھا کہ لوگ نئے آنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔۔۔ خیر آپ کو کس قسم کے لوگ برے لگتے ہیں؟"

✻ "نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں جن کے ساتھ میں نے کام کیا، ہاں مجھے وہ لوگ برے لگتے ہیں جن کے دو چہرے ہوتے ہیں آپ کے سامنے کچھ اور دوسروں کے سامنے کچھ۔ میں سمجھتی ہوں کہ جو آپ کے دل میں ہو وہی آپ کے منہ پر بھی ہونا چاہیے۔ مجھے منافق لوگوں سے بہت نفرت ہے۔"

★ "ڈراموں کے کردار فنکار کی شخصیت کے کتنے قریب ہوتے ہیں؟ یا لوگوں کے کتنے قریب ہوتے ہیں؟"

✻ "کبھی کبھی کافی قریب ہوتے ہیں۔ کبھی نہیں بھی ہوتے ہر کردار میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ہوتی ہے جو خود فنکار سے لوگوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔"

★ "آپ کے کام پر تنقید ہوئی؟"

✻ "تنقید تو ایسی کوئی نہیں ہوئی کہ جس پر غور کیا جاسکے، البتہ دوست اور گھر والے کام کے سلسلے میں اچھے اچھے مشورے ضرور دیتے ہیں۔ جن کو میں بہت غور سے سنتی ہوں اور اپنی گرہ سے باندھ لیتی ہوں۔"

★ "جذباتی تو نہیں ہوجاتیں؟"

✻ "تنقید کے معاملے میں جذباتی نہیں ہوں، لیکن ویسے بہت جذباتی ہوں اور لڑکیاں، خواتین ویسے ہی بہت جذباتی ہوتی ہیں مگر میں ذرا زیادہ ہی ہوں اور بہت موڈی بھی ہوں۔ کبھی بہت بڑی بڑی باتوں کا بھی نوٹس نہیں لیتی اور کبھی کبھی چھوٹی سی بات بھی جذباتی کردیتی ہے اور موڈ بھی خراب کردیتی ہے۔"

★ "غلطی کا اعتراف کرلیتی ہیں؟"

✻ "بالکل جی۔ اگر میری غلطی ہوتی ہے تو میں ضرور ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتی ہوں اور میرا خیال ہے کہ اس سے انسان کی عزت کم نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔"

★ "آپ بتا رہی ہیں کہ ملک سے باہر شوٹ کے لیے گئیں بہت سی اچھی چیزیں دیکھیں تو باہر جاکر پاکستان کے بارے میں خیال آتا ہے کہ ہمارے ملک میں یہ سب کچھ کیوں نہیں ہے؟"

✻ "بے شک بہت سی چیزیں ہمارے ملک میں نہیں ہیں۔ لیکن ایک بات میں سب سے کہتی ہوں کہ ہمیں باہر جانے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ جو عزت اور جو آزادی اور جو مقام ہمارا، ہمارے ملک میں ہوتا ہے وہ کہیں نہیں ہوتا باہر والے ہمیں ایک الگ نظر سے دیکھتے ہیں۔ پاکستانی ہونا ان کے لیے پتا نہیں کیا چیز ہوتی ہے تو جو آرام و آسائش اور عزت اپنے ملک میں ہے کہیں اور نہیں ہے۔"

★ "شہرت کے حساب سے اپنے آپ کو دوسروں سے کتنا مختلف سمجھتی ہیں؟"

✻ "میں اپنی زندگی میں شہرت کو تولاتی ہی نہیں ہوں لیکن میں یہ ضرور محسوس کرتی ہوں کہ میری زندگی دوسرے لوگوں سے کچھ مختلف ضرور ہے۔ **مثلاً** جب میں کافی چھوٹی تھی تو میرے والدین کا انتقال ہوگیا تھا تو میں خود بہت چھوٹی سی عمر سے کام کررہی ہوں، کما رہی ہوں تو میری زندگی اتنی آسان نہیں ہے جتنی لوگوں کو نظر آتی ہے۔"

★ "فضول خرچ ہیں؟"

✻ "کہہ سکتی ہوں۔ لڑکی ہونے کی وجہ سے کپڑوں کا **بیگز** کا بہت شوق ہے۔ شاپنگ کا بہت شوق ہے۔ جوتے بھی بہت خریدتی ہوں۔"

★ "اداکاری کا شوق ہے تو کردار کون سے پسند ہیں؟"

✻ "میں ایک پاگل لڑکی کا کردار کرنا چاہتی ہوں۔ جو بالکل ہی پاگل نہ ہو تھوڑی سی عقل مند بھی ہو ویسے میری خواہش یہ ہے کہ میں ہمیشہ لیڈنگ اور پاور فل رول کروں اور ہر طرح کے رول کروں گی اپنے اوپر کسی رول کی چھاپ نہیں لگاؤں گی۔"

★ "کس ڈائریکٹر پروڈیوسر کو اپنے کام کے لیے ترجیح دیں گی؟"

✻ "اس کے لیے کچھ نہیں سوچا۔ آج کل بہت اچھے ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز ہیں جو کہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ بس میری تو خواہش ہوگی کہ جو میرا کردار ہو وہ اچھا اور پاور فل ہو اور میرے لیے تھوڑا **چیلنجنگ** بھی ہو۔"

★ "شوبز کا ماحول کیسا ہے؟"

✻ "دیکھیں جی ہر فیلڈ میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ ماحول انسان خود بناتا ہے۔ میرے والدین ڈاکٹر تھے اور تعلیمی ماحول تھا ہمارا تو میرے چچا چاہتے تھے کہ میں تدریس کے شعبے میں جاؤں، لیکن میرا شوق اس فیلڈ میں آنے کا تھا تو میں یہ سوچ کر آئی تھی کہ جیسا بھی ماحول ہوگا میں اپنے آپ کو ٹھیک رکھوں گی۔ مگر

یہاں آکر مجھے سب لوگ اچھے ملے چنانچہ جو ایک تصور تھا وہ غلط ثابت ہوگیا۔"

★ "غصہ آتا ہے؟"

* "بالکل آتا ہے مگر کم آتا ہے اور برا آتا ہے جلدی اتر بھی جاتا ہے مگر غصے کا ردعمل بہت برا ہوتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میرا ردعمل برا نہ ہو۔ مگر یہ بات میرے کنٹرول میں نہیں ہے۔ ویسے میں بہت خوش مزاج اور ہر وقت مسکرانے والی لڑکی ہوں۔"

★ "چھٹی کے دن کیا کرتی ہیں؟"

* "آرام کرکے سو کر، گھر پر رہ کر، گھر میں رہنا مجھے بہت پسند ہے۔ فیملی کے ساتھ بہت انجوائے کرتی ہوں اور سب مل کر کھانا کھاتے ہیں تو زندگی بہت خوب صورت لگتی ہے۔"

★ "ڈیپریشن میں کیا کرتی ہیں؟"

* "وضو کرکے نماز پڑھتی ہوں تو بہت سکون ملتا ہے۔ میں پانچ وقت کی نمازی تو نہیں ہوں لیکن جب پریشان ہوتی ہوں تو پھر نماز ضرور پڑھتی ہوں۔"

★ "نیند آسانی سے آجاتی ہے۔"

* "نہیں جی کہاں۔ بڑی مشکل سے نیند آتی ہے۔ ویسے کتاب میرے سرہانے ہوتی ہے جب نیند نہیں آتی تو پھر کچھ نہ کچھ پڑھ لیتی ہوں۔"

★ "رومانٹک سین آسانی سے کرلیتی ہیں اور جیسا سات پردوں میں دکھایا گیا ہے ویسا ہوتا ہے؟"

* "رومینٹک سین بہت آسانی سے کرلیتی ہوں اور ایسا ہوتا ہے جیسا سیریل میں دکھایا گیا ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں ایسی نہیں ہوں اور جہاں تک سین کی بات ہے تو آسان ہو یا مشکل کرنا تو پڑتا ہی ہے اور سب کو پتا ہوتا ہے کہ یہ ڈرامہ چل رہا ہے۔"

★ "کسی کمرشل میں نظر نہیں آئیں آپ؟"

* "اس لیے کہ ابھی تک کوئی کمرشل کیا ہی نہیں اور کوئی اچھی آفر آئی تو ضرور کروں گی۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے اس فیلڈ میں اور بہت آگے تک جانا ہے۔"

★ "پرسنالٹی کے حساب سے اور خوب صورتی کے لحاظ سے ماشاء اللہ آپ بہت اچھی ہیں، فلم کے بارے میں سوچا کہ اگر آفر آئے تو۔"

* "اداکاری میرا جنون ہے اسٹوری اچھی ہو، لوگ اچھے ہوں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ان شاء اللہ ضرور کروں گی۔"

★ "اپنی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

* "خود تو اچھی عادت بتا نہیں سکتی، عجیب سی بات لگے گی۔ ہاں بری عادت غصہ ہی کہہ سکتی ہوں۔ دونوں عادتیں میرے ساتھ رہنے والے ہی بتا سکتے ہیں میں خود نہیں۔"

★ "گھریلو امور سے کتنی دلچسپی ہے؟"

* "بہت زیادہ چونکہ زیادہ تر اکیلی ہوتی ہوں تو پھر گھر کے کام بھی خود کرنے پڑتے ہیں تو اللہ کا شکر ہے کہ سب کام کرلیتی ہوں۔"

★ "کھانا پکانے کا زیادہ شوق ہے یا کھانے کا؟"

* (ہنستے ہوئے)..... "دونوں شوق ہیں۔ بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔ تقریباً" سب ہی کچھ پکا لیتی ہوں۔ میری دادی نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا ہے اور وہی اب کام آ رہا ہے۔"

★ "تعریف اچھی لگتی ہے یا تنقید؟"

* "تنقید کے بارے میں بتایا ہے نا کہ کسی نے کی نہیں اور تعریف بھلا کون پسند نہیں کرتا تو مجھے بھی اپنی تعریف سننا بہت اچھا لگتا ہے۔"

★ "اپنی آمدنی سے کیا چیز خریدی جو مہنگی تھی؟"

* "ایک اچھا موبائل خریدا ہے۔ باقی تو آپ کو بتایا جوتے کپڑوں اور بیگز کا بہت شوق ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے سوہائے علی ابرو سے اجازت چاہی۔

میمونہ صدف

کھانے کا شوق کسے نہیں ہوتا؟ وہ بھی لذیذ اور مزے دار کھانوں کا مگر پکانے کا شوق کسی کسی کو ہی ہوتا ہے۔ ہم ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو کھانے کے لیے جیتے ہیں مگر پکانے سے تو گویا اینٹ کتے کا بیر ہوتا ہے۔ اماں کے ہاتھوں میں بے حد لذت تھی اس پر مستزاد کہ اماں دیسی کھانے پکانے میں ماہر تھیں۔ فارغ اوقات میں چیٹ پٹے کھانوں سے انصاف کرنا ہی ہمارا مشغلہ تھا۔ یہ بھی ایک طرح کا فن ہے جو ہر بندے کو نہیں آتا۔

ایک منٹ ایک منٹ یہ "ہم" سے مراد محض "ہم" ہی ہیں مطلب نور العین گوہر نایاب۔ جی یہ محض ہمارا اکیلے کا نام ہے دو تین خواتین کا نام نہیں ہے۔ ہم نے سوچا آپ پر پہلے سے واضح کر دیں کہیں آپ دھوکا نہ کھا جائیں۔ خیر تو بات ہو رہی تھی کہ جب ہم بی اے کے بعد فارغ ہوئے تو راوی چین ہی چین لکھتا گر جو اماں چولہا چوکھا سنبھالنے پر ہمیں مامور نہ کر دیتیں تو۔ ہانڈی روٹی کی ذمہ داری ہم پر ڈالے پورا دن اماں خود محلے بھر میں کن سوئیاں لیتی پھرتی تھیں۔ فلاں کی بہو فلاں سے ناراض ہو کر میکے بیٹھی ہے' فلاں کے بیٹے کی نوکری چھوٹ گئی ہے' فلاں کے بچے کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اماں محلے بھر کی بی بی سی نیوز تھیں۔ اب آپ خود بتائیں کہ ہم کھیلنے کودنے کی عمر میں کچن میں بھاڑ جھونک رہے تھے اور اماں اس عمر میں آرام کرنے کی بجائے مٹر گشت کرتی پھر رہی تھیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں تھا؟ وہ صاحب ٹھیک کہتے ہیں جا بجا "کھلا تضاد" واضح نظر آتا ہے۔

خیر تو جب سے ہم نے کچن سنبھالا تھا تب سے ہم نے تہیہ کر لیا کہ ہم اماں کی طرح دیسی کھانے بنانے کی بجائے بدیسی کھانے بنا کر اس گھر میں اپنا سکہ جمائیں گے۔ دیسی کھانوں میں تو ہر ایک ماہر ہوتا ہے بات تو تب ہے جب بندہ کانٹینینٹل کھانوں میں ماہر ہو جیسے ٹی وی پر دیس بدیس کے کھانے بن رہے ہوتے ہیں۔ اٹالین' تھائی' چائنیز وغیرہ۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم تو کھانا بنانے سے خار کھاتے تھے تو اب کیوں؟

تو وجہ یہ ہے کہ۔۔۔ ایک منٹ کان قریب لایئے کہیں اماں نہ سن لیں ورنہ ہماری خوب درگت بنے گی کیونکہ اماں بے بھاؤ کی سنا ڈالتی ہیں کہ کنواری لڑکیاں یوں شادی کا تذکرہ نہیں کرتیں لو بھلا بتاؤ اگر کنواری لڑکیاں شادی کا تذکرہ نہیں کریں گی تو کیا بیاہی کریں گی جو شادی کر کے ہی پچھتا رہی ہوتی ہیں۔

خیر تو بات یہ ہے کہ اس روز ہم نے ایک ناول پڑھا جس میں ہیروئن کے بقول مرد کے دل کا راستہ پیٹ سے ہو کر گزرتا ہے بس اسی لیے ہم پیٹ کی فلائٹ پکڑ کر ہی دل تک جانا چاہتے تھے فرق صرف اتنا تھا کہ ہم خاص ہتھیاروں سے لیس ایسا وار کرنا چاہتے تھے اگلا چاروں شانے چت ہو جائے۔ تبھی یہ نادر خیال ہمارے دماغ میں آیا تھا۔

اماں اس روز حسب معمول تیار ہو کر چادر کی بکل مارے محلے بھر کی خیر خبر لینے نکل پڑیں جب ہم نے سنگاپورین رائس' کے لیے چاول نتھارے اور باقی لوازمات تیار کر کے رکھے ہی تھے تو اوپر والے پورشن سے جنید چلا آیا تھا۔ ناسازی طبیعت کے باعث وہ اس روز آفس نہیں گیا تھا۔ دودھ لینے کے لیے وہ گیٹ پر آیا تو ہمارے پورشن میں بھی جھانکنا اس نے فرض سمجھا تھا۔

"ہیلو کزن کیا بنا رہی ہو؟" کچن کے دروازے پر ہی کھڑے کھڑے اس نے ہمیں مخاطب کیا تھا۔

"سنگاپورین رائس۔" ذرا کی ذرا ہم نے مڑ کر جواب دیتے بون لیس چکن کو باریک باریک کاٹتے پین میں ڈالا۔

"تو کر لو گل۔ محترمہ سادا چاول بنانے تو سیکھ لو پہلے پھر باقی چاول بنا لینا۔" تمسخرانہ ہنسی ہنستے اس نے کہا تو ہمارے تو تلوؤں میں لگی اور سر پر بجھی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔" ہم نے قدرے تپے ہوئے لہجے میں جواب دیا تو وہ شانے اچکاتا واپس چلا گیا تھا۔

دراصل ہم جوائنٹ فیملی کا حصہ ہیں۔ دادا جی کا یہ

گھر تین پورشن پر منقسم ہے جس میں سب سے نچلا حصہ ہمارا ہے' طاہر محمود مطلب ہمارے ابو جی کا جن کی ہم اکلوتی نور چشمی ہیں۔ ہم سے اوپری حصہ چاچا فرقان محمود کا ہے۔ فرقان محمود کے تین شرارتی بیٹے احمد' طیب اور محب ہیں جو تینوں ہم سے چھوٹے ہیں۔ سب سے اوپری حصہ تایا منیب کا ہے جن کے دو بیٹے جنید اور جمشید ہیں۔ جنید اور جمشید سے جو نام آپ کے ذہن میں آیا ہے ہمارے ذہن میں بھی وہی نام آتا ہے شاید تایا جی ان سے بہت مرعوب تھے تبھی انہوں نے دونوں بچوں کا نام ان کے نام پر رکھا مگر عادتوں میں وہ ہرگز جنید جمشید پر نہ پڑے تھے۔ اس پورے گھر میں اکلوتی حوا کی بیٹی ہم تھے مطلب گھر کی اکلوتی بیٹی تبھی گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ اکلوتا ہونے کے فائدے تو ہیں ہی مگر نقصان بھی ہیں کہ گھر کے سارے لڑکے مل کر ہمیں خوب ستاتے بھی ہیں اور جی بھر کر کام بھی کرواتے ہیں۔

دادا جی اوپری پورشن میں تایا منیب کے ساتھ رہتے تھے اور دادی ہمارے ساتھ۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے ظالم سماج بن کر ان دو ہنسوں کے جوڑے کو الگ کر دیا بلکہ وہ دونوں خود ہی الگ رہتے ہیں کیونکہ دونوں کو ایک جا رکھنا محاذ جنگ کھڑا کرنا ہے اور ہمیں گھر کا سکھ شانتی عزیز ہے۔

گھر بھر میں اتنے لڑکے اور اکلوتی لڑکی ہونے کا نقصان یہ ہوا تھا کہ ہم میں بہت سے مردانہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ ابھی ایف اے تک ہم پینٹ شرٹ پہنے پورے گھر میں گھومتے تھے۔ اماں سر پکڑے ہمیں روکتی رہ جاتی تھیں اور ابو جی مسکرا کر ہماری طرف داری کرتے ہمیں مزید بڑھاوا دیتے تھے۔ ابھی بھی ہم نے دادی اور اماں کے ٹوکنے پر شلوار قمیص پہننا شروع کیا تھا مگر میک اپ سے بے حد چڑ تھی۔ اماں میک اپ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالتیں مگر ہم ایسا بد کتے تھے کہ ابو جی کو ہماری حمایت کرنا ہی پڑتی تھی۔

اسکول کے زمانے تک ہم سر پر کیپ پہنے' ہاتھ میں بلا لیے لڑکوں کو روئی کی طرح دھنکتے رہتے تھے اس لیے اسکول کے سب لڑکے ہمارے نام سے ہی کانپتے تھے۔ پورے اسکول میں ہم "ٹائم بوائے" کے نام سے مشہور تھے۔ ابھی بھی ہم گھر کے سب لڑکوں سے مل کر کرکٹ کھیلتے تھے اور اکثر بسنت کے موسم میں چھت پر چڑھے پتنگیں بھی اڑاتے تھے۔ اب شاید آپ ہماری بات سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم جو کہ تمام کام لڑکوں والے کرتے تھے یہ خالصتاً" لڑکیوں والا کام "کھانا پکانا" کیسے کر سکتے تھے۔ بہرحال سنگاپورین رائس میں آخری مرحلے کے طور پر ہم نے نوڈلز ڈالے تو اماں اوپر سے آ گئیں۔

"توبہ توبہ سمیرا کی بہو تو کسی کام کی نہیں ہے۔ ماں باپ نے کوئی تربیت نہیں کی۔ ذرا جو کسی کام کی تمیز ہو یا کوئی کام ڈھنگ سے آتا ہو۔" چادر پرے پھینکتے اماں کچن کے دروازے کے باہر دھرے تخت پر ڈھے گئیں۔

سمیرا خالہ اماں کی بچپن کی سہیلی تھیں اور یہیں پاس میں ہی ان کا گھر تھا۔ سمیرا خالہ کے بیٹے کی شادی کو ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا اور اماں آئے دن اس قسم کے جملے اس لڑکی کے لیے' جو غلطی سے سمیرا خالہ کی بہو بن کر آ ہی گئی تھی' استعمال کرتی تھیں۔

"تائی جی ایسے کسی کی بہو کو نہیں کہتے۔ کل کو نور باجی کے بارے میں بھی کوئی کہہ رہا ہو گا کہ "فلاں" کی بہو کو تو آب دست کا سلیقہ تک نہیں ہے۔ پھوہڑ کہیں کی ایک آملیٹ تک ڈھنگ سے نہیں بنا سکتی۔" طیب خالصتاً" زنانہ آواز میں کہتا ہوا اندر آیا تھا۔ باہر پودوں کو پانی دیتے ہوئے یقیناً" وہ اماں کی آواز سن کر ہی اندر آیا تھا۔ انہی کی وجہ سے ہم ہر وقت اماں کے غصے کے زیر عتاب آئے رہتے تھے۔ ہم کچن سے دانت کچکچاتے باہر نکلے تھے اور اسے خونخوار نظروں سے گھورا تو وہ کھی کھی کرتے دانت نکالنے لگا۔

"صحیح بالکل صحیح کہہ رہا ہے تو میرا بچہ۔ لوتھا کی لوتھا ہو گئی ہے یہ مگر مجال ہے جو کسی چیز کا سلیقہ ہو۔" اماں نے طیب کی حمایت کرتے توپ کا دہانہ ہماری طرف

موڑ دیا تھا۔ ہم کفگیر ہاتھ میں لیے طیب کی طرف لپکے۔

"رک جا کمینے میں تجھے بتاتی ہوں۔"

"تائی بچائیں مجھے یہ نور باجی مجھے مار ڈالیں گی۔ میرے معصوم اماں ابا اپنے پیارے نونہال سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔" وہ دو تین جست لگاتا آن کی آن میں باہر لان سے ہوتا سیڑھیاں پھلانگتا اوپر اپنے پورشن میں پہنچ گیا۔

"بس کردے اب۔ تیرے یہ لچھن تجھے اگلے گھر جاکر بڑے مہنگے پڑیں گے۔ جب دیکھو لڑکوں کی طرح کوٹھے پھلانگتی پھرتی ہے۔" اماں ہم پر گرج رہی تھیں۔

"کیا پکایا ہے آج؟" شور کی آواز سنتے دادی باہر آگئی تھیں۔

"دادی آج ہم نے سنگاپورین رائس بنائے ہیں۔" ہم نے تفاخر سے کہتے کفگیر ہوا میں لہرایا تھا۔

"تیری ماں صدقے میری بچی۔" دادی نے ہماری بلائیں لے ڈالی تھیں۔

"مجھے اس پر خوامخواہ مت قربان کریں۔ خود ہونا ہے تو شوق سے ہو جائیں۔" اماں نے غصے سے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

"ہائے ہائے کیا آفت آن پڑی ہے زہرہ۔ کیوں میری معصوم سی پوتی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے؟" دادی نے دلار سے ہمیں پچکارا تھا۔

"مت اتنے لاڈ کریں اس سے ورنہ کسی کام کی نہیں رہے گی۔" تاسف سے سر ہلاتی اماں اپنی چادر سنبھالتی کچن میں چل دیں۔

دوپہر کا کھانا سب فرقان چاچا کے ہاں کھاتے تھے۔ ہمارے ہاں کھانا مل کر کھایا جاتا تھا۔ ناشتا ہمارے ہاں ہوتا تھا' رات کا کھانا تایا منیب کے ہاں۔ یہ دادا جی کا حکم تھا جو حرف آخر تھا۔ دیگچہ احمد سے اٹھواتے ہم اوپری پورشن میں لے آئے تھے۔ صائمہ چاچی کو ہم نے پہلے ہی پیغام دیا تھا کہ دوپہر کے کھانے میں اتنا اہتمام مت کریں کیونکہ ہم سنگاپورین رائس بنا رہے ہیں۔

دوپہر کے کھانے پر جمشید بھائی' ابوجی اور تایا منیب کے سوا سب ہی موجود ہوتے تھے کہ وہ آفس سے شام گئے تک لوٹتے تھے۔

دیگچے کا ڈھکن اٹھاتے ہم نے چاول کفگیر کی مدد سے ٹرے میں نکالے تو ہمیں شدت سے یہ احساس ہوا کہ وہ چاول کم اور کھچڑی زیادہ تھی۔ چاول نہ صرف بری طرح سے آپس میں چپک گئے تھے بلکہ ان میں زائد پانی بھی موجود تھا۔ کتنی دیر ہم ہاتھ میں ٹرے تھامے پس و پیش کا شکار حسرت سے ان چاولوں کو دیکھتے رہے کہ انہیں باہر لے جایا جائے کہ نہیں۔

"کیا ہوا ہے ڈیئر کزن؟ تم چاول کیوں نہیں لا رہیں۔ ہم سب بڑی بے تابی سے تمہارے چاولوں کے منتظر ہیں۔" جنید مسکراتے ہوئے اندر آیا اور میرے ہاتھوں میں تھامی ٹرے کو بغور دیکھتے میری جانب متوجہ ہوا تھا۔

"یہ۔ یہ وہ چاول ہیں؟" اس کے چہرے پر جہاں بھر کی معصومیت در آئی تھی۔ ہم نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا چاولوں کی ٹرے ہمارے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔ ہم غصے سے پیر پٹختے وہی ٹرے بڑے دھڑلے سے سب کے درمیان لے آئے تھے۔ میز پر ٹرے دھرتے ہم نے اپنی نشست سنبھالی تھی۔ محب نے چاولوں کا چمچہ بھر کر اوپر اٹھایا تو ٹپ ٹپ پانی کے چند قطرے نیچے گرنے لگے۔

"یہ کیا نور باجی آپ کے چاول رو کیوں رہے ہیں؟" محب کے اس تبصرے پر مارے شرمندگی کے ہم کسی سے نظریں نہیں ملا پائے۔

"رو رہے ہیں نا کہ آج تک کسی نے ہم پر اس قدر ظلم نہیں ڈھایا جتنا نور العین گوہر نایاب نے ڈھایا ہے کہ ہم نے اپنی شناخت ہی کھو دی کوئی ہمیں پہچان نہیں پا رہا کہ ہم کبھی چاول تھے۔" جنید ہمارے برابر نشست سنبھالتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔

"ان کو آپ کیا نام دیتی ہیں؟" احمد کے زبان میں کھجلی ہوئی تھی۔ "محترمہ انہیں سنگاپورین رائس کہتی ہیں۔" جنید نے ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتے پلیٹ میں دھرتے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"واٹ؟" اس قدر توہین بے چارے سنگاپورین رائس کی؟ تب ہی میں کہوں کیوں رو رہے ہیں؟" محب نے چمچہ چاولوں سمیت واپس ٹرے میں دھر دیا تھا۔

"نہیں یہ اس بات پر رو رہے ہیں کہ انہیں رائس کہنے کے لائق نہیں چھوڑا گیا۔" طیب نے دانت نکالتے ہوئے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔ ہم میں اتنی ہمت بھی نہ ہوئی تھی کہ سر اٹھا کر اسے غصے سے ایک گھوری ماریں۔

"ویسے ہمارے گھر میں کون بیمار ہے کہ یہ کھچڑی پکائی گئی ہے؟" جنید نے ہمارے قریب ہوتے استفسار کیا تو آنکھوں میں آئے آنسوؤں کے باوجود ہم نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ "آپ۔۔۔ آپ بیمار ہیں نا تو یہ دیگچہ اس لیے آپ کے لیے ہے کہ آپ پرہیزی کھانا کھائیں۔" ہماری آنکھوں میں آئے آنسوؤں پر وہ یکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے مزید کوئی تبصرہ کیے بغیر وہ ملغوبہ اپنی پلیٹ میں بھر لیا۔ ہم حیرت سے اسے چمچہ بھر بھر کر منہ میں ڈالتے دیکھ رہے تھے۔ طیب' احمد اور محب کے ساتھ ساتھ باقی لوگ بھی چونکے تھے۔ ہماری اس قسم کی نوک جھوک اور چھیڑ چھاڑ تو ہر وقت چلتی رہتی تھی اس لیے بڑے کبھی ہمارے درمیان ان معاملات پر نہیں بولے تھے۔

"کیا کر رہے ہیں جنید بھائی مت کھائیں۔" ملی جلی آوازیں ابھری تھیں۔

"ارے نہیں یار دیکھنے میں ہی برے ہیں ذائقے میں تو بہتر ہیں۔" جنید نے بمشکل مسکراتے ہوئے چمچہ بھر کر منہ میں ڈالتے ہماری حیرت میں مزید اضافہ کیا۔ شکر ہے اماں موجود نہ تھیں ورنہ ہمارے وہ لتے لیتیں کہ اللہ کی اماں۔ ہم نظریں چرا گئے تھے۔

☼ ☼ ☼
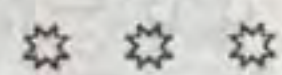
ہفتہ گزرا تو ساری ہتک اور تضحیک ہوا ہو گئی اور ہم نے پھر سے تھائی چکن نوڈلز ود وائٹ سوس' بنانے کے لیے کمر کس لی۔ اماں مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر کچن میں چائے بنانے آئی تھیں۔ "اب کیا گند گھول رہی ہے؟" چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے اماں نے کڑاھی میں پڑی ہوئی سبزیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تھائی چکن نوڈلز ود وائٹ سوس۔" دوسرے پین میں وائٹ سوس بنانے کے لیے ہم نے مکھن ڈالا تھا۔

"آفرین ہے تجھ پر بھی ویسے میری بچی۔ داد دیتی ہوں میں تیری ڈھٹائی کو۔ ڈھنگ کا ایک سالن تک بنانا نہیں آتا اور یہ تھائی تھوئی بناتی رہ جن کے نام بھی نہیں لیے جاتے ہم سے تو۔ منہ ہی ڈنگا (ٹیڑھا) ہو جاتا ہے۔"

"اماں بہت مزے دار ہوں گے فکر مت کریں۔ اس بار بہت دھیان سے ایک ایک چیز نوٹ کی ہے ہم نے۔" مسکراتے ہوئے ہم نے ساس پین میں میدہ ڈال کر اسے بھوننا شروع کیا۔

"نہ تو نے کھائے ہیں؟" کمر پر ہاتھ رکھے اماں دوسرا ہاتھ نچا کر بولیں تو ہم نے نفی میں سر ہلایا۔

"تے فیر تینوں کی پتا۔" (تو پھر تمہیں کیا پتا)

"ہم نے ٹی وی پر دیکھا تھا شیف ذاکر نے بنائے تھے۔" میدہ جب بھن گیا تو ہم نے اس میں کپ بھر کر دودھ شامل کر کے پسی کالی مرچیں ڈالی تھیں۔

"اے شاباش! شیف ذاکر نے بنایا تو تجھے معلوم پڑ گیا یہاں بیٹھے بیٹھے کہ مزے کا بنے گا۔ شیف نے دنیا جہاں کے کھانے بنائے ہوتے ہیں ڈگریاں لی ہوتی ہیں۔ تو کہاں کی شیف لگی ہے؟ پہلے سادہ کھانے بنانے تو سیکھ لے مجھ سے۔" پانی ابلنے پر اماں نے پتی ڈالی تھی۔

"ہمیں سادہ کھانے نہیں بنانے۔" دودھ ڈال کر سوس پکانے کے ساتھ ساتھ ہم نے سبزیوں میں واچٹو شائز سوس اور سویا سوس کا اضافہ کیا تھا۔

"نہ وجہ؟ کیوں نہیں بنانے؟ میں تجھے کسی شاہی خاندان میں نہیں بیاہنے لگی جہاں تو یہ الم غلم بنا بنا کر کھلائے گی۔ ہم پنجابی ہیں اور تو جس گھر میں بھی جائے گی عام دال روٹی ہی کھلائے گی یا یہ نوڈلز بنا بنا کر پیٹ

بھرے گی۔ کوئی یہ نہیں دیکھے گا کہ تجھے یہ چائنیز' تھائی بنانا آتا ہے کہ نہیں۔ سب دیکھتے ہیں کہ ڈھنگ کا سالن' روٹی' پراٹھے بنانے آتے ہیں یا نہیں۔"

"عام کھانے سب بناتے ہیں ہم خاص بنانا چاہتے ہیں۔" اماں کے لمبے چوڑے تبصرے پر بھی ہم اپنی بات پر قائم تھے۔

"بنا بنا شوق سے بنا اور باپ کا پیسہ ضائع کرتی جا۔ درختوں سے توڑ توڑ کر لاتا ہے نا۔ ہے نا۔" چائے میں دودھ ڈالتے اماں تپ گئی تھیں مگر ہم پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے۔ رات کے کھانے پر فخریہ "تھائی چکن نوڈلز وِد وائٹ سوس" پیش کرتے ہم نے سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا تھا۔

سب سے پہلے ابو جی نے ہی ہماری بنائی ڈش کو عزت بخشی تھی اور اپنی پلیٹ میں بھرتے ہوئے آگے تایا ابا کو ڈش پاس کی تھی۔ تایا ابا اور ابو جی کھانے کے ساتھ ساتھ تعریفیں کرتے ہمارا سیروں خون بڑھا گئے تھے۔ "یہ کیا ہے؟" پہلا چمچہ منہ میں ڈالتے اماں یکدم بول اٹھیں تو ہم چونکے تھے۔

"اماں بتایا تو تھا "تھائی چکن نوڈلز وِد وائٹ سوس"" اماں کی کم عقلی پر ماتم کرتے ہم نے ڈش کا نام دہرایا تھا۔

"مگر یہ سبزیاں کچی کیوں ہیں؟ پکائی کیوں نہیں ہیں؟" جنید کے تبصرے پر ہم جی بھر کر بدمزا ہوئے تھے۔ "بالکل بالکل ایسے جیسے کچی سلاد ہو۔" طیب نے لقمہ لگا دیا تھا۔

"ہمیں نوڈلز یا پاستا میں ابلی یا کم از کم گلی ہوئی سبزیاں کھانے کی عادت ہے ایسی کچی نہیں۔" محب نے پلیٹ پرے سرکا دی تھی۔

"ہزار بار منع کیا ہے اس لڑکی کو کہ نہ نئے نئے تجربے کرے مگر باز کہاں آتی ہے اپنی حرکتوں سے۔" اماں کے گھر کنے پر ہم نے اپنی پلیٹ میں نوڈلز بھرے تھے۔

"رہنے دیں بھابھی بچی ہے سیکھ جائے گی۔" تائی نے ہماری حمایت کرتے پیار سے ہمارے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"بچی کہاں ہیں؟ اتنی بڑی ہیں نور باجی۔" احمد نے فوراً "چوٹ کی تھی۔ غصے کی شدت سے جوں ہی ہم نے چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ سبزیاں واقعی کچی رہ گئی تھیں مگر اس میں ہماری کیا غلطی تھی؟ یہ ریسیپی میں سبزیوں کو ابالنے کا ذکر نہیں تھا نہ ہی گلانے کا کہا گیا تھا۔ محض مِکس فرائی کرنا تھا جو ہم نے کیا تھا۔

"چائنیز کھانے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" ہمارا انداز مدافعانہ تھا۔

"جی جی بالکل۔ ہم نے کبھار کھے ہیں چائنیز کھانے اتنی بھی کچی سبزیاں نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی محترمہ یہ تھائی لینڈ نہیں ہے پاکستان ہے۔ ہمیں چائنیز' اٹالین کھانے بھی پاکستانی اسٹائل سے ہی اچھے لگتے ہیں۔" طیب نے ہماری ٹانگ کھینچی تھی۔ ہم نے حیرت سے ابو جی اور تایا ابا کی جانب دیکھا جو بڑی رغبت سے ہمارا بنایا کھا رہے تھے۔ ہماری آنکھوں میں تیرتی الجھن کو بھانپتے ہوئے جنید بولا تھا۔ "ابو اور چاچو کو اس طرح مت دیکھو۔ وہ تمہاری محبت میں اس طرح خاموشی سے کھاتے جا رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں اچھا بنا ہے۔" تایا ابا کا یوں طرف داری کرنا واضح کر گیا تھا کہ جنید ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ واقعی ہماری محبت میں کھا رہے تھے۔ آنکھوں میں آئے موٹے موٹے آنسوؤں کو چھپانے کی خاطر ہم تیزی سے ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر اپنے پورشن کی طرف آ گئے تھے۔ ☼ ☼ ☼

سردیوں کا موسم تھا اور گھر والے اکثر اوقات ہی سوپ کی فرمائش کر ڈالتے تھے۔ چاچی صائمہ سوپ کے نام پر کچھ نہ کچھ گھول کر رکھ دیتی تھیں اور سارا گھر بڑی رغبت سے پی جاتا تھا۔ نہ صرف پیتا تھا بلکہ تعریفیں بھی کرتا تھا۔ ہم نے بھی اپنی ڈائری میں لکھی "میڈیٹیرین سوپ" کی ریسیپی نکال کر تمام لوازمات چیک کیے۔ ٹماٹر' پیاز' کیچپ' دھنیا' کالی مرچیں سب موجود تھا ماسوائے چکن کے۔ اس روز شام میں محب کو چکن لانے کے لیے کہا تو وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑتا نزمین

بوس ہو گیا۔ "خدا کا واسطہ ہے باجی ہم پر رحم کھائیں۔ آپ کو ہم پر رحم نہیں آتا؟" ہم حیرت و پریشانی میں گھرے کھڑے تھے کہ طیب بھی ہاتھ میں گیند اچھالتا چلا آیا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟ یہ کیوں سجدہ شکر بجا لا رہا ہے؟" حیرت سے استفسار کرتے اس نے محب کی پشت تھپکی تو وہ بلبلا اٹھا۔

"باجی پھر ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑنے لگی ہیں۔" محب نے نادیدہ آنسو پونچھتے مصنوعی روہانسے پن سے کہا تو ہمارا دماغ کھول اٹھا۔

"ارے نہیں نہیں۔ رحم رحم۔ رحم کی اپیل کی جائے۔ اب ہمارے معدے ضرورت سے زیادہ کچی اور ضرورت سے زیادہ کچی چیزیں کھا کھا کر داغ مفارقت دینے کو ہیں۔ اللہ کے لیے ہم پر کوہ ستم مت توڑیں۔" طیب نے اداکاری کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔ اس قدر تضحیک کا نشانہ بننے پر آنکھوں میں یکدم آنسو امڈ آئے۔

"میری پیاری بہنا چھوڑو یہ کچن کے کام۔ چل کر ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلو۔ ہم پانچوں کا ایک ساتھی کم ہے۔ تم چلو گی تو ہی پورے ہوں گے نا۔" محب نے لجاجت بھرے لہجے میں کہتے ہمارا ہاتھ تھاما تو ہم اپنا ہاتھ چھڑاتے اپنے کمرے میں جا کر مقید ہو گئے۔ رات کے کھانے پر بھی ہم تایا ابا کے پورشن میں نہیں گئے تھے۔ سب باری باری آ کر دروازہ بجاتے رہے لیکن ہم ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بس اندر سے ہی ہر ایک کو یہ جواب دے ڈالا کہ ہمیں بھوک نہیں ہے۔ رات گیارہ بجے کے بعد تمام پورشنز کے مکین اپنے اپنے کمروں میں ہی ہوتے تھے تب ہی دبے قدموں ہم باہر لان میں کھلی فضا میں چلے آئے تھے۔ شام سے کمرے میں مقید جی گھبرانے لگا تھا تو سوچا کہ باہر ٹہلا جائے۔ چہل قدمی کے دوران ہی کیاریوں کی جانب سے ایک ہیولا ہاتھ میں کچھ تھامے ہماری جانب لپک رہا تھا۔ گھٹی گھٹی چیخوں کے ساتھ ہم سر پر پیر رکھ کر اندر کی جانب لپکے تو پیچھے سے آواز آئی۔

"نور میں ہوں جمشید۔" تبھی ہمارے قدموں کو بریک لگا تھا۔ اس ٹھنڈ میں جمشید بھائی وہاں کیا کر رہے تھے؟

"میں تمہارے لیے کھانا لایا تھا۔" انہوں نے یہ کہتے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ہماری جانب بڑھائی۔

"کھا لو گڑیا میں لایا ہوں۔" ہمارے پیچھے ہٹتے ہاتھوں پر نظر جمائے انہوں نے بڑے پیار سے کہا تو ہمیں ناچار اسے تھامنا ہی پڑا۔

"اوپر ٹیرس سے تمہیں لان میں دیکھا تھا۔" وہ وہیں قریب کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے تو ہم بھی ان کے مقابل براجمان ہو گئے۔

"میرا "نورا" سب سے خفا ہے نا تبھی کھانے پر نہیں آیا۔" وہ اکثر پیار سے ہمیں "نورا" بلاتے تھے۔ ان کی فکر عروج پر تھی۔ ہم چپ ہی رہے۔

"سب تو یونہی تمہیں تنگ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں مزا آتا ہے۔ ہماری کوئی بہن جو نہیں ہے تم ہی ہماری بہن ہو۔ بھائی تو بہنوں کو تنگ کرتے ہی ہیں نا۔" ہمارے سر پر دست شفقت پھیرتے وہ بڑے پیار سے بولے تو ہمیں بری طرح رونا آ گیا تھا۔

"ارے رو کیوں رہی ہو؟" ہمارے ٹپ ٹپ گرتے آنسو انہوں نے اپنی انگلی کی پوروں سے سمیٹ لیے تھے۔

"جنید بہت بدتمیز ہے۔ وہ ہی ان تینوں کو شہ دیتا ہے تو وہ تینوں بھی اس کے ساتھ مل کر ہمارا تمسخر اڑاتے ہیں۔" ہمارے شکایتی انداز پر وہ ہولے سے مسکرا دیے۔

"کیونکہ تم ہماری اپنی ہو نا۔"

"اپنوں سے ایسا مذاق ہوتا ہے۔ یوں ستایا جاتا ہے۔" اپنے ہاتھوں کی پشت سے گالوں کو رگڑتے ہم نے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

"اپنوں کو ہی تو ستایا جاتا ہے۔ ہم پانچوں کا اور تمہارا ساتھ تو کتنا پرانا ہے نا۔ اور تم کب سے اتنی اتنی سی باتوں پر رونے لگیں تم تو شیر ہو ہماری۔ ہمارا بہادر نورا ہو۔"

"کوئی نورا وورا نہیں ہیں ہم۔" متورم نگاہوں سے ہم نے ان کے جملے کی تردید کی تھی۔

"اچھا تو پھر کیا ہیں جناب؟" انہوں نے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہم نور ہیں۔" سرخ ہوتی ناک رگڑتے ہم نے سادگی سے کہا تو وہ بے اختیار ہنس دیے۔

"او کے جی نور بی بی۔ آپ ہماری پیاری بہن ہیں۔ یہ ہم سب کا تم سے پیار ہے۔ بہن بھائیوں میں یہ چھیڑ چھاڑ، نوک جھوک چلتی رہتی ہے۔ ایسے منہ بسور کر کھانے سے منع کر کے کمرے میں بند ہو کر نہیں بیٹھتے۔ ان باتوں سے ہی تو زندگی کی رونق ہے مزا ہے۔ اور جہاں تک تمہارے کھانوں کا تعلق ہے تو ابھی تمہیں چاچی سے سیکھنا چاہیے پھر ان میں خود سے ورائٹی لانا۔ جو بات اپنے دیسی کھانوں میں ہے وہ کہیں اور نہیں ملتی۔ خود سوچو مکئی کی روٹی کے اوپر گرما گرم سرسوں کا ساگ ڈالا جائے اور اوپر مکھن واہ واہ واہ۔ نہاری اور پراٹھے ہوں اوہو ہو۔ چکن بریانی اور ساتھ پودینے ٹماٹر کی چٹنی ہو ارے واہ۔ حلوہ پوری اور چنوں کا ناشتا ہو۔ آہا مزا آگیا۔" انگلیاں چاٹتے ہوئے انہوں نے ایسا نقشہ کھینچا کہ بے اختیار ہماری ہنسی چھوٹ گئی۔

"بولو اب۔ بتاؤ مجھے، ہے کوئی مول؟" ہم نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"مگر یہ جدید دور کے کھانے نہیں ہیں ان کھانوں کے ساتھ ہم اپنے سسرال والوں کا دل جیت سکیں گے کیا؟" ہمارے لہجے میں بلا کی معصومیت در آئی تو جمشید بھائی پہلے ٹھٹکے پھر مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں بولے۔

"ارے کیوں نہیں۔ یہی کھانے تو دل جیتتے ہیں اور مزے کی بات بتاؤں تمہاری سسرال اور تمہارے "میاؤں" ایسے ہی کھانے پسند کرتے ہیں۔"

"میرے سسرال والے؟ میرے میاں؟" ہم نے ناسمجھی سے ان کی جانب دیکھا تو ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"آپ جانتے ہیں انہیں؟" ہم نے الجھ کر سوال کیا۔

"جانتا تو ہوں مگر بتاؤں گا نہیں۔ تمہیں چند دنوں میں خود معلوم ہو جائے گا۔" ہاتھ جھاڑتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اب تم اندر جاؤ اور جا کر کھانا کھالو۔ اللہ حافظ" تیز رفتاری سے وہ ہمیں حیران چھوڑے سیڑھیاں پھلانگتے چلے گئے اور ہم ٹرے اٹھا کر اندر چلے آئے کہ بڑی زوروں کی بھوک لگی تھی۔

مارچ میں جمشید بھائی کی شادی تھی اپنی خالہ زاد رفعت سے اس سلسلے میں اس روز چاچی اور تائی شاپنگ کرنے چاچا فرقان کے ہمراہ بازار گئی ہوئی تھیں۔ انہیں لوٹنے میں رات تو ہو ہی جانا تھی لہٰذا رات کے کھانے کا انتظام اماں نے کرنا تھا۔ محب، طیب اور احمد بھی اکیڈمی گئے ہوئے تھے۔ اماں مٹن کڑاہی اور پھول گوبھی بنا چکی تھیں۔ ہم نے پودینے کی چٹنی بنا کر گویا اماں پر احسان کیا تھا۔ اماں نے چکن بریانی کی تیاری شروع کی تو ہم باہر چلے آئے۔ ابو جی اور دادی کو تایا نے کسی ضروری معاملے پر مشورے کے لیے چاچا جی کے پورشن میں بلایا تھا۔ ہم بھی اکیلے بیٹھے بیٹھے اوب گئے تو اوپر چاچا کے پورشن میں چلے آئے۔ جالی کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہم لاؤنج کی جانب بڑھے جب ابو جی کی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"ہمیں اپنی بیٹی پر پورا مان ہے کہ وہ کبھی ہمارے فیصلے کے خلاف نہیں جائے گی۔ ٹھیک ہے کہ وہ نادان ہے، معصوم ہے مگر نافرمان یا بدتمیز ہرگز نہیں ہے۔ بڑوں کا لحاظ اور ان کے فیصلوں کا مان رکھنا جانتی ہے۔"

کیسا فیصلہ؟ یکدم ہی ہمارا دل بیٹھنے لگا۔

"پھر بھی طاہر تم نور سے ایک مرتبہ پوچھ لو۔" تایا ابا کی آواز سنائی دی تھی۔

"نور کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جنید گھر کا بچہ ہے۔ اس کے بچپن کا ساتھی ہے۔" دادی کے لہجے میں یقین تھا۔ ہمارا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ "تو جمشید بھائی نے اس رات جو بھی کہا تھا مگر جنید؟ بچپن کے

ساتھی اور زندگی کے ساتھی میں فرق ہوتا ہے۔ یقیناً" جنید اس سب سے آگاہ نہیں ہوگا ورنہ وہ کبھی یہ نہ ہونے دیتا۔ ہم جنید سے بات کریں گے مگر کیسے؟" سب کچھ دروازے میں ہی کھڑے کھڑے ہم نے سوچ ڈالا تھا۔ جو بھی تھا ہم لڑکی ذات تھے شادی کے معاملے پر اس لڑکے سے منہ اٹھائے کیسے بات کرنے پہنچ جاتے جس سے گھر کے بڑے ہماری بات طے کر رہے تھے۔ یکدم جمشید بھائی کا خیال آیا تھا۔ وہی ہماری مدد کر سکتے تھے۔ ہم جلدی سے اوپری منزل پر تایا ابا کی طرف آگئے مگر دروازے پر پہنچ کر ہمت دم توڑ گئی۔ ہم واپس مڑنے کو تھے کہ کچن سے آتی آوازوں پر ہم چونکے تھے۔

"کیا بنے گا بھائی؟" ہم نے کھڑکی سے اندر جھانکا۔ چونکہ باہر مکمل اندھیرا تھا اس لیے ہمارے اندر نظر آجانے کے امکانات صفر تھے۔ البتہ کچن کی لائٹ آن ہونے کے سبب ہم با آسانی اندر کا منظر دیکھ سکتے تھے۔

"بننا کیا ہے یار فیصلہ تیرے حق میں ہی ہوگا۔" جمشید بھائی اسٹول پر چڑھے گرما گرم چائے کا لطف اٹھا رہے تھے۔ روشن دان کھلا ہونے کے باعث انہیں بخوبی سنا جا سکتا تھا۔ جنید نیچے چوکی پر ہی کپ تھامے پریشان حال بیٹھا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ فیصلہ میرے حق میں ہوگا؟" اس کا لہجہ شاکی تھا۔

"اس میں شک کی گنجائش ہی کیا ہے؟" ان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

"مجھے گھر کے بڑوں کا نہیں سارا ڈر اس خونخوار بلی کا ہے کہ کہیں وہ منع نہ کر دے۔" جنید مضطرب سا تھا۔

"کیوں وہ کیوں انکار کرے گی؟"

"کر سکتی ہے، میں اسے بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال ہی یہ آئے گا کہ میں ہر وقت اس کا مذاق اڑاتا رہتا ہوں۔ اس سے لڑتا جھگڑتا ہوں۔ بدھو کہیں کی اتنی عقل تھوڑا ہی ہے اس میں کہ اس سب میں چھپی میری محبت کو جان پائے۔" ـــــ صدق دل سے اپنے جذبوں کا اظہار کرتا وہ ہمارے دل کی دھڑکنوں کو تیز تر کر گیا تھا۔

"بس کر دے مجنوں کچھ نہیں ہوتا۔" جمشید بھائی نے ہنس کر اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

"مجنوں نہیں ہوں میں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ ہمیشہ اس گھر میں اس لڑکی کو ہر جگہ اپنے ساتھ دیکھا ہے۔ سب کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے وہ۔ عادت سی ہو گئی ہے اس کی اس قدر کہ دل نہیں مانتا وہ اس گھر سے کہیں جائے۔ میری زندگی سے کہیں جائے۔"

ہمارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ کیا یہ وہی جنید تھا؟

"اچھا تو تو ہم پر احسان کر رہا ہے اسے اس گھر میں رکھ کر۔" جمشید بھائی نے اسے چھیڑا تو وہ ہنس پڑا۔

"نہیں خود پر ظلم کر رہا ہوں ایسی لڑکی کو لا کر جو مجھے نجانے کیا کیا بنا کر کھلاتی رہے گی۔" شرارت سے آنکھ مارتا وہ ہنس پڑا تھا۔

"سیکھ لے گی اب۔ میں جانتا ہوں۔" جمشید بھائی کے لہجے میں اتنا مان تھا کہ ہم مسکرا دیے تھے۔ دل یکدم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ ہمیں مزید وہاں کھڑے رہ کر دسمبر کی اس ٹھنڈ میں خود کا قلفہ نہیں بنانا تھا اس لیے واپس نیچے چلے آئے۔ اپنے پورشن میں قدم رکھتے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا۔ اماں کچن میں کھڑی پیاز کترتی ہوئی ساتھ ساتھ آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔

"اماں آج بریانی ہم بنائیں گے۔ آپ ہمیں بتاتی جائیں ساتھ میں۔" اماں کے ہاتھ سے ہم نے چھری لے لی تو وہ مارے حیرت کے منہ کھولے ہماری جانب دیکھنے لگیں۔

"ہائیں سچ میں؟ یہ نیا انقلاب کیسے آیا؟"

"بس آگیا۔ نیا سال نئے انقلاب لایا ہے۔" رسانیت سے کہتے ہم کٹنگ بورڈ پر پیاز رکھے کاٹنے لگے۔ اماں مطمئن سی مسکرا دی تھیں۔ واقعی نیا سال نئے رشتے، نئے جذبے اور نئی خوشیاں اپنے سنگ لایا تھا۔

☆ ☆

چوتھی اور آخری قسط

مکمل ناول

نفیسہ سعید

مال میں پھرتے ہوئے وہ کچھ کھا سکتی تھی نہ ہی ابوذر کو دے سکتی تھی جگہ جگہ لکھی وارننگ کے تحت یہاں کھانے پینے کی اشیا اندر لانے کی سخت ممانعت تھی اس نے کچھ دیر ونڈو شاپنگ کی، پھر ابوذر کی ضرورت کی ایک دو چیزیں خریدنے کے علاوہ اپنے لیے بھی ایک پرفیوم خریدا، کسی زمانے میں وہ پرفیوم بڑے شوق سے استعمال کرتی تھی مگر اب دیگر دوسرے کاموں کی طرح اس کا یہ شوق بھی اپنی موت آپ مرگیا تھا وہ مال کے تیسرے فلور پر تھی جب اسے ربیعہ کی کال آگئی۔

"مال سے باہر آجاؤ میں تمہیں لینے آرہی ہوں۔"

"سکندر واپس چلا گیا؟"

"وہ نہیں آیا تھا صرف پولیس تھی بہرحال عبدالوہاب نے فون کرکے اس کی بے حد بے عزتی کی ہے غیرت مند ہوا تو اب کبھی بھی اس طرف نہ آئے گا۔" وہ غیرت مند نہیں تھا یہ بات نبیہ سے زیادہ کون جان سکتا تھا آخر اسے سات سال تک اس کی بیوی ہونے کا عظیم اعزاز حاصل رہا تھا۔

"نہیں ربیعہ اب مجھے لینے مت آنا میں WAO واپس جارہی ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ سکندر تمہارے اپارٹمنٹ کے نیچے ہی کہیں موجود میرا انتظار کررہا ہے اسے یقین ہے کہ میں باہر سے اندر یا اندر سے باہر ضرور نکلوں گی۔"

"اوہ یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا ہوسکتا ہے تمہاری بات درست ہو۔" ربیعہ اس کے خیال سے فوراً ہی متفق ہوگئی۔

"چلو اللہ حافظ میں اب واپس WAO جارہی ہوں دعا کرنا خیریت سے پہنچ جاؤں۔"

باہر نکل کر وہ دھیرے دھیرے فٹ پاتھ پر چلنے لگی، ہلکی ہلکی بارش نے موسم کو خاصا خوشگوار بنادیا تھا ساتھ ہی ساتھ تیز چلتی ہوائیں اسے احساس دلارہی تھیں کہ شاید کچھ ہی دیر میں بارش تیز ہوجائے، اس نے روڈ کے ساتھ ہی بنی ایک چھوٹی سی دکان سے چھتری خریدی اور اپنے اوپر تان کر ابوذر کو گود میں لے لیا اور فوراً ہی پاس سے گزرتی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روک لیا پہلے اس کا ارادہ ٹرین سے واپس جانے کا تھا مگر ایک تو سارے دن کی خواری اور بھوک پیاس کے علاوہ تیزی سے بدلتے اس موسم نے اس کے ارادے کو ڈانواڈول کردیا ویسے بھی احتشام صاحب نے اس کے لیے خاصی بڑی رقم عبدالوہاب کے اکاؤنٹ میں بھیج دی تھی جو یہاں کی کرنسی میں تبدیل ہوکر کم ضرور ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کی کئی ضروریات کے لیے کافی تھی۔

پٹانگ جایا کے طے کردہ کرائے کے مطابق اس نے آدھی رقم ایڈوانس کے طور پر ڈرائیور کے حوالے کی اور خود سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں اس سے قبل وہ بیگ سے فرائز نکال کر ابوذر کے حوالے کرنا نہ بھولی کیونکہ جانتی تھی کہ ابوذر بھوکا ہے مگر شاید یہ کچھ قدرتی عمل تھا یا وقت کا تقاضا اس نے شروع دن سے ہی ابوذر کو خاصا صابر و شاکر کردیا تھا وہ دوسرے بچوں کی مانند کھانے پینے یا کھلونوں کے لیے کبھی بھی ضد نہ کرتا تھا ابھی بھی اس کے ہاتھ سے باکس لے کر وہ خاموشی سے اندر موجود فرائز کھانے لگا جبکہ اس کے ذہن میں رہ رہ کر ایک ہی خیال آتا رہا کہ آج اگر عبدالرحمن بروقت عبدالوہاب کو فون نہ کرتا تو کیا ہوتا؟

شاید ابوذر اس کے ساتھ نہ ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو یقیناً وہ مر چکی ہوتی کیونکہ ابوذر کے بغیر وہ زندگی کا ایک لمحہ بھی نہ گزار سکتی تھی ابوذر اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا تھا۔

"تم واپس آجاؤ ہم تمہاری شادی سنان سے کردیں گے۔" کوئی اس کے کان کے قریب بولا اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں ٹیکسی تیزی سے ہائی وے پر اپنا سفر طے کر رہی تھی اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ خود بخود ابھر آئی۔

"جانے تمہیں اس نکمے سنان میں کیا نظر آرہا ہے جانتی ہو پچھلے دو سالوں میں وہ بی اے نہیں کرسکا جبکہ ماشاء اللہ امان اپنی تعلیم مکمل کرنے والا ہے۔" یہ آواز بھی اس کی ماں ہی کی تھی آواز تو آج بھی وہ ہی تھی مگر الفاظ تبدیل ہو چکے تھے اور یہ تضاد گزرتے وقت نے پیدا کیا تھا۔

"جانتی ہو سنان آج کل ڈر گز لے رہا ہے۔" کافی عرصہ قبل کہا گیا شفا کا یہ جملہ اسے آج بھی من و عن یاد تھا اس جملے کو وہ جب بھی یاد کرتی اس کا حساس دل دکھ سے بھر جاتا سچ تھا اگر سکھی وہ نہ تھی تو خوش سنان بھی نہ تھا یہ ہی سوچتے ہوئے اس نے بیگ میں ہاتھ ڈالا اندر کی زپ کھول کر ایک سم برآمد کی کچھ سال پرانی سم میں پرانے والے سنان کے پیغامات نے سکندر کو اس سے جان چھڑانے کے لیے ایک نئی راہ دکھائی تھی اس نے الٹ پلٹ کر اس سم کو دیکھا اور پھر اپنے موبائل میں موجود سم کی جگہ اسے لگا دیا کچھ دیر بعد موبائل آن کرکے اس نے ایک باکس کھولا جہاں آج بھی سنان کے کچھ ٹیکسٹ موجود تھے اس نے کانپتے ہاتھوں سے پہلے ٹیکسٹ کو کلک کیا۔

ہم نے کہا اگر بھول جاؤ ہمیں تو کمال ہو جائے
ہم نے تو فقط بات کی اور اس نے کمال کر دیا

اس نے بارہا کا پڑھا ہوا یہ شعر پھر سے پڑھا اور پھر اگلے میسج پر آگئی۔

"یہ میرا خود سے عہد ہے زندگی میں دوبارہ کبھی کسی سے محبت نہ کروں گا یقین نہ آئے تو کبھی پلٹ کر دیکھنا ضرور۔"

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اس سے زیادہ کی اس میں تاب نہ تھی اس نے موبائل آف کرکے پھر سے بیگ میں رکھ دیا ویسے بھی وہ WAO پہنچنے والی تھی وہ سفر جو ٹرین سے تقریباً پینتالیس منٹ کا تھا ٹیکسی سے صرف پچیس منٹ میں ہی طے ہو گیا۔

وہ پاکستانی ایمبیسی اپنی درخواست جمع کروا آئی تھی ساتھ ہی اس نے پاسپورٹ کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی لگا دی تھی وہاں سے اسے ایک ماہ کا ٹائم دیا گیا تھا اب یہ ایک ماہ اسے جیسے تیسے WAO میں ہی گزارنا تھا بابا کے گھر سے واپسی پر اس کا کمرہ لینڈا کو دے دیا گیا تھا جو ایک انڈونیشن طالبہ تھی ملائشیا اپنی تعلیم مکمل کرنے آئی تھی مگر جانے کن چکروں میں پھنس گئی اب وہ اٹھارہ سالہ لڑکی ایک دو ماہ کے بیٹے کی ماں تھی جانے کن وجوہات کی بنا پر وہ WAO میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھی اس کے بارے میں نیہو نے کبھی جاننے کی کوشش نہ کی البتہ اسے یہ ضرور علم تھا کہ وہ یہاں اپنے امتحانات تک مقیم ہے جن کے ختم ہوتے ہی اس نے واپس انڈونیشیا چلے جانا تھا۔ اب وہ خود کے ساتھ اس کا کمرہ شیئر کرتی تھی اور نہ صرف اپنا بلکہ ہستی کے حصہ کا کام بھی اسے ہی کرنا پڑتا جس پر اسے کوئی اعتراض نہ تھا پھر بھی وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد اسے پاسپورٹ مل جائے تاکہ وہ اپنے وطن واپسی کی راہ لے کیونکہ اس کی یہاں موجودگی اسے کسی بھی وقت ابوذر سے جدا کر سکتی تھی جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم ابوذر کو لے کر یہاں سے نہیں جاسکتیں۔" اس کے بالکل سامنے سکندر کسی پتھر کی مانند اکڑا کھڑا تھا وہ گھبرا کر واپس پلٹی پیچھے پولیس کی موبائل تھی۔ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے یہاں وہاں نظر دوڑائی مگر اسے کوئی راستہ دکھائی نہ دیا وہ بری طرح پھنس چکی تھی ابوذر سے دوری کے خوف نے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا رہنا مشکل کر دیا وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی لگی تھی۔ جب اسے کسی نے تھام لیا اور ساتھ ہی ہستی کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

"نیہو اٹھو تمہاری وکیل سوزان آئی ہے اور تم سے فوراً ملنا چاہتی ہے۔"

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں شکر ہے وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی مگر اس قدر ڈراؤنا خواب وہ ایک بار پھر سوچ کر دہل اٹھی سکندر کو پتا چل گیا تھا کہ وہ WAO میں رہائش پذیر ہے اسی سلسلے میں پچھلے دو دن سے اس کا وکیل آنٹی نوما کو فون کرکے ابوذر کی تحویل کا مطالبہ کر رہا تھا یہاں کے قانون کے مطابق سکندر یا اس کا وکیل WAO کی عمارت میں داخل نہ ہو سکتے تھے یہ ہی وجہ تھی کہ وہ جب بھی آتے گیٹ سے باہر ہی کھڑے ہو کر آنٹی نوما سے بات کرتے جو کسی بھی طور ابوذر کو حوالے کرنے کے حق میں نہ تھیں ان دو دنوں میں نیہو نے بارہا فردوس خان کو فون کیے جس نے خود بھی اس کے پاسپورٹ کے حصول کے لیے ایمبیسی رابطہ کیا تھا مگر ابھی بھی اس کام کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔

عام حالات میں تو اسے کوئی مسئلہ نہ تھا مگر اب سکندر اور اس کے وکیل نے اسے ہراساں کر دیا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا کہ WAO میں اس کا مزید قیام مشکل ہوتا جارہا ہے ہستی اسے جگا کر سوزان کی آمد کی اطلاع دے کر واپس چلی گئی وہ خاموشی سے اٹھی ہاتھ منہ دھویا ابوذر ابھی سو ہی رہا تھا اس پر چادر ٹھیک کرکے وہ آنٹی نوما کے آفس کی جانب چل دی جہاں اس کے انتظار میں سوزان بیٹھی تھی۔

"تم ذرا جلدی سے تیار ہو کر آؤ تمہیں ابھی میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔"

"پولیس اسٹیشن مگر کیوں؟" وہ از حد گھبرا اٹھی۔

"تمہیں اپنے بچے کا پروٹیکشن آرڈر لینا ہوگا جس کے بعد تمہارا ہزبینڈ اور اس کا وکیل تمہیں کبھی بھی تنگ نہ کر سکیں گے۔" سوزان اسے قانونی تقاضے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"مگر آنٹی آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں پولیس اسٹیشن نہیں جاسکتی۔" وہ بے بسی سے بولتی ہوئی آنٹی نوما کی طرف پلٹی۔

"دیکھو نیہو تمہارا پروٹیکشن آرڈر کے لیے جانا خود تمہاری اپنی فلاح کے لیے بہت ضروری ہے تم جانتی نہیں ہو صبح سے سکندر کا وکیل ہمیں دو دفعہ فون کر چکا ہے وہ مسلسل ہمیں دھمکا رہا ہے کہ ابوذر اس کے کلائنٹ کے حوالے کیا جائے اب یہ از حد ضروری ہے کہ تم اپنے بچے کے لیے آئی پی آرڈر حاصل کرو ویسے تو وہ وکیل یہاں اندر داخل نہیں ہو سکتا مگر ان کے ساتھ اگر پولیس آگئی تو تمہارے لیے مشکل کھڑی ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں ہمیں لازمی طور پر ابوذر ان کے حوالے کرنا ہوگا۔" آنٹی نوما نے اسے تمام تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے میں تھانے چلنے کو تیار ہوں مگر ایسا نہ ہو وہاں میرے ساتھ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔" ساری تفصیل جاننے کے باوجود وہ اندر ہی اندر گھبرا رہی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہوگا سوزان تمہاری قانونی وکیل ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہی جائے گی تم بالکل بھی

گھبرانا مت' یہ پروٹیکشن آرڈر تمہارے بیٹے کی کسٹڈی کے لیے بہت ضروری ہے اس آرڈر کے مل جانے سے تم دونوں ماں بیٹا بالکل محفوظ ہو جاؤ گے اور سکندر تم دونوں کو کبھی بھی ہاتھ نہ لگا سکے گا اور یہاں سے نکلنے سے قبل تم اپنے ایجنٹ کو بھی تمام تفصیل سے آگاہ کر دینا کیونکہ اس کے لیے بھی ہر بات کا جاننا بے حد ضروری ہے۔"

فردوس خان کی ہدایت کے عین مطابق اس نے فردوس خان کا کانٹیکٹ نمبر آنٹی نوما کو دے دیا تھا تاکہ اس کے یہاں سے جانے کے بعد اگر کسی دوسری لڑکی کو ایسی سفارتی مدد درکار ہو تو فردوس خان اس کی مدد کر سکے۔

"تم ایک دفعہ میرے ساتھ تھانے چلو پھر میں سکندر کے وکیل سے خود ہی نبٹ لوں گی۔" سوزان ٹیبل سے اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"تم ابوذر کو یہیں چھوڑ جاؤ' ہتی اسے سنبھال لے گی ان حالات میں تمہارے ساتھ ابوذر کا تھانے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

آنٹی نوما کی بروقت تاکید اس کے کتنے کام آئی اس کا احساس اسے تھانے جا کر ہوا' جب سوزان کی ہمراہی میں پولیس اسٹیشن داخل ہوئی تو خاصی گھبرائی ہوئی تھی سوزان اسے اپنے ساتھ لیے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم یہاں بیٹھو میں پہلے کسی پولیس آفیسر سے بات کر لوں پھر تمہیں بلاتی ہوں۔" سوزان کی ہدایت کے مطابق وہ دروازے کے پاس ہی رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھوڑی ہی دیر میں سوزان واپس آگئی۔

"میرے ساتھ آؤ تمہیں لیڈی پولیس آفیسر کو اپنا بیان ریکارڈ کروانا ہے اور دیکھو بالکل بھی ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ اسے سمجھاتے ہوئے ایک دوسرے کمرے کی جانب چل دی۔

"تم اندر جاؤ میں باہر تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گئی۔

"میں اکیلی کیسے اندر جاؤں آپ بھی چلیں میرے ساتھ۔" اس کا خوف زدہ دل کسی پتے کی مانند لرز رہا تھا' باوجود کوشش کے وہ اپنی لہجہ کی لڑکھڑاہٹ پر قابو نہ پا سکی۔

"کم آن نیہو تم تو ایک بہادر لڑکی ہو جہاں اب تک اتنا سب کچھ فیس کیا وہاں تھوڑی سی ہمت اور کر لو تمہاری آج کی یہ ہمت ساری زندگی تمہارے کام آئے گی اور ویسے بھی اپنا بیان ریکارڈ کروانے تمہیں اکیلے ہی اندر جانا ہے قانون کے مطابق میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی اور ہاں اپنا اور اپنے بچے کا پروٹیکشن آرڈر لے کر ہی باہر آنا۔"

"او کے...." وہ آہستہ سے کہتی ہوئی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی سامنے ٹیبل کے پیچھے کرسی پر ایک لمبی تڑنگی پولیس آفیسر موجود تھی جس نے دروازہ کھلنے کی آواز پر سر اٹھایا' نیہو کا مکمل طور پر ایک طائرانہ جائزہ لیا' اس کے دیکھنے کے انداز میں جانے ایسا کیا تھا جس نے نیہو کو ہولا دیا اس کا دل چاہا وہ یہیں سے واپس پلٹ جائے۔

"نیہو احتشام الدین...." اپنے سامنے رکھے پیپر پر نظر ڈال کر اس نے ایک زوردار آواز سے اس کا نام پکارا یقیناً" نیہو کی آمد کی اطلاع اسے دے دی گئی تھی جس کی بنا پر وہ اس کے نام سے بخوبی واقف تھی۔

"جی...." نیہو نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بمشکل آواز نکالی۔

"تمہارا بچہ کہاں ہے؟" لیڈی پولیس آفیسر نے کسی قدر کرختگی سے سوال کیا اس کا یہ سوال اس قدر اچانک تھا کہ نیہو ایک دم ڈر سی گئی۔

"بچہ میرے پاس ہی ہے اور مجھے اس کا پروٹیکشن آرڈر چاہیے تاکہ میرا ہزبینڈ مجھے مزید تنگ نہ کر سکے' غالباً" سوزان اس کے بچے کے حوالے سے تمام تفصیلات تھانے میں دے چکی تھی اسی بنا پر اس نے تھوڑا سا ریلیکس ہو کر جواب دیا ویسے بھی یہ سب تفصیل یہاں بتانا ازحد ضروری تھا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ بچہ ملائی نشنیلٹی کا حامل

یہ تم اسے یہاں سے لے جانا چاہتی ہو۔" پولیس آفیسر کرسی کھینچ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور نیہو کے مدمقابل آ کر اس کے کندھے پر زور سے دباؤ ڈالتے ہوئے بولی۔

"تم بچ انجنگ (کتیا) ایک ملائی بچے کو پاکستان لے جانا چاہتی ہو؟ جانتی ہو اس بچے کو اپنے پاس رکھ کر تم نے کتنا بڑا قانونی جرم کیا ہے تمہاری بھلائی اسی میں ہے بچہ فوراً" سے پیشتر مسٹر سکندر کے حوالے کرو۔" سکندر کا نام سنتے ہی وہ ساری کہانی سمجھ گئی یقیناً" سکندر اس کی آمد سے قبل ہی یہاں رابطہ کر چکا تھا اور ظاہر ہے وہاں کا قانون اپنے شہری کے دفاع کو زیادہ اہمیت دیتا تھا' اسے یک دم اپنا ملک یاد آیا جہاں کسی غیر ملکی عورت سے ہونے والی ذرا سی زیادتی پر تمام میڈیا سڑکوں پر آ جاتا تھا اور یہاں کسی دوسرے ملک کے شہری کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی چاہے وہ ایک عورت ہی کیوں نہ ہو۔

"ہم سب جانتے ہیں تم ایک بدچلن اور آناک (آوارہ) عورت ہو غیر مردوں سے تعلق رکھتی ہو اپنی چانتے (خوب صورتی) کو استعمال کر کے مردوں کو الو بناتی ہو۔" اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نیہو کے کانوں میں آگ لگاتے ہوئے اتر رہے تھے پولیس کسی بھی ملک کی ہو ایک ہی جیسی زبان استعمال کرتی ہے جس میں تہذیب اور اخلاق کا گزر کہیں نہیں ہوتا' اس لیڈی آفیسر کی زبان سن کر نیہو کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پاکستان کے کسی پولیس اسٹیشن میں موجود ہو۔

"اب تم جو چاہو کر لو مگر تم ایک ملائی بچہ یہاں سے لے کر نہیں جا سکتیں اب بتاؤ تم یہاں کیا لینے آئی ہو۔" اسے ذہنی ٹارچر کرنے کے بعد وہ پولیس آفیسر اپنی کرسی پر واپس جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے دیکھنے کا انداز ابھی بھی اس قدر ہتک آمیز تھا کہ نیہو کے منہ سے کچھ نکل ہی نہ پایا اور وہ بے اختیار رونے لگی۔

"اب اپنا رونے دھونے والا ڈرامہ بند کرو ہم پر تمہارے یہ آنسو کوئی اثر نہیں کرتے کیونکہ ہمیں دن رات تمہارے جیسی بدمعاش عورتوں سے سابقہ پڑتا

ہے۔" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجہ میں اسے لفظوں کی مار مارتے ہوئے بولی۔
"اب بتاؤ تمہیں کس کا پروٹیکشن آرڈر چاہیے ویسے مسٹر سکندر کو علم ہے کہ تم یہاں اس وقت موجود ہو۔" اس نے اپنے سامنے رکھی فائل کو کھولتے ہوئے پوچھا۔
"کسی کا بھی نہیں۔۔۔" بمشکل اپنی ہچکیاں روکتے ہوئے نیبو نے جواب دیا۔
"گڈ اس کا مطلب ہے تم خاصی سمجھ دار ہو' تمہارے لیے بہتر یہ ہی ہوگا کہ سکندر کا بچہ جلد از جلد اس کے حوالے کرکے وطن واپس لوٹ جاؤ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔" وہ ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکا کر آگے آتے ہوئے رازداری سے بولی۔
نیبو کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر اس نے اس آفیسر کی بات نہ مانی تو اسے اس تھانہ میں ہی دھر لیا جائے گا' اسے خدشہ تھا کہیں اسے گرفتار ہی نہ کرلیا جائے اور اگر اس وقت یہاں سکندر آگیا تو۔۔۔ اس سے آگے سوچتے ہی وہ خوف زدہ سی ہوگئی اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔
"بس آپ مجھے یہاں سے جانے دیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ ایک دم پلٹی اس کے پیچھے دو پولیس کانسٹیبل کھڑی تھیں۔
"یہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو ہمیں تحریر میں لکھ کردو۔" پولیس آفیسر نے اس کے سامنے ٹیبل پر ایک پیپر اور پین رکھتے ہوئے اسے حکم دیا نیبو نے خاموشی سے دونوں چیزیں اٹھالیں۔
"اپنا بیان لکھ کردو کہ تمہیں اپنا یا اپنے بچے کا کوئی پروٹیکشن آرڈر نہیں لینا۔"
اس نے پولیس آفیسر کی ہدایت کے مطابق بیان لکھ کر اس کے سامنے رکھ دیا جسے اس نے اٹھا کر دیکھنے کے بعد سامنے رکھی فائل میں لگادیا۔
"اب یہ ہی بیان ہمیں ملائی زبان میں بھی لکھ کردو۔"
لیڈی آفیسر نے مزید ایک پیپر اس کے سامنے رکھ دیا جانے وہ کیا چاہتی تھی نیبو سمجھ نہ پائی مگر خاموشی سے اس کی ہدایت کے مطابق اپنا بیان ملائی زبان میں بھی تحریر کردیا اور پیپر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔
"تمہیں ملائی لکھنا بھی آتی ہے؟" آفیسر نے ٹیبل پر رکھا پیپر اپنے سامنے سرکا کر دیکھا اور حیرت سے ابرو اچکاتے ہوئے بولی۔
"یعنی تم مکمل طور پر ایک فراڈ عورت ہو اور کون کون سی زبان جانتی ہو؟ شاید اپنی ان ہی خوبیوں سے مرد پھنساتی ہو؟"
"پلیز میں نے آپ کے کہنے کے مطابق اپنا بیان لکھ دیا ہے اب مجھے واپس جانے دیں۔" وہ اپنے لرزتے ہاتھوں کو چھپا کر تیز تیز لہجے میں بولی۔
"ٹھیک ہے تم جاسکتی ہو مگر یاد رکھنا تمہیں بہت جلد اپنا بیٹا اس کے باپ کے حوالے کرنا ہوگا ہم تمہیں ایک ملائی بچہ یہاں سے نہیں لے جانے دیں گے۔"
نیبو نے اس کی کسی بھی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ اسے تھانے میں روکا نہ گیا' وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلی اور تیز تیز چلتی سوزان کے پاس جا پہنچی جو باہر کاؤنٹر پر کھڑی کسی سے کوئی بات کررہی تھی۔
"مل گیا پروٹیکشن آرڈر؟" اسے دیکھتے ہی سوزان نے سوال کیا۔
"آپ چلیں یہاں سے میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں۔"
وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی' آنسو مسلسل اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔
"تمہیں کیا ہوا ہے؟" سوزان نے حیرت سے دریافت کیا مگر نیبو بنا کوئی جواب دیے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھی۔
"پروٹیکشن آرڈر کہاں ہے؟" سوزان کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔
"جہنم میں گیا پروٹیکشن آرڈر مجھے نہیں چاہیے پلیز آپ جلد از جلد یہاں سے نکلیں۔" وہ بولتے بولتے رو پڑی' سوزان نے ایک نظر اس کے چہرے پر

ڈالی اور خاموشی سے کار ڈرائیو کرنے لگی اور پھر سارے راستے اس نے نیبو سے کوئی سوال نہ کیا نیبو کی حالت دیکھ کر اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ یہ پروٹیکشن آرڈر کے بغیر ہی آگئی ہے مگر کیوں اس کا جواب اسے WAO کے آفس جاتے ہی مل گیا جب نیبو نے رو رو کر آنٹی نوما کو تمام تفصیل سنائی۔
"جو بھی ہے تمہیں کوئی بھی تحریری بیان مجھ سے پوچھے بغیر نہیں دینا چاہیے تھا تم وہاں پروٹیکشن آرڈر لینے گئی تھیں تمہیں اسی کے متعلق بات کرنی چاہیے تھی۔"
"مگر اس لیڈی آفیسر نے مجھے اتنا ذہنی ٹارچر کیا کہ میں گھبرا گئی۔"
"جو بھی تھا سوزان تمہارے ساتھ تھی تمہیں کمرے سے باہر آکر اس سے ملنا چاہیے تھا میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی نہیں جانتیں تم نے یہ سب کرکے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" آنٹی نوما نے بڑی مشکل سے اپنے غصہ کو دباتے ہوئے کہا جبکہ یہ سب سن کر سوزان کا چہرہ غصہ کی زیادتی سے سرخ پڑ گیا تھا' اسے امید نہ تھی کہ نیبو اس قدر کمزور ثابت ہوگی۔
"تم شاید نہیں جانتیں وہ پولیس آفیسر تمہیں صرف دھمکیاں دے رہی تھی ورنہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی کیونکہ میں وہاں تمہارے ساتھ تھی اور تم نے مجھے کوئی اہمیت دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔" سوزان نے غصہ سے کہا۔
"آپ نہیں جانتیں سکندر وہاں میٹنگ کرکے میرے بارے میں ساری بات کرچکا ہے اس کے لگائے گئے الزامات کی روشنی میں میری کی ہوئی ہر بات ان کے نزدیک جھوٹ اور فراڈ تھی وہ آفیسر مکمل طور پر سکندر کے فیور میں تھی۔"
"جو بھی تھا نیبو تمہیں وہاں سے پروٹیکشن آرڈر لے کر ہی آنا چاہیے تھا اب اگر یہ آرڈر لے کر تمہارا ہزبینڈ یہاں آجاتا ہے تو یقینی طور پر تم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی جس سے نکلنے میں ہم بھی تمہاری کوئی مدد نہ کرسکیں گے۔"
"سوزان بالکل درست کہہ رہی ہے۔" آنٹی نوما نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی جب کہ نیبو کا دھیان اس وقت ان کی کسی بات کی طرف نہ تھا وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اسے اب جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہوگا کیونکہ WAO اب اس کے لیے محفوظ نہ رہی تھی اس نے دل ہی دل میں حساب لگایا فردوس خان کے مطابق اگلے ایک ہفتہ تک اس کا پاسپورٹ مل جانا چاہیے تھا' اس کے بعد یقیناً" آگے کی منزل اس کے لیے آسان ہوجاتی مگر مسئلہ اس ایک ہفتہ کا تھا جو اسے لگ رہا تھا کہ وہ WAO میں نہ گزار سکے گی اور جلد ہی اس کا یہ بدترین خدشہ درست ثابت ہوگیا۔

☼ ☼ ☼
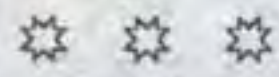
مسلسل بجتے موبائل کی رنگ ٹون نے اس کی نیند کو خراب کردیا' اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ٹائم پیس پر نظر ڈالی صبح کے چھ بجے تھے جانے کون تھا جو اتنی صبح صبح اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔
"الٰہی خیر یہ صبح صبح میں کیسے یاد آگیا؟" جنید نے بے ساختہ سوچتے ہوئے تکیے کے پاس رکھا موبائل اٹھا لیا جو ایک بار پھر پوری شدت سے بج اٹھا تھا۔
"یہ اتنی صبح صبح کون ہے؟" رحاب نے کروٹ بدلتے ہوئے سوال کیا۔
"سکندر؟" اسکرین پر نظر ڈال کر اس نے یس کا بٹن دبا دیا' فون کان سے لگائے وہ باہر بالکونی میں آگیا تاکہ رحاب کی نیند خراب نہ ہو صبح چھ بجے کا مطلب ملائیشیا میں نو بجے تھے' اتنی صبح یقیناً" کوئی ایسی ہی خبر تھی سکندر کے پاس جس نے اسے دن چڑھنے کا انتظار بھی نہ کرنے دیا' اس سوچ نے جنید کو پریشان سا کردیا۔
"ہیلو۔۔۔" وہ اپنی بے چینی چھپاتے ہوئے مدھم آواز میں بولا۔
"نیبو کہاں ہے؟" دوسری طرف سے بلا تمہید پوچھے جانے والے اس سوال نے ایک سیکنڈ کے لیے جنید کے دماغ کو بھک سے اڑا دیا اور وہ اپنے غصہ پر قابو

نہ پاسکا۔

"واٹ ڈو یو مین نیبو کہاں ہے؟ تم ہوش میں تو ہو وہ سوال جو ہمیں تم سے کرنا چاہیے الٹا تم ہم سے کر رہے ہو؟ مسٹر سکندر ہم نے نیبو یہاں سے تمہارے ساتھ بھیجی تھی اس کا پاسپورٹ ابھی بھی تمہارے پاس ہے میرا خیال ہے کہ ہم سے زیادہ یہ بات تمہیں پتا ہونی چاہیے کہ نیبو اس وقت کہاں ہے؟"

"زیادہ ڈرامہ مت کرو میرے ساتھ؟" سکندر نے چیختے ہوئے کہا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو تمہاری بد چلن بہن میرا بچہ اغوا کر کے غائب ہو گئی ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ تم لوگوں کے پاس پاکستان پہنچ گئی ہے اور اگر ایسا نہ ہوا وہ یہیں کہیں ہوئی تو خدا کی قسم کبھی میرا بچہ لے کر یہاں سے زندہ سلامت نہ جا سکے گی۔"

"مگر تمہارا تو کہنا تھا کہ وہ کسی این جی او کے پاس ہے۔"

سکندر کی باتوں نے جنید کو بھی تھوڑا سا پریشان کر دیا ورنہ اس سے قبل وہ سب یہ سن کر مطمئن ہو چکے تھے کہ نیبو وہاں کسی سوشل ویلفیئر والوں کے پاس محفوظ ہے جہاں سے سکندر قانون کے ذریعے اپنا بچہ حاصل کر کے اسے وطن واپس بھیج دے گا مگر آج سکندر بالکل ہی ایک نئی کہانی سنا رہا تھا جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ نیبو اب وہاں نہیں ہے جہاں کا سکندر نے بتایا تھا۔

"وہاں تھی مگر اب نہیں ہے اور ہاں میں نے جو بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں ابوذر کو حاصل کر کے اسے وطن واپس بھیج دوں گا اب اسے بھول جاؤ اب وہ جب بھی مجھے ملی میں اپنا بچہ لے کر اسے پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

نفرت اور حقارت سے کہتے ہوئے سکندر نے فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا اب نیبو کہاں گئی؟" رحاب جانے کب اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی اسے سکندر سے بات کرتے ہوئے پتا ہی نہ چلا۔

"پتا نہیں کہاں گئی مگر اس لڑکی نے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا' ہر جاننے والا شخص ایک ہی سوال کرتا ہے تم لوگ اسے جا کر واپس پاکستان کیوں نہیں لا رہے اب ہم کس کس کو بتائیں ہمیں تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ وہ ہے کہاں۔" جنید غصے سے بولتا ہوا کمرے سے بھی باہر نکل گیا رحاب جانتی تھی کہ اب وہ یہ خبر گھر کے دیگر افراد کو دینے گیا ہے' اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی ابھی صرف سات بجے تھے۔ وہ خاموشی سے چادر اوڑھ کر ایک بار پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگی نیبو کہاں گئی اسے اس مسئلہ سے کوئی سروکار نہ تھا کیونکہ یہ اس کی دردِ سری نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو نیبو تم نے اب تک جو بھی پریشانی دکھ اور تکلیف برداشت کی صرف اور صرف اپنے بیٹے کی خاطر' اب اگر تمہارا شوہر یہاں سے تمہارا بچہ واپس لے جاتا ہے تو تمہاری ساری جدوجہد بے کار جائے گی' تم خود سوچو اس صورت میں تمہارے پاس کیا باقی بچے گا۔" آنٹی نوما کی بات ختم ہونے پر اس نے سر اٹھا کر ان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں نیبو کے لیے ہمدردی نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی' ساتھ ہی اس نے کمرے میں موجود دیگر افراد پر بھی ایک ایک نظر ڈالی' سوزان اور سہتی کے علاوہ وہاں WAO کی انچارج میڈم سریا بھی موجود تھی اور ان کی یہاں موجودگی بھی معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے کے لیے کافی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سکندر نے اپنے وکیل کے ذریعے آئی' پی آرڈر لے لیا ہے۔ جس کے تحت بچہ اس کی کسٹڈی میں جانا تھا اس آرڈر کے حصول کے بعد اس کے وکیل کا رویہ کافی تبدیل ہو گیا تھا پچھلے بارہ گھنٹوں میں وہ کئی فون WAO کر چکا تھا اب اس کے ہر فون میں وارننگ اور دھمکیاں تھیں فی الحال وہ WAO والوں کی اجازت کے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہاں نیبو نوما درست کہہ رہی ہے ابھی کچھ دیر قبل

یہاں سکندر کا فون آیا تھا۔" یہ خبر نیبو کے لیے نئی تھی اس نے چونک کر سوزان کی جانب دیکھا۔

"وہ کچھ دیر میں پولیس لے کر WAO آنے والا ہے اور اگر اس کی بات درست ثابت ہوئی اور وہ پولیس کے ساتھ یہاں آگیا تو پھر یقیناً" اس کا لائر اندر داخل ہو جائے گا اور اس صورت میں شاید ہم تمہاری کوئی مدد نہ کر سکیں۔"

سوزان کی بات ختم ہوتے ہی وہ بوکھلاہٹ میں اٹھ کھڑی ہوئی یہاں سے سکندر ایک گھنٹے کی مسافت پر موجود تھا اور اگر وہ فون کرنے کے بعد بھی وہاں سے نکلتا تو کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والا تھا اور اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو.....

اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔

"آنٹی مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کہاں جاؤں؟ ربیعہ اور انکل صالح میں سے کوئی بھی مجھے پناہ نہیں دے سکتا۔" گھبراہٹ سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

"تم ایسا کرو فردوس خان کو فون کرو مجھے امید ہے وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا کیونکہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس نے اپنے آخری فون میں تم سے کہا تھا کہ کسی بھی ایسی صورت حال میں تم اس سے رابطہ کر سکتی ہو"

سہتی کے یاد کروانے پر اسے فردوس خان یاد آگیا ورنہ اپنے ماؤف دماغ کے ساتھ وہ سب کچھ بھول چکی تھی اس نے تشکر بھری نگاہ سے سہتی کی جانب دیکھا اور جلدی سے اپنے ہاتھ میں موجود موبائل سے فردوس خان کا نمبر ڈائل کیا دوسری ہی بیل پر اس نے فون اٹھالیا۔

"السلام علیکم....." ایئر پیس میں اس کی آواز ابھری۔

"بھائی میں سخت پریشانی میں ہوں سکندر آئی پی آرڈر لینے کے بعد اپنے وکیل اور پولیس کے ساتھ یہاں آنے والا ہے اور آپ جانتے ہیں میرے پاس WAO کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہیں جہاں میں سکندر نامی شیطان سے محفوظ رہ سکوں۔" بات کرتے کرتے وہ رو پڑی۔

"تم ایسا کرو یہاں سے نکل کر ٹرین کے ذریعے سنبھرن پہنچ جاؤ وہاں میرا چھوٹا بھائی تمہیں ریسیو کرلے گا کیونکہ میں فی الحال تھائی لینڈ میں ہوں واپس آتے آتے مجھے دیر ہو جائے گی تم فوراً" یہاں سے نکل جاؤ سنبھرن میں اسٹیشن پر ہی تمہیں فراز مل جائے گا اس کے ساتھ چلی جانا وہ تمہیں میرے گھر بحفاظت پہنچا دے گا وہاں میری بیوی اور بچے تمہارا استقبال کریں گے پریشان مت ہو اور جلد از جلد یہاں سے نکلو"

فردوس خان کے ان الفاظ نے اس کے جسم میں توانائی بھر دی سچ ہے دنیا میں صرف سکندر جیسے لوگ ہی نہیں پائے جاتے بلکہ فردوس خان اور شہریز جیسے لوگ بھی اسی دنیا کا ایک حصہ ہیں اور شاید ایسے ہی لوگوں کی بدولت دنیا اپنے محور پر چل رہی ہے ورنہ کب کی ملیا میٹ ہو چکی ہوتی۔ اس نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور سب سے باری باری گلے ملی' وہاں موجود ہر عورت کی آنکھ میں اس کے لیے آنسو تھے نیبو کے دکھ اور تکلیف نے سب کو اپنا دکھ بھلا دیا تھا سب کی یہ ہی خواہش تھی نیبو اپنے بچے سمیت وطن واپس پہنچ جائے۔

"آپ سب لوگ میرے لیے دعا کیجئے گا میں خیر و عافیت کے ساتھ اپنے گھر واپس چلی جاؤں۔" گیٹ سے باہر نکلتے نکلتے وہ ایک بار پھر واپس پلٹ آئی۔

"ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں' یہ تم میرا فون نمبر بھی رکھ لو باقی سب کے تمہارے پاس ہوں گے تم جب واپس پہنچ جاؤ تو ہمیں ضرور اطلاع دینا کیونکہ تمہاری کامیابی ہم سب کی کامیابی ہوگی جسے ہم فخر کے ساتھ ان لڑکیوں کو بتائیں گے جو تمہارے بعد یہاں آئیں گی۔"

میڈم سریانے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنا کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما دیا' اس نے خاموشی سے سر ہلایا اور تیزی سے گیٹ عبور کر گئی۔

باہر ٹیکسی موجود تھی جس میں بیٹھ کر اسے اپنا نیا سفر شروع کرنا تھا وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئی ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر اسٹیشن کی جانب رواں دواں ہو گئی۔ روڈ پر مڑتے ہوئے سکندر کی گاڑی کے ساتھ پولیس موبائل تیزی سے اس کے قریب سے گزر گئیں اس نے بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے بروقت اسے WAO سے نکلنے کا موقع فراہم کیا' ورنہ آج یقیناً" اس کی ہار اور سکندر کی جیت کا دن ہوتا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں ہو تم؟" فون کان سے لگاتے ہی ربیعہ کی بے چین آواز سنائی دی۔

"کیوں خیریت کیا ہوا تمہیں؟" اس نے کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے نظاروں پر ایک نظر ڈالی۔

"ابھی ابھی بھائی عبدالرحمان کا فون آیا تھا۔" ربیعہ کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"انہوں نے بتایا ہے کہ سکندر WAO پولیس کے ساتھ گیا ہے۔"

"میں وہاں نہیں ہوں۔" وہ ربیعہ کی بے چینی کی وجہ شروع میں ہی جان چکی تھی۔

"اوہ تھینک گاڈ۔" اس نے سکون بھرا ایک سانس خارج کیا۔

"وہاں نہیں ہو تو پھر کہاں ہو؟" فوراً" ہی اسے ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا۔

"بھائی کے گھر جا رہی ہوں۔" اس نے جان بوجھ کر فردوس خان کا نام نہیں لیا۔

"شکر ہے ورنہ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔" بھائی کا حوالہ فردوس کے لیے ہے یہ بات ربیعہ جانتی تھی۔

"سنو ربیعہ میرا ایک کام کرنا اگر کبھی بھی پاکستان سے کسی کا بھی فون آئے میرا پوچھے تو پلیز کسی کو مت بتانا میں کہاں ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری ہمدردی میں کسی شریف انسان کو کوئی نقصان پہنچے۔"

ٹرین رک چکی تھی۔ سنبھرن آگیا تھا وہ بیگ اور ابوذر کو سنبھال کر باہر پلیٹ فارم پر آگئی' باہر نکل کر اس نے یہاں وہاں نظر دوڑائی سامنے کچھ دور ایک اٹھارہ انیس سالہ پٹھان نوجوان کھڑا تھا جس کی شکل فردوس خان سے خاصی ملتی تھی یقیناً" وہ ہی فراز تھا۔

"ٹھیک ہے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی اور تم مجھ سے ملنے اب کب آؤ گی۔" اسے دیکھ کر فراز بھی اس کے قریب آگیا حالانکہ ملائی روایتی لباس نے اس کے حلیے کو خاصا تبدیل کر دیا تھا اور وہ دیکھنے میں ایک ملائی لڑکی ہی دکھائی دے رہی تھی لیکن چونکہ اس ٹرین سے نکلنے والی واحد عورت تھی جس کے ساتھ بچہ تھا یہ ہی سبب تھا جو فراز نے اسے دور سے ہی پہچان لیا۔

"میں جب بھی ایمبیسی آئی تم سے ملوں گی کیونکہ مجھے تم سے اپنا سامان بھی لینا ہے اور اب میں فون بند کر رہی ہوں کیونکہ میں اپنی منزل تک پہنچ گئی ہوں۔" ربیعہ کو خدا حافظ کر کے وہ فراز کی جانب متوجہ ہوئی جو اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"آپ نیبو ہیں؟"

اس کے متوجہ ہونے پر وہ دھیرے سے اس کے کان کے قریب بولا۔

"اور تم یقیناً" فراز۔" اس کا اندازہ درست نکلا۔

"جی بالکل لائیں یہ بیگ مجھے دے دیں۔"

فراز نے اس کے ہاتھ سے بیگ اور ابوذر دونوں کو ہی لے لیا وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی باہر پارکنگ میں آگئی جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی' اس نے پچھلا دروازہ کھول کر بیگ رکھا وہ بھی پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھ گئی جبکہ فراز نے ابوذر کو اگلی سیٹ پر بٹھا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"یہاں سے تمن جایا پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے جہاں ہماری رہائش ہے۔" اس نے پیچھے مڑ کر نیبو کو اطلاع فراہم کی جس کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہ رہی تھی کہ اسے یہاں سے آگے کہاں جانا ہے اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اسے ہر حال میں اپنے اللہ سے پوری امید تھی کہ وہ کبھی بھی اسے مایوس نہ کرے گا اس کی یہاں تک کی کامیابی نے رب پر اس کا یقین اور ایمان پہلے سے کئی گنا مضبوط کر

دیا تھا۔

وہ خیالوں ہی خیالوں میں سکندر کا تصور کر رہی تھی جو یقیناً" اسے WAO میں نہ پا کر بے حد تلملایا ہو گا وہ یہ سوچ کر بڑی مطمئن ہوئی کہ وہ جب سے سکندر کے گھر سے نکلی تھی اس نے اس کی ہر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تھا' فاطمہ یقیناً" اس وقت کو کوستی ہوں گی جب انہوں نے نیبو کو روزینہ کے ساتھ ابوذر کو لے جانے دیا اور روزینہ وہ ضرور مطمئن ہو گی کیونکہ وہ تو خود دل سے چاہتی تھی کہ نیبو یہاں سے نکل جائے' ان ہی سوچوں میں گھری وہ اپنی منزل تک پہنچ گئی گاڑی کے ایک جھٹکے سے رکتے ہی اس نے باہر جھانکا' ایک چھوٹا سا علاقہ جہاں اکثریت چھوٹے چھوٹے مکانوں کی تھی۔

"تو فردوس خان یہاں رہتا ہے۔" یقیناً" ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے والے فرد کا دل ان لوگوں سے کئی گنا بڑا تھا جو بڑے بڑے محلوں میں رہتے تھے یہ ہی سوچتی ہوئی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

"یا اللہ میری بہن کی عزت و ناموس کی حفاظت فرما' اس کو بحفاظت ہم تک پہنچا دے۔ تیرا یہ احسان ہم زندگی بھر نہ بھولیں گے۔"

حرم شریف کے احاطے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی بند آنکھیں کھول دیں اور خانہ کعبہ پر پڑنے والی پہلی نظر کے ساتھ ہی نیبو کی خیر و عافیت کی دعا اس کے لبوں سے پھسل پڑی' اس کے بعد عمرہ کی ادائیگی اس نے بڑے صبر و ضبط کے ساتھ کی مگر جیسے ہی باب رحمت کے سامنے دو نفل پڑھ کر فارغ ہوئی خود پر اختیار کھو بیٹھی اور یک دم ہی بلک بلک کر رونے لگی اس کی سسکیوں کی آواز سن کر خشوع و خضوع سے دعا کرتے حمزہ نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا' اپنی دعا ختم کی اور اس کے قریب آ گیا۔

"کیا بات ہے شفا کیوں اس قدر رو رہی ہو؟" وہ اس کے قریب ہی دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔

"حمزہ ۔۔۔ نیبو ۔۔۔" ہچکیوں کے دوران اس کے منہ سے نکلنے والے ان دو لفظوں نے ہی حمزہ کو سب کچھ سمجھا دیا شفا پاکستان سے نیبو کی پریشانی اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔

"حوصلہ کرو شفا اللہ تعالیٰ سب کچھ اچھا کر دے گا۔"

سمجھانے کے ساتھ ساتھ حمزہ نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا بھی کر دیا زیادہ رش کے سبب دیگر لوگ بھی اپنے اپنے نفل کی ادائیگی کے لیے جگہ کے منتظر تھے۔

"جانتے ہو حمزہ گھر میں اس نے کبھی اٹھ کر پانی بھی نہ پیا تھا' اپنی چائے تک خود نہ بنائی تھی۔" حمزہ کے ساتھ چلتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

"سب کچھ جانتا ہوں یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جو میں بھول سکتا ہوں' بہت نکمی لڑکی ہے وہ۔" حمزہ نے اس کی ٹینشن دور کرنے کے لیے ہنستے ہوئے کہا' وہ حرم شریف کے احاطے سے باہر نکل آئے اب ان کا رخ اپنے ہوٹل کی جانب تھا۔

"نکمی تھی ہے نہیں۔" شفا نے فوراً" اس کے جملے کی تصحیح کی۔

"جانتے ہو ربیعہ بتا رہی تھی وہ WAO میں باتھ روم کی صفائی تک کرتی رہی ہے۔" اپنی بہن کی محبت اور اس کا دکھ شفا کے لہجہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

"اور اب وہ جس پاکستانی فیملی کے ساتھ رہ رہی ہے ان کے گھر کا سارا کام خود کرتی ہے' تم سوچ نہیں سکتے ربیعہ سے یہ سب کچھ سننے کے بعد میں کس قدر اذیت میں ہوں۔"

"یہ سب بے کار اور فضول باتیں ہیں جنہیں سوچ سوچ کر تم اپنا خون جلا رہی ہو۔" حمزہ نے اسے ایک بار پھر سمجھایا۔

"جہاں انسان رہتا ہے وہاں کام تو کرنا پڑتا ہے اور ہر وہ لڑکی جو اپنے والدین کے گھر کوئی کام نہیں کرتی سسرال جا کر سب کچھ کرتی ہے اسے اتنا بڑا ایشو مت بناؤ' ہمارے پیارے نبی حضرت محمدﷺ اپنا ہر کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے' کام کرنا کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے

اصل مسئلہ تو اس کی اپنے بچے سمیت گھر بدری ہے دعا کرو اس کی یہ تکلیف جلد دور ہو اور شکر ادا کرو اپنے رب کا جس نے اسے فردوس خان جیسے فرشتے تک پہنچا دیا۔ فردوس خان جیسے لوگ زبانی بہن کہہ کر اسے نبھانے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں اور جہاں اسے ایک محفوظ پناہ گاہ نصیب ہوئی ہے وہاں وہ اس کے لیے اپنے وطن واپسی کا بھی کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا اگر فردوس خان نے اسے بغیر کسی لالچ کے اپنے گھر رکھا ہے تو کیا حرج ہے جو وہ اس کے گھر کا کام کر دیا کرے اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے اعصاب پر سوار مت کرو' سبق سیکھو نیبو سے' جو اتنے کٹھن اور مشکل حالات میں بھی ہمت اور حوصلہ کا دامن تھامے ہوئے ہے جس پر گزر رہی ہے اتنا تو وہ نہ رو رہی ہو گی جس قدر تم رو رہی ہو۔" نیبو فردوس خان کی فیملی کے ساتھ تھی یہ ربیعہ نے کل اسے بتایا تھا حمزہ کی بات بالکل درست تھی شفا کو اندازہ تھا نیبو بہت بدل چکی ہے اور یقیناً" سکندر کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ رونا دھونا بھول گئی ہو گی' اس کا مقصد صرف سکندر اور اس کی فیملی سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا تھا جو وہ ابوذر کو وہاں سے نکال کر لے چکی تھی پاکستان بخیریت پہنچ کر وہ سکندر کی نام نہاد عزت کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دے گی۔ حمزہ کی باتوں نے شفا کو خاصا حوصلہ دیا سچ تھا جب نیبو کو یہ سب کرنے میں کوئی عار نہ تھا تو پھر وہ کیوں اس قدر پریشان ہو رہی تھی اسے تو صرف یہ ہی دعا کرنی چاہیے تھی کہ نیبو کی تمام مشکلات آسان ہوں اور وہ ہر مرحلہ سے بخیریت گزر کر اپنے دیس واپس پہنچ جائے۔

☼ ☼ ☼

زرگونہ کے رونے کی تیز آواز پر نیبو نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا' اس کا خدشہ درست ثابت ہوا' ابوذر زرگونہ کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ چھین چکا تھا جانے ابوذر کو کیا ہو گیا تھا جب سے یہاں آیا تھا ہر وقت کھانے کو کچھ نہ کچھ مانگتا اور پھر اپنے حصہ کا کھا کر دوسروں سے بھی چھیننے کی کوشش کرتا' نیبو نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ جلدی سے سنک میں رکھی نل کھول کر ہاتھ دھوئے اور تیزی سے باہر لپکی باوجود کوشش کے اس کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر زرین ۔۔۔ بھی باہر نکل آئی اور اب اپنی نیند خراب ہونے پر عین دروازے کے درمیان کھڑی ابوذر کو بری طرح گھور رہی تھی نیبو شرمندہ سی ہو گئی فوراً" ابوذر کے ہاتھ سے زرگونہ کے چپس کا پیکٹ واپس لے کر اس کے حوالے کیا اب ابوذر نے رونا شروع کر دیا زرین کی بڑی بیٹی نے ہندکو زبان میں اپنی ماں سے کچھ کہا وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس اندر کمرے میں چلی گئی' نیبو روتے ہوئے ابوذر کو اپنے ساتھ ہی کچن میں لے آئی' جو بھی تھا زرین اور فردوس خان کے اس پر بے شمار احسانات تھے جن کا بدلہ شاید وہ مر کر بھی نہ دے سکتی تھی۔

پچھلے اٹھارہ دن سے وہ اس دو کمروں کے چھوٹے سے گھر میں مقیم تھی جہاں پہلے ہی سات افراد رہتے تھے۔ اس کے باوجود اس کے کھانے پینے اور سونے کا پورا خیال رکھا جاتا یہاں تک کہ وہ دو دفعہ پاکستانی سفارت خانے گئی اپنے پاسپورٹ کے سلسلے میں تو ابوذر کو زرین نے بخوشی اپنے پاس رکھا' ٹرین کے ذریعے سفارت خانے کا ایک گھنٹہ کا سفر وہ ابوذر کے بغیر بنا کسی پریشانی کے کرتی اسے یقین تھا فردوس خان اور اس کی فیملی ابوذر کی حفاظت اپنی جان سے بھی بڑھ کر کرے گی البتہ وہ جتنی دفعہ بھی سفارت خانے گئی وہاں موجود پاکستانی مردوں نے اسے بہت زچ کیا' اپنے ویزے اور پاسپورٹ کے سلسلے میں آئے ہوئے اکثر اس کے ہم وطن اس کے پیچھے پیچھے اسٹیشن تک آجاتے' کھانے اور جگہ کا لالچ دے کر ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ان میں بیس سالہ نوجوان سے لے کر پچاس سالہ مرد تک شامل ہوتے ایسے میں نیبو کو سخت شرمندگی ہوتی اس کا دل چاہتا وہ اپنے سامنے کھڑے ان مردوں کے منہ نوچ لے جنہیں اپنا ہم وطن بھائی کہتے ہوئے بھی اسے گھن آتی تھی۔

آج صبح گھر سے جاتے ہوئے اسے فردوس خان نے بتایا تھا کہ سفارت خانے سے شمریز کا فون آیا ہے اس کا پاسپورٹ کل صبح گیارہ بجے مل جائے گا لہٰذا کل فردوس خان اسے خود سفارت خانہ لے کر جائے گا وہاں سے پاسپورٹ لے کر وہ سیانگ جائیں گے جہاں سے ربیعہ کے پاس سے نیبو کو اپنی رقم اور زیور لینا تھا وہ خود بھی ایک آخری بار ربیعہ سے ملنا چاہتی تھی پھر جانے کب دوبارہ ملاقات ہو' چاہتی تھی کہ سیانگ جا کر ربیعہ اور عبدالوہاب کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے ہر مشکل گھڑی میں اس کا ساتھ دیا شکریہ تو اسے شوبھا کا بھی ادا کرنا تھا اس سلسلے میں اس نے سوچ رکھا تھا جانے سے قبل ایک دفعہ شوبھا سے مل کر اس کا شکریہ ضرور ادا کرنے کی کوشش کرے گی آخری بار وہ گھر بھی ضرور دیکھے گی جہاں سکندر کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کے بدترین چھ سال گزارے شاید وہ ایک آخری بار حماد کو بھی دیکھ سکے یہ سب اس کی سوچ تھی جس پر عمل ہوتا یا نہ ہوتا آنے والے وقت پر منحصر تھا۔

برتن دھو کر اس نے سنک صاف کیا ابوذر سلپ پر ہی لیٹ کر سو گیا تھا' نیبو نے جلدی جلدی کچن کا باقی کام ختم کیا' ابوذر کو گود میں اٹھا کر اس کمرے میں آگئی جہاں وہ فردوس خان کی بیٹیوں کے ساتھ رہتی تھی' صوفہ کم بیڈ کو سیدھا کر کے ابوذر کو اس پر ڈال دیا خود بھی ساتھ ہی لیٹ گئی ابھی بھی درمیان میں بیس گھنٹے باقی تھے' بیس گھنٹے بعد اس کے ہاتھ میں اس کا پاسپورٹ ہوگا اس پاسپورٹ کے حصول کے ساتھ ہی اس کا اگلا سفر بھی آسان ہو جائے گا ابوذر کے بعد نئے پاسپورٹ کا حصول سکندر کے منہ پر لگنے والا دوسرا طمانچہ تھا اپنی تلاش میں کتے کی طرح در در پھرتے سکندر کا تصور ذہن میں ابھرتے ہی وہ پرسکون ہو گئی اور اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں جلد ہی بند ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"پاپا... پاپا۔" وہ مسلسل سسک رہی تھی۔

"بولو میرا بچہ' میری جان میں سن رہا ہوں۔"

احتشام صاحب کو محسوس ہوا وہ کئی صدیوں بعد نیبو کی آواز سن رہے ہیں وہ بھی اس وقت جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو چکے تھے ایسے میں نیبو کی آواز نے ان کے جسم کے روئیں روئیں کو سراپا گوش کر دیا وہ چاہتے تھے کال بند ہونے سے قبل نیبو انہیں اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور بتا دے یہ کہ وہ کہاں ہے؟ کیسی ہے؟ کس حال میں ہے؟ مگر دوسری طرف سوائے نیبو کی سسکیوں کے کوئی دوسری آواز سنائی نہ دے رہی تھی ہر گزرتا پل ان کی بے چینی میں اضافے کا سبب بن رہا تھا۔

"نیبو مجھے بتاؤ بیٹا تم ٹھیک تو ہو نا۔"

دل کا خدشہ ان کے لبوں پر آ ہی گیا۔

"ہاں پاپا شکر الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

جانے کتنے عرصہ بعد اپنے باپ کی آواز سن کر وہ خود پر کنٹرول کھو بیٹھی تھی اسے تو روئے ہوئے بھی زمانے گزر گئے تھے کیونکہ رونے کے لیے کسی اپنے کے کندھے کا ہونا ضروری ہے اور اس کے پاس تو کوئی اپنا تھا ہی نہیں' آج اپنے باپ کی آواز سن کر اسے احساس ہوا وہ اپنے پیاروں سے کس قدر دور ہے۔

"پاپا میں جس نمبر سے بات کر رہی ہوں یہ میرا ہے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیں۔"

"تم کہاں ہو اس وقت۔" احتشام صاحب جلد از جلد اس سے سب کچھ جان لینا چاہتے تھے۔

"پاپا میرے پاس ٹائم بہت کم ہے یہ سب باتیں میں آپ کو وطن واپسی پر بتاؤں گی فی الحال میرا نمبر محفوظ کر لیں جب بھی مجھ سے رابطہ کرنا ہو آپ اس نمبر پر کریں اور ہاں یہ نمبر سوائے آپ کے کسی کے پاس نہیں ہونا چاہیے اس کا علم ماما کو بھی نہ ہو ورنہ میں آپ سے بھی دوبارہ رابطہ نہ کروں گی۔"

وہ جلدی جلدی بولی اسے خدشہ تھا کارڈ ختم نہ ہو جائے دوسرے کارڈ کے لیے اسے پھر بازار جانا پڑتا' وہ جانتی تھی اس وقت احتشام صاحب آفس ہوں گے اس لیے بھی اس نے یہ وقت منتخب کیا تھا۔

"اگر آپ کو کبھی میرا نمبر بند ملے یا میں کال ریسیو نہ

کروں تو سمجھ لیجیے گا میں اس دنیا میں نہیں ہوں یا کسی بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں۔"

"اللہ نہ کرے بیٹا کیوں اتنی خوفناک باتیں کر رہی ہو۔" احتشام صاحب دہل گئے۔

"مجھے یہ تو بتا دو تم ہو کہاں۔"

"میں نہیں بتا سکتی مگر اتنا ضرور کہوں گی میں جہاں ہوں اپنے بھائی کے گھر ہوں اور بالکل خیریت سے ہوں مگر اب بہت جلد مجھے یہاں سے نکلنا ہے اگر مجھے کسی وجہ سے نمبر تبدیل کرنا پڑا تو اس کی اطلاع میں یا میرا بھائی آپ کو دے دیں گے آپ میری طرف سے بے فکر ہو جائیں میں ان شاء اللہ جلد ہی آپ لوگوں سے آملوں گی" تفصیل کے ساتھ ہی کارڈ بھی ختم ہو گیا' جو بھی تھا احتشام صاحب کے لیے اتنا کافی تھا۔ نیبو خیریت سے ہے ورنہ دنیا کی طرح طرح کی باتوں اور بے بنیاد خدشات نے انہیں کئی عرصہ سے پریشان کر رکھا تھا آج اتنے عرصہ بعد نیبو کی آواز سن کر انہیں دلی سکون حاصل ہوا مگر اس کی آواز سے بھی انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ پریشان ہے۔

"اللہ میری بچی کی تمام پریشانیاں دور کرے۔" اتنی دور سے وہ صرف دعا ہی تھی جو نیبو کے حق میں بھیج سکتے تھے سو انہوں نے دل کی گہرائیوں سے بھیج دی ویسے ہی اتنے کٹھن حالات میں نیبو کو اپنے حوصلے کے ساتھ اپنوں کی دعاؤں کی ضرورت تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنے ہاتھ میں پکڑے اس سبز پاسپورٹ کو اس نے کئی بار الٹ پلٹ کر دیکھا' کوئی دس بار اندر سے کھول کر اپنی تصویر دیکھی نیبو احتشام جانے کتنی بار اس نام کو دل ہی دل میں دہرا لیا پھر بھی اسے یقین ہی نہ آیا یہ اس کا اپنا پاسپورٹ ہے جو آج دو ماہ کی خواری کے بعد اس کے ہاتھ میں تھا' جس کے خاطر اس نے پتا نہیں کتنے دھکے کھائے تھے' کیسی کیسی نظروں کا سامنا کیا تھا بے یقینی کی اس کیفیت میں اس نے اپنے ہاتھ پر چٹکی بھی کاٹ کر دیکھ لی' یقیناً" یہ پاسپورٹ اس کا اپنا ہی تھا۔

"تم اگر دیس واپس جانا چاہو تو میں ٹکٹ اور ویزا لگوا دوں گا بصورت دیگر تمہیں تمہارا پاسپورٹ بھی نہیں ملے گا اور میں دیکھوں گا بغیر پاسپورٹ کے تم ہمارے ملک میں کس طرح رہ پاؤ گی' میں یہاں تمہارا جینا دشوار کر دوں گا۔"

بڑے کروفر کے ساتھ بولے گئے فرعونی الفاظ اس کی سماعت میں تازہ ہو گئے۔

"کاش سکندر حیات آج تم میرے سامنے ہوتے اور میں تمہیں بتا سکتی کہ کس طرح میں نے تمہارے منہ سے نکلتے ہوئے تمہارے الفاظ کو جھوٹ ثابت کر دیا آج میں ابوذر کے ساتھ تمہاری ہی سرزمین پر موجود ہوں اور بالکل صحیح سلامت' تمہارے کمرے کے کسی لاک میں رکھا ہوا میرا پاسپورٹ اب کاغذ کے ایک حقیر ٹکڑے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

اپنے پاسپورٹ کو مضبوطی سے تھام کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی' باہر گاڑی میں فردوس کے ساتھ شمریز بھی موجود تھا' نیبو نے بنا کوئی بات کیے اپنا پاسپورٹ فردوس کے ہاتھ میں دے دیا' پاسپورٹ کا حصول کامیابی کی طرف بڑھنے والے راستہ پر رکھا جانے والا پہلا قدم تھا اسی سوچ سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں بے شک ایک طویل جدوجہد کے بعد وہ سبز پاسپورٹ کی مالک بن چکی تھی اس پاسپورٹ نے اسے پاکستانی ہونے کی شناخت عطا کر دی تھی وہ شناخت جو اس کے لیے باعث فخر تھی ورنہ تو وہ بے نام نشان تھی۔

"پاسپورٹ اچھی طرح اپنے ہینڈ بیگ میں رکھو میں تمہیں اسٹیشن چھوڑ دیتا ہوں تم وہاں سے سیانگ چلی جاؤ کیونکہ مجھے ابھی ایک ضروری کام سے کہیں اور جانا ہے شام کو واپسی میں' میں تمہیں عبدالوہاب کے گھر سے پک کر لوں گا' اپنی رقم اور زیور یاد سے لے لینا اب تمہارا پیسہ خرچ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ تمہیں قدم قدم پر پیسوں کی ضرورت پڑے گی اور ہاں اپنے زیور کے ساتھ وہاں سے اکیلی مت نکلنا تم جانتی ہو یہاں نیگرو جگہ جگہ عورتوں کو زدوکوب کر کے لوٹ

لیتے ہیں اس لیے فارغ ہوتے ہی میں تمہیں پک کر لوں گا۔" فردوس خان اسے ہر بات اچھی طرح سمجھاتے ہوئے بولا چونکہ آج اس نے ربیعہ کے گھر جانا تھا اس لیے ابوذر اس کے ساتھ ہی تھا' تیں منٹ بعد وہ ربیعہ کے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑی کال بیل بجا رہی تھی۔

"کون؟"۔۔۔۔ ملائی میں سوال کرتے ہی ربیعہ نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا' بیکنگ کی خوشبو اس کے پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی یہاں بیکنگ کا رواج بہت زیادہ تھا جس کے سبب ربیعہ بھی اچھی خاصی بیکنگ کرنے لگی تھی۔

"آپ کون۔۔۔" ربیعہ نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑی ملائی عورت کو دیکھا دھوتی' لمبی سی شرٹ سر پر اسکارف بڑے سے چشمہ نے اس کا آدھا چہرہ چھپا رکھا تھا ساتھ ہی ایک تقریباً" دو سالہ بچی "کس سے ملنا ہے" وہ پھر بولی۔

"دروازے پر ہی سب سوال کر لو گی یا اندر بھی آنے دو گی۔"

نبیو اسے اپنے سامنے سے ہٹاتی اندر داخل ہو گئی۔

"او میرے خدایا یہ تم ہو مائی گاڈ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔"

ربیعہ نے بمشکل اپنی آواز کو دباتے ہوئے کہا' وہ نبیو کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ لاک کر چکی تھی اگر وہ نبیو کی آواز نہ پہچانتی تو کبھی یقین نہ کرتی کہ سامنے کھڑی ملائی عورت حقیقت میں نبیو ہے۔

"دوبارہ سکندر نے تنگ تو نہیں کیا تم لوگوں کو۔"

نبیو اس سے مل کر اپنا اسکارف اتارتی صوفہ پر بیٹھ گئی ربیعہ اس کے لیے جوس لے آئی تھی ابوذر ربیعہ کی بیٹی کے پاس تھا جب اسے سکندر کا خیال آیا جس نے ان دونوں میاں بیوی کو نبیو کے مسئلے میں بہت تنگ کیا تھا۔

"ارے ہاں یاد آیا دو دن قبل ہی اس نے عبدالوہاب کو فون کیا تھا۔" ربیعہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی' نبیو کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

"کہہ رہا تھا کہ تمہاری اس سے صلح کروا دی جائے۔"

"واٹ۔۔۔۔" ربیعہ کی بات بالکل ہی غیر متوقع تھی نبیو سن کر شاک ہی رہ گئی۔

"واٹ نان سینس طلاق کے بعد صلح بہت ہی غیرت آدمی ہے۔" نبیو کی سمجھ میں نہ آیا وہ سکندر کے لیے کون سا ایسا لفظ استعمال کرے جو اس کے گھٹیا پن کی درست نشاندہی کر سکے۔

"وہ کہتا ہے اس نے تمہیں طلاق ہی نہیں دی۔" ربیعہ ہنستے ہوئے بولی۔

پہلی بات کی طرح یہ بھی بالکل ناقابل برداشت بات تھی' جسے سنتے ہی نبیو ایک دم غصہ میں آگئی۔

"پتا نہیں لوگوں نے مذہب کا اس قدر مذاق کیوں بنا رکھا ہے اور تم لوگ تو اچھی طرح جانتے ہو اس الو کے پٹھے نے مجھے ایک ایک ماہ کے وقفہ سے تین طلاقیں دی' جس کے گواہ اس کی ماں' ایدھا' انکل صالح' عمر روزینہ' تم' عبدالوہاب سب ہی لوگ ہو میں نے اس کے گھر اپنی عدت کے سوا چار ماہ پورے کیے' اب جب میں اس کے منہ پر جوتا مار کر ابوذر کو لے آئی ہوں تو اسے مجھ سے صلح کرنا یاد آگیا بہت خوب کیا بات ہے۔"

"دراصل وہ یہ سمجھتا ہے کہ تم ہمارے پاس ہو اس لیے عبدالوہاب اور مجھے رام کرنے کے لیے وہ یہ چالیں چل رہا ہے۔ سمجھتا ہے اس طرح ہم تمہیں اس سے ملا دیں گے یہ اس کی گھٹیا ترین چال ہے' جس سے ہم سب بھی واقف ہیں تم خوامخواہ اتنے جوش میں مت آؤ۔" ربیعہ نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

اس کا بیان کردہ تجزیہ سو فیصد درست تھا صرف ابوذر کے حصول کے لیے سکندر یہ سب چالیں چل رہا تھا اپنی ان چالوں سے اسے اب کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا کیونکہ نبیو اتنی ناسمجھ نہ تھی جو طلاق کے مذہبی تقاضے نہ سمجھتی ہو۔

"دراصل اس نے طلاق مجھے لکھ کر کورٹ کے ذریعے نہیں دی مجھے لگتا تھا وہ یہ گیم اپنی کسی چال میں ضرور کھیلے گا میں جانتی ہوں اگر آج میں ابوذر اس کے حوالے کر دوں تو وہ مجھے طلاق کے پیپرز بھی دے دے گا بہر حال مٹی ڈالو سکندر اور اس کی کمینی چالوں پر یہ بتاؤ تم اس وقت میرے ساتھ کے ایل سی سی چل سکتی ہو مجھے شوبھا سے ملنا ہے اور ساتھ ہی ایک آخری بار حماد کو بھی دیکھ لوں پھر پتا نہیں زندگی میں دوبارہ اسے دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو۔"

"پاگل ہو گئی ہو اگر وہاں تمہیں کسی نے دیکھ لیا تو پولیس کے حوالے کر دے گا تمہاری ایف آئی آر درج ہے وہاں کے تھانے میں۔۔۔ ہوش کے ناخن لو زیادہ جذباتی مت بنو شوبھا کا نمبر میرے پاس ہے اس سے فون پر رابطہ کر لو اور ہاں کل شفا کا فون آیا تھا وہ عمرہ کرنے گئی ہے تمہارے لیے بہت پریشان تھی میں نے اسے بتا دیا ہے کہ تم خیریت سے ہو یہ نہیں بتایا کہ کس شہر میں ہو بہر حال فردوس خان کے بارے میں بھی بتا دیا ہے ساتھ ہی یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ یہ سب کچھ کسی تیسرے شخص سے شیئر نہ کرے۔" ربیعہ نے اسے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا شام میں نیچے فردوس خان آ گیا اس کا فون آتے ہی نبیو اٹھ کھڑی ہوئی' ربیعہ نے تمام رقم اور زیور اس کے حوالے کر دیا جسے وہ اپنے بیگ میں محفوظ کر چکی تھی' عبدالوہاب بھی گھر آگیا تھا ان دونوں سے ملتے ہوئے وہ آب دیدہ ہو گئی۔

"تم دونوں نے ہر مشکل گھڑی میں میرا ساتھ دیا اللہ تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا اور اب دعا کرنا میں خیر خیریت کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤں' جاتے سمے اس نے ربیعہ کے گلے لگتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"ہماری دعائیں ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔" عبدالوہاب نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔

"یہ بہت زیادہ تو نہیں مگر کچھ رقم ہے' جو ہو سکتا ہے تمہارے کسی کام آجائے ایک بھائی کی طرف سے تحفہ سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔"

نبیو نے عبدالوہاب کے ہاتھ میں تھما لفافہ خاموشی سے لے کر اپنے ہینڈ بیگ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا دونوں میاں بیوی اسے نیچے چھوڑنے آئے جہاں فردوس خان پہلے سے موجود تھا اور پھر روڈ کے آخری سرے تک نبیو نے کئی بار پیچھے مڑ کر دیکھا دونوں اپنے اپارٹمنٹ کی عمارت کے باہر روڈ پر کھڑے تھے جب تک گاڑی موڑ نہ مڑ گئی وہ دونوں اسے ہاتھ ہلاتے رہے۔ ربیعہ اور عبدالوہاب اس کے ملائشیا قیام کی چند اچھی یادوں میں سے ایک تھے وہ ان ہی کے خیالوں میں گم تھی جب اسے فردوس خان کی آواز سنائی دی۔

"تمہارا پاسپورٹ تو بن چکا مگر ابوذر کا ابھی باقی ہے اور یقیناً" تمہارے پاس اس کا برتھ سرٹیفکیٹ بھی نہیں ہو گا اور وہ ہے بھی ملائی شہری۔"

گاڑی ہائی وے پر آگئی تھی جب فردوس خان نے اپنے سامنے والا مرر سیٹ کر کے اس پر ایک نظر ڈالی' وہ جو پچھلی سیٹ پر بہت ہی آرام دہ حالت میں بیٹھی تھی فردوس خان کے مخاطب کرتے ہی ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔ ابوذر کے پاسپورٹ کا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا وہ تو اپنے پاسپورٹ کو ہی فتح و کامرانی کی نشانی سمجھ بیٹھی تھی ایک دشوار ترین مرحلہ تو ابھی باقی تھا جس کا احساس اسے ابھی ابھی فردوس خان کی زبانی ہوا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں میرے پاس اس کا کوئی بھی کاغذ نہیں ہے یہاں تک کہ میں کسی کورٹ میں یہ بھی ثابت نہیں کر سکتی کہ وہ میرا سگا بیٹا ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"دراصل میں سفارت خانے سے سیدھا اپنے ایک جاننے والے کے پاس گیا تھا' تمہیں نہ سہی مگر مجھے پتا تھا کہ اگلا قدم ابوذر کا پاسپورٹ ہے اس کے بغیر تمہارا ویزہ تو لگ جائے گا مگر تمہارے بیٹے کا نہیں میرا یہ جاننے والا پاسپورٹ ایجنٹ ہے میں اس سے ساری بات کر آیا ہوں بغیر برتھ سرٹیفکیٹ کے پاسپورٹ بنانے کی فیس وہ 2000 رنگیٹ لے گا اگر تم افورڈ کر سکتی ہو تو میں اس سے رابطہ کر لوں تاکہ وہ ابوذر کا پاسپورٹ بنوا دے ضرورت ہوئی تو وہ برتھ سرٹیفکیٹ بھی بنوا دے گا۔"

اپنی بات ختم کر کے فردوس خان نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا، اس نے دل ہی دل میں حساب لگایا 2000 رنگیٹ کا مطلب پاکستانی تقریباً" پینتالیس ہزار روپے، اتنی رقم تو ابھی بھی شاید اس کے پرس میں تھی جو اسے احتشام صاحب نے پیسے بھیجے تھے وہ تو اس نے آج تک ربیعہ سے لیے بھی نہ تھے، باقی اپنی جمع کردہ رقم وہ اب تک خرچ کر چکی تھی، احتشام صاحب کی بھیجی ہوئی رقم کے علاوہ عبدالوہاب کا دیا ہوا لفافہ بھی اس کے پرس میں ہی تھا اور اگر نہ بھی ہوتا تو بھی وہ اپنا زیور بیچ دیتی کیونکہ اسے واپس تو ہر حال میں جانا تھا اور اس کا کوئی بھی زیور ابوذر سے زیادہ قیمتی نہ تھا۔

"کیا سوچنے لگیں؟" اسے خاموش دیکھ کر فردوس خان نے پھر سے پکارا۔

"کچھ نہیں پیسوں کا حساب لگا رہی تھی آپ اپنے دوست کو فون کر دیں میں اس کی منہ مانگی فیس دوں گی بس وہ کسی بھی طرح مجھے ابوذر کا پاسپورٹ بنوا دے۔"

"ٹھیک ہے ابھی گھر آنے والا ہے تم چل کر کھانا وغیرہ کھاؤ میں اس سے بات کرتا ہوں تاکہ وہ جلد از جلد ہمیں ابوذر کا پاسپورٹ بنوا دے میں چاہتا ہوں جتنی جلدی ممکن ہو تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے اور یہ ہی ہم سب کے لیے بہتر ہے۔"

گاڑی فردوس خان کے گھر کے سامنے رک گئی، اندر جاتے ہی اس نے پرس سے بیس ہزار رنگیٹ نکال کر اسے اپنے اٹیچی کیس میں رکھ کر لاک کر دیا کیونکہ اس پرس میں نہ صرف رقم بلکہ کل زیور بھی تھا جو جانے کس کس جگہ اس کے کام آنے والا تھا بیس ہزار رنگیٹ لے کر وہ فردوس خان کے پاس پہنچ گئی جو کھانا کھانے کے بعد کسی سے فون پر مصروف گفتگو تھا وہ وہیں قریب رکھی کرسی پر بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"یہ آپ کی مطلوبہ رقم" اُس کے فون بند کرتے ہی نیبو نے رقم کا لفافہ اس کی سمت بڑھایا۔

"گن لیں پورے بیس ہزار ہیں پلیز اپنے دوست سے کہیں جیسے بھی ہو جلد از جلد میرا کام کر دے تاکہ ہم یہاں سے نکل سکیں۔" وہ ملتجی لہجہ میں بولی۔

"میری بات ہو گئی ہے تم کل صبح تیار رہنا فراز اور شمریز تمہیں ملائیشین ایمبیسی لے جائیں گے جہاں سے ابوذر کا پاسپورٹ بننا ہے۔"

"ملائیشین ایمبیسی۔" وہ خوف زدہ ہو گئی۔

"اگر وہاں کسی نے مجھے پکڑ لیا تو۔۔۔"

"کوئی نہیں پکڑے گا۔ ایسے کیس روز جانے کتنے ہوتے ہیں ایمبیسی والوں کا کیا لینا دینا بہر حال تمہارا بچہ یہاں کا شہری ہے اس کا پاسپورٹ بھی اسی ملک سے جاری ہو گا کل تمہارے ساتھ اس کا جانا بھی ضروری ہے اسے لڑکوں والے کپڑے پہنا لینا اور ریاد سے جاتے ہوئے اس کے بال بھی چھوٹے کروا دینا تاکہ وہ لڑکا نظر آئے ان دونوں کے علاوہ میرا ایک دوست بھی تم لوگوں کے ساتھ ہو گا میں خود پارکنگ میں موجود رہوں گا کسی بھی خطرے کو محسوس کرتے ہی وہاں سے نکل آنا اس کے آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

فردوس خان نے تمام باتیں اسے تفصیل سے سمجھا دیں۔

"اب تم جاؤ جا کر آرام کرو اور صبح ٹائم پر ہی اٹھ جانا تم یہاں سے فراز اور شمریز کے ساتھ نکل جانا میں اپنے ایک دوست کے ساتھ تم سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں گا پارکنگ میں موجود رہوں گا تاکہ خدانخواستہ اگر کوئی خطرے والی بات ہو تو تمہیں وہاں سے نکالنا آسان رہے اور ہاں وہ پاسپورٹ ایجنٹ بھی تمہیں مل جائے گا" اس نے اپنا مرتب کردہ پروگرام اسے اچھی طرح سمجھا دیا۔

فردوس خان کی دی ہوئی اتنی تسلی کے باوجود ساری رات خوف زدہ رہی خوف کے سبب وہ سو بھی نہ پائی فجر کی نماز پڑھتے ہی تیار ہو کر شمریز اور فراز کا انتظار کرنے لگی ابوذر کو اس نے سوتے میں ہی تیار کر دیا تھا اب وہ فراز اور شمریز کے انتظار میں ایک ایک پل کر گزار رہی تھی، نو بجے شمریز گاڑی لے کر پہنچ گیا پچھلی سیٹ پر فراز کے ساتھ ایک اجنبی شخص موجود تھا جسے اس نے آج پہلی بار دیکھا تھا وہ خاموشی سے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر شمریز کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی، راستہ میں وہ تینوں آپس میں کچھ اپنی ہی باتیں کرتے رہے جس پر نیبو نے کوئی دھیان نہ دیا اس وقت وہ مکمل طور پر ٹینشن میں تھی اور دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کر رہی تھی کچھ دیر بعد گاڑی رک گئی اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا بالکل سامنے ملائشین ایمبیسی کی پرشکوہ عمارت کھڑی تھی۔

"تم اندر چلو ہم تینوں تمہارے ساتھ ہی ہوں گے اگر کہیں خطرہ محسوس کرو تو فوراً" وہاں سے نکلنے کی کرنا" شمریز نے عمارت کے اندر داخل ہونے سے قبل اسے ہدایت کی اس نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا اس کا حلق خشک ہو گیا کچھ بولا ہی نہ گیا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں داخل ہو گئی، شمریز اور اس کا دوست کچھ فاصلہ رکھتے ہوئے اس کے ساتھ تھے جبکہ فراز جانے کہاں تھا گیٹ کے قریب ہی جینز ٹی شرٹ میں چھوٹی چھوٹی داڑھی والا نوجوان کھڑا تھا، جو انہیں دیکھتے ہی تیزی سے ان کی جانب لپکا غالباً" وہ ہی پاسپورٹ ایجنٹ تھا اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر نیبو رک گئی۔

"نیبو احتشام" وہ اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا نیبو نے صرف اثبات میں سر ہلا کر اس کے اندازے کی تصدیق کی اس کے رکتے ہی شمریز بھی اپنی جگہ تھم گیا۔

"آج تمہارے بچے کا یہاں آنا بہت ضروری تھا کیونکہ اس کی تصویر چاہیے تھی ایک دفعہ تم سب کام کروا جاؤ پھر تمہیں دوبارہ نہیں آنا پڑے گا" آگے کے سب کام میں خود ہی کر لوں گا صرف اس کی تصویر کا مسئلہ تھا جس کے لیے تمہیں آنا پڑا مکمل اعتماد کے ساتھ کاؤنٹر پر جاؤ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے او کے۔"

"او کے" وہ آہستہ سے کہہ کر دھڑکتے دل کے ساتھ کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی۔

"مجھے اپنے بیٹے کا پاسپورٹ بنوانا ہے۔" کاؤنٹر پر موجود نوجوان سے اس نے ملائی زبان میں اپنا مدعا بیان کیا راستہ میں آتے ہوئے وہ ابوذر کے بال بھی چھوٹے کروا لائی تھی نوجوان نے بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں نمبر کا ٹوکن تھما دیا جسے لے کر وہ اندر انتظار گاہ میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر جا بیٹھی، شمریز یا فراز دونوں میں سے کوئی بھی اس کے آس پاس موجود نہ تھا جانے کہاں تھے تقریباً" پندرہ منٹ بعد اس کا نمبر کال ہوا، وہ جلدی سے اٹھی اور نمبر کال کرنے والی لڑکی کے کاؤنٹر کے قریب جا پہنچی لڑکی نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کس کا پاسپورٹ بنوانا ہے؟" اس کا یہ سوال ملائی میں ہی تھا وہاں کہیں انگلش نہیں بولی جاتی۔

"اپنے بیٹے کا۔" نیبو نے ابوذر کو اس کے سامنے کر دیا۔

"او کے ابھی جا کر سامنے سے اس کی ایک تصویر بنوا لاؤ۔" لڑکی کی ہدایت سنتے ہی اس نے کاؤنٹر چھوڑ دیا اور تیزی سے باہر کی جانب چل دی۔

"کیا ہوا؟" باہر نکلتے ہی جانے کہاں سے شمریز یک دم اس کے سامنے آ گیا۔

"کچھ نہیں ابوذر کی تصویر بنوانے جا رہی ہوں۔" وہ سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ گئی، کچھ ہی دیر بعد وہ تصویر بنوا کر واپس پہلے کاؤنٹر پر آ گئی جہاں موجود لڑکی کمپیوٹر پر مصروف تھی۔

"تصویر۔" اس نے نیبو کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، نیبو نے تصویر تھما دی۔

"بچے کا نام۔" اس کی انگلیاں کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔

"ابوذر۔" نیبو نے حلق سے تھوک نگلا، غالباً" لڑکی ابوذر کا کمپیوٹر ڈیٹا چیک کر رہی تھی۔

"باپ کا نام۔" ظاہر ہے یہ سوال تو پوچھا جانا تھا۔

"سکندر حیات۔" جواب دیتے ہوئے نیبو کا حلق اندر تک کڑوا ہو گیا۔

"ماں کا نام۔" لڑکی مسلسل کمپیوٹر پر مصروف تھی۔

"نیبو احتشام۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"برتھ سرٹیفکیٹ۔" بالآخر لڑکی نے وہ سوال بھی کردیا جس سے نیبو خوف زدہ تھی۔

"اوہ وہ تو میں بھول آئی۔" پرس میں ہاتھ ڈال کر چیک کرنے کے بعد اس نے فردوس خان کی ہدایت کے مطابق جواب دیا۔

"ضروری ہے تو کل لیتی آؤں گی۔" لڑکی بنا کوئی جواب دیے کمپیوٹر پر مصروف رہی۔

کچھ سیکنڈ بعد اس نے اپنا سر اٹھا کر نیبو کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جانے اس نظر میں کیا تھا جس نے نیبو کو تھوڑا سا خوف زدہ کردیا' لڑکی نے پاس رکھے فون سے کوئی نمبر ملایا اور صرف ایک سیکنڈ کوئی بات کی جو نیبو سن نہ سکی' وہ یہ سب کام بظاہر لاپرواہی سے کر رہی تھی مگر اس کی ہر حرکت نیبو کو کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی اس کی چھٹی حس اسے خطرے کا سگنل دے رہی تھی۔

اسے محسوس ہوا جیسے کچھ ہونے والا ہے وہ تھوڑی سی الرٹ ہوگئی یہاں وہاں نظر دوڑائی شمریز کا انتظار گاہ میں ہی موجود تھا اس کی تھوڑی سی تسلی ہوگئی لڑکی کے فون رکھتے ہی' کچھ سیکنڈ میں ہی کمرے میں دو' تین افراد داخل ہوئے اور تیزی سے چلتے ہوئے سیدھے اسی کاؤنٹر پر چلے آئے جہاں نیبو پہلے سے موجود تھی' اسے اپنے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں صاف سنائی دے رہی تھیں یقیناً" وہ پھنس چکی تھی ان دونوں مردوں کے چہرے پر چھائی کرختگی نے اس کی سانس بند کردی' رفتہ رفتہ اس کے پاؤں تلے سے زمین سرک رہی تھی وہ سمجھ گئی کچھ دیر قبل کاؤنٹر پر موجود لڑکی کی کال کے نتیجہ میں ہی یہ مرد کمرے میں داخل ہوئے ہیں۔

ان کے تیور دیکھتے ہی نیبو کو احساس ہوا کچھ غلط ہو گیا ہے وہ دونوں افراد کاؤنٹر کے دوسری جانب چلے گئے لڑکی کے ہاتھ سے تصویر لے کر کمپیوٹر سے دو تین بار چیک کیا ساتھ ہی ساتھ وہ آپس میں کچھ ڈسکس بھی کر رہے تھے۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟" ان میں سے ایک مرد سیدھا ہوا اور ڈائریکٹ نیبو نے سوال کیا وہ اس اچانک سوال کے لیے تیار نہ تھی فوراً" ہی گھبرا گئی۔

"میرے پاس کیوں؟" اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"تمہارے خلاف کوئی پولیس وارنٹ نکلے ہیں کیا؟"

دوسرے مرد نے کمپیوٹر سے نگاہیں ہٹا کر اس سے سوال کیا۔

"تمہارا کوئی پولیس کیس بھی چل رہا ہے نیبو احتشام زوجہ سکندر حیات۔" ابوذر کے ساتھ ساتھ یقیناً" اس کا ریکارڈ بھی چیک کیا گیا تھا اب مزید کوئی بات کرنا بے کار تھی۔

"تمہارے بیٹے کے برتھ سرٹیفکیٹ کی سیریل بلاک ہے' اس کا پاسپورٹ نہیں بن سکتا۔" اب اس کے لیے وہاں کھڑا رہنا اپنی موت کو آپ دعوت دینے کے مترادف تھا وہ پیچھے کی طرف پلٹی شمریز اس کے عین پیچھے تھا۔

"مجھے کسی بات کا علم نہیں ہے جو کچھ پوچھنا ہے ان سے پوچھو یہ میرے ساتھ ہیں۔" بدحواسی میں کہتی ہوئی وہ باہر کی جانب بھاگی۔

اور تیز تیز سیڑھیاں اترتی پارکنگ میں داخل ہوگئی' فردوس خان گاڑی اسٹارٹ کرکے اندر ہی بیٹھا تھا اسے گھبراہٹ میں آتا دیکھ کر اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا وہ تیزی سے اندر جا گری خوف کے مارے اس کی آواز بند ہوگئی۔

"یہاں سے نکلو فوراً"۔" وہ حلق کے بل چلائی' اسے خطرہ تھا کہیں اس کے پیچھے پولیس نہ آجائے' گاڑی ایک جھٹکے سے مین روڈ پر آگئی غالباً" فردوس خان اور اس کے ساتھی ایسی کسی بھی صورت حال سے نبٹنا جانتے تھے' اسے ابھی بھی خطرہ تھا کہیں پولیس ان کا پیچھا نہ کر رہی ہو فردوس خان مختلف راستوں سے گاڑی گزارتا بالآخر گھر پہنچ گیا سارے راستے پولیس کا خوف ان کے ساتھ رہا مگر ایسا کچھ نہ ہوا نیبو نے راستہ میں ہی فردوس کو ساری بات بتادی وہ شمریز کے لیے بھی پریشان تھی۔

"تم شمریز کی فکر نہ کرو ان شاء اللہ وہ خیریت کے ساتھ وہاں سے نکل آئے گا اس کے ساتھ میرا دوست ملک نواز بھی ہے اس کی کافی جان پہچان ہے سفارت خانے میں' اصل مسئلہ تمہارا اور تمہارے بچے کا تھا تم خیریت کے ساتھ وہاں سے نکل آئی ہو اب کوئی اور مسئلہ ہمارے لیے اتنا بڑا نہیں ہے۔" فردوس خان کی بات درست ثابت ہوئی گھر پہنچنے کے ایک گھنٹہ تک شمریز اور فراز بھی آگئے اس ایک گھنٹہ میں فردوس خان مسلسل اپنے فون پر مصروف رہا وہ کسی شخص کو تلاش کر رہا تھا ان کے آتے ہی نیبو جاننا چاہتی تھی کہ شمریز وہاں سے کسی طرح نکلا۔

"پانچ منٹ تک میں ان دونوں کو یہ تاثر دیتا رہا جیسے تم میرے ساتھ ہو پھر وہاں ملک صاحب آگئے انہوں نے بتایا کہ میں پاکستان سے کچھ دن قبل آیا ہوں اور مجھے ملائی بالکل بھی سمجھ نہیں آتی آج بھی میں ان کے بیٹے کے ویزے کے سلسلے میں ملک صاحب کے ساتھ ہی ایمبیسی آیا تھا اب جانے وہ انجان لڑکی میرا نام لے کر مجھے وہاں کیوں پھنسا گئی وغیرہ وغیرہ یہ سب سنتے ہی دونوں آفیسرز نے مجھ سے معذرت کی اور تمہاری تلاش میں اپنے بندے دوڑا دیے میں جانتا تھا اتنے ٹائم میں تم لوگ وہاں سے کافی آگے نکل چکے ہو گے۔" شمریز نے اس کے وہاں سے نکلنے کے بعد کے واقعات تمام جزئیات کے ساتھ بیان کردیے' فردوس خان فون بند کرکے شمریز کی جانب متوجہ ہوا۔

"یہ یہاں سے قانونی طور پر نہیں نکل سکتی۔"

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا اس سلسلے میں کاشف سے بات کرلیں مگر آپ ہی نہ مانے۔"

"ہاں تم نے ٹھیک کہا تھا مگر نہ صرف یہ خود تنہا نوجوان اور ایک خوب صورت لڑکی ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی ہے ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے کوشش کی تھی یہ بنا کسی دشواری کے آسانی کے ساتھ یہاں سے نکل جائے مگر میری یہ کوشش چونکہ ناکام ہو چکی ہے اس لیے اب مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا جو ہے تو غیر قانونی اور مشکل مگر اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں ہے۔"

نیبو کو مسلسل نظر انداز کیے وہ دونوں آپس میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔

"اور چونکہ یہ کام کاشف سے بہتر کوئی نہیں کرسکتا اسی لیے میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جیسے ہی میری اس سے بات ہو اگلا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔" وہ صبح چھ بجے سے جاگی ہوئی تھی سوائے ناشتے میں دو بریڈ کے سلائس اور ایک کپ چائے کے اس نے اب تک کچھ نہ کھایا تھا مگر خوف اور ذہنی پریشانی نے اس کی بھوک و پیاس کو یکسر ختم کردیا تھا البتہ ابوذر مسلسل ریں ریں کر رہا تھا جس کا صاف مطلب تھا کہ اسے بھوک لگی ہے' فردوس خان نے اپنی مصروفیت کے باوجود ابوذر کے اس مسلسل آہستہ آواز میں رونے کو محسوس کرلیا۔

"تم باہر جاکر کھانا وغیرہ کھاؤ اور اسے سلادو۔" اس کا اشارہ ابوذر کی طرف تھا' نیبو فردوس خان کی بات سنتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی' ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ اسے پیچھے سے فردوس نے پکارا۔

"اور تم کھانا کھاتے ہی کمرے میں واپس آؤ تمہارا جو کچھ کرنا ہے اب جلد از جلد کرنا ہے ایسا نہ ہو پولیس تمہیں تلاش کرتی یہاں تک آجائے حالانکہ ایسا ممکن نہیں ہے پھر بھی احتیاط بہت ضروری ہے ویسے بھی اب مزید دیر تمہارے سارے راستے بند کردے گی۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتی باہر نکل گئی' ابوذر کو کھانا کھلا کر سلاتے ہی وہ واپس اسی کمرے میں آئی جہاں فردوس خان اور شمریز موجود تھے وہ کرسی پر جاکر بیٹھی ہی تھی کہ فردوس خان کا فون بج اٹھا۔

"پاک سرزمین شاد باد۔" قومی ترانے کی خوب صورت دھن کمرے میں پھیل گئی۔

"السلام علیکم۔" فردوس خان فون پر ہمیشہ سلام ہی کرتا تھا۔

دوسری طرف جو بھی تھا اس کی آواز سنتے ہی فردوس خان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا کچھ دیر بات کرکے اس

نے فون بند کر دیا اس کی یک طرفہ گفتگو سے نیبو اندازہ لگا چکی تھی دوسری جانب یقیناً" کاشف تھا جس کا ذکر ابھی کچھ دیر قبل ہی فردوس خان نے کیا تھا اور جس سے وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور بالآخر اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

"اتفاق کی بات دیکھو کاشف آج ہی تھائی لینڈ واپس جا رہا ہے وہ پچھلے تین دنوں سے ملائشیا میں ہے اب وہ سنبھون کے باہر کسی ہوٹل میں ہے، جہاں ہمیں دس منٹ تک اس کے تمام کاغذات پہنچانے ہوں گے، دس منٹ بعد وہ تھائی لینڈ کے لیے نکل جائے گا پھر یا تو کاغذات وہاں جا کر دینے ہوں گے یا پھر انتظار کرنا ہو گا کہ وہ دوبارہ ملائشیا کب آئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم یہ کاغذات اسے آج اور ابھی پہنچا دیں۔" بات کرتے کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا شمریز بھی اس کی تقلید میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا نیبو کا پاسپورٹ فردوس خان کے پاس ہی تھا۔

"کاشف کا کہنا ہے کہ ہمارا کام ہو جائے گا اس سلسلے میں ویزے کی فیس بائیس سو رنگیٹ اور کرایہ 2000 ہو گا اور یہ رقم وہ کام کرنے کے بعد ہم سے لے گا۔" یہ تفصیل اس نے نیبو کو بتائی تاکہ وہ رقم کا انتظام کر سکے فردوس خان کی بتائی ہوئی رقم اس کی اور ابوذر کی زندگی سے زیادہ قیمتی نہ تھی اس کے ہامی بھرتے ہی فردوس خان اور شمریز تیزی سے گاڑی نکالتے کاشف سے ملنے اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گئے اس دوران وہ مسلسل دعا کرتی رہی کہ کاشف انہیں مل جائے کیونکہ اس کی تھائی لینڈ واپسی کی صورت میں اس کا کام مزید لیٹ ہو جاتا جو وہ بالکل نہ چاہتی تھی اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوئی کاشف اور فردوس خان کی ملاقات ہو گئی وہ نیبو کا پاسپورٹ اس کے حوالے کر آیا اب ان سب کو انتظار تھا کاشف کے فون کا جس کے ذریعے انہیں پتا چلتا کہ نیبو کا کام کہاں تک پہنچا اور اسے ملائشیا سے کب نکلنا تھا۔

☼ ☼ ☼

نیبو نے جب سے احتشام صاحب کو اپنا نمبر دیا تھا ہفتہ میں ایک بار اس سے بات کر لیتے تھے صرف چند سیکنڈ کی گفتگو میں وہ انہیں اپنی خیریت ہی سے آگاہ کرتی اس کے علاوہ وہ کہاں ہے؟ کن حالات میں گھری ہوئی ہے؟ پاکستان کب تک واپس پہنچے گی؟ ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب ابھی تک انہیں نہیں ملا تھا یہ گفتگو بھی ان کی صرف دو بار ہی ہوئی تھی تیسری بار فون کرنے پر اس کا نمبر آف ملا احتشام صاحب گھبرا گئے، وقفہ وقفہ سے انہوں نے کئی بار نمبر ملایا مگر دوسری طرف شاید آنسرنگ مشین لگی تھی، تین چار بیل جانے کے بعد ہی کمپیوٹر آپریٹر ملائی زبان میں کچھ کہنے لگی آخر کار احتشام صاحب تھک گئے، آفس میں بیٹھنا ان کے لیے مشکل ہو گیا وہ سارا کام امان کے حوالے کر کے گھر چلے آئے وہ سخت پریشانی میں مبتلا تھے اور اپنی اس پریشانی کو وہ کسی سے بیان بھی نہیں کر سکتے تھے یہاں تک کہ ردا سے بھی نہیں، دو دن اسی پریشانی میں گزرے جب تیسرے دن انہیں کسی انجان نمبر سے ایک پیغام موصول ہوا یہ پیغام ان کے سیل فون پر آیا تھا۔

"نیبو بحفاظت تھائی لینڈ پہنچ گئی ہے وہاں سے وہ جلد ہی پاکستان پہنچ جائے گی آپ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دعا کریں اس وقت اسے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" نیچے فردوس خان کا نام اور نیبو کا نیا نمبر بھی درج تھا، جس کا کوڈ پہلے والے سے مختلف تھا احتشام صاحب سمجھ گئے اس کی پرانی سم تھائی لینڈ کی حدود میں داخل ہوتے ہی بے کار ہو گئی تھی اس لیے ہی اس کا فون بند تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے کے ساتھ ہی اپنی بیٹی کے بحفاظت گھر پہنچنے کی دعا دل کی گہرائیوں سے کی۔

☼ ☼ ☼

نیبو فردوس خان کے ساتھ جا کر اپنی گولڈ کی چوڑیاں اور سونے کا ایک عدد سیٹ بیچ آئی، اسے تقریباً" 5000 رنگیٹ کاشف کو دینا تھے اس کے علاوہ ابھی اس نے فردوس خان کی فیس کا ایک روپیہ بھی ادا نہ کیا تھا یہ رقم بھی تھائی لینڈ پہنچ کر اس نے فردوس خان کو دینا تھی تھائی لینڈ میں بھی اسے کافی رقم کی ضرورت پڑ سکتی تھی جس کی بنا پر اس نے اپنا زیور بیچنے کا فیصلہ کیا کاشف کے تھائی لینڈ جانے کے تیسرے دن اس کا فون آ گیا ان تین دنوں کا ایک ایک پل نیبو نے جس طرح امید و ناامیدی کے درمیان لٹک کر گزارا وہ ہی جانتی تھی کاشف کے فون نے اس کے جسم میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔

"تم لڑکی کو لے کر فوراً" تھائی لینڈ پہنچو اس کے ویزے کا کام ہو گیا ہے۔" کاشف کی بات سن کر فردوس خان تھوڑا سا پریشان ہو گیا، فون بند کرنے کے بعد وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے شمریز کو فون کر کے فوراً" اپنے گھر پہنچنے کی ہدایت کی، اس کے بعد وہ کچن میں مصروف نیبو کے پاس آیا۔

"سب کام چھوڑو اپنا سامان پیک کر لو اپنی تمام رقم ہینڈ بیگ میں رکھ لو ہمیں ابھی کچھ دیر میں یہاں سے تھائی لینڈ کے لیے نکلنا ہے تمہارا ویزہ لگ گیا ہے۔"

یہ خبر سنتے ہی نیبو کے اندر توانائی سی بھر گئی وہ جلدی سے اس کمرے میں گئی جہاں اس کا سامان رکھا تھا اپنے سامان کی پیکنگ کرتے ہوئے کافی ایسی چیزیں جو اس کے استعمال میں نہ تھیں اس نے زرین اور اس کی بچیوں کو دے دیں مختلف این جی اوز کے دیے ہوئے بے تحاشا گفٹ پیک اس کے پاس جوں کے توں رکھے تھے اس نے وہ سب بھی زرین کے حوالے کر دیے اس کی واپسی کی خبر نے زرین کو اداس کر دیا تھا آخر اس نے ڈھائی ماہ کا عرصہ اس گھر کے مکینوں کے ساتھ گزارا تھا جنہوں نے اسے بغیر کسی رشتہ ناتے کے سگی بہن کا مان دیا جہاں اپنے گھر اپنے دیس اور اپنے پیاروں کے پاس واپس پہنچنے کی خوشی وہ محسوس کر رہی تھی وہاں بہت کچھ کھونے کا دکھ بھی اس کے ساتھ تھا۔ حماد کی یاد آنسو بن کر اس کی آنکھ سے بہہ نکلی، زرین ایک ماں تھی اس کا دکھ بنا کہے ہی جان گئی اسے گلے لگا کر تسلی دی اس لمحہ اسے ربیعہ، عبدالوہاب، شوبھا، آنٹی نوما، سبھی غرض ہر وہ شخص یاد آیا جن سے اس کا کوئی نہ کوئی واسطہ رہا تھا یہاں تک کہ اسے مایا بھی یاد آئی جو اس کے پیچھے جانے کتنا عرصہ WAO آ کر خوار ہوتی رہی اس کا کہنا تھا "تمہارے پیپرز تیار ہو گئے ہیں تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں تمہارے دیس بھیج دوں گی" مگر اس عورت کی تمام حقیقت نیبو جان چکی تھی۔

اس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا جس کی بدولت اس کا یہاں تک کا سفر آسان ہوا تھا زرین نے بھی اسے ایک جوڑا گفٹ کیا جو اس نے اپنے سامان کے ساتھ پیک کر لیا فردوس خان باہر گاڑی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا وہ سب سے مل کر باہر نکلی اگلی سیٹ پر فردوس اور شمریز دونوں تھے، ملائشیا سے تھائی لینڈ کا سفر خاصا طویل تھا جس کے بارے میں اسے زرین نے بتایا تھا بقول اس کے یہاں سے تھائی لینڈ بارہ یا تیرہ گھنٹے کی مسافت پر تھا اس بنا پر اس نے ابوذر کے کھانے کا کچھ سامان اپنے ساتھ رکھ لیا اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ ہو گئی بے اختیار اس نے اپنے موبائل فون پر ٹائم چیک کیا شام کے تقریباً" پانچ بجے تھے اگر زرین کی کہی ہوئی بات درست تھی تو اسے آج کی ساری رات دو مردوں کے ساتھ تنہا سفر کرنا تھا وہ دو مرد جو اسے اپنی بہن مانتے تھے مگر پھر بھی وہ دل ہی دل میں خوف زدہ ہو گئی شیطان کہیں بھی، کسی بھی جگہ آ سکتا ہے اس سوچ نے اس کے حواس مکمل طور پر بحال کر دیے اور وہ خاصی الرٹ ہو کر بیٹھ گئی فردوس شمریز سے کچھ کہہ رہا تھا وہ گاڑی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے میں مصروف تھی جب اسے شمریز نے پکارا۔

"نیبو جانتی ہو فردوس بھائی کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ گردن موڑ کر پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔" ظاہر ہے نیبو نے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی تھی۔

"یہ ڈرا رہے ہیں کہیں تم کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ جب کہ میرا کہنا یہ ہے کہ مصیبتیں تم جیسی بہادر اور دلیر عورتوں کے لیے نہیں ہوتیں اس کا عملی

مظاہرہ میں اس دن سفارت خانے میں دیکھ چکا ہوں تمہاری جگہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو ضرور اسی دن دھرلی جاتی مگر تم جس کمال ہوشیاری سے وہاں سے نکلی تھیں وہ قابل تحسین ہے اب بتاؤ فردوس بھائی کو میں درست کہہ رہا ہوں یا ان کا خدشہ صحیح ہے۔"

ظاہر ہے وہ درست کہہ رہا تھا مگر فردوس خان کا خدشہ بھی اپنی جگہ صحیح تھا وہ بنا کوئی جواب دیے مسکرا دی، شمریز اور فردوس پھر سے گفتگو میں مصروف ہو گئے ابوذر چپس کھا کر اس کی گود میں ہی سو گیا وہ کھڑکی سے سر ٹکائے باہر بھاگتے دوڑتے نظارے دیکھ رہی تھی لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتی گاڑی کے ساتھ باہر اندھیرا اترتا آرہا تھا رنگ و روشنی کا سیلاب چاروں طرف امڈا پڑا تھا، سائن بورڈ جل اٹھے تھے باہر زندگی کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں، آہستہ آہستہ یہ ساری رونقیں پیچھے رہ گئیں اب کہیں کہیں ٹمٹماتی روشنی دکھائی دے رہی تھی غالباً" رات بہت زیادہ ہو چکی تھی یا وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے تھے، اس نے کھڑکی کا شیشہ ہٹا کر باہر جھانکنے کی کوشش کی شاید اس وقت وہ کسی ہائی وے پر سفر کر رہے تھے اب گاڑی میں بھی مکمل سناٹا طاری ہو چکا تھا شمریز سو گیا تھا فردوس خان نہایت خاموشی سے سامنے دیکھتا ہوا ڈرائیو کر رہا تھا نیند تو اسے بھی آرہی تھی، مگر رات کی تاریکی سانپ کی طرح کنڈلی مارے اس کے دل میں بیٹھ گئی رات کی اس تنہائی کے خوف نے اس کی آنکھوں سے نیند کو یکسر اڑا دیا تھا اسے فردوس خان اور شمریز کی شرافت پر کوئی شک نہ تھا گزرتے وقت نے اسے بہت محتاط کر دیا تھا اور سکندر جیسے رشتوں نے مردوں سے اس کا اعتبار ختم کر دیا تھا، اس نے اپنے مفاد کی خاطر رنگ بدلتے مرد جگہ جگہ دیکھے تھے مگر پھر بھی دنیا میں عبدالوہاب اور فردوس خان جیسے لوگ بھی موجود تھے اور شاید اسی لیے دنیا ابھی تک باقی تھی ورنہ کب کی فنا ہو چکی ہوتی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی وہ اپنی سوچوں کے سمندر سے ابھر کر باہر نکل آئی کھڑکی سے جھانکا سامنے ایک چھوٹا سا ڈھابے نما ہوٹل تھا، ہوٹل کے باہر رکھی کرسیوں پر لمبے لمبے بالوں والے دو نوجوان بیٹھے [illegible] بجا رہے تھے ان میں سے غالباً" ایک لڑکی تھی [illegible] اس نے گٹار کی دھن پر کسی اجنبی آواز میں گانا [illegible] کیا تو نبیو کو پتا چلا ورنہ ان دونوں کے حلیے میں اس [illegible] مماثلت تھی کہ فرق کرنا مشکل تھا گاڑی کے رکتے [illegible] شمریز بھی جاگ گیا، دونوں گاڑی سے باہر نکل کر [illegible] کی طرف بڑھ گئے نبیو گاڑی میں بالکل تنہا رہ گئی [illegible] دیر میں شمریز واپس آیا اس کے ہاتھ میں کھانے کی [illegible] پلیٹ اور کوک کا ٹن تھا جو اس نے کھڑکی سے ہی نبیو [illegible] سمت بڑھایا تھوڑے سے سفید چاول، چنے [illegible] چھوٹی مچھلیاں اور لال مرچوں کی چٹنی اس نے شمریز کے ہاتھ سے پلیٹ تھام لی۔

"دراصل میں اور فردوس بھائی جب بھی تھائی [illegible] جاتے ہیں اسی ہوٹل سے کھانا کھاتے ہیں جس کی [illegible] حلال کھانا ہے ہمیں اس ہوٹل پر پرانا اعتبار ہے یہاں مسلمانوں کے لیے حلال غذا کا انتظام ہوتا ہے اس کے علاوہ دیگر ہوٹل نیگروز چلا رہے ہیں کہیں کہیں کچھ انڈ[illegible] بھی ہیں، کچھ تھائی بھی پورے ہائی وے پر یہ [illegible] ہوٹل ہے جسے ایک مسلمان پاکستانی چلا رہا ہے، اتفاق کی بات ہے کھانا تقریباً" سارا ہی ختم ہو گیا بس تھوڑا بہت جو کچھ تھا اس نے ہمیں دے دیا اب ظاہر ہے اس سے ہی گزارا کرنا ہو گا۔"

شمریز نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے [illegible] تفصیل سے آگاہ کیا۔

"کوئی بات نہیں شمریز بھائی میرے لیے یہ بھی بہت زیادہ ہے۔"

اور یہ سچ بھی تھا اس صورت حال میں کھانا اس [illegible] حلق سے اترنا ناممکن نہیں تو خاصا مشکل امر ضرور [illegible] تھوڑا تھوڑا کر کے کھانا زہر مار کرنے لگی شمریز واپس [illegible] گیا اس نے ایک بار پھر کھڑکی سے جھانکا وہ دونوں سامنے بیٹھے ہوئے جوڑے کے گانوں سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے، فردوس خان کی فرمائش پر وہ [illegible] کوئی گانا گا رہی تھی جس کے بول فاصلے کے سبب [illegible] کو سنائی نہیں دے رہے تھے گانے کے اختتام پر فردوس

خان نے نہ صرف تالیاں بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کی بلکہ کچھ نقد رقم بھی جیب سے نکال کر اسے دی، تھوڑی دیر میں ہی وہ دونوں واپس آگئے شمریز کے ہاتھ میں اس کے لیے بلیک کافی کا پیپر مگ تھا جسے اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا اسے واقعی اس وقت شدت سے کافی کی طلب ہو رہی تھی، اب ڈرائیونگ سیٹ شمریز نے سنبھال لی فردوس اپنی سیٹ کو آرام دہ حالت میں کر کے نیم دراز ہو گیا گاڑی کا سفر ایک بار پھر شروع ہوا وہ بیٹھے بیٹھے تھک سی گئی مگر پھر بھی لیٹنا نہ چاہتی تھی نیند کو اپنی آنکھوں سے بھگانے کے لیے اس نے پرس کی زپ کھول کر اندر کپڑے میں لپٹی چھوٹی سی یٰسین شریف نکال لی وہ گھر سے باوضو نکلی تھی اس لیے بغیر کسی قباحت کے خاموشی سے یٰسین شریف پڑھنے لگی تھوڑی دیر میں ہی صبح کی سپیدی دور سے نمودار ہونے لگی شاید دن نکل رہا تھا۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟" اس نے شمریز کو مخاطب کیا۔

"پانچ بجنے والے ہیں بس اب ہم کچھ ہی دیر میں ترنگانو پہنچ جائیں گے وہ تھائی لینڈ کی اسٹارٹ اور ملائشیا کی اختتامی حد ہے یوں سمجھ لو ترنگانو ملائشیا اور تھائی لینڈ کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے اور یہ دونوں ملکوں کا بارڈر بھی ہے۔"

"اوہ... اچھا..." وہ شمریز کی بات سمجھ گئی ترنگانو وہ سرحدی مقام تھا جس کے بعد تھائی لینڈ شروع ہو جاتا ہے۔

پندرہ منٹ بعد گاڑی ترنگانو کی حدود میں داخل ہو گئی فردوس خان بھی بیدار ہو گیا اپنے پاس موجود پانی کی بوتل سے اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور کلی کی ترنگانو داخل ہونے کے کچھ دیر بعد ہی گاڑی رک گئی سامنے ایک ہوٹل تھا، شمریز اور فردوس خان کے باہر نکلتے ہی وہ بھی باہر آگئی، شمریز اس کا سامان نکال رہا تھا اس نے پلٹ کر ایک نظر اس دور جاتی سڑک پر ڈالی جو ملائشیا سے ہوتی ہوئی ترنگانو داخل ہوئی تھی پیچھے دیکھتے ہی اس کا دل لرز اٹھا، وہ ملائشیا کی سرزمین کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی اس کے ساتھ ہی اور بھی بہت کچھ پیچھے رہ گیا تھا جسے سوچتے ہی خوف کی ایک سرد لہر اس کے وجود کو چیر گئی ان پیچھے رہ جانے والی اذیت ناک یادوں میں حماد بھی تھا جس کے خوب صورت تصور نے اس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

شمریز اس کا سامان لے کر ہوٹل میں داخل ہو گیا، فردوس خان باہر گاڑی کے پاس تھا دس، بارہ گھنٹوں کے مسلسل سفر سے اس کا جسم اکڑ گیا تھا اس وقت اسے آرام کی شدید ضرورت تھی ہوٹل میں اس کا کمرہ بک تھا، شمریز نے کاؤنٹر سے چابی لی اور اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر فرسٹ فلور پر آگیا اس کا سامان اس کے روم میں رکھا اور قریب آکر بولا۔

"کاشف نے تمہیں اسی ہوٹل میں پہنچانے کا کہا تھا، تم تھوڑی دیر تک آرام کر لو میں اور فردوس بھائی کسی ضروری کام سے جا رہے ہیں ان شاء اللہ جلد ہی تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی بہر حال اپنا دروازہ اچھی طرح لاک کر لینا۔"

اسے ہدایات دے کر شمریز باہر نکل گیا، نبیو نے دروازہ اچھی طرح لاک کر لیا ابوذر سو رہا تھا وہ بھی اس کے ساتھ لیٹ کر سو گئی جانے وہ کتنی دیر تک سوئی جب اس کی آنکھ کھلی سامنے لگے وال کلاک میں ابھی صرف دس ہی بجے تھے وہ اٹھ بیٹھی اس کی سمجھ میں نہ آیا فردوس خان اسے یہاں کیوں چھوڑ گیا ہے، اسی کشمکش میں اس نے بیگ سے موبائل نکالا صبح ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے اس نے باہر کھڑے تھائی لڑکے سے ایک سم خریدی تھی جسے اس نے فوراً" ہی اپنے موبائل میں لگا لیا اس وقت وہ ربیعہ سے بات کر کے اسے تمام صورت حال بتانا چاہتی تھی اجنبی دیس اور ہوٹل کی تنہائی نے اسے پھر سے خوف زدہ کر دیا تھا تیسری یا چوتھی بیل پر ربیعہ نے فون ریسیو کر لیا نبیو کی آواز سنتے ہی وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

"کہاں ہو تم، کچھ دن سے تمہارا نمبر بند تھا جانتی ہو یہ وقت میں نے کتنی پریشانی اور وسوسوں میں گھر کر گزارا ہے۔" ربیعہ کی سچائی اس کے لہجہ سے چھلک

رہی تھی۔

"تم نے اپنا پہلا نمبر کیوں آف کیا ہے؟" جواب میں نیبو نے اسے ملائی سفارت خانے کی پوری کہانی سنائی۔

"دراصل جب میں افراتفری میں وہاں سے نکلی تو مجھے شک ہوا شاید میں نے اپنا سیل نمبر کاؤنٹر پر موجود لڑکی کو لکھوادیا ہے۔ بس اس خیال کے آتے ہی میں نے فوراً" اپنی سم نکالی اور توڑ کر پھینک دی اور پھر اپنی پریشانی میں تم سے رابطہ بھی نہ کر سکی۔"

"اوہ اچھا مگر اس وقت تم کہاں ہو؟"

"ترنگانو میں ــــ" وہ بیڈ سے اٹھ کر کمرے کی واحد کھڑکی کے قریب آگئی اور ذرا سا پردہ سرکا کر باہر جھانکا جہاں دن کی رونقیں پورے عروج پر تھیں۔

"ترنگانو ــــ" ربیعہ نے حیرت سے دہرایا۔

"تم ترنگانو کب پہنچیں؟ اب وہاں کس کے ساتھ ہو؟"

"میں صبح ساڑھے پانچ بجے یہاں پہنچ گئی تھی فردوس اور شمریز کے ساتھ اور اب یہاں کے کسی ہوٹل میں بالکل تنہا ہوں وہ دونوں مجھے چھوڑ کر جانے کہاں چلے گئے ہیں۔"

"بے وقوف لڑکی تم نے ان سے پوچھا نہیں وہ تمہیں یہاں کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں نیبو کہیں ایسا تو نہیں وہ تمہیں یہاں بیچ گئے ہوں؟"

اس کا لہجہ خدشوں سے پر تھا نیبو اس کی بات سن کر خوف سے لرز اٹھی اگر ربیعہ کا کہا درست ہوا تو ــــ

"پھر اب بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ بے بسی کے آخری حدوں پر تھی۔

"کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ۔" ربیعہ نے اپنی سمجھ کے مطابق مشورہ دیا۔

"کیا کروں گی یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گی میرا تو پاسپورٹ بھی فردوس بھائی کے پاس ہے اب اگر میرے نصیب میں رلنا ہی لکھا ہے تو میں کیسے اپنا نصیب بدل سکتی ہوں بہرحال جو بھی ہو اپنی قسمت کے فیصلہ کا انتظار مجھے اسی کمرے میں رک کر ہی کرنا ہے کیونکہ میرے آگے بھی خندق ہے اور پیچھے بھی لیے بہتر یہ ہے کہ جہاں ہوں وہیں رک کر دیکھوں سکتا ہے کچھ بہتری ہی ہو جائے۔"

ربیعہ سے چند ایک باتوں کے بعد اس نے فون بند کردیا تقریباً" دن کے گیارہ بجے اس کے کمرے میں موجود فون پر بیل ہوئی فون اٹھاتے ہی دوسری طرف شمریز خان کی آواز سن کر اس کے تن مردہ میں جان آگئی۔

"تم خیریت سے تو ہو نا؟" اس کے حلق سے نکلی مری مری سی آواز نے شمریز کو اس کی خیریت دریافت کرنے پر مجبور کردیا۔

"جی بالکل خیریت سے ہی ہوں۔"

"اوکے اب ایسا ہے کچھ دیر تک کاشف تمہارے پاس پہنچ جائے گا تمہیں وہاں سے اس کے ساتھ نکلنا ہے اپنے روم کی پے منٹ اور چابیاں کاؤنٹر پر دے دینا نکلنے سے قبل روم سروس سے ناشتا منگوا کر لو ساتھ ہی انہیں حلال کی تاکید ضرور کرنا۔" اس نے شمریز خان کی تمام ہدایات دھیان سے سنیں۔

"اگر اپنی سم فون میں لگالی ہو تو اس کا نمبر میرے پر سینڈ کردو۔" اس ہدایت کے ساتھ ہی شمریز نے اسے اپنا نمبر لکھوادیا۔

"آپ فردوس بھائی سے کہہ دیں کہ وہ میرا نیا نمبر ابو کو بھی دے دیں۔"

اسے یاد آیا آج کئی دنوں سے اس نے احتشام صاحب سے رابطہ نہیں کیا تھا وہ یقیناً" پریشان ہو رہے ہوں گے۔

"ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا تم ناشتا کر کے اپنا سامان پیک کرلو۔"

سامان تو پیک ہی تھا اس نے روم سروس سے اپنے لیے بلیک کافی منگوائی اس کے ہینڈ بیگ میں کچھ کوکیز اور سینڈوچ رکھے تھے جو اس کے اور ابوذر کے لیے کافی تھے شمریز کے فون بند کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کے کمرہ کا دروازہ کسی نے بجایا اس نے کی ہول سے دیکھا باہر ایک لمبا سا مرد کھڑا تھا جو اپنے حلیے سے ہی پاکستانی دکھائی دے رہا تھا نیبو نے دروازہ کھول دیا "نیبو احتشام" اس کے دروازہ کھولتے ہی سامنے کھڑے مرد نے پوچھا۔

"جی اور آپ؟"

"میرا نام کاشف ہے مجھے فردوس خان نے تمہارے پاس بھیجا ہے فردوس کی طرح تم مجھے بھی بھائی کہہ سکتی ہو۔" اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر اس نے نیبو کا اٹیچی تھام لیا اور بیگ کندھے پر ڈال لیا نیبو ابوذر کی انگلی تھامے اپنا ہینڈ بیگ لیے اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اتر کر کاؤنٹر پر آگئی جہاں پہنچ کر اس نے روم چھوڑنے کی اطلاع کے ساتھ ساتھ حساب کتاب کر کے اس کمرے کے ایک دن کا کرایہ ان کے حوالے کیا اور کاشف کے ساتھ ہی ہوٹل سے باہر آگئی۔

باہر نکلتے ہی کاشف نے ایک ٹیکسی لی جس میں بیٹھ کر وہ اس کے ساتھ ایک مارکیٹ آگئی راستہ بھر کاشف نے کوئی بات نہ کی مارکیٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے ٹیکسی چھوڑدی نیبو کا سامان اٹھا کر وہ مارکیٹ میں داخل ہو گیا نیبو بھی خاموشی سے اس کی تقلید میں چلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی سامنے ہی ایک اسٹیشنری کی دکان تھی جہاں سے اس نے انک پیڈ اور کالی سیاہی خریدی نیبو خاموشی سے اسے یہ سب کارروائی کرتا دیکھ رہی تھی اپنا مطلوبہ سامان خرید کر کاشف مارکیٹ سے باہر آگیا وہ ابھی بھی مکمل طور پر خاموش تھا وہ پیدل ہی فٹ پاتھ پر اس کے آگے چلتا رہا کچھ دیر بعد وہ ایک بڑے اور بارونق بازار پہنچ گئے جہاں اس کے کسی رشتے دار کی الیکٹرونکس کی دکان تھی "جلال الیکٹرونکس" نام دیکھ کر ہی نیبو اندازہ لگا چکی تھی اس کا مالک نہ صرف مسلمان بلکہ پاکستانی بھی ہے۔

"تم یہاں بیٹھو۔" اندر داخل ہوتے ہی کاشف نے سامنے رکھی کرسیوں کی سمت اشارہ کیا اس سارے سفر میں یہ پہلا جملہ تھا جو کاشف کے ہونٹوں سے ادا ہوا نیبو بنا کوئی جواب دیے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

کاؤنٹر پر کھڑا داڑھی والا شخص بھی ان کے قریب آگیا وہ ہی غالباً" کاشف کا رشتے دار تھا کاشف نے اس سے کوئی بات کی اس نے کاشف کو ایک چھوٹا سا کالے رنگ کا چرمی بیگ تھمادیا جس کے اندر کچھ اسٹیمپ تھیں کاشف نے اپنی جیب سے ایک پیڈ نکالا سامنے رکھے پیپر پر اسٹیمپ لگا کر کچھ چیک کیا پھر آپس میں کوئی بات کی اور اگلے ہی پل کاشف نے اپنی قمیص کی جیب سے نیبو کا پاسپورٹ نکالا اس کے ساتھ ہی ایک اسٹیمپ بھی نکالی اسٹیمپ ہاتھ میں لے کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم باآواز بلند پڑھا اسٹیمپ پر انک لگائی اور اسے پاسپورٹ پر لگادیا نیبو یہ تمام کارروائی بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آیا کہ کاشف کیا کررہا ہے۔

اسٹیمپ لگا کر اس نے وہاں سائن بھی کردیے سائن کرنے سے پہلے اس نے دو تین بار سامنے رکھے پیپر پر ان سائن کو چیک کر کے بھی دیکھا۔

"یہ لو تمہارا ویزہ لگ گیا ہے تمہارے ساتھ ہی تمہارے بیٹے کا ویزہ بھی ہے اسے الگ سے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہے۔"

اپنی تمام کارروائی سے فارغ ہو کر اس نے نیبو کی جانب اس کا پاسپورٹ بڑھایا جسے اس نے بے یقینی کی کیفیت میں تھام لیا۔

"حیران مت ہو یہ کام میں کوئی پہلی بار نہیں کررہا تم سے پہلے بھی جانے کتنے لوگوں کو میں یہاں سے اسی طرح نکال چکا ہوں ان شاء اللہ تم بھی ضرور نکل جاؤ گی ویسے مجھے حیرت ہوتی ہے ان پاکستانی والدین پر جو بنا سوچے سمجھے اپنی ہیرا جیسی بیٹیوں کو بے غیرت مردوں کے حوالے کردیتے ہیں ایسے مرد جنہیں عورت کی عزت و احترام کا بھی پتا نہیں ہوتا میرا بس چلے تو میں سکندر جیسے تمام مردوں کو سولی پر لٹکا دوں جو تم جیسی جوان عورتوں کو دنیا کی اس بھیڑ میں برباد ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دیتے ہیں اور آفرین ہے تم جیسی عورتوں پر جو دنیا کی اس گندگی میں خود کو بچا کر چلتی ہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے سکندر کو دو تین گالیاں بھی دیں کاشف کے خراج تحسین نے اسے ایک عجیب سا غرور بخش دیا اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا یقیناً" عورت کی

عظمت کو محسوس کرنے والے مرد ابھی اس دنیا میں موجود ہیں۔

"چلو اب تم اندر جا کر ہاتھ منہ دھو لو میں نے کھانا منگوالیا ہے آجانے پر کھا کر نکلتے ہیں" کاشف کی بات ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی' باتھ روم سے ہاتھ منہ دھو کر باہر نکلی سامنے رکھی چھوٹی سی ٹیبل پر کھانا موجود تھا کھانے میں "ناسی آئم" کو دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی ناسی آئم ملائشیا کی وہ واحد ڈش تھی جو نیبو کو بے حد پسند تھی چکن کی یخنی میں بنے ہوئے چاول' ساتھ ہی فرائی کیا ہوا چکن اور نہایت مزے کی کھٹی میٹھی چٹنی' آج کئی دن بعد نیبو نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا کھانے کے بعد کاشف نے چائے منگوائی جسے پی کر نیبو کو کافی اچھا لگا۔

"اب ہمیں تھائی لینڈ انٹری پوسٹ جانا ہے جہاں تمہارا پاسپورٹ جمع ہوگا وہاں بالکل بھی گھبرانا نہیں ان کے ہر سوال کا جواب اعتماد سے دینا" چائے پینے کے دوران اس نے نیبو کو سمجھایا' چائے پی کر وہ اٹھ کھڑا ہوا نیبو کا سامان اٹھا کر دکان سے باہر نکل گیا نیبو بھی اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر مین روڈ پر آگئی جہاں سے ایک ٹیکسی کے ذریعے وہ تھائی انٹری پوسٹ پہنچ گئے۔

انٹری پوسٹ تھائی لینڈ کے بارڈر پر تھی' نیبو کاشف کے ساتھ وہاں پہنچی تو دل ہی دل میں گھبرائی ہوئی تھی' وہاں کافی لوگ کاشف کو جانتے تھے' وہ سب ہی سے ملائی میں خیریت دریافت کرتا ایک ٹیبل کی جانب بڑھ گیا' وہاں موجود تھائی آفیسر کے حوالے نیبو کا پاسپورٹ کیا اور خود کرسی کھینچ کر تھوڑا دور بیٹھ گیا۔

"تمہاری یہاں کچھ تصویریں وغیرہ بنیں گی گھبرانا مت۔"

کاشف کی ہدایت سن کر اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا اور آہستہ آہستہ چلتی اس کاؤنٹر پر چلی گئی جہاں اس کا پاسپورٹ جمع ہوا تھا۔

"تمہاری تصویر بنے گی اپنے بیٹے کو لے کر سامنے کمپیوٹر کے پاس چلی جاؤ۔"

کاشف نے اسے پیچھے سے پکارا وہ فوراً" ہی سامنے موجود ٹیبل کی جانب بڑھ گئی جہاں کمپیوٹر کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیمرہ موجود تھا۔ وہ کیمرے کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی' کمپیوٹر آپریٹر نے اس کی مختلف زاویوں سے تصاویر لیں' پھر اس کرسی پر ابوذر کو بٹھایا گیا اور یہ ہی عمل اس کے ساتھ بھی دہرایا گیا اس کے مکمل ہونے کے بعد وہ واپس اس کاؤنٹر پر آگئی جہاں اس کا پاسپورٹ جمع ہوا تھا۔

"تمہارا نام؟" ٹیبل کے دوسری طرف موجود [illegible] نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

"یہ ملائی نہیں جانتی۔" اس سے قبل کہ وہ جواب دیتی اسے اپنے عقب سے کاشف کی آواز سنائی دی' نیبو نے اپنی رکی ہوئی سانس کو بحال کیا کاشف کی بروقت مداخلت نے اسے مزید سوالوں سے بچالیا' ایک بار اگر وہ اس آفیسر سے ملائی میں بات کر لیتی تو یقیناً اس کی تفتیش کا دائرہ کار وسیع ہو جاتا اس کے بعد اس آفیسر نے مزید کچھ سوالات کیے' جن کا جواب کاشف نے ہی دیا وہ بالکل اس طرح خاموش کھڑی تھی جیسے اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا ہو کچھ دیر بعد کاشف سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس آفیسر نے ایک سلپ پر کچھ لکھ کر اسے کاشف کے حوالے کر دیا' کاشف کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا' آفیسر کے ہاتھ سے سلپ لے کر کوئی بات کی اور پھر نیبو کو لیتا ہوا باہر کی جانب بڑھ [illegible] وہ نیبو کا ٹرالی بیگ گھسیٹتا ہوا دائیں جانب مڑ گیا' نیبو بھی خاموشی سے اس کی تقلید میں چلتی گئی' کچھ ہی فاصلے پر ٹیکسی اسٹینڈ تھا جہاں سے اس نے ٹیکسی لی اور نیبو کے ساتھ پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھ گیا' نیبو نے دیکھا جب بھی کسی ٹیکسی والے یا مقامی فرد سے گفتگو کرتا تھائی زبان میں ہی کرتا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یہاں کا پرانا رہائشی ہے' ٹیکسی کے چلتے ہی اس نے نیبو کو مخاطب کیا۔

"ہم یہاں سے پانی کے راستے گولو جائیں گے وہ تھائی لینڈ کا پہلا گاؤں ہے جہاں پچھلے پندرہ سالوں سے میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہوں گولو داخل ہوتے ہی تمہارا واسطہ ملائشیا سے ختم ہو جائے گا۔" اس کی

رہائش کے متعلق لگایا گیا نیبو کا اندازہ درست نکلا۔

"اور وہاں ان شاء اللہ کل شام تک تمہارا پاسپورٹ تصدیق ہو کر پہنچ جائے گا پھر میں تمہیں بتاؤں گا اگلا قدم کیا ہوگا۔" اس کی بات سن کر نیبو نے اثبات میں سر ہلایا کچھ ہی دیر کے سفر کے بعد ٹیکسی رک گئی' کاشف نے طے شدہ کرایہ رنگٹ کی صورت میں ادا کیا یہ ایک ساحلی علاقہ تھا جہاں کافی تعداد میں کشتیاں موجود تھیں یہاں کے ساحلی علاقے پاکستان کے مقابلے میں کافی صاف ستھرے تھے' کاشف نے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ایک شخص سے کچھ گفتگو کی اور پھر نیبو طرف پلٹ آیا۔

"یہ ایک چھوٹا سا دریا ہے' جس کے دوسری طرف گولو نامی گاؤں آباد ہے جہاں سے تھائی لینڈ شروع ہوتا ہے' ہم کشتی کے ذریعے پانچ منٹ میں ہی وہاں پہنچ جائیں گے ویسے تو یہ سفر خشکی سے بھی ہو سکتا ہے مگر اس میں ٹائم بھی زیادہ لگتا اور ہو سکتا ہے وہ تمہارے لیے کچھ مشکل بھی ہو جاتا کیونکہ خشکی کے راستے کئی مقامات پر چیک پوسٹ موجود ہیں ہم گولو رہائش کے حساب سے بھی تمہارے لیے کافی محفوظ جگہ ہے۔"

"جی اچھا۔۔۔" نیبو نے آہستہ آواز میں اس کی ساری باتوں کا جواب دے دیا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ فوراً" کشتی کے سفر سے منع کر دیتی کیونکہ اسے ہمیشہ سے ہی پانی سے ایک انجانا سا خوف محسوس ہوتا تھا یہ ہی وجہ تھی جو وہ کبھی بھی ہاکس بے یا سی ویو کے پانی میں داخل نہ ہوئی تھی اسے اچھی طرح یاد تھا وہ کبھی منوڑہ بھی نہ گئی تھی کیونکہ وہاں جانے کے لیے اسے بوٹ میں سفر کرنا پڑتا جو وہ کسی صورت بھی نہیں کر سکتی تھی اور آج وقت کے ہاتھوں تھائی لینڈ جیسے ملک کی انجان سرزمین کے ایک دریا میں موجود کشتی میں سفر کر رہی تھی بہرحال اس پانی میں اور اس میں کافی فرق تھا' وہ تاحد نگاہ تک پھیلا ٹھاٹھیں مارتا سمندر' جو اپنے اندر جانے کتنے بڑے بڑے دیوہیکل جہازوں کو نگل چکا تھا جبکہ یہ ایک چھوٹا سا پرسکون دریا جس کے چاروں سمت ہریالی ہی ہریالی تھی تقریباً" پانچ منٹ بعد ہی کشتی رک گئی گولو آگیا کشتی میں موجود لڑکے نے اس کا سامان ساحل تک پہنچا دیا چند سیکنڈ بعد ہی ایک ٹرالی بردار اس کے قریب آرکا' کاشف نے اس سے کچھ بات کی اس نے نیبو کا سامان ٹرالی پر رکھا۔

"تم اس کے ساتھ جاؤ میں کچھ کام ختم کر کے تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔"

کاشف کی ہدایت کے مطابق وہ چپ چاپ ٹرالی میں سوار ہو گئی آہستہ آہستہ چلتی وہ ٹرالی باہر روڈ پر آگئی' نیبو نے چاروں سمت نگاہ دوڑائی یہ گاؤں اس کے تصور سے خاصا مختلف تھا' سڑک کے دونوں اطراف موجود بے تحاشا چھوٹی بڑی دکانیں' سڑک پر چلتے پھرتے لوگوں کا رش یہ پاکستان کے کسی چھوٹے سے شہر کا نقشہ پیش کر رہا تھا وہ نہایت دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھتی ایک پل کو بھول ہی گئی کہ وہ کن حالات میں یہ سفر کر رہی ہے۔ اس سفر نے اس کے ذہن میں پاکستانی رکشا کی یاد کو بھی تازہ کر دیا فرق صرف اتنا تھا ٹرالی بنا کسی شور کے چل رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ٹرالی کا سفر ختم ہو گیا۔ ٹرالی چلانے والے شخص نے اس کا سامان اٹھا کر سامنے موجود گھر کی سب سے نیچے والی سیڑھی پر رکھ دیا۔

"یہ میرا گھر ہے اور اب آپ اس سیڑھی پر بیٹھ جاؤ کاشف بھائی اپنے گھر گیا ہے کچھ ہی دیر میں آکر آپ کو لے جائے گا" تھائی شخص نے ٹوٹی پھوٹی ملائی میں اپنا مدعا اسے سمجھا دیا وہ اثبات میں سر ہلاتی سیڑھی پر بیٹھ گئی اپنی بوریت کو دور کرنے کے لیے اس نے سیل نکال لیا' دو مس کالز تھیں جو پاکستان سے آئی تھیں یقیناً" فردوس خان نے احتشام صاحب تک اس کا نمبر پہنچا دیا تھا مگر اس وقت ان حالات میں وہ فی الحال احتشام صاحب سے کوئی بات نہ کرنا چاہتی تھی اس نے ربیعہ کو اپنے تھائی لینڈ خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دی' جس کے فوراً" بعد ہی ربیعہ کا فون آگیا' وہ اس کے حوالے سے کافی پریشان تھی' ابھی وہ بات ہی کر رہی تھی کہ کاشف گاڑی لے کر پہنچ گیا اسے دیکھتے ہی وہ

سیڑھیوں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا اللہ حافظ اب میں کسی محفوظ مقام پر پہنچ کر تم سے رابطہ کروں گی۔" اس نے جلدی جلدی خدا حافظ کر کے فون بند کر دیا کاشف نے نیچے اتر کر اس کا سامان گاڑی میں رکھا اور پھر اس کے اندر بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی ' تقریباً" دس منٹ کے سفر کے بعد گاڑی ایک ہوٹل کی پارکنگ میں داخل ہو گئی "ہوٹل سبو تنگ" کا بڑا سا سائن بورڈ دور سے ہی نظر آرہا تھا یہ سات منزلہ ہوٹل ایک گاؤں کے لحاظ سے کافی بہترین تھا اس کی شاندار عمارت نے ہی نیبو کو متاثر کر دیا' کاشف داخلی دروازے کے قریب اسے اتار کر گاڑی پارک کر آیا اور اس کے قریب آکر بولا۔

"چلو آؤ۔۔۔" وہ اس کی تقلید میں اندر داخل ہو گئی جہاں کاؤنٹر پر کاشف نے اس کے لیے کمرہ بک کروایا پھر کمرے کی چابی اور ریزرویشن کارڈ لے کر اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ رکھ لو مگر اوپر جانے سے پہلے بہتر ہے کہ تم کچھ کھالو۔" وہ کاشف کے ساتھ ہی ہوٹل کے کیفے ٹیریا آگئی جہاں تھائی ویٹرز موجود تھیں کاشف کے دیے گئے آرڈر کے مطابق کچھ ہی دیر میں بیم برگر اور کولڈ ڈرنک آگئی۔

"یہ برگر بالکل حلال ہے اس لیے تم اطمینان سے کھا سکتی ہو۔"

وہ جان چکی تھی کہ یہ لوگ کچھ بھی کھانے سے قبل یہ یقین ضرور کر لیتے تھے کہ وہ حلال ہو' اسی بنا پر بغیر کسی قباحت کے اس نے اپنا برگر ختم کیا' ابوذر کو فرنچ فرائز اور سینڈوچ کھلایا' فارغ ہو کر وہ ساتویں منزل پر موجود اپنے کمرے میں آگئی اسے کاشف ہی کی زبانی پتا چلا "ہوٹل سبرتنگ" یہاں کا سب سے بڑا اور سیون اسٹار ہوٹل ہے۔"

"یہاں سامان رکھ کر میرے ساتھ آؤ۔" کاشف دروازہ کے باہر ہی رک گیا' نیبو نے جلدی جلدی اپنا سامان کمرے میں رکھ کر صرف ہینڈ بیگ ساتھ لیا اور لاک لگا کر کاشف کے ساتھ ایک دوسرے روم میں آگئی جس کا دروازہ بند تھا کاشف کے بجاتے ہی دروازہ کھول کر شمریز باہر نکل آیا شمریز کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

"اندر آجاؤ فردوس بھائی تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا سامنے بیڈ پر فردوس خان جو لیٹا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور وہیں سے پکارا۔

"آؤ آؤ بہن یہاں آکر بیٹھو۔" فردوس خان نے سامنے رکھی کرسی کی سمت اشارہ کیا اسے فردوس خان نے آج پہلی بار بہن پکارا تھا ورنہ وہ ہمیشہ اس کا نام لیتا تھا' نیبو خاموشی سے اس کرسی پر جا بیٹھی کاشف اور شمریز آپس میں کوئی بات کر رہے تھے۔

"تمہیں یہاں تک کے سفر میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔"

فردوس خان نے نیبو سے دریافت کیا جس کا جواب اس نے صرف نفی میں گردن ہلا کر دیا' وہ ویسے بھی اس وقت ذہنی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بری طرح تھک چکی تھی' جس کا اندازہ شاید فردوس خان کو بھی ہو گیا۔

"ایسا کرو تم ابھی اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے نیبو کو ہدایت کی۔

"کل تک تمہارا پاسپورٹ تصدیق کے بعد مل جائے گا پھر آگے جو کچھ کرنا ہو گا وہ سب تمہیں کاشف اچھی طرح سمجھا دے گا فی الحال ابھی تم بے فکر ہو کر سو جاؤ' اپنے دروازے کی اندر سے اچھی طرح کنڈی اور لاک لگا لینا' تم نے شاید کبھی سنا ہو تھائی لینڈ اکیلی عورت کے لحاظ سے ایک بدنام ترین ملک ہے' یہاں قیام کے دوران تمہیں ہر حال میں اپنی حفاظت خود کرنی ہے۔ رات کے کسی پہر اگر ہم میں سے بھی کوئی تمہارا دروازہ بجائے تو براہ مہربانی لاک مت کھولنا اب تم جاؤ ان شاء اللہ تم سے کل ملاقات ہو گی اور ہاں تمہارا رات کا کھانا بھی روم میں ہی آئے گا باہر مت نکلنا۔"

اس کے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہی فردوس خان نے اسے مزید سمجھایا وہ کمرے سے نکل کر باہر کاریڈور میں آگئی' رات کا ملگجا سا اندھیرا پھیل چکا تھا' پورے کاریڈور کی لائٹس جل چکی تھیں' کاریڈور میں چلتی پھرتی ویٹرز کا حلیہ شام سے قطعی مختلف اور نہایت شرمناک تھا وہ دل ہی دل میں لاحول پڑھتی روم نمبر 710 کے سامنے آگئی' لاک میں چابی لگا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر اپنے پیچھے دروازے کو اچھی طرح بند کر لیا ابھی صرف آٹھ بجے تھے' پوری رات باقی تھی جو اسے اس ہوٹل کے کمرے میں تنہا ہی بسر کرنی تھی' وقت گزارنے کے لیے اس نے ٹی وی لگا لیا جہاں صرف ملائی اور تھائی چینل ہی آرہے تھے پھر دیر تک وہ ایک کوکنگ پروگرام دیکھتی رہی مگر جلد ہی بور ہو گئی' باہر کا دروازہ بجایا جارہا تھا' سامنے لگی وال کلاک رات کے دس بجا رہی تھی اس نے فوراً" کاشف کو فون کیا جس نے تیسری ہی بیل پر فون اٹھا لیا۔

"میرے کمرے کے باہر کوئی ہے جو مسلسل دروازہ بجا رہا ہے۔"

اس کی آواز میں موجود تشویش کاشف نے فوراً" محسوس کر لی۔

"گھبراؤ مت میں نے کھانا بھجوایا ہے لے کر دروازہ پھر سے لاک کر لو' کافی بھی ساتھ ہی ہے اور تمہارے بیٹے کا کھانا علیحدہ سے ہے۔"

"شکریہ کاشف بھائی" تشکر سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں' دروازہ کھول کر اس نے باہر موجود ویٹر سے ٹرالی لے کر کمرے کے اندر کر لی' ابوذر کو کھانا کھلا کر سلا دیا جب کہ اس کا فی الحال کچھ کھانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا صرف کافی پی کر اپنے بستر پر جا لیٹی' وہ اپنے بیڈ پر چیت لیٹی چھت کی جانب تک رہی تھی گزرے ہوئے ماضی کا ایک ایک پل اس کی آنکھوں کی اسکرین کے سامنے چل رہا تھا آنسو پانی کی طرح اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے' ان حالات میں صرف ایک امید ہی تھی جس کا دامن اس نے شروع سے ہی تھام رکھا تھا ابھی بھی امید ہی کا جگنو تھا جو اسے زندہ رکھے ہوئے تھا ورنہ تو شاید ان حالات میں کب کی مر گئی ہوتی' ان ہی خیالات میں جانے اسے کب نیند آگئی۔

ایک دم ہی باہر ہونے والے عجیب و غریب شور سے گھبرا کر اس کی آنکھ کھل گئی باہر سے آنے والی آوازوں پر دھیان دیتے ہی دروازہ پیٹنے کی آواز اس کے کان میں آئی وہ جلدی سے کمرے کے دروازے کے قریب آئی کی ہول سے باہر جھانکا پورے کاریڈور میں نہایت شرمناک حلیہ میں وہ ہی تھائی لڑکیاں موجود تھیں جو شام کے وقت ہوٹل میں ویٹرس کے فرائض سر انجام دے رہی تھیں' میک اپ سے ان کے چہرے دمک رہے تھے وہ ہر کمرے کا دروازہ بجا بجا کر چیخ رہی تھیں۔

"پومیر ماؤ۔۔۔۔ پومیر ماؤ۔" (لڑکی چاہیے' لڑکی چاہیے۔)

رات کے سناٹے میں ان کی یہ آواز کسی چڑیل کی آواز سے مشابہہ محسوس ہو رہی تھی انہوں نے نیبو کا دروازہ بجا کر بھی آواز لگائی ان کی ہنسی کی آواز نیبو کو اپنے اعصاب پر ہتھوڑے برساتی محسوس ہوئی' عورت کی اس قدر تذلیل نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر اتر گئی جب تک باہر یہ شور سنائی دیتا رہا وہ اپنی جگہ کھڑی لرزتی رہی شور ختم ہوتے ہی اس نے وقت دیکھا رات کے دو بج چکے تھے دروازہ اچھی طرح بند کرنے کی فردوس خاں کی ہدایت اسے اب سمجھ میں آئی' وہ خاموشی سے کھانے کی ٹرالی کی جانب آگئی' سب کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا اس نے چپ چاپ ٹھنڈا کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا جس کی بدولت وہ اب تک صحیح سلامت تھی اگر اس کا ساتھ نہ ہوتا تو جانے ان حالات میں وہ کہاں ہوتی؟

اگلے دن صبح ہی اس کا پاسپورٹ مل گیا جس کی اطلاع اسے کاشف نے فون کے ذریعے دی اور ساتھ ہی جلد از جلد تیار ہونے کی تاکید بھی کی۔

"اب کہاں جانا ہے؟" وہ جاننا چاہتی تھی اگلا مرحلہ کیا ہے۔

"تھائی ایمبیسی۔" کاشف نے مختصر جواب دے کر فون بند کر دیا' بیس منٹ بعد جب وہ اس کے کمرے

میں آیا وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

"دیکھو یہاں معاملہ ذرا مختلف ہے کیوں کہ یہاں میری جان پہچان بالکل نہیں ہے اور نہ ہی اس جگہ کوئی تعلقات کام آتے ہیں بلکہ اب جو کچھ کرنا ہے تمہیں خود اپنی ذہانت سے کرنا ہے' بس اتنا ہے وہاں بالکل بھی گھبرانا نہیں تاکہ کسی کو تم پر شک نہ ہو' اندر بھی تم اکیلی ہی جاؤ گی میں باہر رہ کر تمہارا انتظار کروں گا یاد رکھنا وہاں تم نے کسی بھی جگہ میرا نام نہیں لینا ورنہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔"

کاشف کی طرف سے ملنے والی ہدایات نے اس ڈرا دیا وہ تھوڑی سی خوف زدہ ہو گئی پھر بھی یہ سب تو اسے فیس کرنا ہی تھا پورا ہاتھی نکل چکا تھا اب صرف دم باقی تھی اور وہ بھی نہایت ہی خطرناک قسم کی' جس کا اندازہ نیبو نے کاشف کی گفتگو سے لگا لیا۔ کاشف نے اسے تھائی ایمبیسی سے کچھ فاصلے پر اتار دیا۔

"جب تم باہر آؤ میں تمہیں یہیں ملوں گا مگر اندر جو کچھ ہو اسے تم نے خود ہی حل کرنا ہے میں تمہارے لیے دعا ضرور کروں گا تاکہ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔"

نیبو دل ہی دل میں آیتہ الکرسی کا ورد کرتی ہوئی اندر داخل ہو گئی ریسپشن سے معلومات حاصل کر کے وہ ایک کاؤنٹر کی جانب آ گئی' یہاں تھائی کے ساتھ ملائی زبان بھی بولی جاتی تھی جس کی بدولت نیبو کو خاصی آسانی ہو گئی۔

"مجھے اپنے ویزے کی تصدیق کروانی ہے۔"

نیبو نے پاسپورٹ کاؤنٹر پر موجود شخص کی جانب بڑھا دیا جس نے چپ چاپ اسے تھام کر کھول کر اندر سے دیکھا' نیبو کا دل دھک دھک کرنے لگا' اس شخص نے کی بورڈ پر اپنی انگلیاں چلاتے ہوئے نیبو کی جانب جتنی دفعہ دیکھا' اس کا خون خشک ہو تا گیا آیتہ الکرسی کا ورد وہ مسلسل کر رہی تھی اس شخص نے کی بورڈ پر انگلیاں چلانی بند کر دیں۔

"تمہارا نام۔" اب وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا۔

"والد کا نام۔" پہلے کا جواب ملتے ہی اس نے اگلا سوال کیا اور پھر لگاتار کیے جانے والے کئی سوالوں سے اس نے نیبو کا مکمل بائیو ڈیٹا معلوم کر لیا اس سارے عمل کے دوران اس شخص کا لہجہ خاصا کرخت تھا' اس کے علاوہ وہ مسلسل نیبو کو کینہ توز نگاہوں سے گھور رہا تھا' جس کے سبب نیبو کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں تقریباً" پندرہ منٹ اس نے نیبو سے سوال، جواب کیے پھر اپنے سامنے رکھی بیل بجائی' اگلے ہی سیکنڈ وہاں ایک باوردی تھائی لیڈی آ گئی' نیبو کی سانس سینے میں رکنے لگی' وہ مسلسل قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی سامنے موجود شخص نے اس لیڈی سے کوئی بات کی جسے سن کر وہ نیبو کی جانب پلٹی۔

"آؤ میرے ساتھ تمہاری فوٹو بنے گی۔" نیبو کا رکا ہوا سانس بحال ہو گیا' تقریباً" آدھے گھنٹے وہ اس کمپیوٹر سیکشن میں رہی جہاں اس کی مختلف تصاویر بنائی گئیں' اس کے بعد بالکل ویسا ہی عمل ابوذر کے ساتھ بھی دہرایا گیا' یہاں کسی نے اس سے کوئی بات نہ کی وہ فارغ ہو کر باہر انتظار گاہ میں آ گئی' اس کا دل مسلسل دھک دھک کر رہا تھا' اب وہ آیت کریمہ کا ورد کر رہی تھی اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں موجود ہر شخص اسے گھور رہا ہے۔

کچھ دیر بعد اسپیکر پر اس کا نام کال ہوا وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کاؤنٹر کی جانب بڑھی' اس کی وہاں آمد رہائش کے متعلق چند سوالات کرنے کے بعد سامنے موجود شخص نے پاسپورٹ کسی مشین میں ڈال دیا شاید وہ انسپکٹر تھا۔

اسے محسوس ہوا اب وہ ضرور پھنس جائے گی' جعلی مہر اور سائن کی کہانی کھلنے والی ہے' ہر گزرتے لمحہ میں اس کا دل دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر آنے کو تیار تھا' پاسپورٹ باہر نکل آیا سامنے موجود شخص نے شاید اس پر کوئی مہر لگائی نیبو کو پتا نہ چلا اس لیے کہ وہ اس وقت اپنے حواسوں میں بھی نہ تھی۔

"یہ آپ کا پاسپورٹ۔" پاسپورٹ اس کے سامنے کاؤنٹر پر رکھا تھا اسے یقین ہی نہ آیا اپنی لرزتی انگلیوں سے اس نے جلدی سے اسے تھام کر اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالا اور تیز تیز چلتی باہر نکل آئی' تھوڑے ہی فاصلے پر روڈ کے دوسری طرف کاشف کی گاڑی موجود تھی وہ تیزی سے سڑک کراس کرتی اس تک پہنچ گئی دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہی کاشف نے گاڑی اسٹارٹ کر دی' نیبو کی بخیریت باہر واپسی اس بات کی غماز تھی کہ وہ کامیاب لوٹی ہے بصورت دیگر اسے اندر ہی دھر لیا جاتا اس لیے اس حوالے سے کوئی بھی سوال کرنا بے کار تھا' کاشف نے ایک دو ضروری سوالات کیے اور پھر خاموشی سے ڈرائیو کرتا ہوٹل آ گیا۔

"تم اوپر جاؤ میں تمہارے ٹکٹ کا پتا کر کے آتا ہوں پھر تم بے شک اپنے گھر والوں کو اپنی واپسی کی اطلاع دے سکتی ہو۔"

کاشف کے ان الفاظ نے نیبو کو ایک بار پھر سے زندہ کر دیا' شام کے چار بج چکے تھے اس نے دوپہر سے کچھ نہ کھایا تھا' کاشف کے وہاں سے جاتے ہی وہ ہوٹل میں داخل ہونے کے بجائے روڈ کراس کر کے بازار کی طرف آ گئی جہاں تقریباً" سب دکان دار ہی ملائی تھے اس لیے اسے کوئی دشواری نہ ہوئی سب سے پہلے اس نے ایک چھوٹے سے کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر کھانا کھایا پھر باہر کاؤنٹر سے کافی لے کر روڈ پر آ گئی' اس نے مختلف دکانوں سے چھوٹی موٹی شاپنگ بھی کی جلد ہی پاکستان واپسی کی خبر نے اس کے اندر بجلی سی بھر دی تھی ساتھ ہی اسے اپنوں کی یاد بھی آج کئی عرصہ بعد آئی ورنہ تو وہ اپنی ہی مصیبتوں میں اس قدر جکڑی ہوئی تھی کہ اسے کسی کا بھی ہوش نہ تھا۔

اس نے آج کافی عرصہ بعد اپنے لیے بھی میک اپ کا کچھ سامان خریدا' کچھ جیولری بھی لی شفا اور امان کے بچوں کے علاوہ رحاب کے بچوں کے لیے بھی گفٹ لیے' شاپنگ کے بعد وہ جب ہوٹل آئی تو رات کے آٹھ بج چکے تھے وہ ابوذر کے لیے بسکٹ اور مختلف طرح کے اسنیک بھی خرید لائی تھی' تمام سامان اچھی طرح پیک کر کے اس نے ربیعہ کا نمبر ملایا وہ اسے اپنی آج کے دن کی تمام کارروائی کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتانا چاہتی تھی کہ کاشف اس کے ٹکٹ کا معلوم کرنے گیا ہے' اس کی واپسی کا سن کر ربیعہ بھی خاصی خوش ہوئی۔

"ارے یاد آیا کل تمہاری مما کا فون آیا تھا۔"

فون بند کرتے کرتے ربیعہ کو یک دم ہی کل ہونے والی اپنی اور رداکی گفتگو یاد آئی۔

"اچھا کیا کہہ رہی تھیں؟" جانے کتنا وقت بیت گیا تھا اسے اپنی ماں کی آواز سنے ہوئے۔

"کچھ خاص نہیں بس ناراض ہو رہی تھیں کہ تم کیوں سکندر کا بچہ لیے دنیا بھر میں رلتی پھر رہی ہو۔ وہ ہی پرانا رونا "سکندر کا بچہ" تمہارے لیے یہ بھی پیغام دیا کہ اگر تم اس بچہ کو اپنے ساتھ لے کر واپس آئیں تو کل کو تمہیں دوسری شادی کرنے میں کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے بہتر ہے اکیلی وطن واپس آؤ' یہاں آ کر شادی کر لو سنان آج بھی تمہارا انتظار کر رہا ہے اور جانے کیا کیا مجھے تو بہت کچھ یاد بھی نہیں۔"

"ان سے کس نے کہا کہ میں اب دوبارہ شادی کروں گی۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"میرے لیے شادی کا ایک تلخ تجربہ ہی بہت ہے مرد سکندر ہو یا سنان مجھے اب کوئی فرق نہیں پڑتا میرے دل سے کسی بھی مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش اب بالکل ختم ہو چکی ہے۔" زندگی کی تلخیاں اس کے لہجہ کو بھی تلخ کر چکی تھیں۔

"تم جیسی جوان اور خوب صورت لڑکی تنہا زندگی نہیں گزار سکتی کیونکہ دنیا کی باتیں اسے جینے نہیں دیتیں میری مانو تو واپس جا کر سب کچھ بھول بھال کر سنان سی شادی کر لو ویسے بھی یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے طلاق یافتہ عورت کی شادی فوراً" کر دی جائے۔" ربیعہ نے اسے خلوص نیت سے سمجھایا۔

"اللہ تعالیٰ کے تو اور بھی بہت سے حکم ہیں، بہر حال چھوڑو یہ ایک لمبی بحث ہے اور مجھے اب نیند آ رہی ہے اللہ حافظ ان شاء اللہ ہو سکتا ہے اب میں تمہیں پاکستان پہنچ کر ہی فون کروں۔" فون بند کر کے اس نے کھانا منگوایا' تھوڑا سا ہی کھا کر اس کا پیٹ بھر گیا اور وہ سونے کے لیے لیٹ گئی' آج کافی عرصہ بعد اسے

ساری رات خواب میں سکندر کا ہیولہ روپ بدل بدل کر ڈراتا رہا اس نے حماد کو بھی خواب میں دیکھا اور پھر کل کی طرح آدھی رات کو ہونے والے شور نے اس کی نیند خراب کردی' باہر سے آنے والی وحشت ناک ہنسی کی آوازوں نے اسے دوبارہ سونے ہی نہ دیا وہ بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی جب اسے کاشف کا فون آ گیا۔

"اپنا ضروری سامان لے کر کمرہ لاک کردو اور روم نمبر 786 میں آجاؤ جہاں کل آئی تھیں۔" یہ روم اسی فلور پر واقع تھا' اس سات منزلہ ہوٹل کے ہر فلور پر سو ہی کمرے تھے ابوذر سو رہا تھا نیبو نے اسے اٹھا کر اپنے کندھے سے لگایا اس کی تمام رقم ہینڈ بیگ میں ہی تھی اسے اچھی طرح چیک کر کے وہ روم نمبر 786 آ گئی جہاں ان تینوں کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا جسے نیبو نہیں جانتی تھی یہ ہی وجہ تھی جو وہ کمرے کے دروازے پر ہی جھجک کر رک گئی۔

"آؤ' آؤ اندر آجاؤ گھبراؤ مت یہ میرا دوست ہے تمہارا واپسی کا ٹکٹ اس نے ہی کروا کر دینا ہے اور ویسے بھی جن حالات سے گزر کر تم یہاں تک آئی ہو میں نہیں سمجھتا کہ اب تمہیں ہم جیسے مردوں سے گھبرانا چاہیے' تمہیں تو خود پر فخر ہونا چاہیے کہ اتنے مردوں کی موجودگی میں تم جیسی تنہا عورت کو کوئی غلط نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔" وہ اندر داخل ہو گئی اور کاشف کے سامنے رکھی کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گئی کمرے میں موجود اتنے سارے مرد اور وہ تنہا عورت یہ خوف بھی اس کے دل سے یکسر دور ہو گیا۔

"گڈ گرل تمہارا یہ اعتماد اور بہادری تو تھی جو تم نے سکندر جیسے کمینے کو شکست دی میں آج تک جانے کتنے لوگوں کو یہاں سے نکال کر ان کے ملک واپس بھیج چکا ہوں مگر یقین کرو جب بھی کبھی میں نے تمہارے جیسی کسی لڑکی کی مدد کی ہے مجھے ہمیشہ دل کی گہرائیوں سے خوشی حاصل ہوئی ہے عورت کی مدد کرتے ہوئے میں نے کبھی پیسے کو اہمیت نہیں دی بلکہ ہمیشہ اس عورت کو اہمیت دی ہے' جس کی میں مدد کرتا ہوں۔"

کاشف کے الفاظ قابل تعریف تھے شاید اس کا یہ ہی جذبہ اسے آج تک اپنے مقصد میں کامیاب رکھے ہوا تھا جس کا اندازہ نیبو کو ہو چکا تھا۔

"بہرحال اپنے ٹکٹ کی رقم دے دو سبحان آج ہی تمہاری سیٹ کنفرم کروا دے گا۔" کاشف کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے اپنے پرس سے وہ لفافہ نکالا جس میں پہلے سے ہی 5000 رنگیٹ موجود تھے اور اسے فردوس خان کی جانب بڑھا دیا فردوس خان نے رقم گن کر لفافہ کاشف کے حوالے کر دیا۔

"اس میں ٹکٹ کے علاوہ تمہارے پیسے بھی ہیں" کاشف نے لفافہ کھول کر 2000 رنگیٹ سبحان کے حوالے کیے اور باقی رقم گنے بغیر لفافہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا سبحان ٹکٹ کی رقم لے کر کمرے سے چلا گیا۔

"تمہارا ٹکٹ بنکاک سے ہو گا جہاں تمہیں بالکل تنہا بس کے ذریعے جانا ہے ہمارا ساتھ صرف یہاں تک کا تھا' اس سے آگے ہم میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ نہ جائے گا بنکاک بھی تھائی لینڈ جیسا خطرناک ملک ہے وہاں تمہیں اپنی حفاظت خود کرنی ہے اس وقت تک' جب تک کہ تم پاکستان کی فلائٹ پر سوار نہ ہو جاؤ۔" فردوس خان نے اسے آگے کی تمام صورت حال سمجھائی۔

"مجھے بنکاک کب جانا ہو گا؟" فردوس خان کے خاموش ہوتے ہی اس نے سوال کیا۔

"جیسے ہی تمہارا ٹکٹ اوکے ہو گا اسی حساب سے کاشف تمہیں یہاں سے بس پر بٹھا دے گا کیونکہ ابھی تھوڑی دیر تک میں اور شمریز ملائشیا واپس جا رہے ہیں وہاں ہمارا کافی کام رکا ہوا ہے۔ اب تم مکمل طور پر کاشف کے حوالے ہو یہ جانتا ہے کہ تم میری بہن ہو اس لیے میں سمجھتا ہوں جب تک تم یہاں رہو گی یہ تمہاری حفاظت اپنی جان سے بھی بڑھ کر کرے گا۔"

"بے فکر ہو کر جاؤ تمہارے بعد اس کی حفاظت کی مکمل ذمہ داری اس وقت تک میری ہے جب تک یہ یہاں ہے البتہ میں کوشش کروں گا اسے بنکاک تک بھی کسی جاننے والے کے ساتھ ہی بھیجوں۔"

فردوس اٹھ کھڑا ہوا' اس کے اٹھتے ہی نیبو نے جلدی سے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈال کر وہ لفافہ برآمد کیا جس میں فردوس خان کے کمیشن کی طے شدہ رقم موجود تھی اور جس کا آج تک فردوس خان نے کبھی ذکر بھی نہ کیا تھا۔

"فردوس بھائی یہ آپ کا لفافہ۔" وہ لفظ رقم استعمال کرتے ہوئے جھجک سی گئی فردوس خان نے جھجکتے ہوئے لفافہ اس کے ہاتھ سے تھام لیا' کھول کر اس میں سے 200 رنگیٹ نکالے اور نیبو کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے رنگیٹ کو دیکھتے ہوئے فردوس خان سے سوال کیا۔

"ایک بھائی کی طرف سے بہن کے لیے تحفہ اور مجھے بہت اچھا لگے گا جب تم وطن واپس جا کر بھی مجھ سے اور میری فیملی سے رابطہ میں رہو۔"

"ان شاء اللہ ضرور۔" نیبو نے صدق دل سے عہد کیا' فردوس خان اور شمریز اس سے الوداعی ملاقات کر کے کمرے سے نکل گئے اب اس کمرے میں صرف وہ اور کاشف موجود تھے' فردوس خان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ نیبو کی طرف پلٹا۔

"میں اور فردوس کئی سالوں سے مل کر یہ کام کر رہے ہیں مگر مجھے نہیں یاد پڑتا اس سے قبل وہ کسی کے ساتھ اس طرح آیا ہو آج پہلی بار وہ اپنا تمام کاروبار اور گھربار چھوڑ کر چار دن تک تمہارے ساتھ رہا ہے' اپنے کام کے لیے تو وہ کئی کئی دنوں تک باہر رہتا ہے مگر کسی دوسرے کے لیے نہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے تمہیں بہن صرف کہا ہی نہیں بلکہ مانا بھی ہے اور اسی لیے تمہاری عزت ہم پر بھی فرض ہے بہرحال تم اپنا کمرہ خالی کر دو' تاکہ اس کی جو پے منٹ بنتی ہے وہ ادا کر دی جائے جب تک تمہارا ٹکٹ اوکے نہ ہو تم اس روم میں رہو گی فردوس خان اس کی آج کی پے منٹ بھی کر گیا ہے اور ہو سکتا ہے تمہیں آج ہی یہ روم چھوڑنا پڑے بصورت دیگر اگر آج کا ایک دن تمہیں اور رکنا پڑا تو اس کمرے کی مزید پے منٹ تمہیں کرنا ہو گی۔"

"اوکے۔" نیبو نے مختصر سا جواب دیا' ظاہر سی بات تھی جب اس نے رہنا تھا تو رقم بھی اسے ہی دینی تھی' وہ کسی دوسرے کی ذمہ داری ہرگز نہ تھی۔

"میں چلتا ہوں تم اپنا سامان پیک رکھو جیسے ہی سبحان کا فون آئے تمہیں یہاں سے نکلنا ہو گا اپنے بچے کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان ضرور رکھ لینا تھائی لینڈ سے بنکاک تقریباً" بارہ گھنٹے کا سفر ہے تمام ریفرشمنٹ تمہیں بس میں ملے گی مگر حلال اور حرام کی تمیز کے بعد کچھ کھانا ہو سکے تو اپنے ساتھ ہی کھانے پینے کا کچھ سامان رکھ لو چھوٹے بچے کا ساتھ ہے راستے میں کچھ پریشانی نہ ہو۔" کاشف اسے سمجھا کر جا چکا تھا وہ اپنا تمام سامان اس کمرے میں لے آئی' اپنے ہینڈ کیری بیگ میں اس نے ابوذر کے دو جوڑے اور ایک اپنا سوٹ رکھنے کے ساتھ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی رکھ لیا تقریباً" چار بجے کاشف کا فون آ گیا۔

"تمہارا ٹکٹ ہو گیا ہے تمہیں ابھی پانچ بجے والی بس سے بنکاک کے لیے نکلنا ہے جلدی سے تیار ہو کر نیچے لابی میں آجاؤ میں پندرہ منٹ تک پہنچ رہا ہوں۔" کاشف کے فون بند کرتے ہی اس نے ہوٹل کی ریسپشن پر فون کر کے ایک ویٹر بلوایا جس کی مدد سے اپنا تمام سامان لے کر وہ نیچے لابی میں آ گئی چار بیس پر کاشف وہاں پہنچ گیا جلدی جلدی اس کا سامان گاڑی میں رکھا اور پندرہ منٹ بعد ہی وہ بس اسٹینڈ پر تھے۔

"یہ تمہارا پاکستان کا ٹکٹ ہے کل رات بارہ بجے کی فلائیٹ ہے' تم کل صبح تقریباً" پانچ بجے تک بنکاک پہنچ جاؤ گی اس کے بعد تمہیں اپنا انتظام خود کرنا ہو گا ہو سکے تو ایئرپورٹ پر ہی رک جانا مگر بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ کیونکہ بنکاک چوروں کا شہر ہے۔"

نیبو نے خاموشی سے اپنا ٹکٹ تھام لیا' اس پر ایک نظر ڈالی اب وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت سے نکل چکی تھی بغیر کسی احساس کے اس نے وہ ٹکٹ اپنے ہینڈ بیگ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اس وقت اس کے اعصاب پر وہ بارہ گھنٹے سوار تھے جو اسے بنکاک میں تنہا

گزارنے تھے جہاں اس کے ساتھ فردوس خان جیسے لوگ نہ تھے' اس کی مدد کے لیے شہریز اور کاشف کا ساتھ نہ تھا وہاں وہ بالکل تنہا تھی مگراب گزرتے وقت نے اسے خاصا نڈر اور بے خوف کردیا تھا یہ ہی سبب تھا جو وہ اتنی پریشان نہ تھی جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔

"یہ تمہارا بس کا ٹکٹ۔"

ٹکٹ اندر رکھتے ہی کاشف نے ایک اور ٹکٹ اس کی جانب بڑھایا جس پر سو رنگمٹ درج تھا' نیبو نے پرس کھول کر ٹکٹ پر درج شدہ رقم کاشف کے حوالے کردی جو اس نے خاموشی سے تھام لی' نیبو کا سامان پورٹر لے جاچکا تھا بس چلنے والی تھی کاشف اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بس کے قریب پہنچا جب اچانک سامنے کھڑے ایک باریش شخص پر پڑی۔

"ایک منٹ رکو میں آیا۔" کچھ ہی دیر بعد کاشف اس شخص کو لیے نیبو کی جانب واپس آگیا۔

"اس سے ملو یہ عبدالباری ہے ـــــ' پاکستان کے کسی گاؤں سے اس کا تعلق ہے یہ بھی کل تمہارے ساتھ ہی بنکاک سے پاکستان جارہا ہے اور آج اتفاق سے اسی بس کا مسافر ہے جس میں تم سفر کرنے جا رہی ہو میں نے اسے سمجھادیا ہے کہ تم فردوس خان کی بہن ہو اور یہ فردوس خان کا بہت اچھا جاننے والا ہے لہٰذا کل رات فلائیٹ تک یہ تمہارے ساتھ ہی رہے گا۔"

کاشف کی لمبی چوڑی تمہید ختم ہوتے ہی نیبو نے سامنے کھڑے شخص پر نظر ڈالی جس نے ایک ہاتھ میں کچھ قرآنی نسخے تھام رکھے تھے جبکہ دوسرے ہاتھ میں تسبیح تھی ایک اور آسمانی مدد' اس ساٹھ' پینسٹھ سالہ بزرگ کی شکل میں اسے نظر آگئی۔ وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی مشکور ہوگئی اتفاق سے عبدالباری صاحب کی سیٹ بھی بس کے اوپر والے فلور میں تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی دروازے پر کھڑی ہوسٹس نے خندہ پیشانی سے اسے خوش آمدید کہا بس کے اندر داخل ہونے سے قبل اس نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا کاشف ابھی بھی نیچے ہی تھا نیبو نے اسے الوداعی ہاتھ ہلایا اور بس میں داخل ہوگئی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ کسی انڈین شخص کی تھی جس نے نیبو کی ذاتی درخواست پر وہ سیٹ عبدالباری کے حوالے کردی بس کا سفر شروع ہوگیا جس کے ساتھ ہی نیبو نے تھائی لینڈ کی سرزمین کو خدا حافظ کہہ دیا' سامنے بڑی سی اسکرین پر کوئی فلم چل رہی تھی جس کی زبان نیبو کے لیے نا آشنا تھی اس نے ابوذر کو کھانے کے لیے بسکٹ کا ایک پیکٹ تھمادیا' عبدالباری اس دوران اس کا تمام انٹرویو لے چکا تھا جو کچھ اس کے نزدیک بتانا چاہیے تھا وہ اس نے بتادیا باقی بہت سی باتیں وہ ایک اجنبی شخص سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آپ یہاں کس سلسلے میں آئے تھے؟"

عبدالباری کا انٹرویو ختم ہوتے ہی اس نے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

"میں یہاں بزنس کے سلسلے میں آتا جاتا رہتا ہوں۔"

عبدالباری نے اپنی داڑھی میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فخریہ کہا۔

"اوہ اچھا کیا بزنس کرتے ہیں آپ۔"

"یہ یہاں روڈ پر کھڑا ہو کر قرآنی نسخہ جات فروخت کرتا ہے۔"

اپنے پیچھے سے آنے والی آواز سن کر نیبو نے پلٹ کر دیکھا' ایک تقریباً" ساٹھ سالہ سوٹڈ بوٹڈ شخص' نہایت قیمتی فریم کا سلور چشمہ اور ملائی ٹوپی میں ملبوس عین عبدالباری کی سیٹ کے پیچھے تھا' چھوٹی فرنچ کٹ داڑھی کے ساتھ وہ نہایت ہی معزز دکھائی دے رہا تھا اس کی شستہ اردو اس بات کی غماز تھی کہ اس کا تعلق پاکستان یا انڈیا سے ہے۔

"محنت سے کیے گئے کسی کام میں کوئی عار نہیں۔"

عبدالباری نے فوراً" سے پیشتر جواب دیا۔

"محنت کا کام۔" وہ شخص استہزائیہ انداز میں زور زور سے ہنسا۔

"اسے محنت نہیں بھیک مانگنا کہتے ہیں مولانا صاحب۔"

"مولانا کا صیغہ غالباً" اس نے عبدالباری کی داڑھی کو دیکھ کر لگایا تھا۔

"اصل میں جب ان سے کوئی یہ نسخہ یا تسبیح نہیں خریدتا تو ان کی بزرگی پر ترس کھاتے ہوئے ان کے ہاتھ میں کچھ روپے تھمادیتا ہے جسے یہ اپنی محنت کی کمائی کہتے ہیں اس طرح کے پاکستانی تمہیں دنیا کے ہر کونے میں محنت کرتے نظر آئیں گے اور ان کی اس طرح کی محنت نے ہمیں دوسرے ممالک میں ڈی گریڈ کیا ہوا ہے۔"

اس شخص نے نیبو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا' نیبو نے پلٹ کر ایک نظر اپنے برابر بیٹھے عبدالباری پر ڈالی جو بڑی لاپروائی سے آنکھیں موندے بس کی سیٹ سے ٹیک لگا چکا تھا وہ اس طرح کے عملی مظاہرے ملائیشیا میں جگہ جگہ دیکھ چکی تھی جہاں اکثر و بیشتر سڑک کنارے کھڑے پاکستانی لوگوں سے مدد کے طلب گار ہوتے جنہیں دیکھ دیکھ کر وہ بڑی شرمندگی محسوس کرتی خاص کر جب سکندر ساتھ ہوتا۔

"تم بنکاک کس کے پاس جارہی ہو؟" اس شخص نے اپنی جیب سے سگار نکالتے ہوئے نیبو نے سوال کیا۔

"کسی کے پاس بھی نہیں دراصل میری کل رات کی فلائیٹ ہے میں بنکاک سے اسلام آباد جا رہی ہوں۔" نیبو نے آہستہ سے جواب دیا۔

"ہم تو صبح چھ بجے تک بنکاک پہنچ جائیں گے پھر تم رات تک وہاں کس کے پاس رہو گی۔" اس سوال کا نیبو کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"پتا نہیں شاید کسی ہوٹل وغیرہ میں یا ایئرپورٹ پر ہی ٹائم گزار لوں گی۔"

"دونوں باتیں ہی ناممکن ہیں کیونکہ وہاں تنہا عورت کے لیے ان میں سے کوئی بھی جگہ محفوظ نہیں ہے بنکاک' تھائی لینڈ' ملائشیا' سنگاپور یہ سب میرے دوسرے گھر ہیں' جہاں ہر جگہ میری ایک عدد بیوی بھی موجود ہے پھر بھی میں یہ سمجھتا ہوں ان میں سے بنکاک اور تھائی لینڈ کسی تنہا عورت کی چند منٹ کی رہائش کے لیے بھی قابل بھروسہ نہیں جگہ جگہ چور اچکے اور بدمعاش گھات لگائے بیٹھے ہیں۔"

"دراصل عبدالباری صاحب میرے ساتھ ہی ہوں گے۔"

"تم اس کو چھوڑو صرف اپنی بات کرو یہ تو وہاں بھی سڑک کنارے کھڑا کچھ نہ کچھ بیچنے کی کوشش میں روپیہ کمانے میں مصروف ہوجائے گا۔" اس کی بات کافی حد تک درست تھی۔

"میں نے اتنی باتیں تم سے کرلیں اور اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں۔"

بات کرتے کرتے غالباً" اس شخص کو یاد آیا کہ نیبو اس سے قطعی ناواقف ہے۔

"مجھے برہان الدین نینی کہتے ہیں میں کراچی کا رہائشی ہوں وہاں میرا مچھلیوں کا بہت بڑا بزنس ہے دنیا کے ہر ملک میں ہم مچھلی سپلائی کرتے ہیں اور ـــــ" کچھ کہتے کہتے وہ رک گیا' عبدالباری پر ایک نظر ڈالی جو بظاہر سو رہا تھا اور تھوڑا سا آگے کی جانب کھسک آیا ساتھ ہی اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی تھیلی بھی برآمد کرلی ہے جسے کھول کر نیبو کی آنکھوں کے سامنے کردیا۔ جس کے اندر سے آنے والی ننھی ننھی کرنوں نے چندپل کو نیبو کی آنکھوں کو چندھیا دیا۔

"جانتی ہو یہ کیا ہے؟"

"ڈائمنڈ ـــــ" نیبو نے جواب دے کر برہان الدین کی جانب دیکھا۔

"بالکل یہ ہیرے ہیں اور میں ان کی اسمگلنگ بھی کرتا ہوں' بنکاک کا چھوٹا موٹا ڈان مانا جاتا ہوں یہاں کے لوگ میری جوتی کی نوک تلے رہتے ہیں میں ان سے بھیک نہیں مانگتا بلکہ بڑی شان سے ان پر حکمرانی کر کے کماتا ہوں۔"

ملائشیا سے بنکاک تک کے سفر میں نیبو جانے کتنے کرداروں سے آشنا ہوئی تھی اور کتنی کہانیاں اسے سننے کو ملی تھیں ان ہی کرداروں میں اب ایک نیا کردار برہان الدین بھی شامل ہوچکا تھا۔

"ملک ملک گھومنا اور عیاشی کرنے کے علاوہ جانتی

ہو میرا ایک اور یونیک شوق کیا ہے؟" بات کرتے کرتے رک کر اس نے نیبو سے سوال کیا۔
ظاہر ہے نیبو اس کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں جانتی تھی۔
"نت نئی شادیاں کرنا۔" نیبو کو انکار میں سرہلاتے دیکھ کر اس نے خود ہی جواب بھی دے دیا۔
"ابھی تک کوئی پندرہ سولہ شادیاں کر چکا ہوں' تین بیویاں موجود ہیں باقی سب سے فارغ ہوں آخری والی یہ ہی کوئی تمہاری عمر کی ہی ہے۔"
"میری عمر کی۔۔۔" نیبو نے حیرت سے دہرایا۔
"مائنڈ مت کیجیے گا مگر میں یہ ضرور پوچھوں گی اس نے اپنے باپ کی عمر کے شخص میں وہ کون سی خوبی دیکھی جو نکاح کر بیٹھی۔" نیبو نے پُراعتماد لہجے میں پوچھا۔
"پیسہ جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔" فخر برہان الدین کے لہجہ سے چھلک رہا تھا۔
"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے ورنہ میرے نزدیک پیسہ کبھی بھی اتنا پاور فل نہیں ہوا کہ اس کی خاطر اپنے جذبات و احساسات کو قربان کر دیا جائے۔"
"تم پاکستان غیر قانونی طریقہ سے جا رہی ہو؟ آئی مین جعلی ویزہ۔" اس کی بات کو یکسر نظر انداز کر کے برہان الدین نے ایک بالکل مختلف سوال کر دیا جس کی اس وقت کم از کم نیبو کو امید نہ تھی جواب میں اس نے صرف اثبات میں سرہلا دیا' بس کی لائٹس آن ہو گئیں' ہوسٹس نے مائیک پر درخواست کی۔
"تمام مسلمان مسافر اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں کیونکہ کھانے کا ٹائم ہو گیا ہے۔" یہ ہدایت غالباً" حلال اور حرام کے سلسلے میں تھی نیبو نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہی بس میں چاروں طرف ایک نظر ڈالی اس کے عبدالباری اور برہان الدین کے علاوہ بھی وہاں پانچ مسلمان افراد اور تھے' کھانا سرو کیا جانے لگا' ہوسٹس نے اس کی سیٹ کی سائیڈ سے ایک چھوٹا ٹیبل برآمد کر کے اس پر کھانے کی ٹرے سیٹ کر دی "میگی گورنگ" کا پہلا ہی چمچہ منہ میں ڈالتے اسے ابکائی سی آ گئی جانے یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت اسے کھانے میں کچھ عجیب سی بو محسوس ہو رہی تھی' اس نے ٹرے پرے کھسکا کر بیگ سے اپنے کھانے کے لیے کچھ اسنیکس نکال لیے اس کے برابر میں عبدالباری بڑی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا نیبو نے اپنی ٹرے بھی اس کے پاس رکھ دی۔
کھانا ختم ہوتے ہی بس کی لائٹس پھر سے مدھم ہو گئیں' بس میں میوزک کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی نیبو سیٹ سے ٹیک لگا کر سو گئی' تقریباً" چھ بجے وہ بنکاک کے بس اسٹینڈ پر پہنچ گئی جہاں عبدالباری کے ساتھ وہ باہر روڈ پر آ گئی عبدالباری کے انداز نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ یہاں کبھی بھی کسی ہوٹل میں نہیں رکا۔
"میرا خیال ہے کہ ہم ٹیکسی کر کے یہاں سے سیدھے ایئرپورٹ چلے جاتے ہیں۔"
"چھ بجے سے رات بارہ بجے تک ہم ایئرپورٹ پر کیا کریں گے؟" عبدالباری کا سوال بھی معقول تھا۔
"ایسا کرو تم میرے ساتھ آ جاؤ میں تمہیں رات کو بحفاظت ایئرپورٹ پہنچا دوں گا۔" برہان الدین ہاتھ پر کوٹ ڈالے اس کے قریب آن پہنچا۔
"ہاں مگر یہ شخص میرے ساتھ نہیں جائے گا اگر منظور ہے تو آ جاؤ۔" وہ اپنے سامنے کھڑی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ چکا تھا۔
"ٹھیک ہے تم جاؤ میں تمہیں رات کو ایئرپورٹ پر ہی مل جاؤں گا۔"
ایک لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر بنکاک کی سڑکوں پر پھرنے سے بہتر تھا کہ اسے برہان الدین کی ذمہ داری میں دے دیا جائے اس سوچ نے عبدالباری کو مطمئن کر دیا' نیبو بیس منٹ بعد ہی "ہوٹل رماداپلازہ" پہنچ گئی' ہوٹل کی عظیم الشان عمارت کو دیکھتے ہی نیبو کو برہان الدین کی دولت کا اندازہ ہو گیا' ہوٹل ابھی بند پڑا تھا' کاؤنٹر پر کوئی بھی نہ تھا وہ برہان الدین کے ساتھ وہیں لابی میں بیٹھ گئی' تقریباً" نو بجے وہاں کا اسٹاف آنا شروع ہوا' برہان الدین نے کاؤنٹر پر جا کر روم بک کروایا' نیبو

وہیں لابی کے صوفے پر بیٹھی رہی' ابوذر بھی جاگ چکا تھا اسے اس وقت شدت سے بھوک محسوس ہو رہی تھی ابوذر بھی بھوکا تھا۔
چند منٹوں بعد برہان الدین واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جس کے گلے میں لٹکا کارڈ ظاہر کر رہا تھا وہ اسی ہوٹل کا ملازم ہے۔
اس کے ساتھ اپنا سامان لے کر اوپر روم میں چلی جاؤ' شام چار بجے تک وہاں آرام کرو مجھے کسی کام سے جانا ہے' واپس آ کر تمہیں ٹیکسی کروا کر ایئرپورٹ بھیج دوں گا' ابھی اگر ناشتا کرنا ہے تو میرے ساتھ ڈائننگ ہال آ جاؤ ورنہ روم سروس سے آرڈر دے کر منگوا لو جو تمہیں کھانا ہے۔"
"تھینک یو سر۔۔۔" نیبو برہان الدین کا شکریہ ادا کرتی اس کے دیے ہوئے روم میں آ گئی سب سے پہلے خود نہائی' ابوذر کو نہلا دھلا کر کپڑے تبدیل کروائے پھر کمرے میں رکھے روم فریج کی جانب آ گئی جو طرح طرح کے لوازمات سے بھرا ہوا تھا' وہیں سے جوس اور بلیک فاریسٹ کیک نکال کر اس نے ناشتا کیا۔ اور سو گئی وہ سو ہی رہی تھی جب دو بجے کے قریب برہان الدین نے اس کے کمرے کا دروازہ بجایا نیبو نے دروازہ کھول دیا۔
"مجھے نہانا ہے تم اگر چاہو تو کمرے میں ہی رکو کیونکہ میں کبھی کسی ایسی عورت کی جانب غلط نگاہ نہیں ڈالتا جو خود مجھے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرے اور میں بند آنکھوں سے عورت کا کردار جانچ سکتا ہوں۔ پھر بھی اگر اعتبار نہ ہو تو نیچے لابی میں جا کر بیٹھ سکتی ہو۔"
"نہیں نہیں سر مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے آپ اندر آ جائیں۔"
نیبو نے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا' اس کا بیگ صبح صبح ہی روم میں آ گیا تھا برہان الدین اس میں سے اپنے کپڑے نکال کر باتھ روم چلا گیا نیبو باہر رکھے صوفہ پر بیٹھ گئی۔
"میں تمہارے لیے اوپر ہی کچھ کھانے کو بھیج دیتا

ہوں اس کے بعد تم تیار ہو جاؤ تمہیں یہاں سے پانچ بجے نکلنا ہوگا تاکہ چھ بجے تک ایئرپورٹ پہنچ جاؤ۔"

برہان الدین نہا کر اپنے گیلے بالوں میں کنگھا کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ کھانا کھا کر نیبو تیار ہو گئی اور تقریباً" پانچ بجے وہ نیچے ہوٹل کی لابی میں تھی برہان الدین نے ہوٹل سے ہی گاڑی ہائیر کی اور اسے چھوڑنے باہر تک آیا' باوردی ڈرائیور نے انہیں دیکھتے ہی پیچھے کا دروازہ کھول دیا۔

"یہ میری بھتیجی ہے یعنی بھائی کی بیٹی اسے بحفاظت ایئرپورٹ پہنچا کر مجھے واپس آکر بتاؤ اگر یہ لڑکی کہیں یہاں وہاں ہوئی تو ذمہ دار تم ہوگے۔"

برہان الدین نے ڈرائیور کو انگلش میں سمجھایا اور پھر نیبو کی جانب پلٹا۔

"یہاں قدم قدم پر دھوکا ہے' مگر یہ سب مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں اب کوئی تمہارے ساتھ غلط ہاتھ نہیں کرے گا تم اطمینان سے اس کے ساتھ ایئرپورٹ جا سکتی ہو ورنہ تو یہ ٹیکسی والے بھی لڑکیاں بیچ کر نکل جاتے ہیں اور ان بے چاریوں کو پتا بھی نہیں چلتا۔"

"شکریہ سر میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی' ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر اس کی آخری منزل کی جانب چل دی جہاں سے کچھ گھنٹوں بعد اس کا یہ طویل اور دشوار ترین سفر ختم ہونے والا تھا اور وہ ان کٹھنائیوں سے گزر کر اپنے ملک پہنچنے والی تھی یا اپنا دیس جہاں سارے اس کے اپنے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ اور امان پچھلے دو گھنٹوں سے کراچی ایئرپورٹ پر موجود تھے' نیبو کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق اسے آج صبح اسلام آباد پہنچ جانا چاہیے تھے جہاں سے ڈائریکٹ فلائیٹ لے کر اسے کراچی آنا تھا' انکوائری سے حاصل شدہ معلومات کے بعد وہ دو گھنٹہ قبل ایئرپورٹ پہنچ گئے' اب تک دو مختلف ایئرلائن کے جہاز اسلام آباد سے کراچی آچکے تھے اور اب تیسری اور آخری ایئرلائن کے جہاز کی کراچی آمد کو بھی تقریباً" پچیس منٹ ہو چکے تھے امان لاؤنج کے بالکل سامنے موجود اندر سے آنے والے ایک ایک مسافر کو دیکھ رہا تھا' احتشام صاحب کچھ دور فاصلے پر مسلسل ٹہل رہے تھے' رفتہ رفتہ آگے بڑھتی گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ وہ مایوسی کا شکار ہوتے جا رہے تھے۔ ٹہلنے سے جہاں ان کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں' وہیں مایوسی نے ان کے اعصاب کو بھی شل کر دیا تھا ان کے حساب سے نیبو چھ گھنٹے قبل اسلام آباد پہنچ چکی تھی پھر وہ کہاں تھی؟ اب تک کراچی کیوں نہیں آئی' اسلام آباد پہنچ کر اس نے احتشام صاحب کو فون کیوں نہیں کیا؟ ان تمام باتوں کو سوچتے ان کی بے چینی میں اضافہ ہو جاتا' ابھی بھی تھک کر انہوں نے قریبی دیوار کا سہارا لیا ہی تھا کہ امان تیزی سے لپک کر ان کی جانب آیا۔

"پاپا اب باہر رکھے بینچ پر چل کر بیٹھیں۔" اس نے انہیں کندھے سے تھام لیا۔

"نہیں آئی؟" امان کی بات کو قطعی نظر انداز کر کے انہوں نے امید و ناامیدی کی کیفیت میں گھرتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی تک تو نہیں مگر ان شاء اللہ آجائے گی آپ پریشان مت ہوں اگر وہ وہاں سے بخیریت اسلام آباد پہنچ سکتی ہے تو یقیناً" کراچی بھی آجائے گی۔"

"کیسے پتا چلے کہ وہ اسلام آباد پہنچی بھی ہے یا نہیں' اس نے تو پاکستان آکر مجھ سے ابھی تک رابطہ بھی نہیں کیا اور یہ ہی بات میری گھبراہٹ کا سبب بن رہی ہے تمہارے سامنے ان تینوں فلائٹس میں وہ نہیں ہے' اگلی فلائٹس شام میں آنا شروع ہوں گی' اب بتاؤ اس صورت حال میں کیا کیا جائے؟" انہوں نے پرسوچ نگاہوں سے امان کے چہرے کی جانب تکتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسا کریں آپ ٹیکسی کر کے گھر چلے جائیں' میں انکوائری سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں یا پھر میرا ایک دوست ہے اسلام آباد میں اسے فون کرتا ہوں وہ وہاں سے معلوم کرے' بہرحال میں رات آنے والی آخری فلائیٹ چیک کر کے ہی گھر واپس آؤں گا۔"

"ایک منٹ اپنے پیچھے دیکھو۔" امان کو خاموش کرواتے ہی انہوں نے پیچھے لاؤنج کے داخلی دروازے کی سمت اشارہ کیا' ان کے متوجہ کرواتے ہی پیچھے دیکھتے ہوئے امان بالکل ساکت ہو گیا' اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے حقیقت ہے یا اس کا وہم یقینی طور پر ایک ہی جیسا وہم دو لوگوں کو بیک وقت نہیں ہو سکتا' وہ احتشام صاحب کو وہیں چھوڑ کر پیچھے کی جانب تیزی سے بھاگا' پاس سے گزرتے لوگ حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

چھ بج کر تیس منٹ پر وہ ایئرپورٹ پہنچ گئی' ٹیکسی والے کو اس کا طے شدہ کرایہ ادا کر کے اس نے اپنا سامان باہر نکالا اور سامنے رکھی ٹرالی میں تمام سامان رکھ لیا' ابوذر کے ساتھ وہ ٹرالی گھسیٹتی عمارت کے اندر داخل ہو گئی چیکنگ کے مختلف مراحل سے گزر کر وہ ایئرپورٹ کے لاؤنج میں آگئی اس تمام عمل میں اس کا ایک گھنٹہ صرف ہو چکا تھا۔

اپنے سامان کی ٹرالی گھسیٹتی وہ انتظار گاہ میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی' یہاں وہاں نظر دوڑائی' انتظار گاہ بھانت بھانت کے مسافروں سے بھری ہوئی تھی' کچھ ہی فاصلے پر عبدالباری بھی موجود تھا جس نے نیبو کو دیکھتے ہی زور و شور سے ہاتھ ہلایا اور اٹھ کر اس کے پاس رکھی کرسی پر ہی آ بیٹھا نیبو کا پاسپورٹ اور ٹکٹ اس کے ہاتھ میں ہی تھا جو وہ باہر کاؤنٹر پر چیک کروا چکی تھی باہر تقریباً" تین مختلف مقامات پاسپورٹ چیک کرنے کے عمل نے نیبو کو ذہنی طور پر تھکا سا دیا تھا' اس نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی دونوں چیزیں ہینڈ بیگ کی زپ کھول کر اندر رکھ لیں اور عبدالباری کو مخاطب کیا۔

"پلیز انکل آپ ذرا میری ٹرالی کا خیال رکھیں میں سامنے کاؤنٹر سے کچھ کھانے کے لیے لے کر آتی ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور ہو سکے تو میرے لیے بھی ایک کافی کا کپ لے آنا۔"

عبدالباری نے دانت نکالتے ہوئے فرمائش کی' وہ اگر نہ بھی کہتا تو بھی وہ ضرور اس کے لیے کچھ لے کر ہی آتی' نیبو اٹھ کر سامنے والے کاؤنٹر پر آگئی ابوذر کو کھانے کا مختلف سامان لے کر دیا' ساتھ ہی وہاں سے کچھ چھوٹے چھوٹے مختلف اقسام کے کھلونے بھی اسے خرید کر دیے' اپنے لیے حلال کے ٹیگ کے ساتھ سینڈوچ اور کافی کا کپ تھام کر واپس اپنی جگہ آگئی جہاں عبدالباری کافی کا منتظر تھا کپ اس کے حوالے کیا۔ خود کرسی پر بیٹھ کر کولڈ ڈرنک کاٹن کھول لیا ٹھنڈی ٹھار کولڈ ڈرنک نے اس کے اعصاب کو کافی حد تک پرسکون کر دیا وہ بڑے اطمینان سے بیٹھی وقت گزرنے کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ ان کی فلائیٹ تھوڑی لیٹ ہو چکی تھی اور اب جہاز نے بارہ بجے کے بجائے ایک بجے یہاں سے روانہ ہونا تھا جانے اسے کتنا ٹائم وہاں بیٹھے ہوئے ہو چکا تھا جب اچانک ہی ایک باوردی شخص تیزی سے اس کی جانب بڑھتا نظر آیا' اسے اپنی طرف اس طرح آتے دیکھ کر وہ یک دم گھبرا اٹھی' اسے محسوس ہوا شاید وہ پکڑی جا چکی ہے انہونی کے احساس نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔

اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ وہ شخص عین اس کے سامنے آکر رک گیا نیبو نے ابوذر کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"پاکستان جانے والے تمام مسافروں سے گزارش ہے کہ وہ بورڈنگ کے لیے آجائیں ان کی فلائیٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔"

وہ شخص یہاں وہاں نظر دوڑاتے ہوئے با آواز بلند یہ سب کچھ کہہ کر وہاں سے جا چکا تھا' اس کے جاتے ہی نیبو نے اپنا دیر سے رکا ہوا سانس بحال کیا اور پھر سامان کی بورڈنگ کے بعد سے جہاز میں سوار ہونے کا ایک ایک پل اسے ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا' جیسے تیسے یہ تمام عمل مکمل ہوا وہ بحفاظت جہاز کے اندر داخل ہو گئی اور جب تک جہاز نے رن وے نہ چھوڑا وہ مسلسل آیت الکرسی کا ورد کرتی رہی اتفاق کی بات تھی اسلام آباد پہنچتے ہی اسے پہلی ہی فلائیٹ کا ٹکٹ مل گیا جس کے ذریعے اسے کراچی جانا تھا وہ صرف چار گھنٹے بعد ہی اسلام آباد سے کراچی پہنچ گئی' اسلام آباد سے کراچی تک کا سفر اس نے مکمل ٹرانس کی سی کیفیت میں گزارا اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ پاکستان پہنچ چکی ہے اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اپنے آس پاس موجود لوگوں کو پکڑ پکڑ کر بتائے کس طرح وہ سکندر کے منہ پر طمانچہ مار کر آئی ہے' وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہتی تھی کہ عورت کو کبھی کمزور مت سمجھو نہ ہی اسے اتنا تنگ کرو کہ وہ تم سے انتقام لینے پر مجبور ہو جائے' کراچی ایئر پورٹ پر پہنچتے ہی اپنی سرزمین کے احساس نے اس کی گردن کو فخر سے تان دیا' تمام مسافر اپنا اپنا سامان حاصل کر کے باہر نکل رہے تھے اس کا بیگ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا' کاؤنٹر پر موجود شخص کا کہنا تھا شاید اسلام آباد سے لوڈ ہی نہیں ہوا' بالآخر آدھے گھنٹے بعد اس کا بیگ مل گیا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ تمام وقت باہر بیٹھے اس کے گھر والوں نے کتنی اذیت میں گزارا ہو گا مگر چونکہ اس کا سیل آف ہو چکا تھا اس لیے وہ ابھی تک کسی کو اپنے پہنچنے کی اطلاع نہ دے سکی تھی' بیگ ملتے ہی سامان ٹرالی میں رکھ کر وہ جلدی جلدی باہر کی جانب چل دی' ہر طرف پھیلی بد نظمی' بھانت بھانت کی زبان بولتے مختلف طرح کے لوگ' ان کا سارا سامان بکھیر کر چیکنگ کرتے عملہ کے افراد یہ سب کچھ دوسرے ممالک سے قطعی مختلف تھا مگر پھر بھی اسے اچھا لگ رہا تھا' اپنائیت کے احساس نے اس کے اندر سرخوشی سی بھر دی' ... باہر نکلتے ہی وہ سکندر کو فون کرنا چاہتی تھی تاکہ اسے بتا سکے۔

کہ وہ ابوذر کے ساتھ اپنی پیاری سرزمین پر پہنچ چکی ہے' وہ اس کا بیٹا اس دیس لے آئی ہے جس کا نام وہ ہر بار حقارت سے لیتا تھا مگر وہ اپنے بیٹے کو کبھی بھی دوسرا سکندر نہ بننے دے گی۔" یہ سب سوچتے اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں' لاؤنج سے باہر نکلتے ہی وہ اپنے جذبات پر قابو کھو بیٹھی اور بے اختیار جھک کر اپنی سرزمین کو بوسہ دیا' آس پاس کھڑے تمام مسافر جینز ٹی شرٹ میں ملبوس اس دبلی پتلی سی لڑکی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے جو زمین کو بوسہ دینے کے بعد وہیں نیچے بیٹھی زارو قطار رو رہی تھی۔

امان نے اسے نیچے بیٹھتے دور سے ہی دیکھ لیا تھا یہ ہی وجہ تھی جو وہ تیزی سے بھاگتا اس کی سمت آیا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی اسے کندھے سے تھام کر اٹھانے کی کوشش کی' نیبو نے روتے ہوئے اپنا سر اٹھایا اس کے سامنے اس کا اپنا بھائی کھڑا تھا' اپنا سگا بھائی جسے جانے وہ کتنے عرصہ بعد دیکھ رہی تھی امان کے اٹھاتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بلک بلک کر روتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی' آج کتنے زمانے کے بعد وہ اس طرح روئی تھی کیونکہ اسے رونے کے لیے کسی اپنے کا کندھا نصیب ہو گیا تھا اور آنسو ہمیشہ اپنوں کے سامنے ہی گرتے اچھے لگتے ہیں کیونکہ وہ انہیں دل کی گہرائیوں سے پونچھتے ہیں۔

☆ ☆ ☆
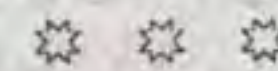
جانے آج کتنے دنوں بعد وہ ایسی پر سکون اور گہری نیند سوئی کہ اسے کچھ ہوش بھی نہ رہا ابھی بھی شاید وہ اور سوتی جو اچانک باہر سنائی دینے والے تیز شور سے اس کی آنکھ نہ کھل جاتی' پہلے تو دیر تک اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے؟ پھر جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوئے وہ یک دم اٹھ بیٹھی' ابوذر اس کے دائیں پہلو میں گہری نیند سو رہا تھا وہ بھی اس کی طرح کئی ماہ کی ذہنی اور جسمانی تھکن کا شکار تھا بے شک وہ بچہ تھا مگر ماں کے ساتھ دربدر پھرتے ہوئے تھک گیا تھا۔

وہ بڑے پیار سے اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں میں لیے تک رہی تھی جب ایک بار پھر امان کی تیز آواز بند دروازے سے اندر سنائی دی نیبو فوراً" گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی جلدی جلدی بیڈ سے دوپٹا اٹھا کر اوڑھا اور ننگے پاؤں ہی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر لاؤنج میں آ گئی جہاں صوفہ پر ردا کے بالکل برابر میں جنید بیٹھا تھا جبکہ کچھ فاصلے پر نہایت ہی غصے کے عالم میں امان کھڑا تھا جس نے نیبو پر ایک نظر ڈالتے ہی اپنے ہاتھ میں تھاما موبائل صوفے پر بیٹھے جنید کی گود میں پھینک دیا۔

اسے چوبیس گھنٹے ہو گئے تھے گھر آئے ہوئے اور ان چوبیس گھنٹوں میں پہلی بار جنید دکھائی دیا تھا جس کے چہرے پر آج بھی اس کے لیے ویسی ہی بے حسی نظر آرہی تھی جیسے کئی سال قبل اس نے سنان کے لیے دیکھی تھی۔

"کیا ہوا امان تم کیوں اس قدر غصہ میں دکھائی دے رہے ہو؟ خیریت تو ہے نا۔" جنید کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے امان سے دریافت کیا۔

"اسے چھوڑو یہ تو بغیر کسی وجہ کے جذباتی ہو رہا ہے تمہیں میں بتاتا ہوں اصل بات کیا ہے؟" امان کے جواب دینے سے قبل ہی جنید صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا اس کے مدمقابل آگیا۔

"ابھی ابھی میرے پاس سکندر کا فون آیا تھا' دراصل آنٹی فاطمہ نے ابوذر کی گمشدگی کے دکھ کو دل میں ایسا لیا کہ اسپتال جا پہنچیں انہیں شدید قسم کا اٹیک ہوا ہے اور اس حالت میں بھی وہ صرف ابوذر کو ہی یاد کر رہی ہیں' سکندر کا کہنا ہے کہ تم ہم سب کی ملی بھگت سے پاکستان پہنچی ہو' اپنی ماں کی اس حالت کا ذمہ دار بھی وہ تم کو ہی ٹھہرا رہا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اگر ابوذر واپس ملائشیا نہ گیا اور فاطمہ کو کچھ ہو گیا تو وہ ہمیں نہیں چھوڑے گا۔"

اس نے حیرت کے عالم میں سامنے کھڑے جنید پر ایک نگاہ ڈالی اور دوسری نظر اس کے پیچھے کھڑے امان پر' جس کے چہرے پر چھائی سرخی اس کے اندرونی غصہ کو واضح کر رہی تھی وہ حیران تو اس بات پر تھی کہ اتنا سب ہو جانے کے بعد بھی سکندر میں اتنی جرات تھی کہ وہ اس کے سگے بھائی کو فون کر رہا تھا؟ اور اس کا سگا بھائی جانے کس منہ سے سکندر کے فون سن رہا تھا؟ اسے شدید قسم کا دکھ اور صدمہ ہوا۔

"آپ شاید جانتے نہیں ابوذر میرا بیٹا ہے آنٹی فاطمہ کا نہیں' دل تو چاہ رہا تھا خوب کھری کھری سنائے مگر جب بولی تو صرف یہ ہی اک جملہ باقی تمام الفاظ اس کے حلق میں ہی گھٹ سے گئے۔

"میں جانتا ہوں وہ تمہارا بیٹا ہے مگر آخر وہ بھی تو دادی ہیں نا اس کی اور پھر سکندر باپ' میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اس معصوم کو کیوں یہاں لے آئی ہو رلنے کے لیے' جہاں اس زمانے میں کسی کا مستقبل محفوظ نہیں میری مانو تو اسے واپس کر دو اس کی ذمہ داری نبھانا تمہارے بس کی بات نہیں ہے اس کو اس کے باپ کے حوالے کر دو یہ میرا تمہیں بہترین مشورہ ہے۔"

"جنید بھائی آپ پلیز اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں' اسے اب آپ کے کسی بھی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔" امان کے جواب نے اس کی مشکل حل کر دی۔

"دیکھو امان وہ کہہ رہا ہے کہ میں پاکستانی سفارت خانہ پر کیس کروں گا جن کی مدد سے نیبو اس ملک سے فرار ہوئی' وہ کہتا ہے کہ وہ عالمی سطح پر اپنے بیٹے کا کیس لڑے گا اب بتاؤ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر بھی تو یہ بچہ واپس جائے گا۔" جنید کے الفاظ سن کر نیبو کو حیرت ہوئی جانے یہ کیسا شخص تھا جس کی ہمدردی اپنی بہن کے بجائے ایک ایسے مرد کے لیے تھی جس کی ہٹ

دھرمی، خود سری اور ضد نے ایک جوان عورت کو بھری دنیا میں تماشا بنا دیا وہ تو شاید اس کا نصیب اچھا تھا جو وہ بغیر کسی نقصان کے واپس اپنوں تک پہنچ گئی ورنہ تو۔۔۔۔ آگے سوچ کر ہی اسے جھرجھری سی آگئی۔

"آپ بے فکر رہیں وہ اب میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا یہ سب گیدڑ بھبکیاں ہیں اگر وہ کوئی اتنا ہی شیر دل مرد تھا تو مجھے اپنے ملک میں روک کر دکھاتا جب میں وہاں سے اپنا بیٹا لے کر واپس آسکتی ہوں نا تو اس بچے کی حفاظت بھی بہت اچھی طرح کرلوں گی اسے کہیں کہ اب صرف حماد کی سوچے ابوذر کو بھول جائے ویسے بھی میں نے وکیل سے مشورہ کرلیا ہے اب ہمارا کچھ نہیں کر سکتا یہ بچہ اس کی ماں کا نہیں ہے بلکہ میرا ہے اور کوئی عالمی قانون چھین نہیں سکتا مجھ سے۔"

"بہرحال میرا مقصد تو صرف تم لوگوں کو سمجھانا تھا باقی جو تم لوگوں کی مرضی۔"

یہ کہہ کر جنید وہاں رکا نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل گیا، اس کے باہر نکلتے ہی وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی اور امان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی

☼ ☼ ☼

"نیبو نیچے آجاؤ تم سے ملنے شبنم آنٹی آئی ہیں۔" شفا اسے دروازے سے ہی اطلاع دے کر واپس پلٹ گئی پہلے تو اس کا دل چاہا جائے ہی نہیں مگر جانے کیا سوچ کر اٹھ کھڑی ہوئی، ایک نگاہ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر خود پر ڈالی، ملگجا حلیہ الجھے ہوئے بال، وہ اس حال میں نیچے نہیں جانا چاہتی تھی لہٰذا پہلے کپڑے تبدیل کیے، اپنے بال بنائے اور چپل پہن کر نیچے آگئی سامنے ہی صوفہ پر شبنم بیٹھی تھیں جو اسے دیکھتے ہی فوراً" اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"السلام علیکم آنٹی۔" اس کے سلام کے جواب میں شبنم نے اسے گلے لگالیا۔ "کیسی ہو بیٹا طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" انہوں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں جی شکر الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سنائیں کیسی ہیں کچھ کمزور دکھائی دے رہی ہیں۔" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی جبکہ رحاب سامنے رکھی کرسی پر نہایت ہی خاموشی سے بیٹھی تھی اس کی گود میں موجود ابوذر کو دیکھ کر وہ تھوڑا سا حیران ضرور ہوئی مگر کچھ بولی نہیں اسے محسوس ہوا جیسے شبنم اس سے کچھ کہنا چاہتی ہیں مگر کہہ نہیں پاتیں اور اسی وقت جب وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ آیا شبنم آنٹی کو اس سے کوئی کام ہے؟ یک دم ہی لاؤنج کے دروازے سے سنان اندر داخل ہوا جسے دیکھتے ہی اسے کرنٹ سا لگا اور وہ فوراً" سے پیشتر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوز می آنٹی مجھے ابوذر کو کھانا کھلانا ہے اس لیے پلیز آپ برا مت مانیے گا میں جارہی ہوں۔" شبنم کا کوئی بھی جواب سنے بغیر وہ رحاب سے ابوذر کو لیتی ہوئی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی، اسے اس طرح وہاں سے جاتے دیکھ کر لاؤنج کے دروازے پر کھڑے سنان کا دل ایک دم ہی دکھ سے بھر گیا وہ تو صرف اور صرف اسے دیکھنے کے لیے ہی وہاں آیا تھا مگر اس نے تو اسے اس قابل بھی نہ سمجھا کہ رک کر خیریت ہی دریافت کرلیتی اس کے اس طرح شدید ردعمل نے سنان کو تھوڑا سا مایوس کردیا

☼ ☼ ☼

"مجھے انصاف چاہیے، میری بیوی اپنے سفارت خانہ کی مدد سے بغیر پاسپورٹ کے اس ملک سے فرار ہوئی اور ساتھ ہی میرا بیٹا بھی اغوا کر کے لے گئی جب کہ میرے بیٹے کا پاسپورٹ بلاک تھا، پھر وہ کس طرح پاکستان پہنچا؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ میں اپنے بھائی کے بغیر بالکل تنہا ہوں، میری ماں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ دیس بھاگ گئی اور ساتھ ہی میرا بھائی بھی لے گئی جو میرے بغیر سوتا نہ تھا مجھے میرا بھائی واپس چاہیے۔"

نیبو کے سامنے مختلف ملائی اخبار بکھرے پڑے تھے جن کے تراشے آج صبح ہی کوریئر کے ذریعے ربیعہ نے بھیجے تھے، اسے یہ اطلاع تو کئی دن قبل ہی مل گئی تھی کہ سکندر حماد اور رفیدا کے ساتھ مل کر پاکستانی سفارت خانے اور ایئرپورٹ کے باہر مظاہرے کر رہا ہے، اس کے ساتھ کچھ سماجی تنظیمیں بھی شامل تھیں جن کے نزدیک سکندر ایک مظلوم مرد تھا اس کے علاوہ اس نے وہاں پریس کانفرنس بھی کی تھیں جس میں وہ نیبو پر کسی نامعلوم مرد کے حوالے سے رکیک ترین الزامات لگا رہا تھا۔

سکندر اس پر کیا الزامات لگا رہا تھا؟ اس سے اب نیبو کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا مگر اس کے لیے دکھ کی بات تو صرف یہ تھی کہ ان مظاہروں میں حماد بھی اس کے ساتھ شریک تھا جس کی برین واشنگ اس طرح کی گئی کہ اب وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے ہاتھوں میں سنگ اٹھائے نیبو کے تعاقب میں تھا۔

اخبار میں نیبو کی تصاویر کے ساتھ ساتھ اس کے پاسپورٹ کی تصویریں تھیں جو سکندر اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر پریس والوں کو دکھا رہا تھا، وہ پاسپورٹ جس کی حیثیت اب ایک معمولی سے کاغذ کے ٹکڑے سے بڑھ کر نہ تھی، سکندر نے اپنے تمام بیانات میں خود کو نہایت ہی مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنی مظلومیت کو ثابت کرنے کے لیے اس نے حماد کا کندھا استعمال کیا مگر پھر بھی اسے یقین تھا کہ ایک دن ضرور آئے گا جب حماد کو اپنی ماں کی بے گناہی اور اپنے باپ کے ظلم کا ضرور علم ہوگا اور پھر وہ اپنی ماں اور بھائی سے ملنے ضرور آئے گا اسے اپنے خدا پر یقین کامل تھا جس نے اتنی مشکلات کے باوجود اسے یہاں تک بحفاظت پہنچا دیا تو یقیناً" وہ بھی ایک دن حماد کو بھی اس تک ضرور لائے گا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں امی اب یہ سب کچھ بالکل ہی ناممکن ہے میری زندگی میں نہ سنان اور نہ ہی کسی اور مرد کی گنجائش بالکل ختم ہوچکی ہے۔ لہٰذا براہ مہربانی آپ آئندہ اس حوالے سے مجھ سے کوئی بھی بات مت کیجیے گا۔"

یہ سب کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں بلکہ تیزی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئی سامنے ہی عین سیڑھیوں کے قریب رحاب کھڑی تھی جو یقیناً" روا اور نیبو کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سن چکی تھی جس کا اندازہ اس کے چہرے پر چھائی شرمندگی سے لگایا جاسکتا تھا، نیبو بنا اس پر توجہ دیے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر اپنے کمرے میں آئی اسے رہ رہ کر اس بات پر غصہ آرہا تھا کہ اب کس طرح آنٹی شبنم نے اس کے رشتے کی بات کی، اس وقت جب یہ سب کچھ اس کی چاہ میں شامل تھا تو ان تمام لوگوں نے مل کر سنان کو اس کی زندگی سے نکال باہر پھینکا اور اب جب وہ عشق و عاشقی کے تمام اسباق زمانے کی تلخیوں میں گھول کر پی چکی تھی تو جانے کیوں ان ہی تمام لوگوں کو اس کی زندگی کا وہ بنجرپن نظر آنے لگا تھا جسے وہ اللہ کی رضا جان کر راضی تھی۔

اسے محسوس ہوا شاید اس کے آس پاس رہنے والے تمام لوگ اس پر ترس کھانے لگے ہیں اور اس ترس کے سبب رحاب اور اس کی ماں نے سنان نامی گڑے مردے کو اکھاڑ کر پھر سے کھڑا کردیا تھا یہ جانے بغیر کہ اب ایسا ہونا نہ صرف مشکل بالکل ناممکن بھی ہے۔

☼ ☼ ☼

"رفیدا اور اس کی ماں کو تو ایدھا نے جانے کب کا گھر سے نکال دیا ہے اب دونوں ماں بیٹیاں الگ فلیٹ لے کر رہ رہی ہیں۔" اس نے آج ہی ربیعہ کو فون کیا تھا جس کا مقصد صرف اور صرف حماد کی خیریت جاننا تھا اسے رفیدا یا اس کی ماں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، مگر حماد کا پوچھتے ہی ربیعہ نے اسے یہ تمام تفصیل بھی سنانی شروع کردی جو اس کے لیے بالکل ہی بے کار تھی۔

"اوہ اچھا اب حماد کس کے ساتھ رہتا ہے؟"

"فی الحال تو ایدھا کے ساتھ ہی ہے۔ رفیدا کا فلیٹ اس کے اسکول سے کافی دور ہے ہاں البتہ ہر ویک اینڈ پر وہ فاطمہ کی طرف رہنے ضرور جاتا ہے۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتا آخر سکندر ایدھا یا نور ہلیزا دونوں میں سے کسی ایک لڑکی سے شادی کیوں نہیں کر لیتا ان عورتوں کے لیے ہی تو اس نے اپنا گھر اور بچے

برباد کیے پھر کیوں اتنے ماہ گزرنے کے باوجود ابھی تک بغیر شادی کے وقت گزار رہا ہے۔"

یہ بات اس کے ذہن کو اکثر ہی الجھا دیتی تھی' اس لیے بھی آج اپنی اس الجھن کا اظہار وہ ربیعہ کے سامنے بھی کر بیٹھی۔

"دراصل اگر وہ حماد کے بالغ ہونے سے قبل دوسری شادی کرے گا تو حماد لازمی طور پر اس کی ماں کے حوالے کرنا پڑے گا اسی سبب وہ شاید اس کے بالغ ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔" ربیعہ نے جتنی معلومات خود حاصل کی تھیں وہ آگے پہنچا دیں۔

"اور ہاں آنٹی نوما کا فون آیا تھا تمہاری خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ تمہارا نمبر بھی مانگا مگر میں نے نہیں دیا اب اگر تم کہو تو دے دوں وہ سب تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں اور ہاں آنٹی نوما کے علاوہ شوبھا اور سہتی بھی تمہارے لیے بے قرار ہیں۔"

"ہاں ضرور دے دو بلکہ ایسا کرو مجھے بھی ان کا نمبر دو میں خود بھی فون کرکے انہیں اپنے خیریت سے پاکستان پہنچنے کی اطلاع دے دیتی ہوں یہ ہی تو وہ لوگ تھے جنہوں نے میری مشکل کو آسان بنانے میں میرا ساتھ دیا" اور پھر اگلے پل ربیعہ سے آنٹی نوما اور شوبھا کا نمبر لے کر اس نے فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

کیسے کاریگر ہیں یہ' آس کے درختوں سے
لفظ کاٹتے ہیں اور سیڑھیاں بناتے ہیں

کیسے باہنر ہیں یہ' غم کے بیج بوتے ہیں
اور دلوں میں خوشیوں کی کھیتیاں لگاتے ہیں

کیسے چارہ گر ہیں یہ' وقت کے سمندر میں
کشتیاں بناتے ہیں' آپ ڈوب جاتے ہیں

"دیکھو نیبو ہماری بات مان لو اسی میں ہی تمہاری اور ابوذر کی بھلائی ہے۔"

آج ردا کے ساتھ ساتھ شفا اور رحاب بھی اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

"تم نہیں جانتیں بیٹا یہ پہاڑ جیسی زندگی ایک مرد کے سہارے کے بغیر گزارنا کس قدر مشکل اور دشوار ترین ہے اور وہ بھی تم جیسی خوب صورت اور کم عمر لڑکی کے لیے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میں اب تنہا نہیں ہوں میرے ساتھ میرا بیٹا موجود ہے اور اس کے علاوہ مجھ جیسی تنہا اور خوب صورت لڑکی اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر تھائی لینڈ جیسے ملک میں اپنا وقت گزار کر خیریت کے ساتھ وطن لوٹ سکتی ہے تو یقیناً" اپنے وطن میں' اپنوں کے درمیان رہ کر اسے آگے بھی کوئی دشواری نہ ہوگی اور اس سلسلے میں میرا خدا پر یقین کامل ہے وہ اب بھی ہر مقام پر میری مدد کرے گا ویسے بھی میں اب جاب کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں تاکہ اپنی رقم سے اپنے بیٹے کی کفالت کروں اور اسے اس معاملے میں کسی بھی قسم کے احساس محرومی سے بچا کر رکھوں کہ کوئی دوسرا اس کی ذات پر پائی پیسہ خرچ کر رہا ہے۔"

وہ جیسے ہر بات کا فیصلہ کیے ہوئے تھی' حالات کی سختیوں نے اسے بھی پتھر کی طرح سخت کر دیا تھا ردا کے ساتھ ساتھ شفا کو بھی ایسا ہی محسوس ہوا جیسے اب نیبو کو سمجھانا بے حد مشکل ترین امر ہو چکا تھا۔

"نیبو میں اور جنید بھی تم سے بہت شرمندہ ہیں یہاں تک کہ امی بھی تم سے معافی مانگنا چاہتی ہیں وہ تمہارے ساتھ ساتھ ابوذر کی ذمہ داری نبھانے کو بھی تیار ہیں پلیز تم ہم سب کو معاف کر دو اور ہماری غلطیوں کی سزا سنان کو مت دو وہ مر جائے گا۔"

"بھابھی مجھے نا صرف آپ بلکہ جنید بھائی اور آنٹی کسی بھی فرد سے کوئی گلہ نہیں ہے لہٰذا آپ لوگ معافی مانگ کر مجھے مزید شرمندہ نہ کریں دراصل میرا واسطہ زندگی میں صرف دو ہی مردوں سے پڑا ایک سنان اور دوسرا سکندر اور مجھے دونوں نے ہی مایوس کیا' مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان دونوں مردوں میں ذرا برابر بھی فرق نہیں ہے دونوں ہی اپنے مفاد کے لیے عورت کو قربان کرنا جانتے ہیں پہلے

ماں اور بہن کے لیے سنان نے میرا استحصال کیا اور اس کے بعد وہ ہی کام سکندر نے بھی بخوبی انجام دیا اور سچ تو یہ ہے کہ جس طرح میری زندگی میں سکندر کی گنجائش بالکل ختم ہو چکی ہے ویسے ہی میرے نزدیک سنان بھی ایک ایسا اجنبی مرد ہے جس سے میرا دوبارہ کوئی رشتہ استوار ہونا بالکل ہی ناممکن ہے۔"

"دیکھو نیبو اس نے صرف تمہاری خاطر اپنی بیوی کو چھوڑا' وہ مرینہ کو طلاق دے چکا ہے۔"

رحاب شاید ہارنا نہ چاہتی تھی یا پھر آج وہ سنان کا مکمل دفاع کرنے کا ٹھانے ہوئے تھی۔

"یہ کون سا ایسا نیکی یا فخر کا کام ہے جسے آپ بڑھا چڑھا کر سنا رہی ہیں یہ ہی تو وہ وجہ ہے جس نے سکندر اور سنان کو ایک ہی لائن میں کھڑا کر دیا ہے وہ ایک ہی جیسے مرد جنہوں نے عورت کو اپنے مفاد کے لیے اپنایا اور اپنے ہی مفاد کی خاطر چھوڑ دیا' سکندر نے اگر مجھے طلاق دی نور ہلیزا کے لیے تو کیا سنان نے مرینہ کو طلاق نہیں دی میرے لیے' تو پھر بتائیں کیا فرق ہے ان دونوں مردوں میں جس کے باعث میں سنان کو سکندر پر فوقیت دوں' ویسے بھی فی الحال مجھے ابھی شادی کرنی ہی نہیں ہے اس لیے براہ مہربانی آپ لوگ بار بار اس مسئلے پر بات کرکے مجھے مجبور نہ کریں کہ میں یہ گھر بھی چھوڑ دوں اور کسی ہوسٹل یا دارالامان کی راہ لوں جہاں میری زندگی میں کسی کا عمل دخل نہ ہو۔"

ایک بدلی ہوئی نیبو جس کا انداز و اطوار پہلے والی نیبو سے قطعی مختلف تھا جسے دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اب وہ زمانے میں تنہا جینے کا فن جان چکی ہے اور شاید اب دنیا میں سفر کرنے کے لیے اسے کسی مرد کی ضرورت نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں تو سمجھ رہا تھا تمہاری ضد اور غصہ والی عادت اب ختم ہو چکی ہوگی مگر تم سے بات کرکے اندازہ ہوا کہ بجائے ختم ہونے کے یہ عادتیں تم میں مزید پختہ ہو چکی ہیں۔"

وہ ہی نرم لہجہ جس میں وہ ہمیشہ سے نیبو سے گفتگو کرنے کا عادی تھا' نیبو کی سماعتوں سے گزرتا اس کے دل میں اترتا چلا گیا مگر اب شاید وہ دل کے بجائے سوچنے کے لیے دماغ استعمال کرنے لگی تھی یہ ہی سبب تھا جو صرف ایک سیکنڈ لگا اسے سنان کے لہجہ کے ٹرانس سے باہر آنے میں اور اگلے ہی پل وہ فوراً" نارمل ہو گئی۔

"چلو شکر ہے تمہارے میرے بارے میں لگائے جانے والے اندازے اب بھی درست ثابت ہوتے ہیں ورنہ میں تو سمجھی تھی وقت کے ساتھ جہاں سب کچھ ختم ہوا وہاں یہ عادت بھی ختم ہو گئی ہوگی بہر حال جو بھی ہے اس سلسلے میں' میں اپنے فیصلہ سے تقریباً" تمام ہی لوگوں کو آگاہ کر چکی ہوں پھر تم نے کیوں زحمت کی جبکہ تم جانتے ہو کہ میرا جواب اب ہاں میں کبھی بھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔"

جب وہ بولی تو سابقہ ہٹ دھرمی ابھی بھی اس کے لہجہ میں موجود تھی اور سنان جو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے اپنے سامنے پا کر پگھل جائے گی اس کا یہ اندازہ سو فیصد غلط ثابت ہوا' اسے نیبو سے اس لب و لہجہ کی بھی امید نہ تھی جس میں وہ بات کر رہی تھی اس نے تو ہمیشہ سے ہی اپنی ہر بات کے جواب میں اس کا سر تسلیم خم ہی دیکھا تھا جب کہ آج کی صورت حال پہلے سے کافی مختلف تھی۔

"دیکھو نیبو میں مانتا ہوں تمہارے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی میں ہم سب شامل تھے ہم لوگوں کے سبب ہی تم دیار غیر میں ان لوگوں کے ہاتھوں اذیت اٹھا کر واپس آئی ہو مگر اب اس غلطی کا اندازہ تقریباً" تمام ہی لوگوں کو ہو چکا ہے اور سب فرداً" فرداً" تم سے معافی مانگنے کو بھی تیار ہیں ہم سب دل و جان سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری کھوئی ہوئی خوشیاں واپس مل جائیں اور یہ صرف اس وقت ہی ممکن ہے جب تم ہماری بات مان لو۔"

سنان اس سے ہر حال میں اپنی بات منوانے کا فیصلہ کرکے ہی یہاں آیا تھا جس کا اندازہ اس کی گفتگو اور

لہجہ میں چھپی امید سے لگایا جا سکتا تھا۔

"یہاں ہم کا صیغہ غالباً" تم اپنی ماں اور بہن کے لیے استعمال کر رہے ہو۔"

اپنی بات کو درمیان سے ہی روک کر اس نے سنان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور پھر بنا اس کا جواب سنے بات کو آگے جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"جانتے ہو سنان سکندر بھی جب کوئی بات کرتا تھا تو ہمیشہ ہم ہی کا صیغہ استعمال کرتا تھا جس سے اس کی مراد آنٹی فاطمہ اور رفیدا ہوتیں اور میں دو دفعہ دو مردوں کے ہاتھوں اس "ہم" سے ہی تو برباد ہوئی ہوں یاد ہے تم کو اپنی آخری گفتگو جب تم نے مجھ سے محض اس لیے قطع تعلق کیا کہ تمہاری وجہ سے تمہاری بہن کا گھر برباد ہو رہا تھا اب سوچو ذرا اگر آگے آنے والے چند سالوں میں صورت حال آج سے مختلف ہو جائے اور تمہارے سامنے پھر میں اور رحاب آن کھڑے ہوں اور تمہیں ہم میں سے کسی ایک کا گھر بچانا پڑے تو کیا کرو گے' میری خاطر اپنی بہن کو برباد کرنے کا حوصلہ ہے تم میں۔"

"ایسا اب نہیں ہو گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی نہیں آئے گا۔"

اس نے ملتجی لہجہ میں نیبو کو یقین دہانی کرانے کی کوشش کی۔

"نہیں سنان اب یہ سب کچھ ناممکن ہے میں کسی بھی ایسے مرد پر اب اعتبار نہیں کر سکتی جو سوچنے کے لیے اپنی ماں اور بہن کا دماغ استعمال کرتا ہو ویسے بھی یقین جانو پیار محبت' عشق و عاشقی جیسے الفاظ میری زندگی سے نکل چکے ہیں۔ میں اب وہ جذباتی سی نیبو نہیں رہی جو محبت کے نام پر سب کچھ وارنے پر تیار رہتی تھی میں تو اب ایک پختہ دل و دماغ کی مالک نیبو ہوں جس کی زندگی کا محور صرف اور صرف اس کا بیٹا ابوذر ہے اب میرا جینا مرنا سب میرے بیٹے کے لیے ہے اس کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی مرد میرے نزدیک ثانوی حیثیت کا مالک ہے خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

"تم مجھے ہر بار دنیا کے ان مردوں میں کیوں شامل کرتی ہو جو تم سے محبت کرنے والے نہ تھے جب کہ تم اچھی طرح جانتی ہو اس محبت ہی کے نام پر تو میں نے اپنی ساری زندگی وار دی ہے وہ زندگی جو میں تمہارے بنا جیا ہوں موت سے بھی بدتر تھی۔ نیبو نہ کرو میرے ساتھ ایسا ظلم۔" وہ رو دینے کو تھا۔

"سنان تم شاید نہیں جانتے میرا آٹھ سالہ بیٹا تک اپنے ہر ملنے والے سے برملا یہ کہتا ہے کہ اس کی ماں اس کے بھائی کو اغوا کر کے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بھاگ گئی' اب خود سوچو بھلا میں اگر تم سے شادی کر بھی لیتی ہوں تو میرے بیٹے پر میرا کیا امیج بنے گا کیا وہ سب کچھ جو سکندر نے اس کے دماغ میں بٹھایا ہے درست ثابت نہ ہو جائے گا اس کے دل میں پلتی میری نفرت دوگنا ہو جائے گی اور پھر یہاں آ کر میری ساری محنت' قربانی رائیگاں جائے گی جو میں نے اس کے لیے اور ابوذر کے لیے دی' اس مقام پر تو یقیناً" ابوذر بھی مجھ سے بدظن ہو کر اپنے باپ اور بھائی کا ساتھ دے گا تم سے شادی سکندر کے بیان پر تصدیق کی مہر ثابت ہو گی جو میں ہرگز نہ چاہوں گی۔"

"دیکھو نیبو دوسروں کی خاطر اپنی زندگی برباد نہ کرو کہنے دو جو کچھ سکندر تمہارے بارے میں کہہ رہا ہے' کل کو جب تمہارے بچے بڑے ہوں گے انہیں خود ہی سب حقیقت کا علم ہو جائے گا اور اس سلسلے میں' میں ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گا۔"

سنان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کس طرح نیبو کے انکار کو اقرار میں تبدیل کر دے وہ جب آج نیبو سے بات کرنے آیا تھا تو اپنی محبت کے زعم میں مبتلا تھا مگر اب آہستہ آہستہ اس کا یہ زعم ختم ہوتا جا رہا تھا مگر پھر بھی وہ آس کا دامن تھامے ہوئے تھا۔

"نہیں سنان جو تم چاہتے ہو وہ اب کبھی نہیں ہو سکتا تم اور تمہارے ساتھ بے شک سب دنیا والے مجھے ڈھیٹ اور بے حس لڑکی کا خطاب دے دیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا مگر میرے لیے اب دوسری شادی کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے' اگر مجھے شکست دینے کے لیے سکندر بنا شادی کے وقت گزار رہا ہے تو میں بھی ابوذر کی پرورش تنہا کر کے یہ ثابت کروں گی کہ دنیا میں عورت کمزور نہیں ہے وہ بھی اگر چاہے تو مرد ہی کی طرح تن تنہا اپنا بچے کی پرورش کر سکتی ہے جانتے ہو سنان تم سے شادی کرنا میری شکست اور سکندر کی جیت ہو گی اس نے جگہ جگہ تمہارے نام کے ساتھ مجھے بدنام کیا ہے مگر اب جب میں تم سے شادی نہیں کروں گی تو یقین جانو وہ ایک بار پھر مجھ سے ہار جائے گا اور اس کی یہ ہی شکست دیکھنے کے لیے میں اپنی تمام جوانی تیاگ کر اپنے بیٹے کی پرورش کروں گی بالکل اسی طرح جس طرح وہ حماد کی کر رہا ہے بلکہ ہو سکتا ہے اس سے بھی اچھی ہی کروں کیونکہ مجھے یقین ہے ایدھا کی تربیت کے مقابلے میں' میری تربیت بہترین ہو گی' میں حماد پر بھی ثابت کروں گی کہ اس کے باپ نے جو کچھ میرے بارے میں اس سے کہا وہ صریحاً" جھوٹ کا پلندہ تھا اور یہ صرف اور صرف اس وقت ہی ممکن ہے جب میں بنا کسی سہارے کے اپنے بیٹے کو پال پوس کر کسی اعلا مقام تک پہنچا دوں ویسے بھی شاید اب میں خود کو ذہنی طور پر کبھی کبھی شادی کے لیے آمادہ نہیں کر سکوں گی لہٰذا میرا تمہیں بہترین دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ تم کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لو میرے انتظار میں اپنی جوانی برباد نہ کرو۔"

اس کے لہجہ کی ثابت قدمی اس کے ارادے کے اٹل ہونے کو ظاہر کر رہی تھی اور شاید اب وہ مزید کچھ سننا بھی نہ چاہتی تھی اسی سوچ کے تحت سنان شکست خوردہ انداز میں کمرے سے باہر نکل آیا سامنے ہی رحاب اور شفا کسی اچھی خبر کے انتظار میں کھڑی تھیں مگر سنان کی حالت نے بنا پوچھے ہی انہیں سب کچھ سمجھا دیا اور آج رحاب کو خود پر غصہ اور سنان پر دل کھول کر دکھ ہوا کاش وہ اور جنید اپنی جھوٹی انا کے لیے سب کھیل نہ کھیلتے تو یقیناً" سب کچھ اتنا غلط نہ ہوتا مگر شاید کاتب تقدیر نے جو کچھ ان سب کے نصیب میں لکھا تھا وہ ایسا ہی ہونا تھا اس میں کسی کا کوئی قصور نہ تھا مگر پھر بھی سنان کو یقین تھا کہ گزرتے وقت کے ساتھ وہ نیبو کو رام کر لے گا شاید وہ اپنی محبت کا اعتماد کھونا نہیں چاہتا تھا۔

جب کہ اس کے پیچھے کھڑی نیبو بالکل مطمئن اور پرسکون تھی' ویسے بھی وہ زندگی میں صرف ایک بار ہی فیصلہ کرنے کی عادی تھی فیصلے کر کے بدلنا اس کے فطرت میں شامل نہ تھا' وہ چال جو آج سے کچھ سال قبل رحاب نے چل کر اسے بے دست و پا کیا تھا آج اسی پر واپس پلٹ گئی اور اس میں یقیناً" نیبو کا کوئی عمل دخل نہ تھا بلکہ شاید یہ تو مکافات عمل تھا اور وقت کی الٹی چال نے آج اس مقام پر رحاب کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر سنان کو کھڑا کر دیا تھا جہاں کبھی نیبو تن تنہا کھڑی تھی اسے یقین تھا اگر سنان اپنی بہن کے بجائے خود اپنی کسی مجبوری کے تحت اس سے کنارہ کشی اختیار کرتا یا پھر نیبو میں موجود کوئی عیب اسے راستہ تبدیل کرنے پر مجبور کرتا تو آج یقیناً" اس کی واپسی نیبو کے لیے ایک اعزاز ہوتی پھر شاید وہ حماد کا خود کے لیے استعمال لفظ "بوائے فرینڈ کے ساتھ فرار" بھی بھول جاتی مگر جن حالات میں سنان نے اسے بیچ راہ میں چھوڑ کر اپنا راستہ تبدیل کیا تھا اب اس کے لیے سنان جیسے مرد کو اپنانا بھی ممکن نہ رہا تھا اور یہ بات اس کے علاوہ شفا بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اب اگر وقت نے کبھی نیبو کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور بھی کیا تو یقیناً" وہ دوسرا مرد پھر بھی سنان نہ ہو گا کیونکہ وہ جس طرح اپنی زندگی سے سکندر کو نکالنے میں کامیاب ہوئی تھی بالکل اسی طرح اس کا دل بھی سنان کی محبت سے خالی ہو چکا تھا وہ سکندر اور سنان نامی دونوں مردوں کو بالترتیب اپنی زندگی اور دل سے نکال چکی تھی اور اب شفا کو انتظار تھا اس وقت کا جب کوئی تیسرا شخص نیبو کی زندگی میں داخل ہو کر پورے خلوص نیت' دیانت داری اور محبت کے ساتھ اس کی دنیا ہی بدل دے اور اسے یقین تھا ایسا ضرور ہو گا دیر سے ہی صحیح مگر ایک رائٹ مین اس کی زندگی میں آئے گا ضرور۔۔۔۔

جیتی جاگتی دنیا کے ہنگاموں میں
یوں لگتا ہے جیسے میں ایک سایہ ہوں
کھویا ہے وہ جیسے ہاتھ کی لکیروں میں
ایسے اپنے ہاتھ کو تکتا رہتا ہوں

☆

حیا بخاری

مدت ہوئی اس نے خواب دیکھنا چھوڑ دیے تھے۔
وہ خواب جو جذبوں سے گندھی ہر نرم، کومل دل والی لڑکی اپنی نوعمری سے ہی پلکوں تلے سجانا شروع کردیتی ہے۔
محبت کے خواب، اک مکمل زندگی کے خواب، دکھ سکھ میں ہر قدم ساتھ چلنے والے ہم سفر کے خواب، اپنے وفا اور خلوص جیسے انمول جذبوں سے وہ ان خوابوں میں رنگ بھرتی ہے اور اپنی پسند کی ایک مکمل تصویر بنالیتی ہے۔ یہ سارے رنگ بھرے سپنے اسے دنیا کے ہر دکھ سے بے گانہ کردیتے ہیں۔
مگر جب کبھی زندگی میں اسے دھوکے اور ہوس کی ٹھوکر لگتی ہے تو اس کے شیشے جیسے سپنے پل بھر میں کانچ کی طرح ٹوٹ کر کرچیوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔ تب ان آنکھوں میں سپنے سجانے والی لڑکی بالکل بے حس ہوجاتی ہے۔ وہ سمجھوتا کرنا سیکھ لیتی ہے۔ جو جیسا ہے، ٹھیک ہے کی بنیاد پر جینے لگتی ہے۔ وفا، خلوص اور محبت جیسے انمول جذبے، اس کے لیے اپنے معنی کھودیتے ہیں۔ تب ممکن ہے، کبھی اس کے دل پہ بہت ہی خلوص بھرے جذبات کی شبنم، کسی نئے وعدے، نئی محبت کی پھوار برس پڑے اور اس پتھر میں دراڑ ڈال دے۔ مگر یہ ہونی، ایک انہونی سی ہی ہوجاتی ہے۔
یہی کومل نثار کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے بھی شہریار غنی سے سچی محبت کی تھی۔ کئی سپنے بنے تھے، ہر سپنے کو خلوص، وفا اور چاہت کے جذبوں سے سجایا تھا۔ مگر جب شہریار غنی نے اپنے کیریئر اور شان دار مستقبل پہ کومل کی محبت، اس کی عزت تک کو داؤ پہ لگا دیا تو کومل نثار کے سارے خواب کرچی کرچی ہوگئے۔ محبت کے انمول جذبوں سے اس کا اعتبار اٹھ گیا۔ موم اور نرم جذبوں سے گندھی کومل نثار نے اپنے گرد ایک ان دیکھی لکیر کھینچ کر اپنی ذات کو محصور کرلیا تھا۔ وہ محبت جیسی متاع سے نفرت کرنے لگی۔ اسے پرانی محبت کی یاد آتی تھی۔ نہ اسے کسی نئی محبت کا انتظار تھا۔ نہ اسے جذبوں سے کوئی سروکار تھا۔ نہ کسی کی قربت کی خواہش۔ اس نے خواب دیکھنا چھوڑ دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"تم سوچ بھی نہیں سکتے زین، میرا کیا حال ہے؟ اپنی زندگی کے ان پورے تیس سالوں میں، میں نے کبھی اتنا بے بس نہیں پایا خود کو، یوں سمجھو عالیان علی آفریدی کو اپنا آپ یاد نہیں رہتا۔ کبھی کبھی تو بھوکا ہو کر بھی کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر کبھی کبھی بنا بھوک کے ہی کھانے پینے لگتا ہوں۔ نیند اول تو آتی ہی نہیں۔ اگر آ بھی جائے تو خوابوں میں بس ایک ہی سین ریوائنڈ ہوتا رہتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے، میں پاگل ہوجاؤں گا یار۔" اس نے دونوں ہاتھ سے سر کے بال جکڑتے ہوئے کہا۔ تو زین اس کی حالت پہ مسکراتے ہوئے سیٹی بجانے لگا۔ عالیان نے حیرت سے اسے گھورا تھا۔
"تمہاری کیا شادی طے ہوگئی ہے۔" اس نے چڑ کر کہا تو زین قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"میری تو نہیں، البتہ تیری بہت جلد ہونے والی ہے۔" زین نے کہتے ہوئے ہینڈی کیم اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ فارغ وقت میں ویڈیو بنانا اس کا مشغلہ تھا۔
"تمہیں کیسے پتا، تم نے کیا نجومیوں کا کام شروع کردیا ہے۔" وہ خفا ہوا۔
"نہ یارا نہ، جب تک تیرے جیسا یار ہے، مجھے کام کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں تیری شادی کے بعد سوچوں گا اگر بھابھی نے لفٹ نہ کروائی تو....."
اس نے دوسرے ہاتھ سے پلیٹ میں دھرا اکلوتا سموسہ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا، مگر عالیان نے فوراً پلیٹ اپنی طرف کھسکالی تھی۔
"اور کتنا ٹھونسو گے۔ صبح سے تمہارے سامنے اپنی کہانی بیان کررہا ہوں اور تم ہو کہ افریقی بھینسے کی طرح منہ چلائے جارہے ہو۔" عالیان نے اس کے ہلکے موٹاپے پہ چوٹ کرتے ہوئے کہا۔
"اہم... اہم... افریقی نہیں، امریکی، میری گوری رنگت پہ تو لڑکیاں جان دیتی ہیں۔" زین بھی دوبدو بولا

ناولٹ

تھا۔

"اوکے' اٹس انف ناؤ' میں ہی چلا جاتا ہوں۔" وہ غصے سے اپنی سیٹ چھوڑ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے رک رک۔۔۔ میں تو مذاق کر رہا تھا یار۔" زین نے فوراً" ہی ٹون تبدیل کی تھی۔ البتہ ابھی بھی کیمرے سے عالیان کو فوکس کر رکھا تھا۔

"مذاق کی حد ہوتی ہے۔" وہ بدستور خفا تھا۔

"اچھا اب میری بات غور سے سن' تجھے لو ہو گیا ہے۔" زین نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا' تو عالیان نے بے اختیار سوالیہ انداز میں کندھے اچکائے۔

"سمپل یار۔۔۔ تمہیں پیار ہو گیا ہے۔" اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کے ٹانگیں میز کے اوپر ڈال دیں۔

"اب آرام سے یہ بتاؤ کہ آخر وہ محترمہ ہیں کون' جو ہماری بھابھی بننے کا شرف حاصل کرنے جا رہی ہیں۔" زین نے کسی اینکر کے سے انداز میں اس سے سوال کیا۔

"کون محترمہ۔" عالیان حیران ہوا تھا۔

"ہیں۔" زین گرتے گرتے سنبھلا۔

"یار وہی محترمہ۔ جس نے میرے یار کی نیند' بھوک' ہوش سب چرا لیے۔"

"مجھے کیا پتا' کون ہے وہ۔" الیان معصومیت سے بولا تو زین نے ماتھا پیٹ لیا۔

"اس سادگی پہ کسی کو موت نہ آجائے اے خدا۔" زین نے ہمیشہ کی طرح اردو ادب کا بیڑہ غرق کیا تھا۔

"تو کیا موصوف نے اس کی روح ناچتی دیکھی تھی رات کو صحن میں۔" زین چڑ کر بولا تھا۔

"اوہ۔۔۔ اب میں سمجھا۔" عالیان نے اس کی حالت کا مزا لیتے ہوئے کہا۔

"تو ایسے کہو نا کہ وہ مجھے ملی کہاں۔ پچھلے ہفتے کراچی سے واپس آیا تھا نا تو ایرپورٹ کے ساتھ والی کالونی کے مین روڈ پہ دیکھا تھا اسے۔ اس نے بہت ہی پیارا سا بچہ اٹھایا ہوا تھا۔" عالیان کی بات سنتے ہی جوس پیتے زین کو اچھو لگ گیا۔

"ب۔۔ ب۔۔ بچہ۔۔۔" وہ ہکلایا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" عالیان ناسمجھی سے بولا۔

"حیرت کی نہیں' پریشانی کی بات ہے' اگر وہ لڑکی میریڈ ہوئی تو۔۔۔"

"لگتی تو نہیں تھی۔" عالیان مسکرایا۔

"کئی لڑکیاں نہیں لگتیں۔ مگر ہوتی ہیں۔ اپنی ماہا آپی کو دیکھ لو۔" زین نے بڑی بوڑھیوں کی طرح ہاتھ نچائے۔

"اوہ' ہاں بات تو تمہاری صحیح ہے۔ مگر پھر بھی یہ کنفرم تو نہیں ہے نا۔" عالیان نے دل کو تسلی دی۔

"اور اگر کنفرم ہو گیا تو؟" زین شریر ہوا اور کیمرہ عالیان کے قریب لے آیا۔

"تو۔۔۔" عالیان اس کی شرارت سمجھ کے ذرا سا جھکا اور گنگنانے لگا۔ "جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔"

زین کا قہقہہ جان دار تھا۔

☼ ☼ ☼

"کومل بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ام مریم اسے فارغ لیٹا دیکھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"آج پھر شہریار کا فون آیا تھا۔ وہ اپنے کیے پہ بہت شرمندہ ہے بیٹا۔ پھر اسے اپنے کیے کی سزا مل چکی ہے۔ پلیز اسے معاف کردو بیٹا۔" ان کی آواز میں التجا تھی۔ اس التجائی لہجہ پر کومل کا حساس دل پسیج گیا

"آنی پلیز۔" اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ شہریار کا نام سن کر ہی اس کے سارے زخم ہرے ہو جاتے تھے۔

"میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے' اس ذلیل انسان کا نام بھی نہ لیا کریں۔" اس کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

"کیا کروں بیٹا' ماں ہوں نا' مجبور ہو جاتی ہوں اپنی ممتا کے ہاتھوں۔ اسے معاف کردو بیٹا۔ وہ پوری طرح بدل چکا ہے۔ وہ دل کا برا نہیں ہے۔ پھر صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ تم اسے معاف نہیں کر سکتی ہو۔ معاف کرنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے میرے بچے۔" ام مریم نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا۔

"کیوں معاف کردوں اسے۔ بتائیں آنی' کیوں معاف کردوں۔ صرف اس لیے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ آپ کو اس کی کرنی یاد کیوں نہیں آتی۔ اس انسان نے صرف اپنی حسرتوں کی تکمیل کے لیے اپنی منگیتر تک کی عزت سربازار نیلام کردی تھی۔ کیوں آنی کیوں۔ آپ صرف شہریار کی ماں کیوں بن جاتی ہیں۔ میں بھی تو آپ کی بیٹی ہی ہوں۔ آپ کے مرحوم بھائی کی اکلوتی اولاد۔ جو وہ بڑے مان' بڑے بھروسے سے آپ کے حوالے کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ پھر میرے آنسو' میرا درد آپ کو کیوں نظر نہیں آتا۔" وہ بپھر گئی تھی۔

غصے سے بولتے ہوئے اس نے کمرے میں پڑی چیزیں اٹھا' اٹھا کے پھینکنا شروع کردی تھیں۔ مظاہر جو اپنے کمرے میں کتاب کے مطالعے میں گم تھے' شور سن کر فوراً" ہی وہاں آئے تھے۔ کومل نے سارا کمرہ بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ ام مریم اسے روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ تب ہی انہوں نے آہستگی سے جاکر کومل کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ کومل نے ایک بھیگی نظر ان کے وجود پہ ڈالی تھی اور ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔ مظاہر نے اسے کھل کر رونے دیا تھا۔

☼ ☼ ☼
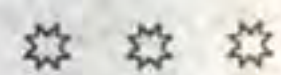
دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ آج وہ آفس سے جلدی فارغ ہو گیا تھا۔ سو گاڑی لے کر آفس سے نکلنے ہی لگا کہ زین بھی ٹیکسی سے اترتا دکھائی دیا۔ اس نے گاڑی روک کے ہارن دیا۔ زین اسی طرف چلا آیا۔ وہ بھی دروازہ کھول کر اس کے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ عالیان نے میوزک آن کردیا اس سڑک پر اکا دکا آفس ہی تھے۔ اسی لیے اس سڑک پہ ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔ تب ہی وہ آسانی سے گاڑی فل اسپیڈ پہ دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ گاڑی کے ٹھنڈے ماحول کی وجہ سے زین نے سکون سے آنکھیں موند کر اونگھنا شروع کردیا تھا۔ ایرپورٹ کا قریبی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ عالیان نے سڑک کے آس پاس اپنی توجہ مرکوز کردی تھی۔ تب ہی اچانک ہی اس نے پوری قوت سے بریک لگا دیے تھے۔ زین کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے بچا تھا۔

"اوئی ماں۔۔۔ اوئے خودکشی کے ارادے سے نکلا ہے کیا؟" وہ بپھرا۔

"ہش۔۔۔" عالیان نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے چپ کرایا۔

"پیچھے دیکھو۔" محویت سے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے اس نے زین کو بھی کہا' تو وہ بھی ادھر متوجہ ہو گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑی سے دور سفید کپڑوں میں ملبوس ایک بہت نازک سی لڑکی سڑک کے کنارے ٹہلنے کے سے انداز میں آہستہ آہستہ ان کی طرف چلتی آرہی تھی۔ عالیان شاید پہلے اسے نہ دیکھ پایا تھا۔ تب ہی اس نے گاڑی کافی آگے لے جاکر روکی تھی۔ اس لڑکی نے کالے رنگ کا اسکارف لے رکھا تھا اور مفلر نما دوپٹہ کمر سے کندھوں کے گرد مضبوطی سے باندھ رکھا تھا۔ لڑکی سے صرف چند قدموں کے فاصلے پہ دو لڑکے مسلسل کسی بات پہ ہنس رہے تھے اور پیش قدمی بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ زین کو عالی کے گاڑی روکنے کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔

"کمینو۔۔۔ شرم نہیں آتی لڑکیوں کا پیچھا کرتے ہوئے۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایسے کہا جیسے لڑکے اس کے سامنے کھڑے ہوں۔

"لڑکیوں نہیں یار' لڑکی' وہ بھی تیری بھابھی مستقبل قریب والی۔" عالی کی بات سن کر زین سیٹ سے گرتے گرتے بچا۔ وہ اب گاڑی کے نزدیک آچکے تھے۔ زین نے نوٹ کیا کہ لڑکی عام لڑکیوں کی طرح بالکل بھی ہراساں نہیں تھی۔ وہ بے حد پراعتماد تھی۔

وہ دونوں نیچے اترے۔ تب ہی لڑکے بھی تیزی سے اس لڑکی کے سامنے آگئے۔ ایک لڑکے نے فضول سا ڈائیلاگ مار کے اس لڑکی کی طرف پیش قدمی کی تھی اور اگلا پل زین اور عالی کو سکتے میں ڈال چکا تھا۔ لڑکی نے ہا کا زوردار نعرہ لگا کے لڑکے کو کسی کھلونے کی طرح اٹھا کر ایک طرف پٹخ دیا تھا۔ دوسرا لڑکا جان بچانے کے لیے بھاگنے لگا۔ مگر لڑکی نے تیر کی سی تیزی کے ساتھ اسے بھی جالیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی زمین بوس ہوچکا تھا۔ دونوں کی زبردست پٹائی کر کے لڑکی سیدھی ہوئی۔ ایک طرف گرا اپنا پرس اٹھایا اور نہایت اعتماد سے ان کے پاس سے گزر گئی۔ زین تو اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر فوراً" ہی گاڑی کے اندر جا بیٹھا۔ عالی البتہ سکتے کے عالم میں رہا' جب تک زین نے ہارن نہ بجادیا۔ لڑکی سامنے سے آنے والے آٹو میں بیٹھ کر جاچکی تھی۔

"ہوش میں خود آؤ گے یا اسپتال لے کر جاؤں۔" زین نے پھر ہارن بجایا۔

"وہ سب کیا تھا۔" عالی نے گم سم لہجے میں کہتے ہوئے اپنی سیٹ سنبھالی۔

"جو بھی تھا بڑا زبردست تھا۔" زین نے بچوں کی طرح تالیاں بجائیں۔

"یار سچ میں۔۔۔ میں تو ڈر گیا تھا"عالی بڑبڑایا۔ زین کا قہقہہ جان دار تھا۔

"نہ پتر نہ۔۔۔ جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔" اور پھر گھر پہنچنے تک زین' عالی کے چڑنے کے باوجود یہی گانا گنگناتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج کی رات کومل نثار کی طویل راتوں میں سے ایک تھی۔ جب نیند کی گولیاں لینے کے باوجود وہ سو نہیں پارہی تھی۔ کئی ماہ بعد اسے پاپا اور ماما بے حد یاد آئے تھے۔ کئی ماہ بعد آج پھر وہ رو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی' ماضی کسی عفریت کی طرح اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ پاپا' مما کا ایکسیڈنٹ میں وفات پا جانا اس کی زندگی کا سب سے تاریک باب تھا۔ مما تو موقع پر ہی جاں بحق ہوگئی تھیں۔ مگر پاپا پورے دو دن زندگی اور موت کی جنگ لڑتے رہے اور بالآخر مریم کو کومل سونپ کر وہ بھی زندگی کی بازی ہار گئے۔ مظاہر اور شہریار اس کے پھوپھی زاد تھے۔ دونوں تھے تو سگے بھائی' مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ پھوپھی اور پھوپھا نے اسے ہمیشہ ماں' باپ جیسا پیار دیا تھا۔ مگر پھوپھا کی موت کے بعد مظاہر نے اسے چھوٹی بہن سے بڑھ کر سہارا اور پیار دیا۔ تب ہی وہ گھر میں سب سے زیادہ مظاہر کے قریب تھی۔ مظاہر' شہریار سے بارہ برس بڑے تھے۔ وہ جتنے سوبر اور سمجھ دار تھے' شہریار اتنا ہی شوخ اور فلمی طبیعت کا مالک تھا۔ مظاہر کی شادی پہ پھوپھو نے شہریار اور کومل کی بھی منگنی کردی تھی۔ تب شہریار صرف سترہ اور کومل صرف بارہ برس کی تھی۔ اسی وجہ سے کم عمری میں ہی شہریار کے بار بار جتانے کی وجہ سے وہ اس رشتے کے لیے کافی حساس ہوگئی تھی۔ شہریار جو کافی تیز تھا۔ وہ سہمی سہمی سی کومل کو ہر وقت اس رشتے کی وجہ سے بلیک میل کرتا رہتا۔ بھائی سے پیسے کی ضرورت ہے تو کومل سے منگواتا۔ کیونکہ جانتا تھا' کومل کو وہ بلا وجہ کے دے دیں گے۔ اسائنمنٹ لکھنے ہیں تو کومل سے لکھواتا۔ رات کو دیر سے گھر آتا تو کومل ہی آدھی آدھی رات تک جاگ کر اس کے لیے چوری چھپے دروازہ کھولنے کی پابند ہوتی۔ کومل بے حد حساس کومل سے جذبوں سے گندھی لڑکی تھی۔ وہ شہریار سے محبت کرنے لگی تھی اور اسی لیے اس کی خوشی کی خاطر سب کچھ تیاگ دینے کے لیے تیار رہتی تھی۔ مگر شہریار کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کی طلب اور ہوس وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے' ختم نہیں ہوتی۔

☼ ☼ ☼

"عالی ٹوبی (بیٹا) کدھر اے تو۔۔۔ قربان دے (قربان ہوجاؤں) پلوشہ آنٹی شاپنگ بیگز سے لدی پھدی اندر داخل ہوتے ہی پرجوش سی چلائیں۔

"کیا ہوا مورے (امی) کیوں اتنا چلا رہی ہیں۔" زین' جو اس وقت ٹی وی لاؤنج کے صوفے میں گھسا اپنی ویڈیو بنا رہا تھا۔ کیمرے کا رخ ان کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔ وہ بھی۔۔۔ انہیں عالی کی طرح مورے ہی کہہ کر پکارتا تھا۔

"خاناں' لڑکی دیکھا ہے لڑکی۔" انہوں نے بیگز قالین پہ ڈال دیے اور سامنے والے صوفے پہ بیٹھ کر سانس لینے لگیں۔

"واؤ' امیزنگ۔ میں نے آج تک لڑکی نہیں دیکھا۔" زین نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے زبان دانتوں تلے دبائی اور بولا۔

"اور وہ بھی زمین پہ' کمال ہے مورے۔ آپ جھوٹ تو نہیں بول رہیں نا۔"

"ہاں' ہاں' ابھی جب میں۔۔۔" اور جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ زین کی شرارت سمجھ گئیں۔ انہوں نے فوراً" اپنا کھسہ اٹھا کر اس کا نشانہ لیا تھا۔ زین نے پاکستان کرکٹ ٹیم کو غیرت دلانے کے سے انداز میں شان دار کیچ لیا تھا اور زور سے ہنس دیا۔

"تم بگڑ گیا ہے۔ قربان دے سم۔" مورے بھی مسکرادیں۔

"جی' میں جانتا ہوں۔" وہاں کس کو پروا تھی۔ تب ہی الیان سیڑھیاں اترتا وہیں چلا آیا اور مورے کے پاس ہی جا کر بیٹھ گیا۔

"کیسا ہے میرا شیر' میں نے تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈا ہے۔"

مورے نے اسے خود سے لگاتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی زمین پہ' ہے نا عجیب۔" زین نے لقمہ دیا۔

"زینی۔" مورے نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"یہ لڑکی تو میں پچھلے بیس سال سے دیکھ رہا ہوں مورے۔" عالیان نے زینی کے نام کی درگت بناتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ تو زین ہمیشہ کی طرح چڑ گیا۔

"اے زبان سنبھال' اوکے۔" اس نے غصے سے کہتے ہوئے کیمرہ بھی آف کردیا تھا۔

"اور مورے آپ بھی نا' کتنی بار کہا ہے آپ سے کہ مجھے زینی نہ کہا کریں۔" اس نے رخ مورے کی جانب پھیر لیا تھا۔

"کہنے نہ کہنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی زینی بی بی۔" عالی نے سیٹی بجا کے کہا تو زین اٹھ کھڑا ہوا۔

"تیری تو۔" اس نے عالی پہ جمپ لگادی تھی۔ مورے نے بہت افسوس سے ان دونوں کو دیکھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ ان کی پسند کی گئی لڑکی کو ریجیکٹ کرنے کا بہت عام سا فارمولا تھا ان دونوں کا۔

"کچھ بھی کرلو' اب نہ تم سے پوچھے گا ام نہ بتائے گا۔ چپ چاپ رشتہ کرے گا' بس۔" خالصتاً" پشتو لہجے میں بولتی وہ ان دونوں کو بہت معصوم لگیں۔

"مجھے جو لڑکی پسند آیا ہے' اسی سے تم شادی کرے گا۔ ام پتا کروا کے جائے گا اس کے گھر' بس۔" ان کو متوجہ نہ پا کر مورے نے پھر بات چھیڑی۔ مگر وہاں ہنوز وہی کشتی جاری تھی۔

"ام جائے۔" اس بار مورے چلا اٹھیں۔

"جائیں نا۔" عالیان بھی چلا پڑا تھا۔ مورے تو صدقے واری ہوتی خوشی سے جھومتی وہاں سے چلی گئیں' مگر زین نے فوراً عالیان کو چھوڑ دیا تھا اور حیرت سے اسے گھورنے لگا۔ منہ تو خود عالی کا بھی کھلا ہوا تھا۔

"یہ تو نے کیا کہہ دیا عالی۔" زین نے حیرت سے پوچھا۔

"کاتہ خو خپلہ پتہ نی ستہ" (مجھے تو خود پتا نہیں ہے۔)

وہ بھی کچھ کم حیران نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

عالیان علی آفریدی کا تعلق شمالی وزیرستان سے تھا۔ وہ اور زین اعلا تعلیم کے لیے زیادہ تر پشاور ہی رہے۔ بدقسمتی سے عالیان کا شمار ان ہزاروں لوگوں میں ہوتا تھا' جو دہشت گردی کی وجہ سے اپنے پیاروں کو کھو چکے تھے۔ عالیان کا سارا خاندان بھی ایسے ہی ایک حادثے کا شکار ہوا تھا' جس میں اس کے والدین اور

بھائی لقمہ اجل بن گئے تھے۔ تب عالیان اپنی ساری جائیداد بیچ کر پشاور سیٹل ہو گیا تھا۔ ایک ہی بہن رہ گئی تھی ماہین جو شادی کے بعد پشاور ہی میں تھی۔

زین اس کا اسکول کا ساتھی تھا۔ وہ سوات کا رہنے والا تھا۔ مگر پشاور کے ایک اسکول میں عالیان کے ساتھ جب اس کی دوستی ہوئی تو وہ دونوں ایک جان دو قالب کی مثال ہو گئے۔ اب عالیان کی پشاور سیٹل منٹ کے بعد وہ تقریباً" اسی کے ساتھ رہتا۔ مورے کا تعلق بھی وزیرستان سے تھا۔ وہ بھی تنہا تھیں۔ ان کا کوئی نہیں تھا۔ عالیان نے ہمیشہ انہیں ماں کا درجہ دیا تھا۔

زین اور عالیان دونوں اپنی دوستی نبھاتے پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ مگر پچھلے دو سال سے مورے نے لڑکی لڑکی کی گردان شروع کر دی تھی۔ عالیان تو پھر بھی اسٹیبلش تھا۔ مگر زین کا تعلق غریب طبقے سے تھا اور وہ اچھی نوکری ملنے تک شادی کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا تھا۔

☼ ☼ ☼

شہریار کے خواب بنتی، اس کی دھمکیاں سہتی، وہ بخوشی زندگی گزار رہی تھی۔ شہریار نے اپنا ایم بی اے مکمل کر لیا تھا اور ایک اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں اسے جاب بھی مل گئی تھی۔ جس کے سلسلے میں اسے کئی کئی دن اسلام آباد بھی جانا پڑ جاتا۔ جدائی کے یہ دن کومل بہت سکون سے گزارتی۔ کبھی کبھی وہ خود بھی اپنے آپ پر ہنسنے لگتی کہ کہانیوں میں تو ہیرو کے جانے کے بعد ہیروئن کو ایک پل چین کا نصیب نہیں ہوتا۔ پتا نہیں ان کی محبت کیسی ہے۔ وہ اپنی اس حالت کو خوب انجوائے کرتی، شہریار کے چلے جانے کے بعد وہ پھر وہی کومل بن جاتی۔ ہنسنے کھیلنے والی، قہقہے لگانے والی، پراعتماد کومل۔

کل شہریار واپس آ رہا تھا۔ مگر وہ بجائے خوش ہونے کے اداس اور خوف زدہ تھی۔

"میں اس کے بنا نہیں رہ سکتی۔ مگر یہ بات میرا دل کیوں نہیں مانتا۔" وہ خود پہ حیران تھی۔

☼ ☼ ☼

"شہریار میں چاہتی ہوں، اب تمہارے فر[ض سے] بھی سبکدوش ہو جاؤں۔" ام مریم نے اس کے آتے ہی پرانا مسئلہ چھیڑ دیا تھا۔ شہریار جی بھر کے [بد مزہ] ہوا۔

"میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا امی اور پلیز یہ [روز روز کی] شادی، شادی کر کے میرا موڈ خراب مت کیا کر[یں]۔ کومل کہاں مر گئی ہو۔" اس نے چائے مانگی تھی۔

"چائے لانے کو نہیں کہا تھا، الو کی پٹھی۔" [ا]س [نے] ماں کی بات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ کومل کو آواز دی اور باآواز بلند اسے گالی سے نوازا۔ کچن [میں] کام کرتی کومل لرز اٹھی تھی۔

"تمہیں کیا اب گھر میں بولنے کا طریقہ بھی [میں] سکھاؤں گا۔" مظاہر فوراً" کمرے سے باہر آئے تھے۔ وہ شہریار کی بدتمیزی کی وجہ سے اس کا سامنا کم ہی پسند کرتے تھے۔

"مجھے کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں [ہے]۔ کومل میری ہونے والی بیوی ہے۔ میری مرضی [میں] اسے کچھ بھی کہہ کر بلاؤں۔" وہ ہنوز ویسے ہی بد [لحاظی سے] بیٹھا رہا۔

"ہونے والی ہے، ہوئی تو نہیں نا۔" مظاہر [برہم] ہوئے۔

"ہاں... ہوئی ہی سمجھیں۔ اس بہن جی سے شادی کرے گا بھی کون۔ یہ تو میری ہی قسمت خراب تھی۔" اس نے ویسی ہی بدتمیزی سے کہا۔ تو مظاہر سے مزید برداشت نہ ہوا۔ وہ فوراً" ہی اس کی طرف بڑھے کہ ام مریم درمیان میں آ گئیں۔

"امی۔ آپ نے ہی اسے سر چڑھا رکھا ہے۔" مظاہر فوراً" ام مریم کا قصور گردانے لگے۔

"السلام علیکم۔" تب ہی کانپتی لرزتی کومل ہاتھ میں کھانے پینے کا سامان لیے چلی آئی۔

"میری جاب کو سات، آٹھ ماہ ہو گئے ہیں تو تمہیں کم از کم اتنی تمیز تو ہونی چاہیے کہ جب بندہ تھکا ہارا آئے تو تم اس کے لیے کچھ کھانے پینے کے لیے لے آؤ۔" اس نے ٹیبل پہ رکھی ٹرے ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے کہا تو کومل گھبرا گئی۔

"آئندہ اس بات کا خیال رکھنا، اوکے۔" اس نے کومل کو انگلی دکھا کر وارن کیا اور کھانا وغیرہ لے کر اندر چلا گیا۔

"دیکھا، دیکھا امی آپ نے اور کومل بیٹا تمہیں اس سے اس طرح ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم اس کی نوکرانی نہیں ہو۔" مظاہر اور زیادہ غصے میں آ گئے۔

"اچھا، بس مظاہر، تم اس کے پیچھے مت پڑ جایا کرو۔ دل کا بہت اچھا ہے میرا شہریار، کیوں بیٹا۔" ام مریم نے پیار سے کومل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"عالی، جلدی کر، دس ہزار روپے نکال، بہت ضروری کام ہے۔" عالیان ایک ضروری میٹنگ میں مصروف تھا۔ جب زین دھڑلے سے اندر چلا آیا۔ میٹنگ ہال میں بیٹھے سبھی نفوس کے ہونٹوں پہ بہت ہی دھیمی مسکان مچل اٹھی تھی۔ عالیان شرمندہ سا ہوا۔

"تم میرے روم میں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" اس نے زین کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"چل چل، ڈرامے نہ کر، کہا نا ایمرجنسی ہے۔" بلا کہاں اتنی آسانی سے ٹلتی ہے۔ آج عالی کو یقین ہو گیا تھا۔

"سر پلیز، آئیں، میں دے دیتا ہوں۔" عالی کے اسسٹنٹ شہروز نے اٹھ کر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"نہ خاناں، نہ، لوں گا تو عالی سے، ورنہ نہیں۔" وہ بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔

"ایکسکیوز می، میں ابھی آیا، شہروز آپ بریفنگ جاری رکھیں۔" عالی نے آخر کار ہار مان لی تھی۔ باقی سب چہروں پہ مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ زین کے چہرے پہ بھی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ عالی زین کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اپنے روم میں لایا۔

"اب پھوٹ، کیوں مرا جا رہا ہے۔" اس کا لہجہ تپا ہوا تھا۔

"بریکنگ نیوز لایا ہوں۔" زین نے ٹیبل سے اپنا ہینڈی کیم اٹھا کر مووی اسٹارٹ کر دی تھی۔ یہ کیمرہ تقریباً" اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

"کس چینل پہ چلی ہے۔" عالی ناراض تھا۔

"تو جانتا ہے میں ٹی وی پہ خبریں نہیں سنتا، بس ٹاک شوز دیکھ لیتا ہوں۔" اس نے سادہ لہجے میں کہا۔

"اچھا۔ جلدی پھوٹ، میٹنگ اہم ہے یار۔" عالی نے پھر ہاتھ جوڑے تھے۔ زین مسکرا دیا۔

"پہلے دس ہزار۔"

"یہ لے مر۔" اس نے فوراً" ہی رقم زین کے ہاتھ پہ رکھی تھی۔

"استغفراللہ۔" زین نے رقم ٹیبل پہ پھینک کے بایاں ہاتھ کانوں کو لگایا۔

"اب پھوٹ بھی۔"

"مورے نے تمہارے لیے واقعی لڑکی پسند کی ہے۔" زین بولا تو عالی نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے رک جا، رک جا، آگے تو سن۔" زین نے فوراً" بات آگے بڑھا دی تھی۔ عالی نے اس کے کالر چھوڑ دیے تھے۔

"اور جو لڑکی تجھے پسند ہے نا مجھے اس کا ٹھکانہ پتا چل گیا ہے۔"

"سچ۔" عالی چہکا۔

"ہاں... نینا آپی کی دوست کی نند ہے۔ صبح گیا تھا نینا آپی کو وہاں چھوڑنے، تو دروازہ اس نے کھولا تھا۔ میں تو سیدھا وہاں سے تیرے پاس آ گیا، یہ خبر سنانے۔" زین کی بات مکمل ہوتے ہی عالی نے جوش سے چلاتے ہوئے اسے اٹھا لیا۔ وہ بے چارہ ہاتھ پاؤں ہلاتا رہ گیا۔

"واہ زینی۔ تیرے جیسا دوست تو خدا ہر کسی کو دے۔" اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"اچھا اب مجھے تو اتار' انڈر ٹیکر کے باپ۔" زین نے اس کے کسرتی جسم پہ چوٹ کی' تو اس نے فوراً" اسے نیچے گرا دیا۔ وہ کمر پکڑ کے نیچے ہی پڑا رہ گیا۔

"یہ تو نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے انگلی اٹھا کر عالی کو وارن کیا۔

"ارے کیا اچھا' کیا برا' یہ لے پانچ ہزار اور رکھ' میری طرف سے مٹھائی کھا لے۔" عالی سخی ہوا۔

"اچھا۔۔۔ اسلام آباد سے ایک انٹرویو کال آئی ہے۔ کل صبح جا رہا ہوں۔" زین نے اٹھتے ہوئے کمر کو سہلایا۔

"واؤ' کس شہر میں ہو گی جاب۔" عالی بے قرار ہوا۔

"بینک ہے' دیکھو کہاں بھیجتے ہیں۔" زین نے جواب دیا۔

"اچھا ایڈریس مجھے لکھ کر دے دے۔" عالی بولا تو زین مسکرا دیا۔

" Msg کر دوں گا۔ پھر واپسی پہ ملتے ہیں۔"

"ان شاء اللہ۔" دونوں نے مصافحہ کیا۔

☼ ☼ ☼

"سر آپ نے بلایا۔" شہریار پیون کے بلانے پر فوراً" اپنے باس صفدر کے سامنے پیش ہوا تھا۔

"یس پلیز۔ بیٹھیے مسٹر غنی۔" وہ خاموشی سے سامنے والی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

"میں آپ کی کارکردگی سے بہت مطمئن ہوں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تمہیں اپنا اسسٹنٹ بنا لوں۔" صفدر نے بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی سر۔" اس کی توقع کے عین مطابق وہ پرجوش ہوا۔ صفدر کی آنکھوں میں عجیب سی شیطانی چمک جاگ اٹھی۔

"میں چاہتا ہوں' ایک برانچ میں تمہاری نگرانی میں دے دوں۔ ایک ساتھ دو' دو برانچوں کی نگرانی کرنا اب میرے بس کی بات نہیں۔ کیا تم میرا بوجھ بانٹنا پسند کرو گے۔" صفدر نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"مائی پلیژر سر۔" وہ دل و جان سے تیار تھا۔

"او کے' کل میں آپ کو سارا کام سمجھا دوں گا۔ ے گو ناؤ۔" وہ میز پہ رکھی فائل پہ جھک گیا۔ تو شہریار بھی اٹھ کر جانے لگا۔ تب ہی صفدر نے اسے پیچھے سے آواز دی۔

"ایک منٹ شہریار' کل آپ بائیک پہ کس کے ساتھ تھے۔" پتا نہیں کیوں' شہریار کو پہلی بار کوئی بات بری لگی تھی ان کی۔

"وہ میری کزن ہے۔ آفس آنے سے پہلے اسے کالج چھوڑنا پڑتا ہے مجھے۔" اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے آرام سے جواب دیا تھا۔

"اوہ۔۔۔ آئی تھنک آپ کو بائیک پہ بہت مشکل ہوتی ہو گی۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ جلد سے جلد آپ کو کمپنی کی طرف سے گاڑی فراہم کر دی جائے۔" صفدر نے ایک اور پتا پھینک دیا۔

"تھینک یو سر۔ تھینک یو ویری مچ۔" وہ دوبارہ غصہ بھول چکا تھا۔ جس آگ نے ابھی اس کے دل میں دھواں دینا ہی شروع کیا تھا۔ صفدر نے لالچ کے پانی سے اس آگ کی چنگاری بھی بجھا دی تھی۔

اب شہریار کو کوئی غصہ تھا' نہ ملال' صرف خوشی تھی۔۔۔ بے پایاں خوشی۔

☼ ☼ ☼

"ارے آج تو سورج مغرب سے نکلا ہے۔" نینا آپی دونوں جڑواں سپوتوں کو سنبھالے روم سے باہر نکلیں تو لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے عالی کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ عالی نے فوراً" ان کی طرف بڑھ کر ایک بھانجے کو اٹھا لیا تھا۔

"کیا مطلب آپی۔ اب کیا میں آپ کے گھر نہیں آ سکتا۔" عالی نے بچے کو پیار کرتے ہوئے ناراض لہجے میں کہا' تو وہ مسکرا دیں۔

"روز آ سکتے ہو' جبھی تو پوچھا کہ کیسے راستہ بھول گئے' کیونکہ تم آتے ہی کبھی کبھار ہو۔" نینا نے بھی فوراً" شکایت کر دی تھی۔

"اچھا آج تو آ گیا ہوں نا۔" اسے بھی یہاں صوفے میرے پاس لٹا دیں۔ اس نے دوسرے بھانجے کی طرف اشارہ کیا۔ نینا اس سے صرف چار سال بڑی تھیں۔ ان کی شادی اپنے خالہ زاد سے ہوئی تھی۔ دونوں بہن بھائیوں میں بے حد پیار تھا۔

"میں آئس کریم لے آؤں تمہارے لیے اور تو تم نے کچھ لینا نہیں ہے۔" نینا آپی مڑنے لگیں کہ عالی نے فوراً" ہاتھ پکڑ کے ان کو روک لیا۔

"آپی۔۔۔ میں کچھ نہیں لوں گا' بس آپ ادھر میرے ساتھ بیٹھیں۔ میں آج آپ سے باتیں کرنا آیا ہوں۔" وہ ہر طرح سے نینا کو حیران کر رہا تھا۔

"آج صبح آپ کہیں گئی ہوئی تھیں۔" اس نے بچوں پہ دھیان رکھتے ہوئے نینا سے سوال کیا۔

"ہاں' پرانی دوست ہے' کالج کے زمانے کی' چند دن پہلے مارکیٹ میں ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کا ایڈریس بھی لے لیا۔ آج موقع ملا تو چلی گئی۔ تمہیں زین نے بتایا ہو گا۔" وہ مسکائی۔

"ہاں۔۔۔ ویسے نام کیا ہے محترمہ کا۔" عالی نے پھر سوال کیا۔

"زہرہ نام ہے اس کا۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو۔" نینا نے غور سے اس کا چہرہ کھوجتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے نہیں' ویسے ہی' اچھا میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا۔" وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ نینا اسے روکتی رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ تم نے کیا' کیا ہے میری شرٹس کے ساتھ۔" وہ نہایت محویت سے ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی۔ جب شہریار بالکل اس کے پاس آ کے دھاڑا تھا۔ وہ ڈر گئی۔ ڈائجسٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر گر پڑا تھا۔

"ک۔۔۔ کک کیا ہوا؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"کیا ہوا ہے' یہ تم نے کپڑے دھوئے ہیں' بالکل بھی چمک نہیں ہے۔ کلف بھی صحیح نہیں لگایا' نہ کام کی' نہ کاج کی امی کہتی ہیں' مہارانی سے شادی کر لو۔ اگر مرحوم ماموں کا خیال نہ ہوتا تو منہ پہ مار دیتا منگنی کی انگوٹھی۔" وہ چیخا۔ کومل کی نگاہ خود بخود ہاتھ میں پہنی سونے کی نازک انگوٹھی پہ جم گئی۔ اسے کچھ سہارا سا ہوا' آنسو خود بخود تھم گئے۔

"کیا چاہتی ہو' اتار دوں یہ انگوٹھی۔" شہریار نے دھمکی دی۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں ابھی دوبارہ دھو دیتی ہوں۔" وہ فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جلدی۔۔۔ مجھے صبح سویرے اسلام آباد کے لیے نکلنا ہے او کے۔" وہ جا چکا تھا۔ تب ہی دستک دے کر زہرہ بھابھی اندر آئی تھیں۔

"بھابھی آپ؟ آئیں نا۔" اس نے فوراً" چہرے پر بشاشت پیدا کی۔

"کیوں اتنا ڈرتی ہو اس سے۔" بھابھی اس کے ساتھ بیڈ پہ آ بیٹھیں۔

"تو اور کیا کروں' وہی تو ہے میرا سب کچھ۔"

"وہ تمہاری عزت نہیں کرتا کومل۔" بھابھی اداس تھیں۔

"وہ دل کا برا نہیں ہے بھابھی' پھر سب سے بڑی بات وہ میرا منگیتر ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے بھابھی۔" اس نے شرماتے لہجے میں پلکیں جھکا کر کہا تو بھابھی مسکرا دیں۔ وہ ابھی صرف سترہ سال کی تھی۔ مگر شہریار سے رشتے کو سوچ کر وہ کتنی سمجھ دار ہو جاتی تھی۔

"مجھے ڈر لگتا ہے بھابھی۔ اگر اس نے مجھے چھوڑ دیا تو میں کہاں جاؤں گی۔ کون میری حفاظت کرے گا اس دنیا میں۔"

"یہ کفر ہے کومل۔ حفاظت صرف میرے اللہ کی ذات کر سکتی ہے۔ صرف اللہ پہ بھروسہ ہونا چاہیے۔ رشتے تو بس دنیاوی سفر میں ہی کام آتے ہیں اور وہ بھی تب تک' جب تک تم ان کے کسی کام کے ہو۔ جب تمہاری اوقات سے بڑھ کر انہیں کچھ ملا' رشتے انہی کی طرف مڑ جاتے ہیں' ساتھ نبھانے والا تو صرف اللہ

ہے۔ ان رشتوں کو ہی اپنے لیے کافی جان لینا اپنی دنیا و آخرت خراب کرنا ہے۔" بھابھی بات سن کر وہ حد درجہ پریشان ہو گئی۔

"اور پھر تم خود سوچو ہنگی، اگر تمہیں شہریار سے محبت ہوتی تو کیا تم اس کے بغیر یوں ہلکی پھلکی ہوتیں۔ جیسے اس کے جانے کے بعد تم ہو جاتی ہو۔ یہ صرف تمہارے اندر کا خوف ہے، جو تمہیں یوں دبائے رکھتا ہے۔ اس کے پیچھے اتنا مت بھاگو، خود کو اتنا مت گراؤ کہ پھر اپنی ذات پہ ہی شرمندگی ہو گی۔" بھابھی نے اسے سمجھایا۔

"میں نے آج تک صرف شہریار کے متعلق ہی سوچا ہے۔ اسے ہی اپنا ہم سفر مانا ہے بھابھی۔ محبت وحبت شاید میں سمجھتی ہی نہیں۔ مگر یہ سچ ہے کہ مجھے شہریار پہ بہت بھروسہ ہے اور میں اس کے بغیر زندگی گزارنے کا اب سوچ بھی نہیں سکتی۔ اچھا میں ذرا اس کے کپڑے دھو لوں۔ آپ کو کچھ کام ہے تو بتا ئیں؟" اس نے حسب توقع ان کی توجہ بٹالی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سویرے ہی وہ اسلام آباد سے واپس پشاور روانہ ہوا تھا۔ کل کسی ضروری کام کے سلسلے میں عالیان علی آفریدی کو اسلام آباد آنا پڑا تھا۔ کام مکمل کرتے ہی وہ فوراً "گاڑی لے کر واپسی کے لیے نکل پڑا تھا۔ اسلام آباد سے پشاور تک کا سفر زیادہ تر وہ اپنی ہی گاڑی میں کرنا پسند کرتا تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے اسپیڈ کافی کم کر دی۔ کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی یہ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ وہ مکمل طور پہ چوکنا ہو گیا۔ آج کل شہر میں اغوا کی وارداتوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ تب ہی اچانک ہی اس کی گاڑی ایک دو جھٹکے لے کر رک گئی تھی۔ وہ پریشان سا نیچے اتر آیا۔ گاڑی کی خرابی اس کی سمجھ میں نہ آ پائی۔ اس نے گاڑی لاک کر دی۔ سڑک پہ دور، دور تک کسی گاڑی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کچھ آگے جا کر سامنے کی طرف سڑک مڑ رہی تھی۔ دو رویہ درختوں کی وجہ سے موڑ سے آگے والی سڑک اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس طرف چلنے لگا کہ شاید کوئی مدد کر سکے۔ موڑ کے نزدیک پہنچنے پر اسے درختوں کے جھنڈ کی دوسری طرف ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

کوئی لڑکی مسلسل بولے جا رہی تھی۔ آواز سے اس کا غصہ صاف واضح تھا۔ جیسے ہی اس نے موڑ کاٹا اس طرف کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایک نازک سی لڑکی آٹو سے ٹیک لگا کر کھڑے ادھیڑ عمر رکشہ ڈرائیور پہ برس رہی تھی۔ وہ یوں مطمئن اس لڑکی کی ڈانٹ سن رہا تھا جیسے یہ اس کا روز کا معمول ہو۔ لڑکی کی پشت عالیان کی طرف تھی۔ اس نے اسکارف لے رکھا تھا اور چوٹی گندھے بالوں کی ہلکی سی جھلک اس کی کمر پہ نظر آ رہی تھی۔ مفلر کی طرح دوپٹہ کندھوں سے لے کر کمر کے گرد باندھا ہوا تھا اس نے۔ عالی جو مسلسل اس کا جائزہ لیتے آہستہ آہستہ ان کے قریب جا رہا تھا کسی خیال کے تحت اچانک ہی چونک اٹھا۔ اس سنسان جگہ پر اس کی گاڑی خراب ہونا مدد خداوندی ہی ہے۔ وہ تیزی سے لڑکی کی طرف بڑھا تھا۔ ڈرائیور کی نظر اس پہ پڑی تو وہ چونک گیا اور اس سے پہلے کہ وہ لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرتا۔ نازک سی لڑکی اچانک ہی ہوا میں اچھلی تھی۔ عالیان بس صرف دو لفظ ہی سن پایا تھا۔

"ہو..... نا۔" اور وہ سنبھل بھی نہ سکا۔ لڑکی ایک چھلانگ لگا کر اس کے پیچھے پہنچ چکی تھی۔ کیسے' یہ عالی کو پتا نہیں تھا۔ لڑکی نے نہایت پھرتی سے ایک ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ عالی کی کمر کے پیچھے لے جا کر پکڑ لیا تھا اور دوسرا ہاتھ عالی کی گردن پہ رکھ دیا۔

"کون ہو تم۔" وہ غرائی۔

"عالیان آفریدی" اس نے اعتماد سے جواب دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اسے ایک جھٹکے سے خود سے دور پھینک سکتا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر عالیان ہمیشہ حیران رہ جاتا تھا۔ لڑکی نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا۔ وہ منہ کے بل گرتے گرتے بچا تھا۔ اسے پہلی بار اس لڑکی پہ بے حد غصہ آیا۔

”میرے خیال میں سڑک حکومت نے بنوائی ہے‘ اس طرح کم از کم ہر گزرنے والے سے اس طرح کا سلوک‘ تم نہیں کر سکتیں۔“ اس نے کپڑے جھاڑتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

”لیکن ان مردوں سے ضرور پوچھ سکتی ہوں جو ہر لڑکی کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔“ وہ کڑوا کریلا تھی۔ یہ سوچ عالی کی تھی۔

”میں نے کب تمہیں جاگیر سمجھا۔ ہاں اگر چاہو تو بنا سکتا ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔

”کومل نثار کسی کی جاگیر بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئی‘ اوکے۔“ اس نے سختی سے جواب دیا۔

”اور ویسے بھی مجھے لگا تم چوری چوری پیچھے چلے آرہے ہو تو ضرور کوئی بے ایمانی ہوگی تمہارے ذہن میں۔“ اس نے اضافہ کیا۔

”مطلب تم مجھ سے ڈر گئیں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”ہو تو آخر لڑکی ہی نا۔ مردوں سے ڈرنے والی۔“ عالی کے چہرے پہ بہت حسین مسکراہٹ تھی۔

”ڈرتی نہیں مسٹر۔ صرف چوکنی رہتی ہوں۔ کیونکہ میں بھروسہ نہیں کرتی مرد ذات پہ۔“ اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ عالیان چند لمحوں کے بول ہی نہ پایا تھا۔

”بابا... اگر میں یہاں سے پیدل چلی بھی جاؤں تو آپ کا کیا ہوگا۔“ وہ ایک دفعہ پھر ساٹھ سالہ ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ مطلب وہ عالیان علی آفریدی کو قطعی طور پہ اگنور کر رہی تھی۔ عالی کو بہت برا محسوس ہوا۔

”بیٹا... تمہیں کہا نا‘ تم جاؤ‘ میری فکر نہ کرو۔“ وہ اطمینان سے اسی طرح رکشا سے ٹیک لگا کے کھڑا تھا۔ گویا اس دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

”اور اگر آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تو‘ کتنا ہائی رہتا ہے آپ کا بلڈ پریشر۔“

”کچھ نہیں ہوگا بیٹا۔ میں نے دوا لے لی تھی گھر سے نکلتے وقت۔“ بابا نے اسے تسلی دی۔

”ہم تینوں مل کر وقت گزار لیتے ہیں نا۔“ لڑکی نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ البتہ بابا نے اس کی بات فوراً“ مان کر اس سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ کومل اپنے موبائل سے کھیلنے لگی۔ تب ہی ایک ٹرک وہاں سے گزرا تھا۔ بابا نے اس سے تھوڑا پیٹرول مانگ کے رکشا میں ڈال دیا۔

”چلو بیٹی‘ پمپ تک تو لے ہی جائے گا۔“ لڑکی فوراً“ رکشا میں بیٹھنے لگی۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی اسے ساتھ چلنے کا نہیں کہا تھا۔ رکشا میں بیٹھتے وقت کومل کی نظر اچانک ہی الیان پہ پڑی تھی۔ وہ مسلسل اسے تکے جا رہا تھا۔ وہ چونک گئی تھی۔ کتنے ہی رنگ تھے اس کی خوب صورت گرین آنکھوں میں۔ صنف نازک کو یہ حس خدا نے بہت سخاوت سے عطا کی ہے کہ وہ سامنے والے کی آنکھوں سے اس کے دل کی حالت جان جاتی ہے۔

کومل نثار بھی چاہے کتنی ہی سخت کیوں نہ بنتی۔ تھی تو عورت ہی۔ وہی نرم و نازک دل رکھنے والی۔ کسی کی ذرا سی تکلیف پہ مچل جانے والا دل‘ آنکھوں سے آنکھوں کی تحریر پڑھ لینے والا دل‘ عورت کا دل‘ جو نفرتیں سہہ سہہ کر بھی پتھر نہیں بنتا۔ موم کا ہی رہتا ہے۔ کومل نثار کو بھی اسے یوں چھوڑ کر جانا اچھا نہ لگا۔ وہ بابا کو روک کر اتر کر اس کے قریب چلی آئی۔

”شکل و صورت سے تو کسی ریاست کے نواب لگتے ہو۔“ کومل کا لہجہ سادہ تھا۔ نہ تعریف‘ نہ خوشامد۔

”لگتا نہیں میڈم‘ نواب ہوں۔“ وہ بولا۔

”تو رکشا میں بیٹھنا تو تم پسند نہیں کرو گے۔“ کومل نے سہولت سے خود ہی اسے رکشا میں بیٹھنے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دی تھی۔

”ہاں... اصل میں گاڑی میں کچھ مسئلہ تھا تو...“ وہ بولنے لگا تو کومل نے اس کی بات کاٹ دی۔

”نوابوں کے لیے کبھی گاڑی کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ فون کر کے دوسری منگوا لو۔“ عالی کو خود پہ حیرت ہوئی کہ اسے یہ خیال خود کیوں نہ آیا۔ لڑکی مڑ چکی تھی۔ تبھی اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی تیزی سے کوندا تھا۔

”سنیے۔“ لڑکی واپس مڑی۔

”اگر فون بھی گھر بھول آئے ہوں تو...“ اس کی بات سن کر لڑکی نے ایک نظر اسے دیکھا اور اپنا سیل اس کی طرف اچھال دیا۔

عالی نے فوراً“ گھر کے نمبر پہ کال کر کے گاڑی منگوالی تھی۔ سیل لڑکی کو واپس کرتے وقت اس کے خوب صورت ہونٹوں پہ بہت حسین مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ اسے یقین تھا‘ گھر کے CLI پہ اس لڑکی کا نمبر وہ سہولت سے ڈھونڈ لے گا۔ وہ وہیں رک کر ڈرائیور کا انتظار کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

”ایکسکیوز می۔“ مترنم نسوانی آواز پہ شہریار نے سر اٹھا کر دیکھا۔

وائٹ شرٹ کے ساتھ بلیک جینز میں ملبوس گلے میں لال مفلر ڈالے نہایت ہی خوب صورت لڑکی دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ گلے میں پڑا بیش قیمت سفید نیکلس اس کی صراحی دار گردن پہ بہت جچ رہا تھا۔ شہریار کو وہ کسی دوسرے دیس کی شہزادی معلوم ہوئی۔

”میں اندر آ سکتی ہوں۔“ وہ اسے محو دیکھ کر دوبارہ بولی تو شہریار چونک گیا۔

”جی ضرور...“ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں بولا تھا۔

”میں صفدر سے ملنے آئی تھی۔ صفدر میرے کزن ہیں۔“ اس کے لہجے سے غرور واضح تھا۔

”اوہ... یس میم... کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی۔“ وہ فوراً“ اٹھ کھڑا ہوا۔

”ایکچوئلی صفدر سر نے یہ برانچ اب میری نگرانی میں دے دی ہے۔“ اس نے فوراً“ ہی اپنی موجودگی کی وجہ بھی بتا دی تھی۔

”اوہ... نائس‘ بائی دے وے آئی ایم مس حوریا جہاں زیب۔“ اس نے ایک ادا سے اس سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ جو شہریار نے فوراً“ تھام لیا۔ نرم گرم ہاتھ کے لمس سے اس کے اندر بجلیاں سی کوند گئیں۔

”آئی ایم شہریار... شہریار غنی محمود۔“ وہ اپنا اعتماد بحال کر چکا تھا۔

”تم سے مل کر اچھا لگا شہریار‘ کیا ہم آئندہ بھی مل سکیں گے۔“ اس کے کہنے پہ شہریار نے ایک گہری نظر اس کے دلکش سراپے پہ ڈالی۔

”آئی مین‘ کہیں باہر؟“ اس نے وضاحت دی تو شہریار مسکرا دیا۔

”وائے ناٹ میم۔ جہاں آپ کہیں۔“ اس کے لہجے میں تفاخر تھا۔ حوریا نے اسے اپنا سیل نمبر لکھوا دیا تھا۔

”مجھے شام کو کال کر لینا۔ جب تم بالکل فری ہو۔ اب میں چلوں۔“ وہ چلی گئی۔ شہریار کو آج اپنی پرسنالٹی اور وقار پہ جی بھر کے فخر ہوا تھا۔

”میری تو نکل پڑی۔“ اس نے خوشی سے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

سخت گرمی میں کھڑے رہنے سے اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ جب سے شہریار کی پروموشن ہوئی تھی۔ مظاہر بھائی روزانہ اسے لینے وقت پہ پہنچ جاتے تھے۔ مگر آج انہیں دیر ہو گئی تھی۔ کومل پریشان ہونے لگی۔ اسی وقت ایک بلیک کلر کی سوک بالکل اس کے سامنے آ کے رک گئی تھی۔

”آئیں میں آپ کو چھوڑ دوں۔“ گاڑی میں بیٹھے شخص نے بہت اپنائیت سے اسے آفر کی تھی‘ کومل جی بھر کے حیران ہوئی‘ مگر خاموش رہی۔

”میں صفدر خان ہوں۔ شہریار کا باس۔ اس نے بتایا ہے مجھے آپ کے بارے میں‘ یہاں سے گزر رہا تھا کہ آپ پہ نگاہ پڑ گئی۔“ اس نے کافی لمبی بات کی تھی۔ مگر کومل ہنوز خاموش رہی۔ صفدر نے فوراً“ شہریار کو کال ملا دی تھی۔

”کہاں ہو شہریار۔“ شہریار کا نام سن کے کومل کی

ساری حسیات جاگ اٹھی تھیں۔

"اوہ ہوٹل میں۔ واہ یار کیا ٹھاٹ ہیں۔ اچھا خیر تم سے ایک کام ہے۔ میں یہاں گرلز کالج کے پاس سے گزر رہا تھا۔ تمہاری کزن کو کھڑا دیکھ کے رک گیا ہوں۔ تم ہی سمجھاؤ اسے۔ اتنی دوپہر میں اکیلی لڑکی' اوکے۔" اس نے فون کومل کی طرف بڑھا دیا۔ کومل نے کانپتے ہاتھوں سے فون پکڑا اور شہریار کی ڈانٹ سن کر چپ چاپ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جس کا دروازہ صفدر پہلے ہی کھول چکا تھا۔ ابھی اس نے ڈور بند نہیں کیا تھا کہ مظاہر کی آواز نے اسے نئی زندگی بخش دی تھی۔ وہ آگئے تھے' وہ ایکسکیوز کرتی مظاہر کی بائیک پہ ان کے پیچھے جا بیٹھی۔ اس نے راستے میں ساری بات مظاہر کو بتانے سے گریز کیا تھا۔ بس یہی بتا کر مطمئن کر دیا کہ شہریار نے گاڑی بھیج دی تھی۔ ادھر صفدر نے اس کے جاتے ہی کومل کو گندی سی گالی سے نوازا تھا۔

مظاہر نے شہریار کی غیر موجودگی کا فائدہ لے کر کومل کا داخلہ مارشل آرٹ اکیڈمی میں کرا دیا تھا۔ جس سے اس میں کافی اعتماد آگیا تھا۔ مگر شہریار کے سامنے وہ پھر بھی دلو سی بن جاتی تھی۔ چاہ کر بھی اس کی پلکیں نہ اٹھ پاتیں۔ شہریار ایک ماہ کے لیے پشاور آیا ہوا تھا۔ کومل نے نوٹ کیا' وہ خاصا بدل گیا تھا۔ رات کو دیر سے گھر آتا۔ آج بھی اسے دیر ہو گئی تھی۔ تقریباً" دو بجے کے قریب دروازے پہ آہٹ ہوئی تھی۔ شہریار اسے جاگتا دیکھ کر سخت بدمزا ہوا۔

"تمہیں اپنی منحوس صورت مجھے ضرور دکھانی ہوتی ہے۔" وہ مدھم لہجے میں چلایا۔

"تمہارے لیے پریشان تھی۔ کہاں رہتے ہو اتنی دیر تک۔" آخر وہ سوال اس کی زبان پہ آ ہی گیا' جو اتنے دنوں سے اس کے دل میں مچل رہا تھا۔ شہریار پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم۔۔۔" اس نے کومل کو کاندھوں سے دبوچ لیا۔

"تمہاری اتنی جرات' ہاں۔۔۔ چیونٹی پر نکال رہی ہے۔" سخت غصے کی وجہ سے اس کے منہ سے مغلظات نکلنے لگے۔ کومل گھبرا گئی۔

"سو۔۔۔ سوری میں نے تو۔"

"ہش۔۔۔" شہریار نے اس کا منہ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر زور سے دبوچ لیا۔ کومل کو بے حد تکلیف محسوس ہوئی۔ اس کی خوب صورت براؤن آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"آئندہ اگر مجھ سے اس لہجے میں بات کی تو یوں ہی ساری عمر میرے نام کی مالا جپتے بیٹھی رہ جاؤ گی۔ چھوڑ کے چلا جاؤں گا کہیں۔" وہی دھمکی۔ کومل کے آنسو گرنے لگے۔

"نہیں۔ پلیز تم ایسا کچھ مت کرنا' میں ایسا نہیں کروں گی آئندہ۔" وہ فوراً" گڑگڑائی تھی۔ شہریار نے اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔ اس نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔

"بس۔ تم ایسی ہی اچھی لگتی ہو۔ ہرنی کی طرح ذرا سی آہٹ پہ خوف زدہ ہو جانے والی' شہریار غنی کا نام سن کر کانپ اٹھنے والی کومل ہی مجھے چاہیے' جاؤ آئندہ خیال رکھنا۔" اس نے کومل کے چہرے پہ جھکتے ہوئے اسے اچانک ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ گرتے گرتے سنبھلی تھی۔ اس رات وہ تمام رات سو نہیں پائی تھی' روتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کومل! بیٹا ذرا دیکھو تو ڈور بیل بج رہی ہے۔" بھابھی کی آواز پہ اس نے ہاتھ میں پکڑے کپڑے دوبارہ بالٹی میں ڈالے اور ہاتھ پونچھ کر نیچے اتر آئی۔ دروازہ کھلتے ہی اسے بے پناہ حیرت ہوئی تھی۔ اس دن روڈ پہ ملنے والا لڑکا گاڑی سے ٹیک لگا کے کھڑا تھا۔ آنکھوں پہ کالا چشمہ ہونے کی وجہ سے کومل یہ اندازہ نہ لگا پائی کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے یا نہیں۔ اس نے بالکل اس کے قریب جا کر ہانک لگائی تھی۔

"تم۔۔۔" عالیان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بھرپور مسکراہٹ اچھالی۔

"انسان اپنے سے بڑے کو آپ کہہ کر بلاتا ہے مس کومل نثار۔" عالی نے چشمہ اتار دیا تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچے۔" کومل نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"تم سے کم تمہارا پیچھا کرتے ہوئے تو نہیں آیا۔" وہ بظاہر روڈ ہوا۔

"ہاں' مگر لگتا ہے قدرت مجھے تمہارے پیچھے پیچھے لا رہی ہے۔" شرارتی آنکھوں میں مچلتی مسکراہٹ بے حد حسین تھی۔ کومل بس اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔

"کیا ہوا کومل' کون ہے؟" بھابھی شاید ان کی باتیں سن کر ادھر ہی آگئی تھیں۔ عالی نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا تھا۔

"آپ یقیناً" زہرہ باجی ہیں۔ میں عالیان ہوں۔ عالیان علی آفریدی۔ نینا آپی نے مجھے بھیجا ہے۔" اس نے کافی لمبا تعارف کرایا۔

"اوہ عالی۔ تم۔ ماشاء اللہ کتنے پیارے ہو گئے ہو۔ اندر آجاؤ نا۔" انہوں نے فوراً" ہی اسے اندر کھینچ لیا تھا۔ کومل حیران سی دروازہ بند کرکے واپس اوپر چلی گئی۔ بھابھی نے اسے لاؤنج میں بٹھا کر نہ جانے کیا کیا کھلا دیا۔ وہ بس انکار ہی کرتا رہ گیا۔ جب کافی دیر تک کومل اسے دوبارہ نظر نہ آئی تو وہ مایوس سا ہو کر اٹھ گیا۔

"اوکے۔ باجی میں چلوں۔ باہر صحن میں جو شاپر رکھا ہے وہ اٹھوا لیجیے گا۔ آپی نے گفٹ بھیجے تھے آپ لوگوں کے لیے۔" اس نے بے دلی سے اجازت مانگی۔ زہرہ نے اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔ تبھی جب وہ نکلنے لگا ایک دو سالہ بچہ بھاگ کر وہاں آیا تھا۔

"ماما کہاں ہیں۔" اس نے زہرہ باجی سے لپٹ کر پوچھا تھا۔

"وہ چھت پہ ہیں بیٹا۔ کپڑے دھو رہی ہیں آیئے میں ابھی آپ کو لے چلتی ہوں۔ آپ پہلے انکل کو بائے بولو۔"

وہ لڑکے کو عالی سے ملوا رہی تھیں۔ مگر عالیان علی آفریدی کی ہر چیز نے دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ وہ جتنا خوش خوش وہاں آیا تھا اتنا ہی اداس ہو کر واپس جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سنا ہے تمہاری منگنی ہو چکی ہے۔" حوریا کے پوچھنے پہ شہریار چونک گیا تھا۔ وہ دونوں اس وقت شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں تھے۔ حوریا نے شہریار کو ایک سرپرائز کا کہہ کر بلایا۔ ان دونوں کی محبت کی کہانی آج کل پورے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔

"نہیں۔ بس امی نے اسے میرے نام سے منسوب کر رکھا ہے۔" شہریار کو زندگی میں پہلی بار اپنی منگنی پہ جی بھر کے غصہ آیا۔

"میں تو سن کر پریشان ہی ہو گئی تھی۔" حوریا نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ڈیئر۔" شہریار کی آنکھوں کی چمک یکدم ہی بڑھی۔ اس نے معصوم بنتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ہمیشہ سے کسی ایسے ہم سفر کی تلاش تھی۔ جو خوبصورت ہو۔ ڈیشنگ ہو اور اچھی پوسٹ پہ بھی ہو۔ اتنی مشکل سے مجھے تم ملے ہو تو سوچا کہیں کھو نہ دوں تمہیں۔" حوریا نے اس کے ہاتھ اپنے نرم ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

"میں تو سر سے لے کر پیر تک تمہارا ہوں۔ تمہیں چھوڑنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اچھا اب سرپرائز تو بتاؤ۔" شہریار نے اچانک ہی بات بدل دی۔

"بتا دوں گی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ویسے لگتا نہیں تم نے شراب ابھی پینا شروع کی ہے جام پہ جام پی جاتے ہو' مگر ہوش نہیں کھوتے۔" اس نے ایک دلربائی سے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ شہریار چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

"تمہارے ہوتے ہوئے بھلا شراب کی کیا مجال کہ میرے ہوش چرا لے۔"

شہریار نے مسکرا کر کہتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔ شہریار غنی اپنی ہر حد پار کرتا چلا گیا تھا۔ حوریا اسے بے دام خرید چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

عالی نے دو دن سے صحیح کھانا نہیں کھایا تھا نہ ہی آفس جا رہا تھا۔ مورے نے پریشان ہو کر نینا کو بلا لیا۔ وہ آتے ہی فوراً اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"ارے آپی۔ آپ" عالی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی جناب میں۔ یہ تم نے کیا مورے کو پریشان کیا ہوا ہے۔" نینا نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ ملگجا کاٹن کا سوٹ پہنے ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ کچھ اور پیارا لگ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے بہت سادہ سا جواب دیا۔

"تم خود بتاؤ گے یا میں بتاؤں۔" عالی نے چونک کر دیکھا نینا مسکرا رہی تھیں۔

"کیا؟" اس نے الٹا سوال کیا اور پانی پینے لگا۔

"او کے۔ پرسوں تمہیں میں نے زہرہ کے گھر بھیجا تھا۔ کیسی تھی وہ؟" آپی کی بات سنتے ہی پانی پیتے عالی کو اچھو لگ گیا۔

"آپ کو کیسے پتا۔" وہ حیران تھا۔

"کیونکہ اسی شام غلطی سے میں خود بھی وہاں چلی گئی۔"

"اللہ کیا ظالم مسکراہٹ ہے آپی کی۔" عالی نے دل ہی دل میں خود کو کوستے ہوئے آپی کی تعریف بھی کر دی۔

"مجھے میری بات کا جواب دو۔" آپی نے فوراً ہی اس کے کان پکڑ لیے۔

"اچھا۔ اچھا بتاتا ہوں۔" اس نے فوراً اپنے کان چھڑوائے۔

"وہ آپی زہرہ بھابھی کے ساتھ وہ جو دوسری خاتون رہتی ہیں جن کا ایک عدد بچہ بھی ہے۔ مجھے اس سے عشق ہو گیا ہے۔" اس نے تیزی سے سچ اگل دیا تھا۔ ادھر نینا آپی کے قہقہے اتنے بلند تھے کہ انہوں نے تو آج کوہ قاف کے جنوں کو بھی مات دے دی تھی۔

"ہنس لیں۔ اپنے اکلوتے بھائی کی خوشی کے جنازے پہ۔" وہ کڑھا بھنایا

"پاگل ہو تم بھی۔" انہوں نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی روکی۔

"خیر اس بات پہ ہم دوبارہ بات کریں گے۔ فی الحال تمہیں صرف اتنی خوشخبری سنا دیتی ہوں کہ وہ ابھی غیر شادی شدہ ہے۔" نینا آپی نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کے مردہ وجود میں گویا جان بھر دی تھی۔ وہ خوشی سے چیختا ان سے لپٹ گیا۔ نینا نے دل و جان سے اپنے بھائی کی لمبی خوشیوں کی دعا کی تھی۔

"لیکن نینا جو لڑکی ام نے پسند کیا۔ اس کا کیا۔" نینا نے جب ساری بات مورے کو بتائی تو انہیں اپنی پسند کی لڑکی یاد آ گئی۔

"مورے۔ شادی تو عالی کو کرنی ہے تو کیوں نہ لڑکی بھی اس کی پسند کی ہو۔" نینا نے آرام سے سمجھاتے ہوئے مورے کو قائل کر کے ہی چھوڑا تھا۔

☼ ☼ ☼
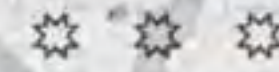
بہار کی آمد کے ساتھ ہی سارا لان ہرا بھرا ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی محنت سے لان کا ایک حصہ سیزن کی سبزیوں کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اب بھی وہ بڑی محنت سے کیاری میں بیج ڈال رہی تھی۔ سرخ رنگ کی کھلتی قمیص میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ کس کر باندھی ہوئی چوٹی اس کے کندھوں سے ذرا نیچے کمر پہ جھول رہی تھی۔ مسلسل دھوپ میں کام کرتے رہنے سے اس کے خوبصورت چہرے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔

"کومل بیٹا۔ صبح سے دھوپ میں کام کر رہی ہو۔ آؤ کافی پی لو۔" بھابھی نے اسے آواز دی تو وہ فوراً اٹھ کر پائپ سے ہاتھ دھو کر ان کے پاس پلاسٹک کی کرسیوں پہ آ بیٹھی۔ جو برآمدے میں بچھی ہوئی تھیں۔ زہرہ نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ یقیناً وہ روتی رہی تھی۔

"کومل۔ مما کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ ماں ہیں۔ اپنے بیٹے کو یوں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا نہیں دیکھ سکتیں۔"

"مگر بھابھی میں۔ میں کیا کروں۔ شہریار نے جو کچھ میرے ساتھ کیا۔ کیا وہ کسی کو یاد نہیں۔"

"اسی لیے تو کہتی ہوں۔ شادی کر لو۔ خود کو سزا کیوں دے رہی ہو۔ مجھے تو لگتا ہے شہریار بھی یہی سوچ رہا ہے کہ تم اس سے اب بھی محبت کرتی ہو۔ جبھی تو آج تک اس کے نام پہ بیٹھی ہو۔" بھابھی کے کہنے پہ وہ ایکدم ہی چونکی تھی۔

"میری بات مان لو کومل۔ کتنے اچھے رشتے آئے۔ مگر تم نے ہر بار اپنی مرضی کی۔ مجھے عالیان بہت پسند آیا ہے۔ اگر تم کہو تو۔۔۔" بھابھی نے بغور اس کا چہرہ جانچتے ہوئے کہا۔ تو وہ بے اختیار ہی انہیں دیکھنے لگی۔

"اگر تم مجھے اپنا سمجھو تو میں نینا سے بات کر سکتی ہوں۔ تم آرام سے سوچ لو۔ میں تمہارے جواب کی منتظر رہوں گی۔" بھابھی اسے سوچوں کے سمندر میں غلطاں کر کے خود اٹھ گئیں۔ وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

معمول کی طرح وہ سڑک کی سائیڈ پہ رک کر مظاہر بھائی کا ویٹ کر رہی تھی کہ ایک بار پھر وہی ہونڈا سوک اس کے قریب آ کے رک گئی۔ اس کا دل دھڑک دھڑک کر بے قابو ہونے لگا۔

"آؤ کومل۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا گھر۔" اس نے اتنی بے تکلفی سے کہا کہ کومل حیران رہ گئی۔ "جی نہیں شکریہ۔ بھائی آنے ہی والے ہوں گے۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کومل۔ ورنہ نتیجے کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" دھمکی سے ڈرنے کے باوجود کومل نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ زن سے گاڑی لے گیا تھا مگر کومل کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼
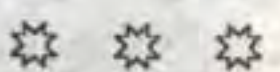
زین واپس آ چکا تھا۔ عالی آفس میں تھا اور مورے اس وقت زین کے سامنے اپنی پسند کی لڑکی ریجیکٹ ہونے کا رونا رو رہی تھیں۔ زین مسلسل ان کی ویڈیو بنا رہا تھا۔

"مورے یہ تو بتاؤ۔ وہ آپ کو ملی کہاں۔" زین کے پوچھنے پہ مورے نے لمبی ٹھنڈی سانس بھری۔

"بس زینی کیا بتاؤں ام جب عمرے سے واپس آئی تو عالی کو آنے میں دیر ہو گیا۔ ام انتظار کر رہی تھی کہ ایک لڑکا امارہ پرس چھین کر بھاگ گئی۔ بس اسی وقت اس خوبصورت سی لڑکی نے امارہ مدد کی۔" مورے جوش سے کہتے کہتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"زینی ہم دیکھتے تو حیران رہ جاتے۔ وہ لڑکی نے نائیٹو بائیٹو کر کے اس لڑکے کو نانی یاد دلا دی۔ مجھے تو وہ فلم یاد آ گئی۔ جو تم ام کو دکھاتا ہے اپنے فون پر۔" مورے نے اس سے کہا تو بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا۔

"بروس لی۔"

"آں۔ آں۔ وہی قربان دے سم۔ اچھا ام سالن بنا لے۔" مورے چلی گئیں مگر زین اپنی ہونے والی بھابھی سارے گھر میں گھومتے دیکھ رہا تھا اس کے کانوں میں بھابھی کی سریلی آواز گونج رہی تھی۔

"ہو۔۔۔ہا۔۔۔ہو۔۔۔ہا"

☼ ☼ ☼

اس کی سوچ کے عین مطابق شہریار دوسرے دن ہی گھر پہنچا تھا۔ اسے چائے کا کہہ کر وہ چھت پہ چلا گیا تھا۔ مظاہر بھائی اور آپی بھی گھر پر نہیں تھے۔ وہ چائے لے کر گھبرائی گھبرائی وہاں آئی تو شہریار واقعی غصے میں لگا۔ اس نے چائے لے کر چھت کی منڈیر پہ رکھ دی۔

"تمہیں میرے باس نے لفٹ کی آفر دی تھی؟"

اس کا لہجہ درشت تھا۔

"وہ شہریار۔۔۔ دراصل۔۔۔" وہ ہڑبڑائی۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔ بہت بڑی چیز ہو تم ہاں۔" اس نے سختی سے اس کا بازو دبوچ لیا۔

"وہ مجھے ڈر لگتا ہے اس سے۔" ڈرتے ڈرتے اس نے کہہ ہی دیا۔

"وہ تمہیں کھا نہ جاتا۔" شہریار نے اپنی گرفت مزید سخت کر دی۔ کومل کی آنکھوں میں نمی بھر آئی۔

"زیادہ سے زیادہ تھوڑا سا فلرٹ ہی کر لیتا نا۔ مگر نہیں تم تو بڑی نیک پروین ہو نا۔" اس نے جھٹکے سے

اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"وہ ایک غیر مرد تھا میرے لیے۔" اس نے دلیل دی۔
"اوہ۔۔۔ تو برادر کیا ہیں' وہ کیا تمہارے سگے بھائی ہیں یا پھر شوہر نامراد۔" کتنی غلیظ زبان استعمال کی تھی شہریار نے۔ وہ صدمے سے گنگ رہ گئی۔
"میں نے تمہیں اپنا نام دیا' پہچان دی' ساری زندگی تم جیسی گھامڑ کو اپنے ساتھ لگالیا۔ مگر تم میرے لیے اتنی سی قربانی بھی نہ دے سکیں۔ میری جاب خطرے میں ڈال دی۔" اس نے غصے سے چائے کا کپ اٹھا کے دور پھینک دیا۔ جو چھناکے سے ٹوٹ گیا۔
"اب غور سے سنو۔" وہ اس کے قریب ہوا تو کومل گھبرا کے دیوار سے جا لگی۔
"کل شام کو تیار رہنا' پارٹی ہے' تمہیں بہت خوب صورت نظر آنا چاہیے۔ اگر کوئی کمی نظر آئی تو ٹھیک نہیں ہوگا اور ہاں پارٹی میں یہ اجڈ گنواروں والی حرکات مت کرنا' اوکے' جیسا میں کہوں ویسا کرنا' آئی بات اس کھوپڑی میں۔" اس نے زور سے اس کی کنپٹی پہ انگلی ماری۔ کومل کو تکلیف ہوئی۔ مگر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

عالی نے دیکھا۔ زین ٹی وی دیکھتے دیکھتے ہی سو گیا تھا۔ اس نے ٹی وی آف کردیا اور موبائل میں کومل کا نام دیکھنے لگا۔ کومل کا سیل نمبر اس نے اسی دن CLI سے اپنے موبائل میں محفوظ کرلیا تھا۔ جس دن اس نے کومل کے نمبر سے اپنے گھر کے نمبر پر کال کی تھی۔ اس نے بہت سوچنے کے بعد ٹائپ کرنا شروع کردیا۔

میری دھڑکن پہ اک معصوم چاہت۔۔۔ دے گئی دستک
در مفلس پہ جیسے خود سخاوت۔۔۔ دے گئی دستک

کئی پہرے لگائے ہم نے دل کے آشیانے پہ۔۔۔
در دل پہ مگر پھر بھی محبت۔۔۔ دے گئی دستک

اس نے کچھ سوچتے ہوئے سینڈ کا بٹن دبا دیا تھا۔ جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے سیل سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا اور سکون سے سونے کے لیے لیٹ گیا۔
زہرہ بھابھی نے نینا سے عالیان کی کومل سے محبت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ زہرہ نے آج عالیان کو پارک میں ملنے کے لیے بلایا تھا۔ وہ صحیح وقت پر وہاں پہنچ گیا تھا۔ یہ پارک گھر سے نزدیک ہی تھا۔ زہرہ یا کومل تقریباً" روز ہی حسن کو یہاں گھمانے لے آیا کرتی تھیں۔ حسن' زہرہ اور مظاہر کی شادی کے گیارہ سال بعد پیدا ہوا تھا۔ تب ہی سارے گھر کی جان تھا وہ۔ زہرہ ٹھیک وقت پہ عالی کو آتا دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ وہ انہیں سلام کرتا نیچے گھاس پہ حسن کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔
"کیسے ہو عالی۔" زہرہ نے کومل کی قسمت عالیان کے ساتھ جڑنے کی دل سے دعا کی۔
"بالکل فٹ ہوں' آپ سنائیں' یہاں کیوں بلوایا' خیریت۔" وہ فوراً" ہی اصل بات پہ آگیا۔
"مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی کومل کے بارے میں۔" زہرہ بولی۔
"جی بھابھی۔۔۔ مجھے نینا آپی نے بتایا کہ وہ آپ سے بات کرچکی ہیں۔ اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو آپ کھل کے شیئر کرسکتی ہیں۔" اس کا لہجہ بہت سلجھا ہوا تھا۔
"میں تمہیں کومل کے ماضی کے متعلق سب کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" زہرہ کی آواز میں ڈر بھی تھا' کپکپاہٹ بھی۔
"میں سمجھا نہیں۔" عالی کو وہم سا ہوا۔
"کومل بہت ہی پیاری بچی ہے۔ مگر پھر بھی جو کچھ اس کے ساتھ ہوا' میں چاہتی ہوں تمہیں وہ سب کچھ پہلے سے بتادوں' تاکہ کومل کو کوئی ڈر کبھی بھی پریشان نہ کرسکے۔"
"آپ کہیں بھابھی۔۔۔ ان شاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گی۔ کومل کو پانا اب میری زندگی کی سب سے

بڑی خواہش ہے۔ میں کسی قیمت پہ اس بات سے نہیں ہٹوں گا۔ مگر پھر بھی میں جاننا چاہوں گا کہ کومل کے ساتھ ایسا کیا ہوا۔ جو آپ لوگ اس کی شادی کرنے سے گریز کررہے ہیں۔" اس کا لہجہ صاف تھا۔
"گریز ہم نہیں۔ وہ کررہی ہے' کیونکہ مردوں پر سے اس کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔" بھابھی نے آہستہ آہستہ بتانا شروع کیا۔ تو عالی نے اپنی تمام تر توجہ ان کی طرف مرکوز کرلی۔

☼ ☼ ☼

رات وہ کافی دیر تک جاگتی رہی تھی۔ رات بھر نئے نمبر سے بار بار ایس ایم ایس آرہے تھے۔ پہلے تو وہ اگنور کرتی رہی۔ مگر پھر ایسے ہی ٹائم پاس کرنے کے لیے اس نے انہیں پڑھنا شروع کردیا۔ بہت ہی دلچسپ قسم کے جوکس تھے۔ پہلا ایس ایم ایس پڑھتے ہی وہ مسکرانے لگی اور پھر ہر ایس ایم ایس کے بعد اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔ صرف چند لمحوں میں ہی اس کے ہلکے ہلکے قہقہے گونجنا شروع ہوگئے تھے۔ وہ کافی دیر تک ہنستی رہی تھی۔ یہاں تک کہ آنکھیں بھیگنے لگیں۔ تب ہی ایک اور ایس ایم ایس چمکا تھا۔ اس نے فوراً" ہی مسکراتے ہوئے اوپن کا بٹن پریس کردیا۔

وہ ایسے مسکرائے ہیں کہ جیسے پھول مہکے ہوں
دلوں پہ ایک انہونی سی راحت۔۔۔ دے گئی دستک

اس کے مسکراتے ہونٹ یک دم ہی سکڑے تھے۔ یہ کون تھا۔ جو اسے اتنا جانتا تھا۔ اسے خود پہ بھی حیرت ہوئی۔ وہ اتنا کھل کر کبھی نہیں ہنسی تھی۔ اسے یک دم ہی اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ اس نے ابھی تک اس نمبر کو ایک ایس ایم ایس بھی نہیں بھیجا۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ تھا کون۔ تب ہی ایس ایم ایس کی ٹون پہ اس نے پیغام کھولا۔ "بروس لی" کے الفاظ کے ساتھ ایک پیارا سا چہرہ اسے زبان چڑا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی
[illegible]
رہا ہے۔ اسے پھر ہنسی آگئی' موبائل تکیے کے نیچے دبا کر وہ سکون سے سو گئی۔ اتنی گہری اور پرسکون نیند اسے کتنے ہی سال بعد نصیب ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ شہر کے مہنگے ترین ہوٹل کا بیسمنٹ تھا۔ وہ شہریار کے پسندیدہ ڈریس میں ملبوس گھبرائی گھبرائی سی اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی کافی بڑے ہال میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔
"یہ ہم کہاں آگئے شہریار۔" وہ گھبرائی۔
"جنت ہے کومل۔ زمین پہ جنت۔ بس تم ویسے کرو جیسا میں کہتا ہوں' پھر دیکھو۔" تب ہی صفدر ان کے قریب چلا آیا تھا۔
"واؤ۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔ آج تو ہماری محفل میں چاند اتر آیا ہے۔" وہ چہکا۔ کومل کو اس سے گھن سی محسوس ہوئی۔
"دیکھ لیں سر۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اب تو میری پروموشن کینسل نہیں ہوگی نا۔" شہریار کی بات کومل چاہ کر بھی نہ سمجھ پائی تھی۔
"آف کورس۔۔۔" اسی وقت ایک نسوانی وجود شہریار سے آلگا تھا۔ کومل پہلی نظر میں اسے اتفاقی ٹکراؤ سمجھی تھی۔ کیونکہ ہال میں موجود تمام نفوس نشے سے ادھر ادھر لڑھک رہے تھے۔ مگر اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ جب شہریار نے آرام سے اس وجود کو اپنی بانہوں میں بھرلیا۔ "ہی کیئر فل جان۔" اس کا رسانیت بھرا لہجہ کومل بے یقینی سے اس نسوانی وجود کو دیکھنے کی سعی کرنے لگی۔
"تم نے پھر زیادہ پی لی نا' کتنا سمجھایا میں نے تمہیں' مگر تم' چلو میں تمہیں روم میں لے چلتا ہوں۔" کتنی محبت' کتنی پروا تھی شہریار کے لہجے میں۔ وہ جذبوں سے گندھی لڑکی یہ سب کیسے محسوس نہ کرپاتی۔ وہ اس لڑکی کو لے جانے لگا۔ جب کومل نے اس کا بازو تھام لیا۔

"شہریار میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔" اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا تھا۔

"نہیں تھمو۔ میں ابھی آتا ہوں گنوار۔" وہ بکتا جھکتا چلا گیا۔ کومل ساکت سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

"جو تمہیں گھاس نہیں ڈالتا اس پہ تو مرتی ہو۔ مگر جو تمہارے لیے جان وار دینے کو تیار ہیں' انہیں نو لفٹ' تم بھی عجیب لڑکی ہو۔" صفدر نے اچانک ہی ہاتھ پکڑ کے اسے اپنے قریب کھینچ لیا۔ وہ خوف سے سن ہو گئی۔

"ہم اتنے برے بھی نہیں کہ آپ ہمیں چند لمحوں کی قربت کے قابل بھی نہ سمجھیں۔" صفدر اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اسے اپنے قریب کر چکا تھا۔ صفدر کی گرم سانسیں کومل کو اپنی گردن پہ محسوس ہونے لگیں۔

"چھوڑو مجھے۔" اس نے چلانا چاہا۔ مگر تیز میوزک میں اس کی آواز دب کر رہ گئی۔

"آئی تھنک۔ آپ لوگوں میں انزی فیل نہیں کر پا رہیں۔ چلیں میرے روم میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ ڈانس کے سے انداز میں جھومتا جھامتا اسے بھی زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ کومل اس کے مضبوط بازوؤں میں ایک نازک چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ اس لمحے اس نے دل سے خدا کو یاد کیا تھا۔ صرف خدا سے مدد مانگی تھی۔ اس کی ذات پہ بھروسہ باقی رہا تھا اس کا۔

☆ ☆ ☆

بھابھی نے ساری بات عالیان کو بتادی تھی۔ عالی نے انہیں اطمینان دلا دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کومل کو اس رشتے کے لیے وہ خود راضی کرلے گا۔ بھابھی کو لگا کومل کی تمام تر آزمائشوں کا اللہ نے بہترین صلہ منتخب کیا تھا۔ ——— عالیان سے بڑھ کر کومل کا ہمدرد اور غمگسار کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے ساری بات مظاہر کو بھی بتادی تھی۔ البتہ ام مریم کو بتانے سے دونوں میاں' بیوی نے گریز کیا تھا کہ وہ کومل کو اب بھی شہریار کی منگیتر سمجھتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

مظاہر ہوٹل کی سیکورٹی کے انتظام چیک کرنے اپنے اسسٹنٹ محسن کے پاس آیا تھا۔ جو ٹی وی روم میں ساری مین جگہوں کو بار بار چیک کر رہا تھا۔

"پارٹی کی سیکورٹی کا انتظام تو ٹھیک ہے نا۔" اس نے پوچھا۔

"جی سر بالکل' بیسمنٹ کے دونوں دروازوں' ہال کے چاروں کونوں اور انڈر گراؤنڈ لگژری روم سب کور ہیں۔" اس نے جواب دیا تو مظاہر نے سر ہلا دیا۔ وہ پچھلے پندرہ سالوں سے اس ہوٹل کا مینیجر تھا۔

"یہ کیا تھا۔" اچانک ہی احسن چونکا تھا۔ مظاہر بھی فوراً" متوجہ ہوا تھا۔ احسن نے وہ سین ری وائنڈ موڈ میں دیکھا۔ کوئی سایہ سا تھا۔ مگر گیلری میں روشنی ناکافی ہونے کی وجہ سے صاف نظر نہیں آرہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی آدمی کسی کو زبردستی گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسرا وجود ذرا دیر بعد تھوڑا سا پھڑپھڑا جاتا۔ یہ بیسمنٹ کے لگژری روم تھے۔ بالکل ہال کے ساتھ والے پہلے روم کا دروازہ کھول کے وہ وجود اندر غائب ہو چکا تھا۔

"آئی تھنک ہمیں چیک کرنا چاہیے۔" احسن فوراً" اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔" مظاہر بھی اٹھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"خدا کے لیے مجھے جانے دو۔ تمہاری بھی تو بہن ہوگی' بیٹی ہوگی۔" صفدر نے آتے ہی اسے بیڈ پہ اچھال دیا۔ خود وہ جام پہ جام چڑھائے جا رہا تھا۔ کومل مسلسل سسک رہی تھی۔

"نہ تو بہن ہے' نہ بیٹی' کیونکہ شادی وادی کے جھنجٹ مجھ سے نہیں ہوتے اور اب تم بھی رونا بند کرو۔ ورنہ وہ حشر کروں کہ یاد کرے گی ساری عمر۔"

اس نے موٹی گالی دے کر گلاس فرش پہ دے مارا تھا۔ کومل کانپ رہی تھی۔ وہ بالکل اس کے پاس ہی آکر بیٹھ گیا۔ کومل خود میں سمٹنے لگی۔

"کتنی خوب صورت پیر ہیں تمہارے۔" صفدر نے اس کے پیر تھام لیے تھے۔ کومل اور تیزی سے رونے لگی۔

"ارے روتی کیوں ہو۔ دیکھو تمہیں تو اب کوئی بچا نہیں سکتا' تو اچھا ہوگا کہ ہم دونوں یہ وقت پوری رضامندی سے گزار لیں۔ ایک اچھا' یادگار وقت۔"

اس نے کومل کے نرم گالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کومل نے فوراً" اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"کتیا۔" وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اس نے کومل کے نرم ریشمی بال اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے اور اس کے منہ پر زور کے طمانچے مارنے لگا۔ وہ چیخنے لگی۔ تب ہی کمرے کا لاک کھلنے کی آواز آئی تھی اور مظاہر' احسن اور دو گارڈز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ مظاہر تو شاکڈ رہ گئے تھے۔ کومل بھاگ کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ صفدر ان سب پر چلانے لگا تھا۔ مگر گارڈز نے مار مار کر اس کا حشر کر دیا تھا۔ مظاہر اسے فوراً" گھر لے آئے تھے۔ شہریار نے گھر واپس آکر کافی ہنگامہ کیا تھا۔ مگر اس بار کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ ام مریم نے بھی چپ اوڑھ لی تھی۔ کومل نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی انگوٹھی اس کے منہ پر دے ماری تھی۔ شہریار غصے سے گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بس اس دن سے کومل' کومل نہیں رہی۔ پتھر کی طرح سخت ہو گئی عالی۔ اس پہ نہ تو کوئی جذبہ اثر کرتا ہے۔ نہ اسے کسی کی محبت پہ یقین آتا ہے۔ اسی لیے تو وہ تمہارے sms کا بھی جواب نہیں دیتی۔" کومل گھر پہ نہیں تھی۔ تب ہی بھابھی نے عالی کو گھر پہ بلا کر اس کے مشن کے متعلق پوچھا تھا۔ مگر اس نے ناکامی کا اظہار کر دیا تھا۔ بھابھی نے اسے شاید کومل کے سخت رویے کی وجہ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ عالی مسکرا دیا تھا۔ وہ واقعی کومل کے لیے بہت مخلص تھیں۔

"ڈونٹ وری بھابھی۔ میں بھی اب اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ کومل آج بھی ویسی ہی ہے محبت کرنے والی' دوسروں کی تکلیف پہ تڑپ اٹھنے والی۔ ایک بہت ہی خوب صورت دل رکھنے والی۔ یہ ضرور ہے کہ اس کے دل پہ غلط فہمیوں اور خوف کی کثافت جم گئی ہے۔ جو صرف محبت اور خلوص کی بارش ہی دھو سکتی ہے۔" اس کی خوب صورت آنکھوں میں جذبے جگمگا رہے تھے۔ بھابھی مسکرا دی تھیں۔

☆ ☆ ☆

میسج ٹون پہ اس نے سیل اٹھا کر دیکھا۔ اسی اجنبی نمبر سے پھر ایس ایم ایس آیا تھا۔ اس نے پیغام کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کی آواز ذرا بلند تھی۔ دروازے سے اندر آتی بھابھی رک کر سننے لگیں۔

چلو کوشش تو کرتے ہیں۔۔۔ محبت ہو جائے شاید
ذرا دھڑکن کو اپنی تیز کرنے کی سعی کرلیں

یونہی پلکوں کی چلمن میں ذرا ہلکی نمی بھرلیں
اسی کو سوچتے بیٹھیں کہ جس سے دل لگاتا ہے

اسی پونم کے موسم میں جو ہم سے ملنے آتا ہے
لب و لہجے میں شیرنی' نگاہوں میں خوشی بھرلیں

لبوں پہ رنگ چاہت ہو' دلوں میں جوش الفت ہو
نہ ہم کو دیکھ پائے چاند' وہ پر نور رنگت ہو

ستارے توڑ کے سارے افق سے مانگ میں بھرلیں
گلے شکوے نہیں کرنے' شکایت اب نہیں کرنی

اس نے آنکھیں موند کر تکیے سے ٹیک لگالی تھی۔

"کومل۔" بھابھی نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ دھر دیا۔

"ممّا کی ضد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ آئی تھنک تمہیں جلد فیصلہ کرلینا چاہیے۔ مظاہر بھی یہی کہتے ہیں۔" وہ چلی گئی تھیں اور کومل نے پہلی بار دوبارہ سے اپنا دل ٹٹولنا شروع کردیا تھا۔ اسے لگا اس کا دل واقعی محبت اور خلوص بھری دستک کا منتظر تھا۔ اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کے آنکھیں دوبارہ سے موند لیں۔

☼ ☼ ☼

وہ کسی کام سے مارکیٹ آئی تھی۔ ابھی کومل شاپنگ کرکے باہر نکلی ہی تھی کہ شہریار اچانک ہی اس کے سامنے آگیا تھا۔ کومل پہلے قدرے چونک گئی تھی۔ مگر فوراً" پھر چہرہ موڑ لیا تھا۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے کومل" وہی تیکھا لہجہ۔

"مجھے نہیں کرنی۔" کومل کی تختی سی کہی بات نے شہریار کو حیران کردیا۔

"اوہ تو تم بھی بولنا سیکھ گئی ہو۔" اس نے طنز کیا۔

"تو تم کیا سمجھتے تھے۔ ابھی تک تمہارے ڈر سے کانپتی ہوئی کومل ہی ہوں گی۔" اس کا لہجہ کڑوا تھا۔

"مجھے معاف کردو کومل۔ میں نے تمہاری قدر نہیں کی۔" اس نے فوراً" پینترا بدلا۔ کومل اس کے گرگٹ جیسے بدلتے رنگ دیکھ کر مسکرادی۔

"میں نے تمہیں معاف کیا' بس۔" کومل نے چیونگم چباتے ہوئے کہا۔ دھوپ کی تمازت سے گال سرخ ہورہے تھے۔ ان چند سالوں میں وہ کتنی نکھر گئی تھی۔

"میں نے حوریا سے شادی کرکے بہت بڑی غلطی کی۔ اس نے کبھی مجھے اپنا شوہر تسلیم ہی نہیں کیا۔ وہ صرف مجھے اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے استعمال کرتی رہی۔ اس کی باپ کی ڈیتھ کے بعد اس کی ساری جائیداد اسے تب ہی ملتی جب وہ شادی کرلیتی اور اس کو مجھ سے اچھا بے وقوف ملا ہی نہیں۔ اسی لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ تمہارے لیے واپس آگیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا' تم ابھی تک میرے نام پہ بیٹھی ہو۔ امی نے بتایا مجھے کہ تم نے اچھے سے اچھا رشتہ میری خاطر ٹھکرا دیا۔"

کومل کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ بھابھی نے بالکل سچ کہا تھا۔ ام مریم واقعی صرف ماں تھیں۔ صرف ماں' اس نے شہریار کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہی غرور' وہی طنطنہ' وہ آج بھی اسے اپنی جاگیر سمجھ رہا تھا۔

"تم چھوڑ آئے یا اس نے چھوڑ دیا' مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ہاں مگر آنٹی شاید تمہیں یہ بتانا بھول گئیں کہ میں نے ایک رشتہ پسند کرلیا ہے اور یقین کروگے' یہ میری محبت کی شادی ہوگی۔ اس میں نہ تو میرا کوئی لالچ ہے' نہ خوف' نہ چھت کا آسرا۔ صرف سچی خلوص سے بنی محبت۔" وہ بولی۔

"پلیز کومل ایسے مت کرو۔ میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔" شہریار فوراً" گڑگڑایا تھا۔

"میں اب چلوں گی۔" اس کا غرور قدموں تلے روند کے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ شہریار کہیں پیچھے رہ گیا۔ تب ہی اسے لگا کوئی اس کے ہم قدم ہوا تھا' وہ چونکی۔

"زندگی کے کسی موڑ پہ اگر کوئی بڑے دھڑلے سے آپ کا اعتبار' آپ کا مان توڑ دے تو پتا ہے کیا کرنا چاہیے۔" کومل نے چلتے چلتے ایک نظر عالی پہ ڈالی۔

"اگر زندگی پھر کبھی موقع دے کہ وہی شخص دوبارہ بڑے استحقاق سے آپ پہ اپنا حق جتائے تو اس حق سے فوراً" انکار کردینا چاہیے۔ مگر اگر کوئی پورے خلوص سے آپ سے آپ کے ہم سفر ہونے کی التجا کرے تو اسے ٹھکرانا نہیں چاہیے۔ میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ تیز قدموں سے آگے نکل گیا۔ کومل کھل کے مسکرادی تھی۔

☼ ☼ ☼

کومل نے بھابھی کو عالی کے لیے ہاں کہہ دیا تھا۔ اس

نے مظاہر کو بھی شہریار کو گھر آنے کی اجازت دینے پہ راضی کرلیا تھا۔ عالیان کے گھر والوں نے بہت سادہ سا فنکشن کرکے منگنی کی رسم ادا کرنے کے ساتھ ساتھ نئے سال کے پہلے مہینے میں ہی رخصتی کی تاریخ بھی طے کردی

ام مریم جہاں شہریار کے گھر واپس آجانے سے خوش تھیں' وہیں کومل کی شادی شہریار سے نہ ہونے کا قلق بھی تھا ان کو۔ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی سے وعدہ ایفا نہ کرپائی تھیں اور اس بارے میں سوچ کے اداس ہوجاتی تھیں۔

شہریار نے کومل کو دوبارہ ٹریپ کرنے کی کوشش کی۔ مگر کومل نے اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔

شہریار کے آنے کے بعد سے کومل بھابھی کے ساتھ ان کے کمرے میں سونے لگی۔ جبکہ مظاہر اس کے روم میں سوتے تھے۔ بھابھی بھی سارا ٹائم مظاہر کی ہدایت کے مطابق اس کے ساتھ ہی رہتیں۔ تاکہ شہریار پھر کوئی گڑبڑ نہ کرسکے۔

آج نیو ایر نائٹ تھی۔ وہ اور بھابھی ہمیشہ اس موقع پہ چھت پہ آتش بازی کے مناظر انجوائے کرتی تھیں۔ گیارہ بجے تک کچن کے کاموں سے فارغ ہوکر وہ بھابھی کے ساتھ چھت پہ چلی آئی۔ وہ دونوں ٹائم پاس کرنے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ تب ہی اس کے موبائل پہ بیپ ہوئی۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ اس نے بھابھی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اٹھالو یار' ہوگا کوئی دل بے قرار۔" بھابھی شریر ہوئیں۔

کومل نے دھڑکتے دل سے یس کا بٹن دباتے ہوئے ایر فون کانوں میں اڑس لیا۔ بھابھی اس سے تھوڑا فاصلے پہ چلی گئیں۔

"جی۔۔۔ کون۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"معافی چاہتا ہوں آپ کو اس وقت ڈسٹرب کیا۔" وہ عالیان کی آواز فوراً" پہچان گئی تھی۔ تب ہی مسکرا دی تھی۔ بھابھی شاید کسی دوست کو میسج کررہی تھیں۔

"اٹس اوکے' کہیے۔" وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں چاہتا تھا نیا سال شروع ہوتے وقت آپ میرے ساتھ ہوں۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ وہ جھینپ گئی۔

"اور کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ تو سوچا کیوں نہ تمہیں فون کرکے اپنی یہ خواہش پوری کرلوں۔" وہ ڈائریکٹ آپ سے تم پہ آگیا تھا۔ کومل خاموشی سے سنتی رہی۔ تب ہی کسی بچے نے گلی کے آخری سرے پہ پہلا پٹاخہ چھوڑا تھا۔

"نئے سال میں صرف دو منٹ باقی ہیں کومل۔ نیا سال شروع کرنے سے پہلے تم سے تمہارا ساتھ مانگوں گا۔ پوری محبت اور خلوص بھرا ساتھ۔ کیا تم مجھے اپنا ساتھ دینے کے قابل سمجھتی ہو۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا۔

"مجھے تمہارے منہ سے ایک دفعہ اقرار سننا ہے' پلیز' مجھے یہ اعزاز بخش دو۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"مجھے آپ کا ساتھ دینے اور آپ کا ساتھ ملنے پہ دلی خوشی ہوگی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہر نیا سال میری وفا' میرے خلوص میں ہمیشہ آپ کے لیے اضافہ ہی لائے گا۔ مجھے آپ کا ساتھ دل سے قبول ہے۔"

اس نے اطمینان سے کہہ کر کال ختم کردی تھی۔ نئے سال کا آغاز ہوچکا تھا۔ آسمان رنگ برنگی روشنیوں سے نہانے لگا تھا۔ رات کی تاریکی میں بھی آسمان ـــــ چمکنے لگا تھا۔ بالکل اس کی زندگی کی طرح۔ کومل دل سے مسکرانے لگی۔ اس نے اس بار خدا پہ بھروسہ کیا تھا اور خدا نے بھی اسے مایوس نہیں کیا' بلکہ اس کی زندگی کا دامن خوشیوں اور امیدوں سے بھر دیا تھا۔ نئی محبت' نئی زندگی اور نئے سال کی خوشیوں سے۔

☼ ☼

روبی نورالنساء

یہ اگست کا ایک کڑکتا ہوا دن تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والی دونوں لڑکیاں اپنی گلی کی طرف مڑیں تو وہ بھی سر جھکائے تیز تیز چلنے لگی۔ بڑی گلی کی طرف مڑتے ہوئے اس نے محتاط انداز میں اردگرد نگاہ دوڑائی' کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ایک کوٹھی کی عقبی طرف مڑتے ہی اسے وہ نظر آگیا۔ بڑے سے شیڈ کے نیچے کھڑا وہ اسی کا منتظر تھا۔

"بہت دیر لگادی آج تو۔ میں سمجھا شاید تم آج آئی ہی نہیں ہو۔" اس کے قریب پہنچنے پر وہ بولا۔

"بس کچھ دیر ہوگئی۔" وہ عقبی شیڈ کے نیچے بنے اس تھڑے پر بیٹھ گئی۔

"اوہو' تمہارا چہرہ تو سرخ ہورہا ہے' آج گرمی بھی تو بہت پڑی ہے' لو یہ بوتل پی لو۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا اور خود بھی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر اسے پانی پیتے ہوئے دیکھنے لگا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چپس اور نمکو کے پیکٹس کھولتے ہوئے پھر اسے دیکھا جو خاموشی سے گھونٹ گھونٹ پیتی اب سامنے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا مریم؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟ اتنی چپ چپ کیوں ہو۔" تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے چپس کے پیکٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"میرا دل نہیں کررہا۔" مریم نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو ابرار کو جھٹکا لگا۔ وہ تو نمکو اور چپس کی رسیا تھی۔ اس کے لیے وہ نمکو اور چپس کے پیکٹس روز لایا کرتا تھا۔ دونوں مل کر باتیں کرتے ہوئے کھایا کرتے تھے۔

"مریم! میری طرف دیکھو اور بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟" ابرار نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کچھ خاص نہیں بس وہ۔" مریم نے ہچکچاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ہمارے اسکول سے تین لڑکیاں غائب ہوگئی ہیں۔"

"لو کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا' لڑکیاں غائب ہوگئیں تو انہوں نے سلیمانی ٹوپیاں پہن رکھی ہوں گی۔ اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے؟" ابرار کے چہرے سے سنجیدگی بھاپ بن کر اڑ گئی۔

"اور میں سمجھا پتا نہیں کیا بات ہوگئی ہے کہ ہماری رانی کا چہرہ سوجا ہوا ہے۔" ابرار نے چپس کا ایک پیکٹ کھولتے ہوئے کہا۔

"اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ رات کو میسج کیوں نہیں کیا تھا۔ میں کافی دیر تک انتظار کرتا رہا تھا۔" ابرار نے سر جھٹکتے ہوئے کہا اور چپس کا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ وہ اب بھی خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ پانی کی بوتل ابھی تک اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور چہرے پر گمبھیر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ ابرار نے طویل سانس لی۔ ہاتھ میں پکڑے چپس کو سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر اس کے مقابل پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"وہ تینوں دوستیں تھیں۔ روزانہ ساتھ ہی آیا کرتی تھیں۔ کل وہ معمول کے مطابق گھر سے اسکول آئیں اور پھر واپس نہیں گئیں۔ تینوں کے گھر سے قیمتی زیور غائب تھے۔ ان میں سے ایک کی ماں کو باپ نے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ دوسری کے باپ پر اٹیک ہوا۔ وہ ابھی تک آئی سی یو میں ہے اور تیسری۔" وہ مدھم لہجے میں کہتے کہتے رکی۔

"اس کی ماں روتی گڑگڑاتی ہوئی اسکول میں آئی تھی۔ ٹیچرز کے پیروں میں گر کر روتے ہوئے ان سے بیٹی مانگ رہی تھی۔ ہر آنکھ میں حقارت تھی۔ ابرار! لوگ استغفار پڑھ رہے تھے۔" آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں پر پھسل گئے۔

"تم مجھے وہ بات بتاؤ مریم جس نے تمہیں پریشان کیا ہے؟" ابرار نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کل شام کو ثمین آنٹی آئی تھیں۔ وہ چھ ماہ تک شادی کرنا چاہ رہی ہیں' بلکہ اس سے بھی پہلے انہوں نے شادی کی تیاریاں شروع کردی ہیں اور امی ابو سے بھی کہا ہے کہ وہ تیار رہیں اور ابو نے۔ ابو نے رضامندی دے دی ہے۔" مریم نے دوپٹے سے گالوں

کو رگڑتے ہوئے اسے دیکھا۔

"مریم! میں تمہارے ساتھ ہوں اور قیامت تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تمہاری شادی صرف مجھ سے ہوگی چاہے، جس بھی طریقے سے ہو' یہ طے ہے۔ تم ذرا بھی پریشان نہ ہو۔ چھ ماہ تو بڑا طویل عرصہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی نہ کوئی راہ سوجھ جائے گی۔ بہرحال میں نے تم کہہ دیا ہے' تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میں ہوں نا۔" ابرار نے کہتے کہتے آخر میں شرارتی انداز میں کہا تو مریم کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اسی لیے تم نے رات کو میسج نہیں کیا تھا؟" ابرار نے پوچھا تو مریم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چپس کا پیکٹ اٹھالیا۔

☼ ☼ ☼

چائے کی کیتلی چولہے پر چڑھاتے ہوئے اس نے کیبنٹ کھول کر سر درد کی گولیاں تلاش کرنا شروع کیں۔ صبح سے اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اسی لیے اسکول سے چھٹی کرلی۔ دوسرے کیبنٹ میں جھانکتے ہوئے اسے گولیاں نظر آہی گئیں۔ پانی کے ساتھ گولی نگل کر اس نے کھولتے ہوئے پانی میں پتی ڈالی۔ باہر سے امی کی باتوں کی آواز آرہی تھی۔ غالباً" کوئی پڑوسی عورت ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ چائے کو کپ میں نکال کر اس نے سیڑھیوں کا رخ کیا ہی تھا کہ ٹھٹک گئی۔ امی کے پاس کوئی پڑوسی عورت نہیں' بلکہ ثمینہ خالہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم خالہ!" دل میں ناگواری کی ابھرتی لہر کو دباتے اس نے انہیں سلام کیا۔ جس کا جواب سر ہلا کر دیتے ہوئے انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔

"حکیم بیگم کی نند ارے وہی جس کے خاوند نے سارے خاندان والوں سے کٹ کر اس کو الگ گھر میں رکھا تھا۔ اس کی بیٹی کالج جایا کرتی تھی' جس وین پر جایا کرتی تھی اسی کے ڈرائیور سے کوئی چکر چلایا ہوگا۔ نرگس بتا رہی تھی کہ بھائی چھوٹا تھا پر کچھ شک پڑ گیا ہوگا۔ اسی لیے زور زبردستی بہن کی پڑھائی بند کروادی۔ بس ایک رات گھر والوں کو نیند کی گولیاں کھلائیں اور لڑکی غائب۔ ماں کے کچھ پیسے اس کے پاس پڑے تھے۔ کسی کی امانت تھی۔ کچھ زیور تھا۔ سب کچھ سمیٹ سمٹا کر ساتھ لے گئی۔ باپ تو پاگل ہوگیا۔ اندرون خانے بڑا تلاش کیا۔ وین والا دو دوستوں کے ساتھ اسے کہیں لے گیا تھا۔ بمشکل ادھر ادھر سے پوچھتے وین والے کے گھر تک پہنچے' شک تھا کہ یہی لڑکا اس میں ملوث نہ ہو۔ اس کے باپ نے منتیں ترلے کیے۔ بالآخر چند روز بعد وہ لڑکا اسے گھر کے سامنے چھوڑ گیا۔" ثمینہ خالہ تفصیل سے کوئی واقعہ سنا رہی تھیں' وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔

"اللہ توبہ' کیا قیامت سی قیامت ہے۔ اس باپ نے پھر بیٹی کو گھر میں آنے دیا؟ اسے تو اسی وقت گولی مار دینی چاہیے تھی؟" امی تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"نہ پوچھو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے وہ لوگ۔ باپ نے تو گھر سے نکلنا چھوڑ دیا ہے' بڑی بیاہی ہوئی بیٹی طلاق کا داغ لے کر میکے آبیٹھی ہے۔ ساری دنیا تھو' تھو کر رہی ہے اور چلتر پن دیکھو ان کا آرام سے بیٹی کو گھر لے آئے ہیں۔" ثمینہ خالہ کے لہجے میں نفرت اور حقارت تھی۔

"جیسی ماں' ویسی بیٹی' خود اس عمر میں بھی چھمک چھلو بن کر گھومتی ہے۔ سچ ہے تربیت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ تمہارے بھائی نے تو ہمیں سختی سے منع کیا ہے کہ اس گلی سے گزرنا بھی نہیں آئی کی ہوائی زیادہ ہوتی ہے۔" ثمینہ آنٹی کہہ رہی تھیں۔

"ارے تم ابھی یہیں کھڑی ہو' جاؤ خالہ کے لیے چائے بنا کر لاؤ۔" امی کی نگاہ اس کے ساکت وجود پر پڑی تو اسے گھر کا۔ کچن میں آکر اس نے ہاتھ میں پکڑا کپ سلیب پر رکھ دیا۔ چائے کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پانی چولہے پر چڑھاتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو دبایا۔ سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

موسم بے حد خوش گوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں بارش کی خوش خبری دے رہی تھیں۔ اس نے کھلے بالوں کو کیچر میں سمیٹا اور ذرا سا جھانک کر صحن میں دیکھا۔ امی صحن میں پڑی چارپائی گھسیٹ کر برآمدے میں لا رہی تھیں۔ بارش کا امکان تھا۔ انعم سائیکل پر بیٹھی چلا چلا کر حذیفہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ارم جامن کے درخت کے نیچے بکھری بکس اکٹھی کر رہی تھی۔ اسی درخت کے نیچے چٹائی بچھا کر وہ سب بہن بھائی ہوم ورک کرتے تھے۔ ایک چور نظر طلحہ بھائی کے بند کمرے پر ڈالی اور ہاتھ میں دبے سیل فون کو دیکھا۔ ذرا سا آگے دیوار کی آڑ میں ہوتے ہوئے اس نے ابرار کے موبائل پر میسج بھیجا۔ جس کا جواب فوراً" آگیا تھا۔

تیری خوشبو نہیں ملتی' تیرا لہجہ نہیں ملتا
ہمیں تو شہر میں کوئی تیرے جیسا نہیں ملتا

ایک خوب صورت سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔ بارش شروع ہوگئی تھی۔ پھرتی سے میسج ڈیلیٹ کرکے اس نے برآمدے میں پڑے تخت پر موبائل رکھا۔

"مریم نیچے آؤ۔ پکوڑے بناؤ۔" نیچے سے انعم آوازیں دے رہی تھی۔ بارش میں تیزی آگئی تھی۔ طلحہ بھائی بھی کمرے سے باہر نکل آئے۔ چھت پر موجود دو کمروں میں سے ایک طلحہ بھائی کا تھا۔ دوسرے میں وہ بہنیں ہوتی تھیں۔ سامنے چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے ذرا سا چہرہ اوپر اٹھا کر بارش کے قطروں کو چہرے پر گرنے دیا۔ پھر ابرار کو سوچتی ہوئی کچن میں چلی آئی۔

وہ نویں میں تھی جب اس نے راستے میں کھڑے ابرار کو دیکھا تھا۔ وہ نا صرف روز اس کی راہ میں کھڑا ہوتا تھا' بلکہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے گھر کی گلی تک آتا تھا۔ ان دنوں وہ بہت پریشان تھی۔ اس کے ساتھ میں آنے والی دونوں لڑکیاں اس کے گھر سے دو گلی کے فاصلے پر رہتی تھی۔ اس دن جیسے ہی وہ لڑکیاں اپنی گلی کی طرف مڑیں وہ دوسری طرف آئی ہی تھی کہ اس کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔

"ارے ارے پلیز ریلیکس۔" کسی نے کتے کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا جو اچانک مریم پر جھپٹا تھا۔ مریم تھر تھر کانپتی کتنی دیر حواسوں میں نہ آئی۔ کتے کو سامنے والے گھر میں دھکیل کے دروازہ بند کرتے ہوئے وہ اس کی طرف پلٹا۔ وہ ابرار تھا اور یہ ان کی پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ پھر غیر محسوس سے انداز میں دونوں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ابرار تو پہلے ہی اس کا تعاقب کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ دونوں کے درمیان دوستی ہونے لگی اور پھر پتا ہی نہیں چلا کب وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوگئے۔ بعد میں ابرار نے اسے بتایا تھا کہ اس دن کتے کو اس نے جان بوجھ کر مریم پر چھوڑا تھا۔

"یار تم اتنی کٹھور تھیں۔ میں روز گھنٹوں دھوپ میں کھڑا ہو کر تمہارا انتظار کرتا اور تم ایک نگاہ ڈالنے کی بھی زحمت نہیں کرتیں۔ میں کیا کرتا تمہیں متوجہ کرنے کے لیے میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔" وہ بے چارگی سے کہتا تو مریم ہنس پڑتی۔ ابرار سے ملنے سے پہلے ہی وہ انگیجڈ ہو چکی تھی اور یہ بات اسے بہت پریشان کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں اسی مخصوص تھڑے پر بیٹھے تھے۔

"تمہارا مطلب ہے ایک ماہ بعد شادی کی ڈیٹ فکس کردی گئی ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے مریم؟" ابرار نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو دونوں انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے خود بھی پریشان سی بیٹھی تھی۔

"اس کے ماموں کا اچانک ویزا لگ گیا ہے کویت کا اور وہ اکلوتے بھانجے کی شادی میں شرکت کرکے جانا چاہتے ہیں۔ میں... میں خود بہت پریشان ہوں ابرار! ابھی تو ایگزام بھی نہیں دیے۔ نہ میری تیاری ہے ایگزام کی۔ بس ایک دم سے یہ سب..." وہ سسک

اٹھی۔

"مجھے امی کو تمہاری طرف بھیجنا ہوگا مریم! بس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ تم کہو تو میں خود تمہارے ابو سے ملتا ہوں۔" ابرار نے حتمی انداز میں کہا۔

"پاگل تو نہیں ہوگئے ابرار؟ میرے گھر والے مجھے مار دیں گے۔ شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے اور تم اماں کو بھیجنا چاہتے ہو؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ابرار کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"پھر ہمارے پاس ایک ہی راستہ ہے مریم' ہم دونوں بھاگ جائیں کسی اور نگر میں جا کر محبتوں سے بھرا اپنا ایک گھر بنائیں۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے اور نہ اب یہ شادی رک سکتی ہے۔ ہمارے پاس یہ آخری راستہ ہے مریم!" وہ ساکت سی اسے دیکھتی رہی۔

"نہیں' نہیں ابرار میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"میرے بغیر رہ لوگی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر مان لو مریم میں تم سے وعدہ کرتا ہوں' تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔ اگر میں اماں کو راضی کر بھی لوں تو تمہارے گھر والے نہیں مانیں گے اور پھر اماں بھی اعتراض کریں گی۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں ابھی گھر بیٹھی ہیں اور میں ان سے پہلے شادی کرلوں؟ اماں کبھی نہیں راضی ہوں گی مریم" ابرار نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ کچھ دیر تک وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔ پھر مریم کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ وہ اس شخص کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے دل میں ابھرنے والا پہلا نقش ہی ابرار کا تھا۔ اس نے نہ اپنے منگیتر کو دیکھا تھا' نہ اسے جانتی تھی' سوائے نام کے' ببلو نام تھا اس کے منگیتر کا۔ اس سے اگلے کئی دن تک ابرار اسے مختلف دلائل سے قائل کرتا رہا۔ گھر میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جس میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کسی نے زیادہ دھیان نہ دیا۔ پھر شادی کے دن بہت قریب آگئے۔ اس نے ابرار کے اصرار پر سر جھکا دیا غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی قیمتی چیزیں ایک جگہ رکھنا شروع کردیں اور پھر دونوں میں ایک مقررہ وقت طے ہوگیا۔ گھر والے اپنے جوش و خروش میں مگن تھے۔ یہ خاندان کی پہلی شادی تھی۔ اس لیے سب بھرپور طریقے سے اسے انجوائے کرنا چاہتے تھے۔ مہمانوں کی لسٹوں کا از سر نو جائزہ لیا جارہا تھا' کسے بلانا ہے اور کس کو نہیں بلانا۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کیا قیامت ان پر آنے والی ہے۔

☼ ☼ ☼

"گھر سے بھاگ جانے والی لڑکیوں کو نہ مذہب پناہ دیتا ہے اور نہ معاشرہ۔ معاشرہ کبھی بھی انہیں قبول نہیں کرتا۔ کبھی بھی ان کی عزت نہیں کرتا۔ سب سے پہلے مذہب پر بات کرتے ہیں۔ مذہب تنہائی میں غیر مرد سے ملنے سے منع کرتا ہے۔ نگاہیں جھکانے کی تلقین کرتا ہے۔ ایسی سرگرمیوں کی مذمت کرتا ہے جس سے عورتیں اور مرد گھل مل سکیں۔ عورت کو غیر مرد سے گفتگو کے آداب سکھاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟" پروگرام کی میزبان سر ہلا' ہلا کر کہہ رہی تھی' معلوم نہیں کون سا چینل تھا دوسرے چینلز کو سرچ کرتے کرتے طلحہ بھائی کی انگلی اس چینل پر رک گئی۔ سر پر اسکارف اوڑھے لڑکی بڑے متاثر کن انداز میں کہہ رہی تھی اس کے ساتھ دو باریش بزرگ بھی بیٹھے تھے۔ یقیناً" کوئی مذہبی پروگرام تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"اور سب سے بڑی بات' جس مرد کے لیے عورت اتنا بڑا قدم اٹھاتی ہے۔ وہی اس سے اکتا جاتا ہے۔ اس پر اعتبار نہیں کرتا۔ مختلف پابندیاں عائد کرتا ہے' بات بات پر طعنے دیتا ہے کہ دو دن کی محبت پر ماں' باپ کی برسوں کی محبت و شفقت کو داؤ پر لگانے والی کل مجھے بھی کسی اور کے لیے چھوڑ کے جا سکتی ہے۔" میزبان کہہ رہی تھی ایک سناٹا تھا جو مریم کے چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ رات کھانے کے بعد سب معمول کے

مطابق ٹی وی لاؤنج میں اکٹھے ہوئے تھے۔ امی اور انعم کسی ڈریس پر بحث کر رہی تھیں' اور ابو صبح کے اخبار پر سرسری سی نگاہ دوڑاتے وقفے وقفے سے ٹی وی کی اسکرین کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ وہ دل نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ تنہا کمرے میں [illegible] اسے عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔

"ساری زندگی اس کے ماں' باپ کسی سے نگاہیں ملا کر بات نہیں کر سکتے۔ ٹھیک ہے اگر آپ کو کوئی پسند ہے تو والدین سے بات کریں۔ والدین کو بھی یہ چاہیے کہ اولاد کی مرضی کے بغیر ان کی شادی نہ کریں۔" سفید داڑھی والے بزرگ نرم لہجے میں کہہ رہے تھے۔ امی نے گفتگو سے ذرا سا دھیان ہٹا کر اسکرین کی طرف دیکھا اور فوراً" استغفار پڑھتی ہوئی دوبارہ انعم کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد طلحہ بھائی نے چینل بدل دیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کس طرح کمرے میں آئی' وہ نہیں جانتی تھی۔ آوازوں کا ایک ہجوم اسے گھیرے ہوئے تھا۔ چہرے ابھر اور ڈوب رہے تھے۔ اسے ماں کی آنکھوں کی حقارت یاد آئی۔ جب وہ ایسی ہی کسی لڑکی کا ذکر کر رہی تھیں۔ انعم اس کی بے حد ایکٹیو اور پرجوش بہن ابھی نویں میں تھی۔ کیا بہن کے اس اقدام پر تعلیم مکمل کر سکے گی؟ کیا اتنے ہی اعتماد بھرے انداز میں دنیا کا سامنا کر سکے گی؟ اسے حذیفہ کا شرارتی انداز یاد آیا اور' اور اسے پہلی بار والدین کا خیال آیا تھا۔ وہ لوگوں کے تمسخر و استہزا کا سامنا کیسے کریں گے؟ بہت دیر بعد انعم کمرے میں آئی تو اسے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"آپی آپ کمال کرتی ہیں' میں نے کب سے ابٹن بھگو کر رکھا ہوا ہے' آپ سے کہا بھی تھا آج ضرور لگانا ہے۔ آپ نے ابھی تک نہیں لگایا؟" وہ خفگی سے کہتی ہوئی ٹیبل پر پڑے ابٹن کو اٹھا کر اس کی طرف آئی۔

"چلیں اٹھیں میں لگا دوں' آپ کو تو کوئی پروا نہیں ہے۔"

"میرے سر میں درد ہے انعم' مجھے ایسے ہی چھوڑ دو۔" مریم نے سخت لہجے میں کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"او کے۔ اگر آپ کا ابھی موڈ نہیں ہے تو صبح لگا لیجیے گا۔ ویسے ایک بات پوچھوں آپی؟ آپ اتنی چپ چپ کیوں ہوتی جارہی ہیں۔ کل ممانی بھی امی سے کہہ رہی تھیں کہ مریم کو کیا ہوا؟" ابٹن کے پیالے کو دوبارہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے انعم نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھے سونے دو انعم!" اس بار مریم کے لہجے میں پہلے جیسی سختی نہیں تھی۔ انعم کندھے اچکا کر باہر نکل گئی۔ پھر وہ واپس کمرے میں کب آئی وہ نہیں جانتی تھی۔ اس کی کشتی کسی سمندری طوفان میں پھنس گئی تھی۔ رات لمحہ بہ لمحہ رینگتی رہی۔ رات گہری ہوتے ہی اسے چپکے سے سامان اٹھا کر سیڑھیاں اتر کر آہستگی

سے گیٹ کھول کر باہر جاتا تھا۔ گلی کے نکڑ پر ابرار اپنے دوست کی گاڑی کے ساتھ اس کا منتظر ہوتا اور پھر اس کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا۔ رات گہری سے گہری ہوتی گئی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر سپاٹ نظروں سے چھت کو گھورتی رہی۔ نیم ملگجے اندھیرے میں بہت سے چہرے بننے اور بگڑنے لگے۔ ارم کو اندھیرے میں نیند نہیں آتی تھی۔ اس لیے زیرو پاور کا بلب جلتا رہتا تھا۔ اس کے اندر ایک جنگ چھڑی تھی۔ دل باہر نکلنے پر اکسا رہا تھا۔ اس کا مجنوں اتنی سردی میں گلی کے نکڑ پر کھڑا اس کا منتظر تھا اور دماغ اسے زنجیروں میں جکڑ رہا تھا۔ پھر بہت دور کہیں صبح کی اذان سنائی دی۔ اس کا گڑگڑاتا ہوا دل آخری ہچکی لے کر چپ ہو گیا۔ کشتی کنارے جا لگی تھی۔ کب سے رکے اس کے آنسو بہہ نکلے اور اس نے انہیں بہنے دیا تھا۔ آج اس کے وجود کا ایک حصہ کھو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اسے بیڈ پر بٹھا کر وہ سب کمرے سے نکل گئی تھیں۔ دور سے ڈھولک بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاید کوئی تماشا لگا ہوا تھا یا کچھ رسمیں رہتی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس کی دیورانی اندر آئی۔

"تمہیں کھانے کے لیے کچھ لا دوں؟ اف اتنی تھکا دینے والی رسمیں ہوتی ہیں شادی کی۔ خیر تم ذرا ریلیکس ہو جاؤ، میں کھانا لے کر آتی ہوں۔ ویسے رجی کے آنے میں کچھ ٹائم ہے ابھی؟" آخر میں اس نے شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا اور جھپاک سے باہر نکل گئی۔ اس نے تکیے سے ٹیک لگائی۔ بے اختیار ایک کراہ اس کے منہ سے نکل گئی۔ کب سے ایک ہی حالت میں بیٹھے بیٹھے جسم سن ہو رہا تھا۔ بہت دیر بعد اسے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کے پاس جمی محفل کو ابھی بھابھی نے ہی زبردستی اٹھایا تھا۔ کوئی بیڈ کے قریب آیا اور رک گیا۔

"مریم۔" وہ ساکت رہ گئی۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا اور پھر ہل نہ سکی۔ ابرار اب بیڈ پر بیٹھ رہا تھا۔

"تم سچ مچ میرے لیے مریم ثابت ہوئی ہو۔ اگر اس رات تم گھر سے نکل آتیں مریم تو میں تمہیں کبھی نہ اپناتا۔" اس کی ساکت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"میں تمہیں پرکھنا چاہتا تھا۔ منگنی پر تمہاری تصویر تو دیکھ لی تھی، لیکن تمہاری عادات کیسی ہیں؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ بھابھی نے ہی اس سلسلے میں میری مدد کی۔ تمہارے آنے جانے کے ٹائم کا بتایا اور یوں میں تمہارے راستے میں کھڑا ہو گیا۔ میں چاہتا تو بھابھی کے ذریعے تم سے فون پر بات کرتا، لیکن میں خود یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کتنے مضبوط کردار کی لڑکی ہو؟" "ابتدا میں مجھے کچھ مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور پھر پتا ہی نہیں چلا کہ میں کب تم سے محبت کا شکار ہو گیا تھا۔" وہ اس کے برف کی طرح سرد ہاتھوں کو تھام کر کہہ رہا تھا اور مریم پلکیں جھپکائے بغیر اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ جسے وہ دیوتا بنائے ہوئے تھی۔ ابرار یا ببلو۔ ہاں اس نے نکاح کے وقت اور اس سے پہلے بھی ابرار کا نام سن رکھا تھا۔ لیکن یہ نام تو عام تھا۔

"میں اس رات کسی دوست کی گاڑی لے کر آیا تھا۔ اگر تم آ جاتیں تو ہمیشہ کے لیے میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال دیتا۔ لیکن تم..... تم بہت عظیم ہو مریم۔ تم نے مجھ سے اتنی شدید محبت کے باوجود یہ قدم نہ اٹھا کر میرے ٹوٹتے ہوئے اعتبار کو بحال کیا ہے۔ میں آج بہت خوش ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں مریم، میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا۔" وہ نرمی سے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ پتھر ہوئی آنکھوں سے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس چہرے کو جس نے اپنے دل کی تسکین کے لیے اس کی روح تک کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ اپنی ہستی کو زیرو ہوتے دیکھ رہی تھی۔ وہ مریم کو مرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼

وہ گھٹنوں میں سر دیے بے پناہ سراسیمگی اور خوف آنکھوں میں لیے شدت سے رو رہی تھی۔

اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ نجانے کتنا وقت بیتا تھا۔ اس عقوبت خانے میں بند وہ رات دن کا تصور تک بھولے ہوئے تھی۔ اسے بیتے لمحوں اور گزرتے وقت کو یاد کرنے پر یوں لگ رہا تھا کہ گویا صدیاں بیت گئی ہیں۔

"یا اللہ......" ہاتھ کی پشت سے چہرہ صاف کرتے وہ

مکمل ناول

میٹرس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نجانے وہ کہاں تھی اور وہ ادھر کیوں لائی گئی تھی۔ اس اندھیرے کمرے میں واحد ٹیوب تھی جو روشن تھی زمین پر بچھا ایک میٹرس تکیہ اور چادر کے علاوہ کمرے کے کونے میں لکڑی کی چھوٹی سی ٹیبل پر ایک جگ اور گلاس تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں ہی اٹیچڈ باتھ روم تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکی تو ایک طرف ایک چھوٹا سا روزن تک نہ تھا۔

شروع میں تو وہ بے ہوش سی سوتی جاگتی کیفیت میں بے خبر ہی رہی تھی کہ وہ کہاں ہے اور کیوں ہے اور اب اسے ہوش میں آئے بھی کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس نے ایک دفعہ پھر ہاتھ میں بندھی گھڑی دیکھی مگر وہاں وہیں خوفناک حقیقت درج تھی۔ دس تاریخ اور رات ایک کا ٹائم درج تھا اور جب وہ گھر سے ہاسپٹل کے لیے نکلی تھی تو آٹھ تاریخ اور آٹھ بجے کا وقت تھا۔ یعنی یہاں آئے اس کی آج دوسری رات تھی۔

رونا دھونا ترک کیے وہ ایک بار پھر دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے کوئی ہے؟...... مجھے یہاں سے نکالو پلیز...... مجھے نکالو...... ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ میں مرجاؤں گی۔"

ہوش میں آنے کے بعد وہ یہ عمل کئی بار دوہرا چکی تھی گر اب کی بار اسے اپنے ہاتھ شل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ جسم میں طاقت ختم ہوتی لگ رہی تھی وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی ناکام ٹھہری تھی۔

دروازے کے دوسری طرف اس کی آواز سن کر بھی جواب کوئی نہ تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ پیشانی ٹکا کر سسک اٹھی تھی۔

اسے رہ رہ کر اپنی ماں بیمار باپ معصوم بہن اور بھائیوں کے چہرے یاد آ رہے تھے۔ نجانے ان لوگوں کا کیا حال تھا۔ پتا نہیں انہیں کسی نے بتایا بھی تھا کہ نہیں...... ایک بار پھر اس نے گھٹنوں میں سر دے لیا تھا۔ نجانے کتنا وقت بیتا تھا کہ اس کی حسیات ایک دم الرٹ ہوئی تھیں۔

"ٹک...... ٹک۔"

اسے دور سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی اپنے بھاری جوتوں تلے زینے طے کرتا اسی کی طرف آ رہا ہے۔ وہ ایک دم سیدھی ہوتے میٹرس پر آ بیٹھی تھی۔

آنے والا پتا نہیں کون تھا؟ اس کے کیا مقاصد تھے اسے یہاں کیوں لایا گیا تھا؟ قدموں کی چاپ قریب آ کر رک گئی تھی اور پھر چند منٹ بعد کلک کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

وہ جو دم سادھے بھیگے چہرے سمیت پوری جان سے دروازے پر نظریں گاڑے ہوئے تھی وہ اندر آنے والے وجود کو دیکھ کر بت کی مانند ساکت ہو گئی تھی۔ وہ جو نجانے اب تک کیا کچھ سوچ چکی تھی ــــ آنے والے کو دیکھ کر کئی لمحے تک اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔

وہ شخص دروازہ بند کر کے آگے بڑھا اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم ـــ؟" لفظ اس کے ہونٹوں سے کیا نکلے گویا سکتہ ٹوٹ گیا تھا۔

"ہاں میں ـــ کیوں یقین نہیں آ رہا ـــ دیکھ لو تم نے ایک چال چلی میں نے پانسہ ہی پلٹ دیا ـــ تم خود کو عقل کل سمجھتی تھیں کیا؟" وہ شخص نہایت نفرت سے مخاطب تھا۔ لہجہ انتہائی زہریلا اور غصیلا تھا۔ وہ ایک دم خوفزدہ سی دکھنے لگی۔

"تم نے سمجھا ہو گا کہ ہو گا ایک احمق بے وقوف انسان ـــ مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ ـــــ جب بات عزت و غیرت اور کردار پر آجائے تو پھر ہم کچھ بھی کر گزرتے ہیں ـــ پھر نفع و نقصان کی پروا نہیں کرتے ـــ اور تم نے میرے کردار پر ہی وار نہیں کیا بلکہ میری غیرت سے بھی کھیلی ہو۔" وہ بول نہیں رہا تھا نفرت سے پھنکار رہا تھا۔ ربدا کو اپنا وجود برف کی سل میں ڈھلتا محسوس ہو رہا تھا۔

"م ـــ مم ـــ مجھے کیوں لائے ہو؟ میں نے کیا کیا ہے بھلا۔" خوف سے زرد پڑتے اس نے مزید لب کشائی کی تھی اور سامنے والا شخص اس کی اس درجہ لاعلمی پر گویا آتش فشاں کی طرح پھٹا تھا۔

"شٹ اپ ـــ" ایک دم آگے بڑھ کر اس نے ربدا کا بازو تھام لیا ـــ وہ جو پہلے ہی خوف سے بے حال تھی اس کے اس قدر سنگین لہجے اور حملے پر گویا مردہ ہو گئی۔

"تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے ربدا ای بی ... ذلت آمیز سلوک پر ـــ یہی سوال پوچھنے کے ... میں نے بھی تمہیں اٹھوایا ہے کہ میں نے کیا ... تمہارا ـــ کیوں زہر گھولا تم نے میری ہستی ... میں؟ ـــ کیوں کیا تم نے ـــ بتاؤ کیوں کیا۔" ... پن کا مظاہرہ کرتے اس کا بازو پکڑ کر وہ اس ... کہ ربدا کو اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا ... محسوس ہوا۔

"تم میری پستی، میری ذلت، میری رسوائی اور ... کا سبب ہو۔ جی چاہ رہا ہے کہ تنکوں کی طرح بکھیر ... تمہیں ـــ تمہارے کہے ہر لفظ کو سچ ثابت کر دوں ... سچ۔" اس کی دونوں کلائیوں پر اس کی گرفت اس ... سخت تھی کہ ربدا ہول سی گئی۔

وہ ایک طاقت ور توانا اور مضبوط شخص تھا اور ... دن سے بھوکی خوفزدہ بے بس و لاچار ایک کمزور سی ... تھی۔ نجانے وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس کا ذہن بالکل ... ہو رہا تھا۔

"پچھلے تین ماہ سے میں مسلسل انتقام کی آگ ... جھلسا ہوں۔ میرا اعتماد، میری محبت میرے رشتے ... یقین اور بھرم سب کچھ تمہاری سلگائی گئی آگ کی ... ہو گیا ـــ میں نے موت سے پہلے قیامت کی ... برداشت کی ـــ میں نے بڑا خود کو روکا مگر ساری ... نے مجھے وحشی بنا ڈالا ہے۔ کیوں کیا تم نے میر ... ساتھ ایسا مکار عورت بتاؤ۔" ایک بھرپور تھپڑ ... اس کے چہرے پر نہ صرف نشان ثبت ہوئے ... وہ لہرا کر دوبارہ میٹرس پر جا گری تھی۔

"بتاؤ ـــ ورنہ آج مجھے شیطان کا روپ دھا ... سے کوئی نہیں روک سکتا ـــ بتاؤ ـــ کیوں لکھے وہ تمام خطوط اور کیوں بھیجیں وہ تصاویر ـــ" وہ اس ... نزدیک آکر حلق کے بل چیختے پوچھ رہا تھا ... ربدا کو لگا آنکھوں کے سامنے چھایا اندھیرا اب ... اسے نگلنے والا ہے۔ اسے اپنا سر چکراتا محسوس ہو ...

"بولو ـــ" اس کے پاس ہی میٹرس پر گرتے ... نے اس کا بازو پھر اپنی آہنی گرفت میں لے لیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا ـــ میں تو تمہیں جانتی بھی نہیں ... چھوڑ دو مجھے ـــ" اپنے چکراتے سر پر دوسرا ہاتھ ... سکی تھی مگر مقابل شخص کے دل میں اس ... کے لیے ذرا بھی رحم نہ تھا۔ بے پناہ نفرت سے اس کو ... مضبوط فولادی گرفت میں سمیٹ لیا اور اس پل ... لگا اس کی تمام قوت مدافعت بس آخری ہچکی ...

"تم نے ابھی میری نفرت اور میرا انتقام نہیں ... دیکھا۔ تم ایسے نہیں مانو گی جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ... ہے ـــ میں تو ابھی تک حیرت زدہ ہوں کہ میری تم ... سے بھلا کیا دشمنی تھی؟ کیا لینا دینا تھا؟ جو تم نے وہ گھٹیا ... کھیل کھیلا ـــ میرے تمام رشتے مجھ سے چھین لیے ... نے ـــ بتاؤ کیوں کیا یا کس کے کہنے پر وہ خطوط اور ... تصاویر بھیجیں؟ ـــ بتاؤ کیا مقصد تھا تمہارا۔" ربدا کو ... سانس رکتا محسوس ہوا ـــ وحشت و خوف سے ... آنکھیں پھٹ پڑی تھیں۔

"یا اللہ ـــ یقیناً" یہ شخص ہوش میں نہ تھا۔ ... نجانے کیا کہنا چاہتا تھا۔ اس کے حواس مکمل طور پر اس ... کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

"مجھے چھوڑ دو ـــ" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر ... صرف اس کے لب ہلے تھے اور پھر اطراف میں مکمل ... اندھیرا چھا گیا تھا۔

"... فٹ ـــ آئی ڈیم اٹ۔" اس شخص نے ربدا ... کے بے ہوش وجود کو انتہائی نفرت سے دیکھ کر جھنجوڑا ... مگر اس کے وجود میں حرکت تک نہ ہوئی تو اس نے ... نفرت سے اسے میٹرس پر پھینک دیا تھا۔

"آخر کب تک تم میرے قہر سے بچو گی ـــ ... تمہارے کہے تمام لفظوں کو اب سچا کرنا ہی میرا مقصد ... ہے۔" ایک حقارت بھری نظر اس کے ساکت و ... صامت وجود پر ڈال کر وہ شخص اپنے مضبوط قدموں کی ... دھمک اس کمرے میں چھوڑتے دروازہ کھول کر باہر ... نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

... اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"آجاؤ ـــ" بخش دین اندر چلا آیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کی۔ بخش دین تہ خانے کی نگرانی پر مامور تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر چونک گیا۔

"ہاں بخش دین ہوش آگیا اس لڑکی کو۔"

"جی صاحب مگر اس کی حالت بہت خراب ہے ـــ کھانے کو مانگ رہی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا بازل خان نے نفرت سے ہونٹ سکیڑے۔

"تو پھر کیا کیا تم نے؟"

"آپ کے حکم کے بغیر بھلا کچھ کر سکتا ہوں۔" وہ مودب کھڑا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تو ٹھیک ہے اسے کچھ کھانے کو دو ـــ اور ہاں اس کے گھر والوں پر ـــــ نظر رکھنے کو کہا تھا اس کا کیا بنا کچھ معلومات حاصل ہوئیں؟"

"رفیق نے خبر دی ہے کہ اس کا باپ دو دن سے ہاسپٹل میں ہے۔ آگے پیچھے کوئی ہے نہیں جوان کی خبر گیری کرے۔ فائق احمد نام ہے باپ کا دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ بہن اٹھارہ بیس سال کی ہے جبکہ ایک بھائی بارہ سال کا دوسرا چودہ سال کا۔ باپ سرکاری ملازم

ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے دیے گئے گھر میں رہ رہا ہے فیملی سمیت ایک بہن ہے اس شخص کی جو کھاتے پیتے گھرانے کی ہے۔ اس کے بیٹے سے اس لڑکی کی منگنی ہو چکی ہے مگر فائق احمد کے ہسپتال پہنچنے کے بعد اس نے تمام تعلقات ختم کر دیے ہیں۔" بازل خان کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔ ایک زہریلی اور نفرت انگیز مسکراہٹ، جس میں انتقامی جذبات شامل تھے۔

"کیا کنڈیشن ہے اس شخص کی۔۔۔" بے تاثر لہجے میں پوچھا تھا۔

"ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔۔۔ بہت مشکل ہے بچنا اس کا۔" یہ دوسری زہریلی مسکراہٹ تھی جو ہونٹوں سے چھو گئی تھی مگر اگلے ہی پل معدوم ہو گئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے جاؤ تم۔۔۔ اس کو کھانے کو کچھ دو۔۔۔ اور ہاں کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو کہ تہ خانے میں کون بند ہے۔"

"جی صاحب۔۔۔" وہ فوراً "حکم بجالایا تھا۔

"اب جاؤ تم۔۔۔" وہ کمرے سے باہر نکلا تو اس نے پرسوچ انداز میں ہاتھ میں پکڑی کتاب پھر کھول لی تھی

☼ ☼ ☼

کھانا کھانے کے بعد اسے لگا کہ جیسے اس کے تن مردہ میں تھوڑی سی جان پڑ گئی ہے۔ آج اسے اس عقوبت خانے میں بند ہوئے تیسرا دن تھا اور وہ تین دن بعد کھانے کی شکل دیکھ رہی تھی۔ جسم میں اتنی کمزوری و نقاہت پیدا ہو چکی تھی کہ بازل خان کو سامنے دیکھ کر پل میں خوفزدہ ہوئی تھی۔ نجانے وہ شخص کیا کہتا رہا تھا مگر بند ہوتی آنکھوں اور گم ہوتے حواس کے ساتھ اسے صرف یہی محسوس ہوا تھا کہ اس شخص کی نیت اس کے معاملے میں قطعی اچھی نہیں ہے۔ نجانے اس کا کیا قصور تھا کس لیے اسے یہاں لایا گیا تھا۔ وہ ابھی تک بے خبر تھی۔ جبکہ بازل خان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ تو حیران و ششدر رہ گئی تھی۔ وہ تو اسے ایک اچھا سلجھا ہوا انسان سمجھتی تھی مگر اس شخص کے ارادے دیکھ کر وہ اندر ہی اندر دہل گئی تھی۔

اس کی بے ہوشی نے۔۔۔ اس کی درندگی و وحشت کی بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا تھا۔ ورنہ نجانے اب تک اس کا وہ شخص کیا حشر کر چکا ہوتا؟ مگر اس شخص سے بھلا اس کی کیا دشمنی تھی۔ ذہن کے پردے پر صرف چند ملاقاتیں تھیں جن میں شناسائی سلام دعا سے۔۔۔ نہ بڑھی تھی مگر وہ کچھ اور بھی تو کہہ رہا تھا۔

شاید چند خطوط اور تصاویر کا ذکر کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ذہن پر زور ڈالنا چاہا مگر ذہن میں کچھ بھی واضح نہیں ہو پایا تھا۔ کوئی سرا نہ ملا تھا۔ اس نے بری طرح دکھتے سر کو اپنے ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ نہا کر نکلا تو بخش دین کمرے میں نظر آیا۔

"ہاں بخش دین۔۔۔ بولو۔" تولیے سے سر رگڑتے ہاتھ تھم گئے تھے۔

"جی صاحب۔۔۔ وہ لڑکی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔۔۔ وہ بہت شور کر رہی ہے۔۔۔ بار بار دروازہ پیٹ رہی ہے۔" بازل خان کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے تھے۔

"ہوں۔۔۔" اس نے وال کلاک کو دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔

"اور کچھ۔۔۔" تولیہ ٹاول اسٹینڈ پر ڈالتے وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا۔

"نہیں صاحب۔۔۔"

"کھانا کھا رہی ہے؟"

"جی صاحب۔۔۔ مگر اسے بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔"

"اوکے۔۔۔ اس وقت تو میں کہیں جا رہا ہوں۔ رات گئے لوٹوں گا۔ تم اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر میرے کمرے میں چھوڑ جانا۔ شور کرے یا چیخے چلائے تو گولی حلق میں اتار دینا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ انسانیت برتنا انسانیت کی توہین ہے۔" اس کا سپاٹ لب و لہجہ قطعی طور پر بے حسی لیے ہوئے تھا۔

"جی صاحب۔" وہ فوراً "حکم بجالایا۔

"اور اس کے باپ کی کیا خبر ہے؟" بستر پر پڑا لباس اٹھاتے بخش دین کو دیکھا۔

"صاحب جی رفیق مسلسل ہاسپٹل میں ہے۔ وہ مکمل طور پر ان لوگوں پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ تھانے میں درج ہو چکی ہے چونکہ وہ گھر سے ہسپتال جانے کے لیے نکلی تھی تو پولیس ہسپتال والوں کو ہی مشکوک ٹھہرا رہی ہے۔ رہا اس کا باپ تو ڈاکٹر مکمل طور پر ناامید ہو چکے ہیں۔ ابھی تک وہ صرف مصنوعی سہارے سے سانس لے رہا ہے۔"

"اوہ۔" بازل خان نے سر ہلا دیا تھا۔ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے بخش دین کو جانے کا اشارہ کرتے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

"ہاں ایس پی جمشید صاحب۔" اس کا لہجہ نارمل تھا۔

"کب پہنچ رہے ہو؟"

"بس نکلنے والا ہوں۔۔۔"

"جلدی کرو۔۔۔" وہ کہہ کر کال بند کر گیا۔ بازل خان نے بھی موبائل بستر پر اچھالتے لباس لے کر دوبارہ باتھ روم کا رخ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ہسپتال کے روم میں داخل ہوئے تو تسبیح کے دانے گراتے بی بی جان کا ہاتھ تھم گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"السلام علیکم۔۔۔" بابا صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔"

"اب کیسی طبیعت ہے؟" بستر کے قریب آ کر وہاں لیٹے ننھے فرشتے کی پیشانی چوم کر پھر سر اٹھا کر بی بی جان سے استفسار کیا تو ان کے ہونٹوں سے ایک آہ سی نکلی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔" تسبیح ایک طرف رکھ کر بچے پر پھونک مار کر وہ اس کے سرہانے ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں۔۔۔۔؟"

"ان کا تو کام ہی ہے تسلیاں دینا۔" ان کی آواز رندھ گئی تھی بابا صاحب نے خاموشی سے اپنی شریک حیات کو دیکھا۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟۔۔۔۔" انہوں نے پوچھا۔

"بینش اپنے باپ کے ساتھ آئی تھی بڑی دلہن اور سجاول کل سے ادھر تھے تھک گئے تھے تو میں نے بینش اور اس کے باپ کے ساتھ گھر بھیج دیا ہے۔"

"ہوں۔۔۔۔"

"آپ نے بازل سے رابطہ کیا پھر۔۔۔۔" ڈرتے ڈرتے بی بی جان نے پوچھا تو بابا صاحب نے نہایت غصے و غضب سے انہیں دیکھا۔

"نام مت لو اس نانجار ناخلف کا میرے سامنے۔۔۔۔ خاندان بھر میں نام ڈبو دیا ہے اس نے میرا۔۔۔۔"

"وہ باپ ہے اس کا۔۔۔۔" بی بی جان نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔

"اگر اسے اپنی اولاد کا اتنا ہی احساس ہوتا تو اسے چھوڑ کر جاتا ہی کیوں۔۔۔۔ اس کے سلوک اور حرکتوں کی وجہ سے بیوی تو اس کی قبر میں اتر ہی گئی ہے اب بیٹے کو بھی مار ڈالے گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" بی بی جان نے دہل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا۔

"وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ آپ یقین کیوں نہیں کرتے وہ ہماری اولاد ہے۔۔۔۔ آپ نے اسے اتنا کچھ کہہ ڈالا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بغیر کچھ کہے سب سہہ گیا۔" انہیں بازل خان کا چہرہ یاد آیا تو رو دیں۔

"تم آنکھوں دیکھی کو جھٹلا سکتی ہو مگر میں نہیں۔۔۔۔ سارہ اسی غم کو سینے میں لیے قبر میں جا اتری اور یہ بچہ اسے اس کی کبھی قطعی پروا نہیں۔"

"آپ اسے معاف کر دیں اسے واپس بلوا لیں یہ ننھی سی جان اسے اس کی بیماری کا تو بتا دیجیے دیکھیے گا کیسے دوڑا آتا ہے۔" بی بی جان نے پھر منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ چپ چاپ انہیں دیکھے گئے۔ [illegible] آنسو بہا رہی تھیں۔

"اولاد سو غلطیاں کرتی ہے۔ اگر سبھی والدین ہماری طرح دھتکار دیں تو اولاد برباد ہو جاتی ہے۔ جذباتی اور بہت جلد غصے میں آ جانے والا انسان ہے۔ نجانے کیا کر رہا ہوگا۔"

"بہت آرام و سکون سے ادھر شہر [illegible] والی کوٹھی میں رہ رہا ہے۔ ایک ایک پل کی خبر [illegible] ہے مجھے اس کے بارے میں۔" انہوں نے جھنجلا کر [illegible] تو بی بی جان نے بہتے آنسو صاف کیے۔

"آپ جا کر اس سے بات تو کریں نا؟ مجھے یقین ہے بیٹے کی بیماری کا سن کر آرام سے نہیں رہ سکے گا۔ فوراً ساتھ آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میں چکر لگاتا ہوں اگر وہ نہ آیا تو [illegible] اس کے بعد میرا اور اس کا ہر رشتہ ختم ہو جائے گا۔"

"ضدیں بچوں کو ہی سجتی ہیں والدین اولاد کی ضد پر ضد میں مبتلا ہو جائیں تو گھر بکھر جاتے ہیں۔ وہ جذباتی ضدی اور جوشیلا خون ہے۔ آرام و سکون سے بات کیجیے گا تو اس کی کیا مجال ہے کہ آپ کے سامنے سر بھی اٹھا لے۔" بی بی جان نے پلو سے چہرہ صاف کرتے کہا تو بابا صاحب سنجیدگی سے انہیں دیکھتے ہسپتال کے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ پارٹی میں مصروف تھا۔ ایس پی جمشید اس کا دیرینہ دوست تھا اس کے گھر اس کے بچے کے عقیقے کی دعوت تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے پہنچا تھا۔ ابھی کھانے کا دور باقی تھا جبھی اس کے سیل نے بجنا شروع کر دیا تھا۔

اس نے اسکرین دیکھی تو رفیق کالنگ تھا۔ اس کے ماتھے کے بل گہرے ہوتے چلے گئے۔ اس نے رفیق کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ اس کے نمبر پر رابطہ مت کرے جو بھی مسئلہ ہو بخش دین سے کہے۔

"ہاں۔۔۔۔ رفیق بولو۔" مہمانوں سے ذرا ہٹ کر اس نے کال پک کی تھی۔

"جی صاحب! وہ جس کام کے لیے آپ نے مامور کیا ہوا تھا ادھر ہی ہوں۔ فائق ہمدانی کا انتقال ہو گیا ہے۔ ابھی ابھی وہ لوگ ڈیڈ باڈی لے کر گئے ہیں۔" دوسری طرف سے ملنے والی خبر نے اسے چند ثانیے تک بت بنا ڈالا تھا۔ اس کی نگاہوں میں سارہ کا مردہ وجود در آیا تو سختی سے لب بھینچ لیے۔

بہرحال اس شخص کی موت اس کا مقصد نہ تھا۔ اس کا دل غم سے بوجھل ہونے لگا۔ اپنی طرف سے اس نے رفیق کے ذریعے اس شخص کے علاج کے لیے ہر طرح کا تعاون کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے سر؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ان لوگوں کو شک تو نہیں ہوا تم پر۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔۔۔۔ میں فائق صاحب کے ساتھ ان کے کولیگ کی حیثیت سے ساتھ ساتھ رہا ہوں اس کے علاوہ ان کی فیملی میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ اب تمہارا کام ختم ہوا۔ اب تم اپنے علاقے میں چلے جاؤ ہاں جاتے ہوئے اس خاندان کے متاثرین تک اپنی طرف سے کچھ رقم دے جانا اوکے۔"

"جی صاحب۔" اس نے کال ڈراپ کی تو چند پل خاموش سے کھڑا رہا۔ اس کے ایک عمل کی وجہ سے ایک ہنستا بستا گھر اجڑ چکا تھا۔

نجانے یہ بے حسی کی کون سی انتہا تھی۔ اسے تو صرف اپنا شدید نقصان ہی یاد تھا۔ اس نے دماغ سے اس احساس کو جھٹکنا چاہا مگر ضمیر کے کسی کونے میں گناہ کا ذرا سا احساس چمٹ گیا تھا۔

"مائی فٹ!۔۔۔۔ جیسا وہ لڑکی میرے ساتھ کر چکی ہے اس کے سامنے تو یہ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ میری بیوی مر گئی۔ بچہ دوسروں کے آسرے پر رل گیا ہے میرے رشتے اعتبار سب مٹی میں رل گیا۔ یہ تو بہت کم ہے۔" اس نے خود کو باور کروایا مگر اندر دل کے اندر کہیں دکھ کا احساس اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
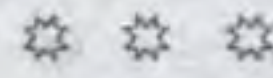
"رکھو اپنی بیٹی کو سنبھال کر۔۔۔۔ نجانے کہاں عیاشیاں کرتی پھر رہی ہے؛ جانتی ہوں سب ڈرامے۔۔۔۔ میں تو پہلے ہی ٹھٹک گئی تھی۔ ڈاکٹر کیا بن گئی تھی طور طریقے ہی بدل گئے تھے۔ میں تو بھائی کی محبت میں رشتہ جوڑ بیٹھی تھی مجھے کیا پتا تھا تمہاری بیٹی کے یہ لچھن ہیں۔ ہائے میرے بھائی کو کھا گئی منحوس۔"

ہر طرف سکتے کی کیفیت تھی ماما پاپا کی میت کو دیکھتے بے حس بیٹھی ہوئی تھیں تو دوسری طرف پھوپھو بیگم کی زبان مسلسل طعن و تشنیع کے نشتر چلا رہی تھی۔ نومان اور ثوبان دونوں سرہانے کی طرف بیٹھے چارپائی سے سر ٹکائے رو رہے تھے۔ شارقہ نے بڑی وحشت بھری نگاہوں سے ارد گرد بیٹھی عورتوں کے ہجوم پر نگاہ ڈالتے اپنی پھوپھو کو دیکھا جو بھائی کی موت کا سن کر تو آئی تھیں مگر دلجوئی کرنے کی بجائے ان کی گردنوں پر نشتر لگا رہی تھیں۔ لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ ہر ایک کی اپنی ہی راگنی تھی۔ اور کوئی بھی ان پر ٹوٹنے والی قیامت پر ساتھ دینے والا نہ تھا۔

"ہائے آپی کہاں ہو تم؟۔۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟ کچھ ہمارے بارے میں بھی سوچا ہوتا یہ ذلت یہ رسوائی ہم کیسے جھیلیں گے؟" وہ گھٹنوں میں سر دیے بری طرح سسک اٹھی تھی۔

"میں نہیں کروں گی اب یہ رشتہ۔۔۔۔ میں نے بھائی کی محبت میں سہارا بننا چاہا تھا مجھے کیا پتا تھا کہ یہ لچھن ہے ڈاکٹرنی کے۔" ماما گم سم پھوپھو کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"اتنے دن بیت گئے ہیں وہ لوٹ کر نہیں آئی۔ پولیس ________ ہر جگہ تلاش کر چکی ہے۔ تم کہتی ہو کہ تمہاری بیٹی ایسی غلط نہیں تو کہیں نہ کہیں سے تو ملتی۔ چلی گئی ہوگی کسی کے ساتھ۔۔۔۔ اب نہیں ادھر آنے والی۔۔۔۔ آج سے میرا تمہارا ہر تعلق

ختم۔۔۔ ویسے بھی اب کون سا بھائی میرا زندہ رہا ہے۔" پھوپھو اپنے دل کی بھڑاس نکال کر جس طرح آئی تھیں چلی بھی گئیں۔

نومان اور ثوبان نے برستی آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھا جو بڑے ضبط سے سب جھیل رہی تھیں۔

"ماما۔۔۔" شارقہ نے پکارا تو انہوں نے لب بھینچتے سسکتی بلکتی بیٹی کو بازو میں سمیٹ لیا۔ ان کا سہاگ اجڑا تھا۔ بیٹی نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ خدا جانے کن حالات و واقعات سے دوچار تھی۔ وہ تو ابھی تک کچھ غلط نہ سوچ پائی تھیں اور یہ لوگ۔ انہوں نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

اپنی بیٹی پر تو انہیں اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد تھا تو پھر کیوں ہوا ایسا؟ اگر وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی تھی تو بھی کم از کم اس کے وجود کے متعلق کوئی سراغ تو ملتا ۔۔۔ جبکہ تھانے میں رپورٹ تک درج ہو چکی تھی۔

"صبر کرو بیٹا۔۔۔ صبر۔" انہوں نے پھوٹ پھوٹ کر روتی بلکتی بیٹی کو بازو میں لے کر دلاسا دیتے بیٹوں پر نگاہ ڈالی تو اپنی آنکھیں روانی سے بہنے لگیں۔ یقیناً" یہ ان کے لیے بہت بھیانک گھڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر لوٹا تو اس کے ذہن پر عجیب سا بوجھ تھا۔ فائق ہمدانی کے انتقال کی خبر نے ایسا بے سکون کیا تھا کہ وہ پھر جمشید کے ہاں چند پل ہی ٹھہر سکا اور پھر فوراً" گاڑی لے کر بے مقصد ادھر ادھر گھومتا رہا تھا اور اب گھر آیا تو گاڑی سے نکلتے ہی اس کا واچ مین فوراً" اس کے سامنے آگیا تھا۔

"صاحب ۔۔۔ بڑے صاحب آئے ہیں۔" وہ چونک گیا حیرت سے ملازم کو دیکھا۔

"بابا صاحب ۔۔۔؟" اس نے استفسار کیا تو ملازم نے سر ہلا دیا تھا۔

"کب آئے اور کہاں ہیں؟" اپنی حیرت پر قابو پاتے اگلا سوال کیا۔

"دو گھنٹے ہونے والے ہیں ۔۔۔ ملازمہ نے کھانے پینے کو پوچھا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔" کئی ماہ بعد بابا صاحب کی طرف سے کوئی رابطہ ہوا تھا وہ حیران نہ ہوتا تو کیا کرتا۔

"ساتھ میں کون ہے؟" اس نے مزید پوچھا۔

"اکیلے ہیں۔" وہ اندر کی طرف بڑھا تو اچانک بخش دین کا خیال آیا تو ساتھ میں اس لڑکی سے متعلق لیا گیا حکم بھی یاد آیا۔ اس نے فوراً" نمبر ملایا تھا۔

"ہاں بخش دین کہاں ہو؟ اور وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"بابا صاحب آگئے تو میں لڑکی کو لے کر نہیں آیا۔" بازل نے گہرا سانس لیا۔

"پر صاحب جی ۔۔۔ لڑکی کی طبیعت بہت خراب ہو چکی ہے۔ اس کا بخار اس قدر تیز ہو گیا ہے کہ وہ اب مسلسل غنودگی میں ہے۔" بازل خان نے خاموشی سے بخش دین کی بات سنی تھی۔

"بابا صاحب سے ملنے کے بعد میں ادھر آتا ہوں ۔۔۔ تب تک انتظار کرو ۔۔۔ اوکے۔" اسے کہہ کر اس نے کال بند کر دی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا بابا صاحب صوفے پر بیٹھے ملے اسے دیکھ کر ان کے ماتھے کے بل گہرے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم ۔۔۔" ان کو دیکھ کر بازل خان کے اندر جھیلی جانے والی تمام تر اذیت از سر نو تازہ ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام ۔۔۔" انہوں نے جواب بھی ماتھے پر بل ڈالے دیا تھا۔ بازل خان مزید اندر سے سلگ اٹھا۔

"کیسے آنے کی زحمت کر لی آپ نے؟" صوفے پر ٹکتے وہ طنز کرنے سے باز نہ آیا۔

"جانتے ہو تین ماہ ہو گئے ہیں تمہیں حویلی سے نکلے ہوئے ۔۔۔ تم نے اپنی ضد پوری کر لی۔ آج تک ہم نے اپنی کسی اولاد کو اتنی چھوٹ نہیں دی جتنی تمہیں دی ہے۔ تم ہمارے پوتے کے باپ نہ ہوتے تو ہم پلٹ کر بھی نہ تمہیں پوچھتے۔" وہ اپنے مخصوص رعب و دبدبے سے مخاطب تھے۔ بازل نے اپنے لب بھینچ لیے اور جب توقف کے بعد بولا تو لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی ۔۔۔ مگر آپ یہ بھی بتا دیں کہ اب کیوں پلٹ کر پوچھ رہے ہیں تو مہربانی ہو گی۔" وہ بھی انہی کا بیٹا تھا ۔۔۔ تلخی سے گویا ہوا تھا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" انہوں نے اپنی آمد کا مقصد واضح کیا تھا وہ سلگ اٹھا۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد تمام تر خسارہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ وہ ابھی بھی تمام تر کروفر سے مخاطب تھے۔ اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ خود مجھ جیسے آوارہ عیاش انسان سے ہر طرح کا تعلق ختم کر بیٹھے ہیں تو پھر یہ نئی چال کس سلسلے میں بقول آپ کے کہ ایک آوارہ بد قماش اور بازاری طبیعت کے مالک انسان کے لیے آپ لوگوں کی زندگیوں میں کوئی گنجائش نہیں۔ تو پھر اب خود ہی اپنے لفظوں سے کیوں منحرف ہو رہے ہیں۔" وہ از حد تلخی سے کہہ گیا۔ بابا صاحب نے بڑی غضب بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بات کرتے ہوئے مت بھولو کہ ابھی بھی تمہارا بیٹا ہمارے پاس ہے۔" انہوں نے اپنی طرف سے بہت کچھ جتانے کی کوشش کی تھی مگر وہ تو اس حوالے پر چیخ گیا تھا۔

"بابا صاحب میں آپ کی رعایا یا مزارعوں میں شامل نہیں ہوں ۔۔۔ بی بی جان کی منتوں کا احساس نہ ہوتا تو اپنا بیٹا ایک پل کے لیے بھی اس حویلی میں چھوڑ کر نہ آتا۔"

اس کے تلخ لہجے پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔

"ہم پچھلی سب باتوں کو بھلا کر خود تمہارے پاس آئے ہیں۔ تم اگر اپنی بی بی کی وجہ سے اپنے بیٹے کو وہاں چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہو تو ہم بھی تمہاری بی بی کی ہی وجہ سے یہاں آنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔" انداز بڑا تحکم آمیز اور دو ٹوک تھا۔

"ہرگز نہیں ۔۔۔ مجھ پر لگے الزامات ابھی بھی اسی طرح برقرار قائم دائم ہیں آپ کے آجانے سے حقیقت بدل نہیں گئی ۔۔۔ میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔" اس کا انداز اٹل تھا۔ بابا صاحب کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"انکار کرنے سے پہلے یاد رکھنا کہ ہم سب کچھ فراموش کر کے تمہاری طرف بڑھے ہیں ورنہ ایسی ناہنجار اولاد پر سو بار لعنت بھیجتا ہوں۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"ایک اور بات یاد رکھو تمہاری بی بی جان کی وجہ سے میں نے سب کچھ بھلا کر تمہاری طرف قدم بڑھائے تھے۔ تب تو میں نے تمہیں صرف اپنی زندگی سے نکل جانے کا ہی حکم دیا تھا اب میں ہمیشہ کے لیے عاق کر دوں گا ۔۔۔ رہ گئی انیق کی بات تو تمہیں اس سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔" بابا جان اب اپنے مکمل غضب میں تھے۔

"میں دیکھتا ہوں تم میرے پیسے اور میری ساکھ کو کیسے استعمال کرتے ہو۔ بڑا دعوا ہے تمہیں اپنی آکسفورڈ کی اعلا تعلیم پر ۔۔۔ جب اپنے پاؤں پر اپنے بل بوتے پر کچھ بن کر دکھاؤ گے تو مجھے بھی ضرور بتانا ۔۔۔ نکل جاؤ میرے اس گھر سے گلیوں میں رلو گے تو پتا چلے گا کہ یہ طنطنہ، یہ غرور کس لیے ہے۔" بابا صاحب نے تو پل میں اسے آئینہ دکھا دیا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں خود آپ کی دی ہوئی آسائش کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتا ہوں ۔۔۔ آج آپ نے واضح کر دیا ہے تو ٹھیک ہے آپ انیق کو میرے حوالے کر دیں۔ میں خود بھی آپ لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا ۔۔۔ حد ہوتی ہے کسی بھی الزام کی۔" وہ پھٹ پڑا۔

"الزام نہیں حقیقت ہے ۔۔۔ ان خطوط اور تصویروں سے بھلا تم کیسے انکار کر سکتے ہو؟ اپنے گریبان میں جھانکو ذرا تم خود بھی ۔۔۔ کسی باعصمت لڑکی کی عزت سے تم کھیل گئے۔ بیوی تمہارے ان کرتوتوں کی وجہ سے موت کے منہ میں چلی گئی۔ اور اوپر سے خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہ طنطنہ دکھاتے جھوٹا ڈرامہ رچائے بیٹھے ہو۔ میں اٹل اور سخت ضرور ہوں مگر اپنی روایتوں اور اقدار سے

انحراف کی اجازت تمہیں کبھی نہیں دوں گا۔ کاش مجھے پتا چل جاتا کہ وہ لڑکی کون ہے؟ تو میں اس کے والدین کے پاؤں پڑ کر تمہیں مجبور کرتا کہ اس کے سر پر عزت کی چادر ڈالو۔ میں نے آج تک کبھی ظلم کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو شہ نہیں دی۔ میں ظلم کرنے والے ہاتھ ہی کاٹ دیتا ہوں خواہ وہ میرا اپنا خون ہی کیوں نہ ہو۔" بازل خان کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ ایک قیامت برپا تھی اس کے اندر ایک پل میں چاہا کہ ابھی جائے اور اس لڑکی کے پرخچے اڑا دے۔ ابھی تک یہ اس کی انسانیت، شرافت ہی تو تھی کہ وہ لڑکی اس کے پاس تھی اور اس کے غیض و غضب سے بچی ہوئی تھی۔ ایک دم اس لڑکی کو کچل دینے مٹا دینے کی تحریک برپا ہوئی تھی۔

"جب میں اتنا ہی گرا ہوا ہوں تو کیوں مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑ دیتے۔ نکل تو آیا ہوں آپ سب لوگوں کی زندگیوں سے۔"

"ہاں چھوڑ دیتے اگر مجبور نہ ہو جاتے..... کہتے ہیں اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے..... تمہارا بیٹا سخت بیمار ہے۔ ادھر اسی شہر میں لے کر آئے ہوئے ہیں۔ اگر تھوڑی سی بھی انسانیت ہے تو آ کر مل لینا۔ میں سب کچھ بھلا کر تمہیں لینے آیا ہوں تو صرف اس لیے کہ تم میرے پوتے کے باپ ہو اور ہم اپنے پوتے کو مرتے نہیں دیکھ سکتے۔ بھلے اس کی ماں تمہاری حرکتوں سے مر گئی تھی۔" وہ پھر بھی طنز کرنے سے باز نہ آئے تھے مگر اس بار وہ اپنے بیٹے کی بیماری کا سن کر ہی پریشان ہو گیا۔

"کیا ہوا ہے انیق کو؟" بابا جان نے اس پر ایک عجیب سی نگاہ ڈالی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر چھائے پریشانی کے تاثرات دیکھ کر ان کا دل پگھلنے لگا۔

"ان کا بیٹا اس قدر گھٹیا نہیں ہو سکتا۔" کوئی ان کے دل میں بولا تو انہوں نے سر جھٹکا۔ وہ کسی بھی قسم کی کمزوری کا شکار نہیں ہونا چاہتے تھے۔

"بہت بیمار ہے..... ڈاکٹرز کوشش تو کر رہے ہیں مگر اللہ کرم کرنے والا ہے۔" اب کے ان کا لہجہ نارمل تھا۔ کسی نے بازل خان کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ لیا۔

"میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ جو بغض و انتقام کے چکر میں اس معصوم وجود کو جان بوجھ کر نظر انداز کیے ہوئے تھا اب باپ کے منہ سے اس کی حالت سن کر سب عہد بالائے طاق رکھتے فوراً ساتھ چلنے کو تیار تھا۔

"آپ بیٹھیں میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" اچانک کچھ یاد آنے پر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر جلدی جلدی عقبی حصے کی طرف چلا آیا۔ رات کے اس پہر ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اسٹور نما کمرے سے ہوتا ہوا وہ زینہ طے کرتے نچلے تہ خانے میں چلا آیا تھا۔ یہ ایک پراسرار اور خفیہ تہ خانہ تھا۔ جس کا رستہ مکینوں کے علاوہ کسی کو بھی پتا نہ تھا۔ دروازے کے باہر چارپائی پر لیٹا بخش دین اسے دیکھ کر فوراً" کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا حالت ہے اب اس لڑکی کی....."

"صاحب جی..... رات سے کچھ نہیں کھایا صرف ایک وقت کا کھانا کھایا ہے..... مسلسل بخار سے تپ رہی ہے۔" اس کے اشارہ کرنے پر اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ اندر آیا تو وہ میٹرس پر پڑی ہوئی کسی عجب نڈھال پژمردہ سا انداز تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر میٹرس پر گھٹنے ٹیکے۔ جھک کر اس کی کلائی تھامی تو لگا کسی آگ کو چھو لیا ہے۔ وہ واقعی سخت بخار میں مبتلا تھی۔

"سنو۔" اس نے پکارا تو اس نے بمشکل آنکھ کھول کر اسے دیکھا..... نقاہت و کمزوری نے لگتا تھا اس کے جسم سے جان نکال لی ہے۔

وہ ایک حسین وجود کی مالک بے پناہ خوب صورت لڑکی تھی۔ بیماری اور خوف سے نڈھال وہ مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر تھی مگر اس کا چہرہ دیکھ کر کوئی بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکی کسی کی زندگی برباد کر سکتی ہے۔ ایک پل کو بازل خان بھی ساکت ہو گیا۔

"بات سنو لڑکی!..... مجھے سچ سچ بتاؤ تم نے وہ سب کیوں کیا؟..... کس کے کہنے پر اور کیوں؟" اس لڑکی کی حالت دیکھ کر ایک لمحے کو اس کا دل بھی پگھلا تھا۔ وہ اس قدر بے رحم اور ظالم بھی نہ تھا کہ کسی بے بس وجود کو اس طرح دیکھ کر بھی اثر نہ لیتا۔

"مجھے چھوڑ دو..... مجھے جانے دو..... میں نے کچھ نہیں کیا؟" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بازل خان نے لب بھینچ لیے۔

"کیا وہ واقعی بے قصور تھی۔" کوئی دل سے پکارا۔

"جانتی ہو تمہارا باپ مر چکا ہے۔ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو تمہارے گھر کا ایک ایک فرد برباد ہو جائے گا۔ مجھے بتاؤ کیوں کیا تم نے ایسا؟ ورنہ تم ادھر ہی ایڑیاں رگڑتے مر جاؤ گی اور مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" باپ کی وفات کا سن کر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"بابا.....؟"

"تمہارا باپ ہارٹ اٹیک کی وجہ سے مر چکا ہے۔ تمہارے پاس کل صبح تک کا وقت ہے میں کل پھر آؤں گا..... سوچ لو میرے ساتھ سچ بولنا ہے ورنہ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔" غصے سے اس کو ایک طرف دھکیلتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے جانے دو..... میں مر جاؤں گی۔" وہ بلکی تھی مگر نقاہت و بیماری نے اسے بولنے نہ دیا تھا۔

بازل خان تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل آیا تھا۔

"اسے میڈیسن دو..... اور خیال رکھو مر نہ جائے یہ....." تلخی سے کہہ کر وہ تیزی سے زینہ طے کرتے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

وہ جو کل صبح آنے کا کہہ کر گیا تھا اس کا اگلا پورا ہفتہ انتہائی مصروفیت میں گزرا تھا۔ بی بی جان تو اسے دیکھ کر بے پناہ خوش ہوئی تھیں۔ باقی بھائی بہن بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ انیق کی طبیعت چند دن تو خاصی خراب رہی تھی اور پھر ڈاکٹرز کی کوشش سے کچھ سنبھلی تو اگلے دو دن میں وہ خاصا بہتر ہو چکا تھا۔

چند دن ہسپتال رہنے کے بعد ڈاکٹرز نے اسے ڈسچارج کر دیا۔ بی بی جان انیق کو لے کر حویلی کی طرف روانہ ہوئیں تو اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر ابھی اس کے بہت سے کام ادھورے پڑے تھے۔ وہ پہلے اس لڑکی کے مسئلے سے نبٹنا چاہتا تھا آخر وہ کب تک اسے اس طرح قید میں ڈال سکتا تھا۔

بی بی جان کے جانے کے بعد وہ سیدھا کوٹھی میں چلا آیا تھا۔ بخش دین سے لڑکی کے متعلق رپورٹ تو مسلسل مل رہی تھی آتے ہی وہ سیدھا اس کے پاس آیا تھا۔ ربدا اسے دیکھ کر ایک دم سیدھی ہو گئی۔

"کیا سوچا ہے تم نے؟ میرا خیال ہے اب تمہیں سچ بتا دینا چاہیے۔ اندازہ تو تم لگا ہی چکی ہو کہ جب تک میں نہ چاہوں تمہیں اس قید سے رہائی ملنے والی نہیں۔" وہ کئی دن کے ملگجے لباس سوجی آنکھوں بے حال حلیے اور بکھرے بال لیے اسے دیکھے گئی تھی۔

"کیا سچ؟..... میں تو کچھ نہیں جانتی مجھے تو ابھی تک ٹھیک سے تمہارا نام تک یاد نہیں..... مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ تم بینش کے کزن ہو۔ تم سے چند ایک بار سامنا ہوا بھی تو اتنا عام سا کہ مجھے یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آ رہا کہ میری تم سے کیا دشمنی نکلتی ہے جو تم نے مجھے اٹھوا لیا۔" بات کرتے کرتے وہ رو دی تھی۔ بازل خان چونک کر اسے دیکھے گیا۔

اتنے دن گزر جانے کے باوجود بھی وہ لڑکی اپنے موقف پر قائم تھی۔ سچ بتانے پر آمادہ ہی نہ تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم سچ نہیں بتاؤ گی؟"

"کیسا سچ....." وہ چیخ اٹھی تھی۔

"شٹ اپ....." وہ ایک دم چپ رہ گئی۔

"جانتی ہو اگر تم نے مجھے اس سارے ڈرامے کے بارے میں نہ بتایا تو میں تمہارے وجود کے پرخچے اڑا دوں گا..... تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔" اس کا بازو کھینچ کر اپنے حصار میں لے لیا تھا اور ربدا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھے گئی۔

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ابھی تک تم میرے قہر سے بچی ہوئی ہو۔ اگر رہائی چاہتی ہو تو صاف صاف اس سارے ڈرامے کا پس منظر بتا دو۔"

"کیسا ڈراما۔۔۔ خدا کی قسم میں تو تمہارے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی۔۔۔ مجھے تو ابھی تک اپنا قصور نظر نہیں آرہا تمہیں کیا بتاؤں؟" بازل خان نے اپنے انتہائی قریب کھڑی اس لڑکی کو دیکھا۔

وہ چاہتا تو ایک پل میں اس لڑکی کا سارا غرور خاک میں ملا دیتا مگر اس کے باوجود وہ لڑکی سچ بولنے پر آمادہ نہ تھی۔

"کیا واقعی وہ بے قصور ہے؟" وہ الجھا تھا۔

"تو پھر وہ تصاویر اور خطوط کہاں سے آگئے؟" بازل خان کو لگا کہ اس کا دماغ پھٹ جائے گا اس گتھی کو سلجھاتے سلجھاتے۔

"تم جانتی ہو میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔ اس کے باوجود تمہیں مجھ سے خوف نہیں آرہا۔" وہ گرجا تھا۔ وہ رو دی۔

"مجھے چھوڑ دو۔ میں کچھ نہیں جانتی تم کیا پوچھ رہے ہو۔"

"تمہیں اپنے باپ کی موت کی خبر سن کر بھی کچھ اثر نہیں ہوا۔۔۔ اگر تم نے کچھ بھی نہ بتایا تو میں تمہاری بہن کو بھی ادھر لے آؤں گا۔۔۔ سمجھیں۔"

ربدا کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ تم مار ڈالو مجھے تو بھی میں یہی کہوں گی کہ مجھے کچھ نہیں پتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم نے مجھے کیوں اٹھوایا۔۔۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تو بازل خان حقیقتاً الجھ گیا۔

اس کے قبضے میں موجود ایک کمزور اور بے بس لڑکی جس کا باپ اس کے اغوا کی خبر سے مر چکا تھا بہن کی دھمکی اس پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی وہ آخر کب تک اتنی حقیقی اداکاری کر سکتی تھی۔ وہ کیونکر چپ رہ سکتی تھی۔

"تم واقعی کچھ نہیں جانتیں کہ میں نے تمہیں کیوں اٹھوایا ہے۔" ربدا نے بازل خان کے اس سوال پر روتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"مجھے تو تمہارا نام ٹھیک سے نہیں آتا۔۔۔ بس اتنا پتا ہے کہ تمہاری بیوی کا نام سارہ ہے۔ ایک دوبار بینش کے ہاں ملاقات ہوئی تھی نجانے تم کیا کیا کر رہے ہو۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔" بازل خان کا جی چاہا کہ اپنا سر دیوار کے ساتھ مار لے۔ یہ لڑکی کئی دنوں سے اس کی تحویل اس کے رحم و کرم پر تھی۔ اسے انسانوں کی اس حد تک تو پہچان تھی ہی کہ لہجوں سے جھوٹ سچ کا اندازہ لگا سکتا۔

وہ لڑکی واقعی بے قصور تھی۔ تو پھر اس لڑکی کو لاعلمی میں استعمال کرنے والا کون تھا۔ وہ کون تھا جس کا مقصد اس کی زندگی برباد کرنا تھا۔

اس نے ربدا کو چھوڑ دیا تھا وہ میٹرس پر گر کر شدت سے رو رہی تھی۔

"اپنے باپ کو تو رو رہی ہوں اللہ کے لیے میری بہن کو کچھ نہ کہنا۔۔۔ اگر مجھے کچھ پتا ہوتا تو میں تم سے یہ کیوں پوچھتی کہ تم نے مجھے کیوں اٹھوایا۔۔۔ خدا کے لیے مجھ پر اعتبار کرو میں جھوٹ نہیں بولتی۔"

بازل خان کتنے پل اسے بے حس و حرکت کھڑا دیکھتا رہا اور پھر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ ربدا نے شدت غم سے نڈھال ہو کر اپنے گھٹنوں پر اپنا سر گرا لیا۔

☼ ☼ ☼

بہت سوچنے کے بعد بھی کوئی سرا ہاتھ نہ لگا تو وہ ایک حتمی فیصلہ کرتے اس لڑکی کے پاس چلا آیا تھا رات کا ایک بج رہا تھا۔ بخش دین سو چکا تھا اس کے بلانے پر ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔

"سلام صاحب۔۔۔!"

"دروازہ کھولو۔۔۔ رفیق کو میں نے بلوا لیا ہے۔ گاڑی لیے منتظر ہے جب تک میں ادھر ہوں تم جا کر اپنا جلدی سے حلیہ بدل کر آجاؤ۔"

"جی صاحب۔" اس کے کہنے پر بخش دین دروازہ کھول کر چلا گیا۔ وہ لڑکی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

بازو کی آستین کہنی سے نیچے تک ڈھلکی ہوئی تھی جس سے اس کا دودھیا بازو واضح ہو رہا تھا۔

"سنو لڑکی۔۔۔" اس کی پکار پر ربدا نے تیزی سے نا صرف ہاتھ ہٹایا تھا بلکہ اٹھ کر بھی بیٹھ گئی تھی۔

"میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ جس طرح یہ لوگ تمہیں لے کر آئے تھے اسی طرح اسی ہسپتال میں یہ لوگ تمہیں چھوڑ کر آئیں گے۔۔۔" وہ کہہ رہا تھا اور ربدا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ یعنی اسے رہائی مل رہی تھی۔

"تمہارے لگائے زخموں نے مجھے اتنا وحشی بنا ڈالا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ تمہارے خط میں لکھے ہر لفظ کو سچ کر دکھاؤں۔ نجانے کس طاقت نے مجھے وحشی بننے سے روکے رکھا ورنہ جب بھی تم سے سامنا ہوا جی چاہا کہ تمہارے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔" ربدا نے سہم کر اس کی شکل دیکھی مگر وہ سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا۔

"تم نے اپنا کوئی جرم قبول کرنا تو ایک طرف حقیقت تک نہیں بتائی۔ تمہیں چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے تم پر اعتبار آگیا ہے بلکہ میں تمہیں چھوڑ کر تمہاری اصلیت جاننا چاہتا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے تمہیں حقیقت بتانے سے روکے رکھا۔ تم باہر کی دنیا میں میری نگرانی میں ہو گی تمہاری ایک ایک بات ہر عمل ہر لفظ پر ہماری نگاہ ہو گی۔۔۔ ابھی میرے تم سے بہت سے حساب باقی ہیں مگر پھر بھی چھوڑ رہا ہوں۔" ربدا مسلسل حیرت زدہ تھی۔

"تم نے میرے ساتھ وہ ڈرامہ کیوں رچایا؟ یہی جاننا چاہتا تھا۔ تمہارے ڈرامے کی بدولت میری بیوی مجھ سے بدظن ہو گئی اور دنیا سے ہی رخصت ہو گئی حساب برابر رہا۔ تمہیں میں نے دنیا کی نظر سے گرا دیا ہے۔ تمہارا باپ تمہارے اغوا کی خبر سن کر مر گیا۔ یہ حساب برابر ہے۔ میرے رشتے مجھ سے چھیننے تمہارے تمہیں رد کر دیں گے۔ لوگ تم سے نفرت کریں گے۔ ایک اغوا شدہ لڑکی کی اس معاشرے میں کیا حیثیت ہے میرا انتقام اب ایسے پورا ہو گا۔" ربدا نے غم و اذیت سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ کتنا ظالم اور سفاک تھا یہ انسان۔

"ہاں ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔۔۔ نہ تم میری حیثیت سے بے خبر ہو اور نہ ہی میری پہنچ سے اور۔۔۔ تمہاری ایک چھوٹی خوبصورت سی بہن بھی ہے۔ رشتہ دار تمہارے اغوا کا سن کر اور باپ کی موت کے بعد ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکے ہیں۔ اب تم لوگ دنیا کے رحم و کرم پر ہو۔ اگر تم نے میرے متعلق زبان کھولی تو تمہاری بہن کا حشر ہی نہیں کروں گا بلکہ تمہارے دو چھوٹے بھائی بھی ہیں۔ سنا ہے تمہیں اپنے بھائیوں اور ماں سے بہت محبت ہے۔ اب کی بار ان کو اٹھوانے کی غلطی نہیں کروں گا بلکہ پورے گھرانے کو آگ لگا دوں گا۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے رہائی چاہتی ہو تو ذہن میں کلیئر کر لو کہ باہر کی دنیا میں جا کر میرے خلاف کیا بیان دو گی آفٹر آل تمہاری فیملی نے تمہاری گمشدگی کی رپورٹ پولیس میں درج کروا رکھی ہے۔ اب اگر تم اچانک سامنے جاؤ گی تو یقیناً انویسٹی گیشن بھی ہو گی اور میرا نام لیا تو جانتی ہو تمہارا پورا گھرانہ نذر آتش کر دوں گا اور تمہاری بہن تم اس کی شکل تک پہچاننے کے قابل نہ رہو گی۔۔۔ کیا خیال ہے منظور ہے رہائی۔"

وہ شدت سے رو پڑی تھی۔ نجانے یہ سب اس کے کن گناہوں کی سزا تھا۔

"میں کچھ نہیں بولوں گی مجھے جانے دو پلیز۔" وہ سسک اٹھی تھی اور بازل خان چند لمحے کھڑا اس کو روتے دیکھتا رہا تھا اور پھر آہستگی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

لائٹ آف تھی ہسپتال۔ کے اندرونی عمارت میں جنریٹرز کی آواز سے رات کی تاریکی اور سناٹے میں ارتعاش سا پیدا ہوا تھا۔ تبھی ہسپتال کی عمارت کے سامنے داخلی گیٹ سے قدرے پرے ایک گاڑی آرکی تھی۔ اپنی ڈیوٹی پر مامور منور خان چونک گیا۔ پچھلے دنوں اسی طرح رات کے وقت ایک گاڑی آئی تھی اور

ڈاکٹر ربدا کو اٹھا کرلے گئی تھی اور جب تک ہسپتال کا عملہ ہوشیار ہوتا وہ گاڑی زن سے بھاگ گئی تھی۔ تب سے اس ہاسپٹل میں سیکورٹی کا نظام پہلے سے زیادہ چوکس ہو گیا تھا۔ ان دیکھے کیمرے نصب تھے مگر لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے صرف عمارت کا اندرونی حصہ ہی جنریٹرز کی بدولت روشن تھا۔ داخلی حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

منور خان نے دیکھا گاڑی کے پچھلے حصے سے کسی نے دروازہ کھول کر کسی وجود کو باہر دھکیلا تھا۔ ایک پل کو اس کے ذہن میں یہی خیال آیا تھا کہ کوئی ایمر جنسی آئی ہے مگر اگلے ہی پل وہ نقاب پوش شخص کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔ گاڑی اس وجود کو زمین پر ڈال کر زن سے بھاگ گئی تھی۔

بالکل چند دن پہلے والی صورت حال تھی بس اس بار فرق یہ تھا کہ اس دفعہ وہ کسی کو لے کر جانے کی بجائے چھوڑ کر گئے تھے۔

منور خان بھاگ کر اس وجود کے پاس آیا تھا ٹارچ کی روشنی اس وجود پر ڈالی تو پتا چلا کہ وہ نسوانی وجود ہے۔

"اوئے یہ تو ڈاکٹر ربدا ہے۔۔۔ اس دن جو اغوا ہوا تھا۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو مر گیا ہے شاید۔۔۔" آنکھوں پر نا صرف پٹی بندھی ہوئی تھی بلکہ دونوں ہاتھ بھی پشت پر رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ بے حس و حرکت وجود کو دیکھ کر منور خان کی تشخیص یہاں تک ہی تھی۔

پھر وہ اندھا دھند اندر بھاگا تھا اور پھر چند لمحوں بعد ہی ہسپتال کا عملہ گیٹ کے سامنے تھا۔

"یہ تو زندہ ہے۔۔۔ بے ہوش ہے۔" کسی ڈاکٹر نے اس کی نبض چیک کر کے کہا تو چار سو کھلبلی مچ گئی تھی۔

"اسٹریچر لاؤ۔۔۔ ہری اپ۔۔۔ اندر لے چلتے ہیں" اسی ڈاکٹر نے کہا تو کوئی اور پکارا۔

"بٹ ڈاکٹر صاحب یہ تو پولیس کیس ہے۔"

"تو پولیس کیس سمجھ کر کیا اس کو ادھر ہی پڑا رہنے دیں۔ یہ تو بڑا غیر انسانی سلوک ہے۔" کوئی اور پکار اٹھا اور پھر وہ لوگ اسے ہاسپٹل کے اندر لے آئے تھے۔

کچھ دیر میں پولیس اور ہاسپٹل کے مالکان بھی پہنچ چکے تھے کیونکہ ڈاکٹر ربدا رات کی شفٹ میں ڈیوٹی آورز کے بعد اسی گیٹ سے اغوا ہوئی تھیں اور اب اسی گیٹ پر مل گئی تھیں۔

وہ بے ہوشی کی دوائیوں کے زیر اثر تھی۔ وہ رات کے آخری گھنٹوں میں ملی تھی۔ دوائیوں کا اثر زائل ہونے میں کئی گھنٹے لگ گئے تھے صبح نو بجے کے قریب اسے ہوش آیا تو پولیس فوراً" اس کا بیان لینے کو سر پر موجود تھی۔

"آپ کو کون لوگ لے کر گئے اور پھر واپس کیوں چھوڑ گئے۔" پولیس کا سربراہ پوچھ رہا تھا۔ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"مجھے نہیں پتا وہ کون لوگ تھے اور کیوں لے کر گئے تھے۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ جو پہلے ہی اس درجہ اذیت میں مبتلا تھی پھر شدت سے رو دی۔

اس کا باپ چھن گیا تھا اب اس کے اندر اپنے باقی ماندہ خاندان کو برباد کرنے کا حوصلہ نہ تھا اس کے ساتھ جو بھی ہو چکا تھا اب اسے حوصلے سے برداشت کرنا تھا یہ تو وہ اس تہ خانے سے نکلنے سے پہلے ہی طے کر کے آئی تھی کہ اسے اب اس شخص کی ہر بات ماننی ہے۔

"دیکھیں بی بی یہ پولیس کیس بن چکا ہے۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ آپ کے والد آپ کی گم شدگی کے سبب ہارٹ اٹیک کا شکار ہو کے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ہمیں بتائیں آپ کے اغوا کرنے والوں کا کیا مقصد تھا اور پھر بغیر کسی ڈیمانڈ کے واپس کیوں چھوڑ گئے۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے کچھ علم نہیں۔۔۔ وہ کون لوگ تھے اور ان کا کیا مقصد تھا؟ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ وہ کسی اور کی غلط فہمی میں مجھے اٹھا کر لے گئے تھے اور پھر جب انہیں حقیقت کا اندازہ ہوا تو وہ مجھے واپس چھوڑ گئے" بخش دین کا سکھایا ہوا سبق وہ دہرا رہی تھی۔ ان سب لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا اس کے اردگرد پولیس کے علاوہ ہسپتال کا عملہ بھی تھا۔

"وہ کس کی غلط فہمی میں آپ کو لے کر گئے تھے۔ کچھ پتا چلا اس شخصیت کے بارے میں جس کو اٹھانا تھا۔" اس کے بیان نے اردگرد موجود لوگوں کے دلوں میں اک کھلبلی سی مچا دی تھی اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ کس قسم کے لوگ تھے اگر آپ کے سامنے آئیں تو کیا پہچان لیں گی۔"

"مجھے ان کی شکلیں یاد نہیں ہیں۔۔۔ وہ ہمہ وقت نقاب کیے رکھتے تھے۔" پولیس آفیسر نے ہسپتال کے چیئر پرسن ڈاکٹر عبدالماجد صاحب کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے یہ واقعی غلط فہمی کی بنا پر کیا جانے والا اغوا ہے۔ خیر آپ مکمل میڈیکل رپورٹ تیار کر لیں۔ ہمیں ایک دو بار مزید چکر لگانا پڑے گا۔ بہرحال تفتیش تو کرنی ہے۔"

"مگر اس سارے واقعے سے میرے ہسپتال کی ساکھ بری طرح مجروح ہوئی ہے۔ نیوز پیپرز نے اس واقعے کو بہت اچھالا ہے۔ اب یہ نئی صورت حال۔۔۔ آپ سمجھ سکتے ہیں میرے ہاں کام کرنے والی لیڈی اسٹاف اور آنے والی لیڈیز پیشنٹس کا اس کے متعلق کیا ری ایکشن ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر عبدالماجد کا رد عمل برا تھا۔ ربدا نے خوفزدہ نظروں سے سب لوگوں کو دیکھا۔

"پلیز ڈاکٹر ربدا کی کنڈیشن آل ریڈی خاصی خراب ہے۔ مینٹلی نارمل نہیں ہیں یہ آپ باہر چل کر ڈسکشن کر لیں۔" ڈاکٹر شہناز اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ٹوکنے لگیں تو سب لوگ روم سے نکل گئے تھے۔

"ڈاکٹر ربدا کیا واقعی تمہیں نہیں علم کہ وہ کون لوگ تھے اور کس کو اٹھوانا چاہتے تھے۔ یار تعاون کرو۔ تمہاری زندگی تو برباد ہو ہی گئی ہے کم از کم اس انجانے وجود کو ہی بچایا جا سکے۔" ڈاکٹر شہناز کہہ رہی تھیں وہ رو دی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں ڈاکٹر مجھے کچھ پتا نہیں۔۔۔ پلیز میری فیملی کو بلوا لیں میں گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"اوکے میں سر سے بات کرتی ہوں تم انڈر آبزرویشن ہو۔ پولیس اور سر کی اجازت پر ہی تمہاری فیملی کو اطلاع کی جا سکتی ہے۔ تم ریلیکس رہو۔ ذہن پر بوجھ ڈالنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اوکے۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر باہر نکل گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ہاسپٹل سے گھر آ گئی تھی۔ نومان ثوبان اطلاع ملنے پر فوراً" ہسپتال پہنچے تھے اور پھر ان کے ساتھ وہ گھر آ گئی تھی۔ اس کی مکمل میڈیکل رپورٹ پولیس ایونٹ کے طور پر بالکل کلیئر آئی تھی مگر مینٹلی کنڈیشن اس کی خراب ہی رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو چکا تھا اس سب صورت حال میں وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا۔

ماما اور شارقہ کا رویہ اس کے ساتھ پہلے سے بڑھ کر کیئرنگ ہو گیا تھا مگر اسے سنبھلنے میں اب بھی وقت لگتا۔

پاپا کے انتقال کے بعد وہ واحد ان کا سہارا تھی ماما عدت میں تھیں مگر اس حالت میں ماما اور باقی سب اسے سنبھال رہے تھے۔ پھوپھو وغیرہ نے تمام تعلقات توڑ لیے تھے بلکہ دیگر رشتہ داروں نے بھی پلٹ کر خبر نہ لی تھی ہاں اس کی واپسی پر ہر کوئی متجسس ضرور تھا۔ وہ دنیا کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئی تھی۔ اس نے ایک دو دن سنبھلنے کے بعد بینش کے گھر کال کی تو اس کی ملازمہ نے پک کی تھی۔

"بی بی صاحب کہہ رہی ہیں کہ وہ بات نہیں کرنا چاہتیں اور نہ ہی دوبارہ کال کیجیے گا۔ وہ اب آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتیں۔" ربدا کئی لمحوں تک حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ بینش ایسی مطلب پرست لڑکی ہو گی وہ تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔ کیا بینش آگاہ ہے کہ اسے اغوا کرنے والا کون تھا۔ وہ مسلسل سوچتی رہی اور جی چاہا کہ بینش کے پاس ضرور جائے اور اس سے اس درجہ ظلم کی وجہ پوچھے۔

اس نے جس طرح پولیس کے سامنے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اب بھی اپنے گھر والوں سے بھی اس نے چھپالیا تھا کیا فائدہ پھر بتانے کا بھی۔ پاپا تو رہے نہیں تھے شارقہ نومان اور ثوبان اس کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنے کھڑے تھے رہ گئیں ماما وہ انہیں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس نے دل میں پکا ارادہ ضرور باندھ لیا تھا کہ وہ بینش کے پاس ضرور جائے گی اور اس ظلم کا سبب جاننے کی کوشش ضرور کرے گی۔

☼ ☼ ☼

وہ پورے ایک ماہ بعد دوبارہ ہسپتال جوائن کر رہی تھی۔ ڈاکٹر شمسہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ باقی اسٹاف ممبران کا ردعمل بھی عجیب وغریب سا تھا۔ وہ اب ایک ماہ کے عرصے میں آہستہ آہستہ لوگوں کے ردعمل کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ سو نظر انداز کیے ڈاکٹر شمسہ کے ساتھ ہی بیٹھی رہی تھی۔

نو بجے کے قریب ڈاکٹر عبدالماجد آئے تو انہوں نے آتے ہی اسے بلوالیا وہ سر کے آفس میں آئی تو وہ منتظر ہی تھے۔

"بیٹھیے۔" وہ خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کے ساتھ ہونے والے حادثے کے دوران آپ کے والد صاحب گزر گئے۔ میں بس ہسپتال کی مصروفیات کی وجہ سے خصوصی طور پر تعزیت کے لیے نہ آسکا۔"

"کوئی بات نہیں سر۔۔۔"

"آپ دوبارہ ہسپتال جوائن کر رہی ہیں کیا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"جی سر۔۔۔"

"دیکھیں ڈاکٹر ربدا ۔۔۔ یہ ایک چھوٹا سا پرائیویٹ ہسپتال ہے۔ آپ ایک ذہین اور قابل ڈاکٹر ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ پبلک کو ایسا اسٹاف مہیا کریں جو ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہو۔" ڈاکٹر عبدالماجد کہہ رہے تھے اور ڈاکٹر ربدا خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے ہمارے ہاں تین ماہ کام کیا ہے۔ آپ ایک بہت اچھی ڈاکٹر بن سکتی ہیں۔ آپ میں بہت ابیلیٹیز ہیں۔ بہت پوٹینشل ہے بٹ بیٹا۔" وہ رک گئے تھے۔

"آپ کے ساتھ ہونے والے اس حادثے سے میرے اس ہسپتال کی ساکھ بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ آپ کو کڈنیپ کرنے والوں کا جو بھی مقصد تھا مگر میرے ہسپتال کی بہت بدنامی ہوئی ہے پبلک اور نیوز پیپرز نے اس حادثے پر سارا الزام ہمارے سر تھوپنے کی کوشش کی تھی وہ تو اللہ کا شکر تھا کہ آپ کو چھوڑ دیا ان لوگوں نے اور ہماری بچت ہو گئی لیکن میں انتہائی معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کو اب مزید اپنے ہسپتال میں نہیں رکھ سکتا۔ سلیکشن پینل کے ممبران کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ ہاسپٹل کی انتظامیہ کا مشترکہ فیصلہ ہے۔ ایم سوری۔" ربدا بے حس وحرکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ نومان ثوبان کے اسکول کے اخراجات شارقہ نے آگے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا تھا دیگر گھریلو اخراجات۔ اسے لگا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا ہے۔

"مگر سر۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"میں مجبور ہوں ڈاکٹر ربدا ۔۔۔ آپ کے حوالے سے بہت ہی سیریس قسم کا ایشو چل نکلا ہے۔ بے شک پولیس وغیرہ نے آپ کے بیان کے بعد آپ کی فائل بند کر دی ہے مگر پبلک آپ کی فائل بند کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ میں اپنے اسٹاف اور مریضوں کو صاف ستھرا اور پرسکون ماحول فراہم کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز آپ ہمارا پرابلم سمجھنے کی کوشش کریں۔" اس کی عزت نفس کو پامال کیا جا رہا تھا۔ اس کے کردار و الفاظ پر شک کیا جا رہا تھا۔ وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔

"یہ آپ کی پچھلے ماہ کی تنخواہ ہے۔۔۔ ساتھ ہی آپ کے پچھلے تین ماہ کے بقایا جات اور بونس ہے۔ ریئلی مجھے خود بہت دکھ ہے کہ میں خود ایک قابل ڈاکٹر کی خدمات سے محروم ہو رہا ہوں۔" انہوں نے اس کے سامنے سفید لفافہ رکھ دیا تھا۔

ربدا پھر بھی ساکت بیٹھی رہ گئی۔ یعنی اس کی سیاہ بختی کا آغاز ہو چکا تھا۔ دل چاہا کہ سامنے بیٹھے شخص کو بے نقط سنا ڈالے مگر کس بنیاد پر۔۔۔ اس کو سرد و گرم سے بچانے والا اس کا باپ اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا اور نہ ہی اس کے پاس دولت جیسی طاقت ور شے تھی جو اس کے سب عیب چھپالیتی۔ لوگوں کے منہ بند کر دیتی۔

"آپ پلیز اب جاسکتی ہیں۔" کیسی بے رحمی تھی وہ تڑپ اٹھی۔

کچھ کہنا چاہا مگر زبان تالو سے چمٹ گئی آنسو بھری آنکھوں سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا اور جی چاہا کہ لفافہ اٹھا کر اس شخص کے منہ پر دے مارے مگر مار نہ سکی۔ اس لفافے میں موجود چند کاغذوں کی اسے اشد ضرورت تھی۔ بمشکل اپنے مردہ وجود کو لیے اٹھی تھی۔

اپنا بیگ اور چادر لینے وہ ڈاکٹر شمسہ کے روم میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"ڈاکٹر ربدا ۔۔۔ کیا ہوا؟" اس نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر کرسی پر بٹھایا ورنہ وہ شاید یہیں گر جاتی۔

"پلیز بتاؤ کیا ہوا ہے؟ ۔۔۔ تمہیں تو عبدالماجد صاحب نے بلوایا تھا نا۔۔۔ پلیز ٹیل می کیا کہا انہوں نے؟" وہ پوچھ رہی تھی اور ربدا شدت سے رو دی۔

"انہوں نے مجھے یہاں سے فارغ کر دیا ہے۔" شمسہ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے اسٹاف اور مریضوں کو ایک صاف ستھرا اور پرسکون ماحول دینا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر شمسہ پل میں ساری بات سمجھ گئی۔

"اوہ۔۔۔ ویری بیڈ۔" دکھ سے اس نے ربدا کا ہاتھ تھام لیا۔

ڈاکٹر شمسہ امیر دولت مند باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا ارادہ اپنا ہسپتال اسٹیبلش کرنے کا تھا مگر اس سے پہلے وہ تجربے کے لیے جاب کر رہی تھی۔ وہ اس کے گھر کے مسائل سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ بینش اس کی اسکول فیلو تھی جبکہ شمسہ میڈیکل میں اس کی دوست تھی۔ اس نے تمام لوگوں کی طرح اس کے اغوا کا سن کر رابطہ ختم نہ کیا تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ ایسے حالات میں یہ جاب ربدا کی فیملی کا کتنا بڑا سہارا بن سکتی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ دباتی رہی۔

"یہ عبدالماجد صاحب بڑے ڈپلومیٹ انسان ہیں۔ تم فکر نہیں کرو۔ انسان کچھ بھی کرلے مگر رہے گا تو انسان ہی نا۔ داتا تو نہیں بن جائے گا۔ ایک در بند ہو تو پروردگار کوئی اور در کھول دیتا ہے۔ تم حوصلہ رکھو۔۔۔ اپنے گھر والوں کے لیے تم ہی واحد سہارا اور امید ہو۔ اگر تم ہی حوصلہ ہار گئیں تو پھر ان کو کون سنبھالے گا ۔۔۔ فکر نہیں کرو میں کل گھر آؤں گی تو مل کر سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے؟"

"کیسے فکر نہ کروں شمسہ پاپا کی ڈیتھ کے بعد واجبات کے لیے ابھی تک کوئی کارروائی شروع نہیں کی گئی اور جو واجبات ہیں آخر وہ کب تک ہمارا ساتھ دیں گے۔ اوپر سے گھر خالی کر دینے کا نوٹس۔ میں کل پاپا کے آفس گئی تھی۔ اپلیکشن دے کر آئی ہوں کہ جب تک ماما کی عدت ہے ہمیں اس گھر میں ہی رہنے دیا جائے مگر اس کے بعد ہم کہاں جائیں گے۔ شارقہ گریجویشن کے بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی تھی نومان ثوبان کے لیے پاپا نے نجانے کیا کیا خواب دیکھے تھے اور میں میری تعلیم کے لیے پاپا نے اتنا کچھ کیا۔ ورنہ سفید پوش گھرانوں میں میڈیکل تعلیم محض ایک خواب ہوتی ہے۔ انہوں نے میرے لیے اتنا کچھ کیا اور بدلے میں میری طرف سے انہیں کیا ملا ذلت رسوائی۔ میں تو اپنی ہی نظروں میں گر چکی ہوں مجھے ایک ایسے جرم کی سزا مل رہی ہے جو میں نے کیا ہی نہیں۔" شمسہ کا اپنا دل بھر آیا۔

"اب میں چلوں گی۔۔۔ تم بہت اچھی ہو شمسہ تم نے اور لوگوں کی طرح مجھے دھتکارا نہیں۔ پتا نہیں اب کب ملنا ہو۔ ایک درخواست ہے کبھی کبھار ملتی

رہنا..... پلیز۔" کچھ دیر بعد خود کو سنبھالتے اس نے ٹیبل سے اپنا بیگ اور چادر اٹھا کر کہا تو شمسہ گم سم سی رہ گئی۔

"میں ایسی نہیں ہوں اور نہ ہی میری فیملی ایسی سطحی سوچ کی حامل ہے۔ میں ضرور ملتی رہوں گی اور پھر اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ لوگ کچھ بھی سوچیں جو مرضی کہیں میرا تمہارا ایک دو دن کا ساتھ نہیں جو بدظن ہو جاؤں اور رہی تمہارے ساتھ ہونے والے سانحے کی بات تو پولیس بے شک فائل بند کر چکی ہے اگر تم کہو تو میں ری اوپن کرواؤں۔ پتا تو چلے کہ وہ کون لوگ تھے۔"

"نہیں..... جب ہم کچھ جانتے ہی نہیں تو کن کے خلاف اٹھیں..... یہ واقعی غلط فہمی کی بنیاد پر ہونے والا اغوا تھا۔ میں نے اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ میرے ساتھ جو ہو چکا میں نے سب سہہ لیا ہے۔ پاپا کے بعد اب مزید کسی اور نقصان کی میں متحمل نہیں ہو سکتی۔ میری فیملی ہی میرا سب کچھ ہے۔ اور اپنے بہن بھائیوں کے لیے میں نے اس قصے کو ہی ختم کر دیا ہے۔ اب میرے لیے اپنی ذات سے بڑھ کر اپنی ماما اور بہن بھائیوں کا مستقبل اہم ہے۔"

شمسہ نے ربدا کو دیکھا بھی وہ کس قدر پر اعتماد بہادر اور دو ٹوک انداز کی مالک ہوتی تھی۔ انتہائی ذہین اور قابل لڑکی آج زمانے کے سرد و گرم سہہ رہی تھی۔ حالات نے اسے کیا سے کیا بنا ڈالا تھا۔ اسے اس پر بے حد ترس آیا۔

"او کے میں چلتی ہوں اب۔" چادر اپنے وجود کے گرد لپیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں کل ان شاء اللہ چکر لگاؤں گی اور پھر مل کر سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔" شمسہ کی بات پر سر ہلاتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بی بی جان کے بلانے پر کئی ماہ بعد حویلی آیا تھا اور اپنے بیٹے انیق کو دیکھ کر کیسے بکھر کر رہ گیا تھا خوب صورت صحت مند انیق بہت کمزور ہو چکا تھا جب وہ چند دنوں کے انیق کو چھوڑ کر گیا تھا تو وہ بہت صحت مند بچہ تھا اور اب..... بازل خان کے اندر دکھ پلنے لگے۔

ماں تو اس کی مرگئی تھی مگر جیتے جی اس نے اپنے بیٹے کو خود سے بھی محروم کر لیا تھا۔

"بات سن پتر..... اب تو کہیں نہیں جائے گا۔ تیرے باپ اور تیری لڑائی میں مجھ نمانی اور اس بچے کا کیا قصور ہے۔ ترس نہیں آرہا تجھے اس پر..... ماں کی محبت کا اگر احساس نہیں تو اس کی خاطر ہی رک جا....." بی بی جان آبدیدہ ہو گئیں تو اس کے اندر موجود دکھ لاوے کی طرح پھٹنے لگا۔

"میں نے قسم کھائی ہے بی بی جان جب تک میں ہر الزام سے بری نہیں ہو جاتا مجھ پر ہر طرح کی نعمت حرام ہے۔ میں یہاں رہتا ہوں تو اس حویلی کی وحشت مجھے کھانے کو دوڑتی ہے۔ گزرے دنوں کی اذیت ناگن کی طرح ڈستی ہے۔ بی بی جان مجھے ہر طرف سارہ نظر آتی ہے۔ میں سب برداشت کر گیا تھا۔ ہر الزام، ہر اذیت مگر سارہ کی وہ بے اعتبار نگاہیں بھولتی نہیں مجھے..... بی بی جان! وہ بغیر کچھ کہے چلی گئی اور مجھے جیتے جی مار گئی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ہر طرف آگ لگا دوں ہر چیز تہس نہس کر دوں۔ وہ جو میری ذلت کا سبب ہے اسے اپنے ہاتھوں سے زندہ در گور کر دوں۔" بی بی جان کے دل پر کسی نے ہاتھ ڈال دیا۔

اتنے ماہ گزرنے کے باوجود اس کی ذہنی حالت وہی تھی۔

"نہ پتر نہ..... جذباتی نہیں ہوتے۔ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ اور غصے میں انسان گناہ تک کر لیتا ہے۔ صبر سے کام لے۔ صبر سے پتر۔"

"نہیں ہوتا صبر..... آگ لگی ہے میرے اندر..... کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا..... کچھ سمجھ نہیں آتا بی بی جان کہ کیا کروں۔" بی بی جان نے اس کی پیشانی چومی۔

"میں صدقے..... میں قربان..... ایسی باتیں نہ کر، ماں کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں تو تمہارا اعتبار کرتی ہوں نا۔ یہاں سب تمہارا اعتبار کرتے ہیں۔

تیرے بھائی، بھابھیاں سب تجھے جانتے ہیں۔ بس تیرے بابا کو غصہ ہے۔ تو دل پر مت لے۔" انہوں نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"وہ اصول پسند ہیں۔ ظلم اگر مزارعے کے ساتھ بھی ہو تو برداشت نہیں کرتے۔ تو فکر نہ کر بڑی جلدی انہیں احساس ہو جائے گا کہ تم غلط نہیں ہو۔"

"کیا فائدہ ایسے احساس کا..... ان کے احساس سے میری سارہ تو واپس نہیں آجائے گی۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا بی بی جان خاموش ہو گئیں۔

"بی بی جان....." کچھ پل بعد اس نے پکارا تو انہوں نے اسے دیکھا۔

"ہوں۔"

"وہ خطوط اور تصاویر کدھر ہیں؟" وہ چونکی تھیں۔

"میرے پاس ہیں..... کیوں خیریت پتر!"

"مجھے ضرورت ہے ان کی..... میں بطور خاص اس لیے آیا ہوں کہ وہ ثبوت حاصل کروں۔ سارہ تو چلی گئی مگر میں ایک الزام لے کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ میں پتا کرنا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی نے کیوں میرے ساتھ اتنا گھناؤنا کھیل کھیلا۔" اس کی نس نس میں زہر پھیلا ہوا تھا۔ کس قدر وحشیانہ انداز تھا۔ بی بی جان اٹھیں۔

"مگر اب کیا فائدہ تو مٹی ڈال سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے سرسراتے لہجے میں کہا تو وہ پھنکارا۔

"ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے بس مجھ پر جھوٹا جرم ہی ثابت ہو گا۔ میں سب حقیقت جاننا چاہتا ہوں بی بی جان۔"

ربدا لاعلم تھی اور وہ اس کی لاعلمی پر الجھ گیا تھا کس قدر حیرت تھی اس کے ہر انداز میں۔ وہ لڑکی استعمال کی گئی تھی یا واقعی بے قصور تھی وہ خود بھی الجھ گیا تھا اور اب وہ یہی الجھن ہی تو سلجھانا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر ربدا اس کی دھمکی پر جس طرح فوراً" اس کا ساتھ دینے پر مان گئی تھی اور رہا ہونے کے بعد اس نے اس کے خوف سے جو بھی بیان دیا تھا اس بیان نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ اگر وہ محض اس کی دھمکی کے خوف سے غلط بیان دینے پر مجبور ہوئی تو بھی ڈاکٹر ربدا کی لاعلمی ہی اس کو الجھا گئی تھی ورنہ وہ شاید اسے کبھی رہا نہ کرتا۔ رفیق اس پر اور اس کے گھرانے پر ابھی بھی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اس کی اغوا کی فائل بند ہو چکی تھی۔ اگر وہ چاہتی تو اس کا نام لے کر اسے کٹہرے میں کھڑا کر سکتی تھی خصوصاً" بینش سے تو رابطہ کرنے کی کوشش کرتی مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا وہ اس ساری صورت حال سے اکتا کر اصل ثبوت لینے یہاں چلا آیا تھا اب وہ کچھ اور لائحہ عمل ترتیب دینا چاہتا تھا۔

"تم اب ادھر ہی رہو گے نا؟" بی بی جان نے پوچھا تو اس نے انیق کو پیار کیا۔

"پتا نہیں..... انیق کو کون سنبھالتا ہے؟"

"شائستہ ہی دیکھتی ہے..... ہر وقت اس کے پاس ہی رہتا ہے۔"

"تنگ تو نہیں کرتا انہیں۔"

"لو اتنا سا بچہ بھلا کس کو کیا خاک تنگ کرے گا۔ بس اوپری دودھ سے بیمار ہو گیا تھا۔ ویسے بڑا صابر بچہ ہے۔ اپنی ماں کی طرح ہے۔ شائستہ کے ساتھ ہل گیا ہے۔ اچھا شگون ہے۔ کل کو تمہاری بیوی آجائے گی تو پریشان نہ ہو گی۔" بازل خان نے چونک کر بی بی جان کو دیکھا۔

"کیا مطلب.....؟"

"تیرے بابا چاہتے ہیں کہ اب تیری شادی کر دی جائے....." انہوں نے نگاہیں چراتے انکشاف کیا تھا اور بازل خان حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"ہرگز نہیں..... آپ لوگوں نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔" وہ پھٹ پڑا تھا۔

"سارہ کے بعد اب تو ساری عمر ایسے تو نہیں گزار سکتا۔" انہوں نے کہنا چاہا مگر اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

"بس بی بی جان!..... میری شادی کا خیال دل سے نکال دیجیے..... سارہ کے بعد کوئی بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ بے شک وہ مجھے سچائی بتانے کا موقع دیے بغیر دل میں بے اعتباری لیے اس دنیا سے چلی گئی مگر

ہماری محبت کی نشانی میرا بیٹا ہمارا انیق زندہ ہے۔ میں نے کبھی شادی نہیں کرنی اب۔"

"پر تیرے بابا تیرے چاچا سے بینش کے لیے بات کر چکے ہیں۔" وہ حیرت سے گنگ دیکھتا رہ گیا۔

"بینش۔۔۔ مائی فٹ ایسی لڑکی پر میں کبھی نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ آپ جانتی ہیں کہ میں نے پہلے بھی اس سے شادی سے کیوں انکار کیا تھا۔ وہ ایک ایسی بد تہذیب بگڑی ہوئی لڑکی ہے جسے اپنی تو کیا کسی کی بھی عزت بے عزتی کا کوئی احساس نہیں۔ بطور کزن میں اسے برداشت تو کر سکتا ہوں آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ جسے میں پہلے ریجیکٹ کر چکا تھا وہ اب پھر میری زندگی میں داخل ہو جائے۔ اٹس امپاسبل۔"

"پر پتر تیرے چاچا نے خود تیرے بابا سے بات کی تھی۔ تیرے بابا راضی ہیں وہ تھوڑی سے آزاد خیال لڑکی ضرور ہے مگر اب اتنی بھی بری نہیں۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"بی بی جان وہ آزاد خیال ہی نہیں بلکہ ماڈرن ازم کے نام پر ایک دھبا ہے۔ اگر مجھے اسے قبول ہی کرنا ہوتا تو میں برسوں سے طے ہوئی اپنی اور اس کی بات کو ختم کروا کر سارہ سے شادی نہ کرواتا۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہتے صاف انکار کر دیا تھا۔

"میں نے تمہیں اسی لیے بلوایا تھا تیرے بابا صاحب بضد ہیں اس رشتے پر۔"

"بی بی جان مجھے مجبور مت کریں۔۔۔ یہ نہ ہو کہ میں انیق کو لے کر ہمیشہ کے لیے آپ لوگوں کی دنیا سے نکل جاؤں۔ ہر چیز ہر رشتے سے میرا اعتبار اٹھتا جا رہا ہے بی بی جان میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ بینش نام کی تباہی کے گڑھے میں آپ بھی مجھے دھکیلنے والوں میں شامل ہو سکتی ہیں۔" بی بی جان خاموش ہو گئی تھیں۔

"آپ بابا صاحب کو صاف کہہ دیں میں نے اب کبھی شادی نہیں کرنی۔ نہ ہی بینش سے اور نہ ہی کسی ایکس وائی زیڈ سے۔۔۔ سارہ آپ لوگوں کے لیے غیر نہ تھی بینش اگر چچا کی بیٹی ہے تو وہ پھوپھی زاد تھی میری حیرت ہو رہی ہے مجھے اتنی جلدی آپ سارہ کو فراموش کیے بینش کا نام لے رہی ہیں۔"

"آپ مجھے وہ تصاویر اور خطوط دے دیں میں پہلے اس قصے کو کلیئر کرنا چاہتا ہوں رہ گئی شادی کی بات تو بابا صاحب سے صاف کہہ دیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی اب۔۔۔ نہ کبھی بھی۔۔۔" وہ دو ٹوک انکار کرتے بیٹے کو بازوؤں میں اٹھائے بی بی جان کے کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک در بند ہوا تھا تو اللہ نے ایک اور در کھول دیا تھا۔

شمسہ واقعی اس کے لیے ایک حقیقی اور غم گسار دوست ثابت ہوئی تھی۔ اس کے ایک جاننے والے کی مسز گائنا کالوجسٹ تھیں ان کا شہر کے پوش ایریا میں اپنا کلینک تھا انہیں ایک فی میل ہیلپر کی ضرورت تھی۔۔۔ شمسہ کے توسط سے اس کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ بہت اچھی پے نہ تھی مگر کچھ نہ ہونے سے یہ جاب بھی اچھی تھی۔ پھر پک اینڈ ڈراپ کی سہولت مسز آفریدی دے رہی تھیں۔ کم از کم گھر کی ہانڈی روٹی تو چل ہی رہی تھی۔ وہ اس کے علاوہ کسی اچھی جاب کے لیے مسلسل ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ کئی جگہ اپلائی کر رکھا تھا مگر تجربہ نہ ہونے کی بنیاد پر اس کی شاندار میڈیکل ڈگری بھی کسی کام نہ آئی تھی۔

ڈیوٹی آورز کے دوران وہ ادھر ہی تھی مسز آفریدی کے پاس ایک کیس آیا تھا۔ سیزرین تھا وہ مریضہ اور اس کے ساتھ آنے والوں کو دیکھ کر چونکی۔

یہ بینش کی بھابھی تھیں ساتھ میں بینش کی والدہ بھائی اور والد تھے۔ اس کی والدہ سے سرسری سی سلام دعا کے بعد وہ مسز آفریدی کے ساتھ روم میں چلی آئی۔ بینش کی بھابھی کا پہلا بچہ تھا وہ بھی سیزرین کیس تھا۔ کیس سیریس تھا بچی اور ماں کی جان بمشکل بچ پائی تھی۔ کیس کے بعد وہ روم سے باہر آئی تو وہاں ویٹنگ روم میں اپنے والدین کے ساتھ بینش بھی کھڑی تھی۔

اسے دیکھ کر بینش چونکی۔

"کیسی ہو بینش۔۔۔؟" وہ اس کے پاس چلی آئی اس نے ہاتھ بڑھایا تو بینش نے کچھ خائف ہوتے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ٹھیک ٹھاک۔۔۔ تم ادھر؟" ربدا نے محسوس کیا کہ وہ اس سے بات کرتے کچھ محتاط سی ہو گئی ہے۔

"یس۔۔۔ میں آج کل ادھر جاب کر رہی ہوں۔" ربدا نے اسے بغور دیکھا تو وہ اسے کچھ کنفیوژ سی لگی۔

"تم نے تو ہر رابطہ ختم کر ڈالا۔۔۔ مجھے تمہارے اس رد عمل پر حیرت تو ہوئی مگر پھر سوچا کہ تم بھی اس معاشرے کا ایک فرد ہو۔ تمہاری سوچ کیسے ان 99% لوگوں کی سوچ سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اپنی زندگی میں ایسی مصروف ہوئی کہ تم سے ملنے پھر رابطہ کرنے کا وقت ہی نہیں ملا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم سے ملتی ہی نہیں۔ ملنا تو میں نے تم سے تھا اور بہت کچھ پوچھنا بھی تھا۔"

"ک۔۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" کچھ خائف ہو کر سختی سے کہا ربدا مسکرا دی۔ اس کے والدین قدرے فاصلے پر تھے مگر وہ بڑی گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے والدین کو دیکھ رہی تھی اور آواز دبا کر بات کر رہی تھی۔

"مطلب تو مجھے بھی نہیں پتا مگر تم سے مطلب دریافت کرنا چاہتی تھی کہ۔۔۔"

"صاف بات کہو۔" اس نے تیزی سے ربدا کی بات کاٹ دی۔

"تمہاری ایک کزن تھی سارہ کیا اس کی ڈیتھ ہو گئی ہے؟" ربدا نے صاف محسوس کیا کہ اس کے اس سوال پر بینش کا رنگ اڑا تھا۔ اور پھر چند پل تک تو وہ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

"ہاں مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو۔۔۔" آواز دبا کر اس نے پوچھا تھا۔

"بس ویسے ہی۔۔۔" ربدا مسکرائی تو اس نے عجیب نظروں سے ربدا کو دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا اس کی ڈیتھ کا۔۔۔؟"

"ایک نیوز پیپر میں پبلش ہوا تھا۔" وہ الجھ گئی اور پریشان نظروں سے ربدا کو دیکھا۔

"کیا۔۔۔؟"

"اٹس جوکنگ۔۔۔۔۔۔ تم سے ایک اور بات پوچھنی ہے۔ تمہاری اس کزن کے ہزبینڈ کا کیا نام تھا؟ چند ایک بار تمہارے گھر اور تمہارے ہی توسط سے ملاقات ہوئی تھی نا۔ بس ایسے ہی پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے نہیں پتا جو بھی بات کرنی ہے صاف صاف کہو پہیلیاں مت بجھواؤ۔" وہ ایک دم غصے سے بولی تو ربدا سپاٹ چہرہ لیے اسے دیکھے گئی۔

"تمہیں پتا ہے میرا اغوا ہو گیا تھا۔" اسی لہجے اور انداز میں اسے کہا۔

"اور جانتی ہو مجھے کس نے اغوا کروایا تھا؟" ربدا نے بینش کی آنکھوں میں صاف اور واضح خوف محسوس کیا تھا۔

"تم نے۔۔۔" اگلے ہی پل ربدا نے کہا تو بینش منہ کھولے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"مجھے تم نے کڈنیپ کروایا تھا۔" اس نے اپنے لفظوں کو دہرایا تھا۔

"شٹ اپ۔۔۔" بینش ایک دم چیخ کر بولی ارد گرد موجود اس کی ماں باپ اور بھائی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" اس کی ماں قریب آ گئی تھی۔ ربدا نے مسکرا کر اس کی ماں کو دیکھا جبکہ بینش اپنے آپ کو کنٹرول کرتے نارمل ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کچھ نہیں مام۔۔۔ یہ ربدا اتنا عرصہ رابطہ نہ رکھنے پر ناراض ہو رہی تھی۔" ربدا نے بینش کا چہرہ دیکھا وہ آنکھوں میں عجیب سے تاثرات لیے کھڑی تھی۔

"ڈاکٹر ربدا آپ کو میڈم بلا رہی ہیں۔" تبھی میڈ نے آ کر اطلاع دی تو وہ اسے دوبارہ ملنے اور تفصیلی بات چیت کرنے کا کہہ کر وہاں سے چل دی تھی۔

"مائی فٹ۔۔۔" ربدا کے جانے کے بعد بینش نے

اسے دل ہی دل میں گالی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماما کی عدت کا عرصہ آہستہ آہستہ گزر ہی گیا تھا۔ آفس کی طرف سے دی گئی مہلت ختم ہوئی تو وہ لوگ ایک پسماندہ سے علاقے میں چند ہزار کرائے کے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ اور گھر بہت عام سا تھا مگر اتنا ضرور ہوا کہ وہ لوگوں کی تمسخرانہ نظروں اور تضحیک بھرے سلوک سے بچ گئی تھیں اجنبی لوگ اجنبی علاقہ نومان اور ثوبان یہاں آکر بہت ان ایزی فیل کر رہے تھے مگر اس کے پاس اچھے علاقے میں گھر لینے کے وسائل نہ تھے بابا کے آفس کی طرف سے ملنے والے واجبات اور ماما کی پنشن ضرور تھی۔ واجبات اس نے نومان اور ثوبان کے مستقبل کا سوچتے ہوئے محفوظ کر لیے تھے جبکہ ماما کی پینشن سے گھر کا راشن نکل آتا تھا رہ گئی وہ خود تو اس کی محدود تنخواہ سے نومان ثوبان کے اسکول کی فیس کے اخراجات بس کا کرایہ وغیرہ نکل جاتا تھا شارقہ کا رزلٹ آگیا تھا فرسٹ ڈویژن سے پاس ہو گئی تھی اس کے بے پناہ اصرار کے باوجود اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کا ایک ہی موقف تھا۔

"پاپا کی ڈیتھ کے بعد ماما بہت بیمار رہنے لگی ہیں گھر کی دیکھ بھال کے لیے ایک فرد کی ضرورت ہے۔ آپ پر کتنا بوجھ ڈالیں ہم کچھ میرا حق بھی بنتا ہے۔ اگر میرا موڈ بنا تو کسی بھی سبجیکٹ میں پرائیویٹ ماسٹر کر لوں گی۔"

اور ربدا اس کے موقف پر خاموش ہو گئی تھی ماما حقیقت میں پاپا کی جدائی کے غم سے نڈھال بہت بیمار رہنے لگی تھیں۔ ربدا کی طرح وہ ابھی تک حالات سے سمجھوتہ نہ کر سکی تھیں۔ اوپر سے گھریلو حالات اور ربدا کے ساتھ ہونے والے حادثے نے انہیں بہت کمزور کر ڈالا تھا ایسی صورت میں شارقہ کا موقف درست ہی تھا۔

وہ کلینک سے لوٹی تو شمسہ آئی بیٹھی تھی۔ ماما بھی شارقہ کے ساتھ شمسہ کے پاس ہی براجمان تھیں۔

"آج تم نے ہمیں کیسے یاد کر لیا؟" فون پر تو شمسہ سے روزانہ ہی بات ہو جاتی تھی مگر کتنے دن بعد اسے دیکھ رہی تھی اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد وہ پہلی بار آئی تھی۔

"تمہاری طرح نہیں ہوں۔ بس میں تم سے سخت ناراض تھی۔ مگر تمہیں احساس ہی نہیں مجبوراً" خود ہی ناراضی ختم کرنا پڑی۔۔۔۔" وہ مسکرا دی۔

شمسہ نے اسے آفر کی تھی کہ وہ ان لوگوں کے گھر انیکسی میں شفٹ ہو جائے مگر اس نے اس کی آفر سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ ناراض تھی۔ گھر کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے اسے گھورا۔

"اس سے زیادہ بیک ورڈ ایریا تمہیں نہیں ملا تھا۔ کتنے لو لیول کا گھر ڈھونڈا ہے تم نے۔"

"کیا کرتی پھر؟۔۔۔ اچھے علاقے میں ملنے والے گھر کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی۔ اتنا کرایہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔"

"میری آفر ابھی بھی برقرار ہے۔ آنٹی آپ ہی اسے سمجھائیں۔۔۔۔ ہم دوست ہی نہیں بہنیں بھی ہیں۔ ہمارے گھر کی انیکسی میں شفٹ ہو جانے میں کیا حرج ہے۔ ماما پاپا بھی کئی بار اس سے بات کر چکے ہیں مگر یہ مانتی ہی نہیں۔" وہ ابھی بھی ناراض تھی۔

"دیکھو بیٹا یہ اچھا نہیں لگتا۔ اب جیسے بھی حالات ہیں خود ہی ہینڈل کرنا ہوں گے تم نے ربدا کو جاب دلوادی یہ کیا کم احسان ہے" ماما نے کہا تو اس نے منہ بنا لیا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔۔ اور یہ کوئی احسان نہیں۔۔۔۔ رئیلی میری ماما بہت خوش ہوں گی وہ اتنی سوشل نہیں ہیں سارا سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی ہیں اس طرح آپ کے آجانے سے ان کی تنہائی بھی بٹ جائے گی۔ پلیز آنٹی مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے اس گھر میں آپ کو دیکھ کر پلیز آنٹی آپ ہامی بھریں ربدا کو میں منالوں گی۔" ربدا نے ماما کو دیکھا وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھیں۔

"بیٹا! ربدا نے مجھ سے بات کی تھی مگر ہم انیکسی کا کرایہ افورڈ نہیں کر سکتے۔۔۔۔ تم ہماری کنڈیشن سے بے خبر نہیں ہو۔ اگر تم نے ربدا کو جاب نہ دلوادی ہوتی تو شاید حالات اس سے بھی بدتر ہوتے۔" ربدا نے ایک گہرا سانس لیا تو شارقہ نے بڑے غصے سے ربدا کو دیکھا۔

"اب آپ لوگوں سے میں کرایہ لوں گی۔ اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے ربدا تم نے مجھے۔"

"مگر کرایہ ادا کیے بغیر رہنا تو ہم بھی اچھا نہیں سمجھتے۔" ماما نے ہی جواب دیا تھا۔

"کتنی غیرت والی بات کی ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ لوگ مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتے۔" شمسہ فوراً" اموشنل ہوئی تھی۔ ربدا نے ماما کو دیکھا جو فوراً" شمسہ کی باتوں میں آگئی تھیں۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے تم تو میرے لیے شارقہ اور ربدا کی طرح ہی ہو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔۔ اگر میری بات قبول ہے تو میں ادھر آؤں گی ورنہ اب کبھی چکر نہیں لگاؤں گی۔۔۔۔ کتنی بری بات ہے ہم آپ سے کرایہ لیں گے۔ میری محبت 'میرا خلوص آپ کو نظر ہی نہیں آتا۔" ربدا نے دیکھا ماما پر اس کے الفاظ بڑی بری طرح اثر انداز ہوئے تھے۔ اس کی سدا کی سیدھی ماما فوراً" اس کی جذباتی بلیک میلنگ میں آگئی تھیں۔

"ٹھیک ہے اگلے ماہ دیکھیں گے۔ اس ماہ کا کرایہ تو ادا کر چکے ہیں۔ مگر میری بھی ڈیمانڈ ہے کہ ہم کرایہ ضرور ادا کریں گے۔"

"ہائے آنٹی آپ واقعی بہت سویٹ ہیں۔۔۔۔ رہ گیا کرایہ تو وہ تو بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔ جب ہمارے گھر شفٹ ہو جائیں گے تب۔" وہ فوراً" خوش ہو گئی۔ ربدا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس علاقے میں آ کر وہ بھی بہت بے سکون ہو گئی تھی۔ عجیب سا جاہل محلہ تھا۔ گلی میں ہر وقت دندناتے اوباش لڑکے اور گھور گھور کر دیکھتے مرد۔

جبکہ ماما اور شارقہ تو سارا وقت گھر کے اندر ہی بند رہتی تھیں۔ انتہائی ضرورت ہوتی تھی تو ماما ہی باہر نکلتی تھیں۔ وہ چند دنوں میں ہی ایسے ماحول سے خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

"اور میڈم تمہارا لیے ایک ایڈ ہے ۔۔۔ یہ گورنمنٹ جاب کا اشتہار ہے۔۔۔۔ مختلف علاقوں میں ڈاکٹر کی پوسٹ Vacant ہیں۔ میں لے آئی تھی۔ یہ دیکھو اور اگر موڈ بنتا ہے تو اپلائی کر لو۔ پیکیج اچھا ہے ۔۔۔ لمبا چوڑا پراسس نہیں ہے۔ رٹن (Written) ٹیسٹ اگر کلیئر ہو گیا تو پھر انٹرویو کے بعد سلیکشن ہو جائے گی۔ اگر سفارش وغیرہ کا مسئلہ ہوا تو اس کی تم فکر مت کرو۔" ماما کے بعد اس نے اب اس کی طرف رخ کیا تھا۔ ساتھ ہی بیگ سے اخبار نکال کر اس کو پکڑایا تو اس نے ایڈ دیکھا۔

یہ مختلف علاقوں میں گاؤں کی سطح پر واقع ہاسپٹل میں فی میل اسٹاف کا ایڈ تھا۔ مگر یہ علاقے تو سبھی بہت دور ہیں۔" ایڈ دیکھ کر اس نے شمسہ کو دیکھا۔

"ڈونٹ وری ایک دفعہ گورنمنٹ ایمپلائی کے طور پر سلیکشن ہو جائے تو بعد میں تمہارا ٹرانسفر کروانا میری ذمہ داری ہے۔"

"نہیں یار میں اپنی فیملی کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتی۔"

"اوف۔۔۔۔ ابھی کون سا تمہیں فوراً" یہ جاب مل رہی ہے۔ ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے؟ اپلائی کر کے تو دیکھو۔ کئی کئی ماہ سلیکشن اور بعد کے پراسس میں لگ جاتے ہیں۔ اگر جاب مل بھی گئی تو تب تک آنٹی اور باقی سب ہمارے ہاں شفٹ ہو چکے ہوں گے۔"

"اچھا دیکھوں گی۔۔۔۔" اس کی اس تقریر پر اس نے ٹالنا چاہا تو وہ اسے گھورتے بیگ اٹھا کر جانے کی نیت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھنا نہیں اپلائی کرنا۔۔۔۔ فارم وغیرہ میں لا دوں گی اگر فل کرتے ہوئے ٹائم نہ ملے تو خود ہی فل کر کے بھیج دوں گی بٹ اپلائی ضرور کرنا ہے۔" وہ جاتے جاتے بھی تحکم سے رعب ڈالنے سے باز نہ آئی تھی۔ اس کی محبت اور انداز پر وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔ سچ کہتے ہیں کہ۔

"پرخلوص دوست بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت

ہوتے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

وہ اپنے سامنے تصویریں پھیلائے دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں وہ تصاویر دیکھ رہا تھا اس کے اندر آتش فشانی مادہ دوڑنے لگا تھا۔ ایک سرد و بریت بھری کیفیت نے سر ابھارا تھا۔

جو تصویر اس کے ہاتھ میں تھی وہ بغور دیکھ رہا تھا ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ یہ کب کی تصویر تھی۔ یہ اس کی بینش کے گھر ربدا نامی لڑکی سے پہلی ملاقات تھی۔ سارہ اور بینش کزن ہی نہ تھیں بلکہ فرینڈز بھی تھیں اور بینش کے بھتیجے کی برتھ ڈے تھی اور حویلی سے خصوصی طور پر دونوں ہی شامل ہوئے تھے۔

گہرے گرین سوٹ میں ملبوس وہ سادہ سے حلیے کے باوجود ڈاکٹر ربدا نامی لڑکی بہت پرکشش اور خاص لگ رہی تھی۔ اپنے سادہ انداز میں ایک خاص وقار اور رکھ رکھاؤ لیے وہ وہاں شامل تھی۔

وہ کسی کام سے باہر گیا تھا اور پھر واپس اپنی رو میں لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا جب درمیان میں پردہ ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ نہ پایا تھا وہ بھی دروازے سے شاید نکلنے لگی تھی اور دونوں کا بری طرح تصادم ہوا تھا۔ وہ گرنے لگی تھی جب اس نے بہ عجلت بغیر سوچے سمجھے اس کی کلائی تھام کر اپنی طرف کھینچ کر گرنے سے بچایا تھا۔ بس وہی قربت کے چند پل کیمرے کی آنکھ نے چرا لیے تھے۔

ہر نقش بہت واضح تھا ہر رخ بہت معنی لیے ہوئے تھا۔

تصویر پر پہلی نگاہ ڈالنے سے یونہی لگ رہا تھا کہ جیسے دونوں کسی خاص تعلق میں بندھے اردگرد کے ماحول کو بھلائے ایک دوسرے کی قربت میں مست ہیں۔ وہ کیا کوئی بھی اس تصویر پر پہلی نگاہ ڈالنے کے بعد کچھ بھی اخذ کر سکتا تھا اور اس لڑکی نے جس طرح اس تصویر کا استعمال کیا تھا بازل شاہ کو لگا کہ اس کے اندر آگ دہکنے لگی ہے۔ اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

یہ دوسری تصویر تھی سی گرین ہلکے پھلکے لباس میں وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے ساتھ ہی ایک ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا جو شاید پول تھا۔ اس لڑکی کے سر سے دوپٹہ اترا ہوا تھا اور اس کے لمبے گھنے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

بازل خان یاد کرنے لگا کہ یہ سچویشن کہاں کی تھی۔ تصویر کے گرد بیک گراؤنڈ تو اسے یاد نہیں آ رہا تھا مگر جس پول کے کنارے چھوٹی سی دیوار پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے وہ جانی پہچانی ہی لگ رہی تھی۔ ربدا اپنے پاؤں پول کے پانی میں ڈالے ہوئے تھی اس کا ایک ہاتھ بھی پانی کی لہروں میں تھا۔ وہ یاد کرنے لگا کہ اس لڑکی سے وہ دوبارہ کب کہاں اور کیوں ملا تھا۔

پھر اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔

بینش اور اس کی بات بڑوں میں کافی عرصے سے طے تھی۔ وہ باہر سے تعلیم حاصل کر کے لوٹا تو سب کا خیال تھا کہ اب شادی کر دی جائے مگر جب وہ بینش سے ملا تو وہ اسے بطور لائف پارٹنر ذرا پسند نہ آئی۔ بچپن سے جوانی تک بہت کم ملاقات رہی تھی دونوں میں سالوں بعد ملنا ملانا ہوتا تھا تبھی وہ ملا تو اسے لگا بینش بہت ماڈرن بے باک اور شارپ لڑکی ہے۔ اسی دوران سارہ نظر آئی تو حسن انتخاب اس کی طرف ہو گیا۔ اس نے بینش سے شادی سے صاف انکار کر دیا تھا جس سے دونوں خاندانوں میں تعلقات منقطع ہو گئے تھے بابا صاحب بھی شاید بینش کی حرکتوں سے خائف تھے انہوں نے اس کے انکار پر احتجاج نہ کیا تھا اور یوں سارہ اس کی شریک حیات بن کر اس کی زندگی میں چلی آئی تھی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بابا صاحب کی کوششوں سے دونوں خاندانوں میں حائل خلیج ختم ہوئی تو چچا لوگوں نے دونوں کو انوائیٹ کیا تھا اور ان کا قیام دو ہفتے تک چچا کے ہاں رہا تھا۔ تبھی چچا کے پوتے کی برتھ ڈے پر اس لڑکی سے پہلی ملاقات ہوئی اور دوسری ملاقات ریسٹ ہاؤس میں پکنک کے دوران ہوئی تھی۔

یہ پکنک بینش کی طرف سے ان لوگوں کے اعزاز میں دی گئی تھی جس میں ان دونوں کے علاوہ بینش نے اپنی کچھ اور فرینڈز کو بھی انوائیٹ کیا تھا۔ تب سارہ امید سے تھی اور وہ لحہ بہ لحہ اس کے ساتھ تھا۔ یہ تصویر پول پر بیٹھنے کے دوران کھینچی گئی تھی مگر جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا وہ کہیں بھی اس لڑکی کے ساتھ تنہا نہیں بیٹھا تھا۔ وہ ہر جگہ سارہ کے ساتھ تھا۔

سارہ اور اس لڑکی کی کچھ حد تک ہیلو ہائے ہو چکی تھی۔ وہ خاصی سلجھے ہوئے عادات و اطوار کی مالک لڑکی تھی۔ پول کی دیوار پر پانی میں دونوں پاؤں لٹکائے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں سارہ کے دائیں طرف وہ خود تھا اگر یہ اس وقت کی تصویر تھی تو اب درمیان میں سارہ ندارد تھی اور تصویر میں بیک گراؤنڈ کا منظر بھی اس ریسٹ ہاؤس کا نہ تھا۔

یا تو یہ لڑکی بہت شارپ اور تیز تھی یا پھر تصویر میں بیک گراؤنڈ کی چینجنگ کے ساتھ ساتھ سارہ کی موجودگی بھی ختم کر دی گئی تھی۔

"مائی گاڈ..." بازل نے الجھ کر تصویر ٹیبل پر پٹخ دی تھی۔

جب پہلی بار اس نے یہ تصویریں دیکھی تھیں تو اس کے اندر کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی تھی۔ چند ماہ پہلے ملنے والی ایک اجنبی لڑکی اسے بھلا کیونکر یاد رہتی۔ اور دوسرا سب کاری ایکشن ایسا شدید تھا کہ صاف بات اس کے کردار پر آ رہی تھی اور وہ اس قدر کنفیوژ ہو چکا تھا کہ تصویروں کے موقع و محل پر غور کرنے کے قابل تک نہ رہا تھا اور اب جب وہ سب تصویریں بغور دیکھ رہا تھا تو نجانے کیوں اسے بہت کچھ راز میں چھپا لگ رہا تھا جس تک اس کی رسائی نہیں ہو پا رہی تھی۔

یہ تیسری تصویر کچھ فاصلے سے اور اندھیرے میں لی گئی تھی مگر کیمرے یا کھینچنے والے کا کمال تھا کہ دونوں پر فلیش لائٹ کی روشنی نے تمام خدوخال کو واضح کرتے سچویشن خاصی کنفیوزنگ سی بنا ڈالی تھی۔

ڈاکٹر ربدا زمین پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا سر کسی قدر جھکا ہوا تھا اور وہ اس کے قریب کھڑا اس پر چادر ڈالنے جھکا ہوا تھا۔ جس طرح ڈاکٹر ربدا کا سر جھکا ہوا تھا اگر کیمرے کی روشنی براہ راست اس کے چہرے پر نہ پڑ رہی ہوتی تو شاید سمجھتا کہ یہ کوئی اور لڑکی ہے۔ بیک گراؤنڈ بھی کچھ عجیب سا تھا وہ سوچنے لگا کہ وہ اس سچویشن میں اس لڑکی سے کب ملا تھا۔

"یہ تصویریں..." وہ سوچنے لگا تو پھر چونک گیا۔ اس کے ذہن کے پردے پر وہ رات پوری طرح چمک اٹھی تھی۔

یہ یقیناً "اسی رات کی تصویر تھی جب اس نے اس لڑکی کو اس لوفر لڑکے سے بچایا تھا۔

"او مائی گاڈ..." بازل خان نے اپنا سر تھام لیا۔

اس قدر مہارت سے تصاویر کو پس منظر بدل کر پیش کیا گیا تھا۔

بابا یا سارہ لوگوں کا بھلا کیا قصور تھا وہ تو خود اپنی ذات کے بارے میں شک وشبے میں مبتلا ہو چکا تھا اس نے بغور دیکھا۔ تصویر میں لڑکی کے چہرے پر کچھ آنسو تھے جو فلیش لائٹ میں چمک رہے تھے۔

وہ کسی کام سے شہر آیا تھا اور رات چچا کے ہاں ٹھہرا تھا۔ اس رات گھر میں بینش کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا اور بینش کو بہت تیز بخار تھا۔ رات کے آٹھ بجے کا عمل تھا جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے کھول کر دیکھا تو بینش کھڑی تھی۔

"تم..."

"ہاں... مجھے بہت تیز بخار ہے۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ پہلے بھی ایسا درد ہوتا تھا۔ ربدا میری فرینڈ جو ہے نا اس سے کنسلٹ کرتی ہوں اگر تم مائنڈ نہ کرو تو پلیز مجھے اس کے ہاسپٹل لے چلو۔ میں نے کال کی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ اس کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔ وہ وہاں بزی ہے۔ گھر میں کوئی نہیں۔ بھیا بھابھی کے میکے ان کے ساتھ گئے ہوئے ہیں ممی اور پاپا بزنس ڈنر پر نکلے ہوئے ہیں۔"

"او کے... میں لے چلتا ہوں۔" وہ اسے ساتھ لے کر چلا گیا تھا وہ ہسپتال کی چار دیواری سے قدرے

فاصلے پر ہی تھے جب وہ دونوں ایک نسوانی چیخ پر بے اختیار چونکے تھے۔

"بازل پلیز گاڑی روکیں.... دیکھیں کون ہے؟" بینش کے کہنے پر گاڑی روکی دائیں طرف تیز قدموں سے بھاگتی ایک لڑکی تھی اور اس کے پیچھے بھاگتا لڑکا۔

بازل خان فوراً" باہر نکلا تھا تیزی سے آگے بڑھا تھا وہ لڑکی ٹھوکر کھا کر گر گئی تھی۔ تبھی وہ لڑکا چاقو نکالے اس کے ہاتھ سے بیگ چھین رہا تھا۔

"چھوڑو لڑکی کو...." بازل خان نے فوراً" آگے بڑھ کر اس لڑکے کو لات ماری تھی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور پھر وہ لڑکا پرس وہیں چھوڑے اندھا دھند بھاگا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا خاتون؟" وہ لڑکے کے پیچھے بھاگنے کی بجائے منہ کے بل گری لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس کے سر سے چادر اتر چکی تھی۔ وہ ازحد خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"بینش کم ہیئر...." اس نے بینش کو مدد کے لیے بلوایا تھا مگر شاید اس تک آواز نہ پہنچی تھی وہ گاڑی سے نہیں نکلی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" اس کی چادر اٹھا کر قدرے جھک کر اس پر ڈالتے اس نے پھر پوچھا تو اس کا جھکا ہوا سر فوراً اٹھا تھا۔

"آپ....؟" وہ لڑکی پتا نہیں اسے پہچانتی تھی کہ نہیں وہ ضرور چونک گیا تھا اسے لگا کہ جیسے یہ چہرہ دیکھا بھالا ہے۔

"کون تھا وہ شخص؟"

"وہ لڑکا کب سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ پہلے بدتمیزی کرتا رہا اور پھر بیگ چھیننے کی کوشش کی میں نے مزاحمت کی تو میرے ہاتھ پر چاقو مار ڈالا۔" اس نے زخمی ہاتھ آگے کیا تو اس میں تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔

"ارے آپ تو زخمی ہیں۔" بازل خان نے اسے بازو سے تھام کر کھڑا کیا اور پھر پاس ہی گرا بیگ تھام کر اسے سہارے سے چلاتا گاڑی تک لے آیا تھا۔

"ارے ربدا تم.... کیا ہوا تمہیں تم تو ڈیوٹی پر تھیں؟" بینش بھی فوراً" باہر نکل آئی تھی۔

"ہاں پر گھر میں ماما کی طبیعت ٹھیک نہ تھی تو چھٹی لے کر گھر جا رہی تھی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

بازل خان حال میں لوٹ آیا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان تصویروں کو کوئی ایسے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ ایک تصویر اسے سہارا دے کر اٹھاتے اور دوسری اسے سہارا دے کر گاڑی کی طرف لاتے ہوئے تھی۔

اس کے علاوہ ایک دو اور تصاویر بھی تھیں اس نے تمام تصویریں ٹیبل پر پھینک دی تھیں۔ بازل خان کو اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ لڑکی شکل سے جتنی معصوم لگتی تھی مگر حقیقت میں کتنی بڑی ایکٹرس تھی۔ اگر وہ ان تصویروں کے پیچھے تھی تو پھر اس کے پاس اتنے دن قید رہنے کے باوجود وہ لاعلم رہی تھی کچھ بھی نہ بتا سکی تھی بلکہ وہ تو سرے سے اس کو پہچاننے سے ہی انکاری تھی اور اس کی یہی لاعلمیت اسے اب الجھا رہی تھی۔

اگر وہ لڑکی واقعی بے قصور ہے تو دوسرا وہ کون فرد ہے جس کو میری بربادی سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

تبھی کچھ سوچتے اسے ایک دم خیال آیا تو فوراً" سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ جلدی سے تمام تصاویر تھام کر اس نے ان کی پچھلی سائیڈ دیکھنا شروع کر دی تھیں۔

"فلم کا مونوگرام تمام تصاویر کی پشت پر درج تھا۔

"اب جو بھی ہو گا سامنے ضرور آئے گا۔" تمام تصاویر دوبارہ لفافے میں ڈالتے اس نے موبائل تھام لیا تھا۔

اب اسے کیا کرنا چاہیے تھا اس کے دماغ میں تمام لائحہ عمل ایک دم ترتیب پاتا چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ سب ایک ہی رول کی تصاویر ہیں۔ بیک گراؤنڈ کے علاوہ ان تصاویر میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

یہ کام جس نے کیا ہے اس کا نام عادل ہے۔ اس کے علاوہ مزید کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔" وہ اس وقت آفیسر جمشید کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور وہ معلومات فراہم کر رہا تھا۔

"یہ عادل کون ہے کچھ پتا چلا؟" اس نے چونک کر پوچھا تو جمشید نے کندھے اچکا دیے۔

"ہو سکتا ہے یہ اس لڑکی کے ساتھ ہو۔" آفیسر جمشید نے تصویر کے اوپر انگلی رکھتے ربدا کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اس لڑکی نے خود پیچھے رہتے ہوئے اس سے کام کروایا ہو۔" وہ خیال آرائی کر رہا تھا۔

"جو بھی ہے وہ اسٹوڈیو والے کیا کہتے ہیں؟"

"میں نے بلوایا ہے تھوڑی دیر میں آجاتا ہے وہ شخص۔"

"ویسے اس سارے معاملے میں اس لڑکی کا کیا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اس کی تم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" جمشید پوچھ رہا تھا۔

"اگر یہ علم ہوتا تو تمہیں کیوں انوالو کرتا.... ایک دوبار کی ملاقات کے علاوہ میں تو اس لڑکی کو سرے سے جانتا تک نہیں ہوں۔"

"تم نے بھی اس لڑکی کے ساتھ جو کیا ہے وہ بھی بہت غلط ہے.... مجھے اندازہ ہی نہیں کہ تم ایسی کوئی حرکت بھی کر سکتے ہو.... جس طرح تم بتا چکے ہو مجھے تو صاف لگ رہا ہے کہ یہ لڑکی بے قصور ہے.... یقیناً" اسے استعمال کیا گیا ہے۔"

"اور جو میرے ساتھ ہوا ہے کیا وہ غلط نہیں تھا۔ میری عزیز از جان بیوی مر گئی میں بے اعتباری کی سزا جھیل رہا ہوں۔ تم ____ میری اذیت کا اندازہ کر سکتے ہو۔ شکر کرو کہ وہ لڑکی میرے پاس سے زندہ سلامت واپس گئی تھی ورنہ جب اسے اٹھوایا تھا تو میرے ارادے بہت خطرناک تھے۔ میں اب اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتا جب تک اپنی بے گناہی ثابت نہیں کروا لیتا۔" وہ ایک دم جذباتی ہوا۔ تبھی جمشید کے آفس میں ایک آدمی داخل ہوا تھا۔ جمشید سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو بار بار زحمت دینا پڑ رہی ہے مگر جب تک ہمارا کیس حل نہیں ہو جاتا آپ کو کبھی بھی بلوایا جا سکتا ہے۔ ان سے ملیں یہ بازل خان ہیں یہ انہی کی تصاویر ہیں اور بازل یہ اس اسٹوڈیو کے مالک ہیں۔" جمشید کے تعارف پر دونوں نے محض ہاتھ ملائے تھے۔

"دیکھیں میں آپ کو پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ ہمارا روزگار ہی یہی ہے۔ ہمارے پاس دن میں کئی کسٹمرز آتے ہیں۔ پھر یہ تو کئی ماہ پہلے کی بات ہے۔ اتنا پرانا ریکارڈ میرے پاس موجود نہیں ہے۔ ہاں اندراج رجسٹر میں صرف ایک نام ملتا ہے عادل۔ اس سے ہٹ کر اور کچھ خبر نہیں ملتی۔"

"ان تصاویر کو بغور دیکھیں اور اندازہ لگائیں ہو سکتا ہے کچھ یاد آجائے کہ یہ تصاویر کس نے بنوائی تھیں۔" اپنے آگے پڑی ہوئی تمام تصاویر اٹھا کر جمشید نے اس آدمی کو تھما دی تھیں۔

"سوری سر! ہمیں ایسے کام کے لیے اچھی پے منٹ کی جاتی ہے۔ پھر جس طرح یہ تصاویر ہیں اس میں صرف بیک گراؤنڈ کی تھوڑی بہت تبدیلیاں ہیں۔ جس سے لگتا ہے کہ یہ ال لیگل کام نہیں۔ ہمارے پاس گھریلو فنکشن کی کئی تصاویر آتی ہیں جس کا پس منظر ہم تبدیل کر دیتے ہیں۔ اب ہمیں اندازہ تو نہیں کہ لوگ ان تصاویر کو کس طرح استعمال کرتے ہیں ہم تو کسٹمرز کی ڈیمانڈز کے مطابق کام کر دیتے ہیں۔"

"وہ آدمی جس نے یہ کام کروایا تھا وہ کس قسم کا تھا؟ تھوڑا بہت حلیہ وغیرہ تو یاد ہو گا؟" جمشید پوچھ رہا تھا جبکہ بازل بالکل خاموش تھا۔ اس شخص نے پھر تصاویر تھام لی تھیں اور بغور کئی پل دیکھتا رہا تھا۔

"یہ کافی پرانی بات ہے ہمارے پاس کئی کسٹمرز آتے ہیں آپ کی سہولت کے لیے میں اپنے ساتھ یہ رجسٹر لے آیا تھا باقی معلومات تو کمپیوٹر میں ہی فیڈ ہیں۔ اس میں پے منٹ کرنے والے کا نام کنٹیکٹ نمبر ایڈریس اور دستخط موجود ہیں آپ خود دیکھ لیں اس

رول کی تصاویر کا سیریل نمبر یہ ہے اور یہ وہ آدمی ہے۔" اس نے ساتھ لائے شاپنگ بیگ میں سے ایک رجسٹر نکال کر جمشید کے سامنے رکھ کر کھول کر سیریل نمبر نکالا تھا۔

نام عادل تھا دستخط بھی اس شخص تھے۔ کنٹیکٹ نمبر ندارد تھا جبکہ ایڈریس دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

"یہ تو ڈاکٹر ربدا کے گھر کا ایڈریس ہے۔ وہ لوگ اب یہ گھر چھوڑ چکے ہیں۔ رفیق نے اطلاع دی تھی کہ یہ لوگ کہیں اور شفٹ ہو چکے ہیں۔"

"اگر ڈاکٹر ربدا ہی اس سارے معاملے کی ذمہ دار ہیں تو وہ آدمی کون ہے پھر؟" جمشید بھی الجھ گیا۔

"رفیق ابھی بھی ان کے اوپر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اگر کہتے ہو تو ڈاکٹر ربدا کو بلوا لیتے ہیں۔" بازل خان نے رائے دی۔

"نہیں ابھی نہیں' پہلے میں اپنے طور پر معلوم کر لوں۔ ان کے پاس سے صرف رول خرید اگیا تھا اور اس کے بعد تصاویر ڈویلپ کروائی گئی تھیں۔ اب یہ اس کے متعلق معلومات فراہم نہیں کر سکتا۔ ایک دو دن میں میں اپنے طور پر معاملے کو ہینڈل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تم اپنے ملازم کو کہو کہ اس لڑکی کے اوپر نظر رکھے۔۔۔ وہ گھر شفٹ کر چکی ہیں۔ اب کدھر ہیں یہ کنفرم رکھنا ہے ہو سکتا ہے اس لڑکی کو ہی بلوانا پڑے پھر۔"

"کچھ بھی کرو بس پتا کرو کہ اگر وہ لڑکی ہی اس سارے معاملے کی ذمہ دار ہے تو پھر اس نے یہ سب کیوں کیا؟ پلیز۔"

"اوکے ڈونٹ وری۔۔۔ میں دیکھ لوں گا۔ بی ریلیکس۔۔۔" جمشید کی تسلی پر اس نے محض سر ہلا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نئے گھر میں شفٹ ہوئے اسے ابھی دوسرا ہفتہ ہی تھا کہ ایک دن کلینک سے گھر واپسی پر وہ اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک آدمی کو کھڑے دیکھ کر چونکی تھی۔

بھاری بھرکم گاڑی میں موجود شخص کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئی تھی اسے یاد آیا کہ یہ شخص ان کے پرانے سرکاری گھر کے گرد منڈلاتا رہتا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ زرد ہو گئی تھی نجانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ اس کی بدقسمتی ابھی ختم نہیں ہوئی۔

یہ شخص یقیناً اس کو اغوا کروانے والے کا آدمی تھا۔ وہ گھر میں آکر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی چند منٹ بعد اپنے آپ کو سنبھالتے وہ باہر نکلی تو لاؤنج سے آتی آوازیں سن کر وہ چونکی پھر اندر جانے کی بجائے شارقہ اس کے پاس کچن میں آگئی۔

"شارقہ کوئی آیا ہے کیا؟" ان سے بھلا کون ملنے آ سکتا تھا۔ اسی بات پر وہ حیران تھی۔

"ہاں پاپا کے جاننے والے ایک دوست ہیں۔ پاپا کے اٹیک کے دوران ہسپتال میں مسلسل ان کے ساتھ رہے تھے پھر پاپا کی ڈیتھ کے بعد سارے انتظامات انہوں نے ہی دیکھے تھے' پرانے گھر اور یہاں بھی تمہاری غیر موجودگی میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ تم نے منع کر رکھا تھا کہ کسی بھی اجنبی کو قطعی گھر میں گھسنے نہ دیا جائے تو اسی لیے ماما نے تم سے ذکر نہیں کیا۔ بہت اچھے انسان ہیں رفیق انکل۔"

"میں دیکھتی ہوں۔۔۔" وہ کہہ کر ڈرائنگ روم میں آگئی مگر وہاں کچھ دیر پہلے دیکھے جانے والے شخص کو بیٹھا دیکھ کر حیرت زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"بیٹا یہ رفیق صاحب ہیں۔۔۔ تمہاری غیر موجودگی اور تمہارے پاپا کی اچانک ڈیتھ ہو جانے پر انہوں نے بہت سہارا دیا تھا۔ یہ بہت اچھے انسان ہیں۔" اس کی سدا کی سادہ مزاج اور معصوم ماما اس شخص کی اصلیت کو جانے بغیر کیسے ایمان لے آئی تھیں۔ جبکہ اس شخص کی شکل دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"مگر آج سے پہلے تک تو میں نے ان کو کبھی ادھر نہیں دیکھا اور پاپا نے بھی اپنے کسی رفیق نام کے دوست کا ذکر نہیں کیا۔" اس نے سنجیدگی سے ماما کو دیکھا۔ وہ الجھ گئیں۔

"آپ کون ہیں۔۔۔ اور ہمارے گھر کیوں آتے ہیں" اس نے دونوں کے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا وہ مسکرا دیا۔

"آپ کے بابا کے دوست ہیں ہم۔"

"مگر میں ایسے کسی بھی دوست کو نہیں جانتی جن کو پاپا جانتے ہوں اور میں لاعلم رہوں۔ براہ مہربانی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ اور آئندہ مت یہاں آئیے گا۔"

"ربدا بیٹا!۔۔۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ تمہارے پاپا کے اچانک ہو جانے والے اٹیک پر انہوں نے بہت ساتھ دیا تھا اور پھر ان کی وفات کے بعد آفس میں کاغذات تیار کروانا واجبات کلیئر کروانا یہ ان کا ہی احسان ہے بیٹا۔" ماما نے اسے سمجھانا چاہا تو وہ ایک دم ٹوک گئی۔

"ماما جی پلیز! آپ پلیز جائیں اور مجھے ان سے بات کرنے دیں۔ یہ اچانک کہاں سے پاپا کے دوست بن کر آگئے ہیں۔ پاپا کی ڈیتھ سے پہلے تک تو یہ کہیں بھی نہ تھے۔"

"مگر بیٹا۔۔۔!" انہوں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے پھر ٹوک دیا۔

"ماما پلیز آپ جائیں۔" ماما اس کے لہجے سے خائف ہوتی باہر نکل گئیں۔

"آپ کون ہیں؟"

"آپ کے والد صاحب کا دوست ہوں۔"

"جھوٹ مت بولیں۔۔۔ میں آپ کو پہلے بھی کئی بار اپنے پرانے گھر کے اردگرد منڈلاتے دیکھ چکی ہوں مجھے سچ سچ بتائیں آپ کون ہیں؟"

"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔" وہ مسکرا کر کہتا آگے بڑھا پھر چند قدم اٹھانے کے بعد اس کے قریب آکے آہستہ آواز میں بولا۔

اگر میرے بارے میں اپنی ماں یا کسی اور کو کچھ کہا تو صاحب جی کے آپ اور آپ کے خاندان کے متعلق احکامات بڑے سخت ہیں۔"

"تم۔۔۔" وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی۔

"صاحب جی کا کہنا ہے کہ ابھی آپ ان کی نگاہ میں بے قصور ثابت نہیں ہوئیں۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا مگر آپ خود کو ان کی پہنچ سے دور مت سمجھیں۔ وہ جب چاہیں آپ کو دوبارہ اٹھوا سکتے ہیں اور ہاں ایک اور بات یہ عادل کون ہے؟" دھیمے لب ولہجے میں ہونے والی یہ گفتگو کتنی دھمکی آمیز تھی وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی یہ شخص اس آدمی کا کارندہ ہو سکتا ہے۔

"تم۔۔۔ تم اس شخص کے آدمی ہو؟"

"آدمی تو میں اللہ کا ہوں۔۔۔ ہاں کام صاحب کے لیے کرتا ہوں۔۔۔ صاحب نے یہی پوچھنے کے لیے بھیجا تھا کہ پتا کروں کہ یہ عادل کون ہے ورنہ آپ کے علم میں لائے بغیر اتنے دنوں سے آپ لوگوں میں رہ رہا ہوں اگر صاحب کا حکم نہ ہوتا تو کبھی آپ کو شک تک نہ ہوتا۔ اور اب دیکھا آپ کی والدہ مجھ پر کتنا اعتماد کرتی ہیں۔"

"کون عادل؟۔۔۔" وہ گم سی اسے دیکھے گئی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ نام نہ تھا۔

"یہ تو آپ اور صاحب جی کو پتا ہو گا کہ معاملہ کیا ہے ہمیں تو صرف عادل کے بارے میں پوچھنے کا حکم ملا ہے۔ اگر سچ بتا دیں گی تو ٹھیک ورنہ آپ کو دوبارہ لے جانے کی زحمت کرنا پڑے گی۔ یہ بھی صاحب جی کا کہنا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا۔۔۔ یقین کرو میرا میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ بے انتہا خوفزدہ ہو گئی۔

"صاحب جی نے سوچنے کا وقت دیا ہے۔ اور صاحب جی نے یہ بھی پیغام بھیجا ہے کہ اگر سچ نہیں بولیں گی تو آپ کے دونوں بھائی بیکن اسکول میں پڑھتے اور بہن گھر میں رہتی ہیں۔ آپ کی والدہ ہر وقت بیمار رہتی ہیں۔ آگے آپ خود سمجھ دار ہیں۔" ربدا بے حس و حرکت اسے دیکھ رہی تھی۔ یعنی ایک اور دھمکی

"صاحب جی کا کہنا ہے کہ اگر آپ بے قصور ہیں تو ان کے ساتھ تعاون کریں ورنہ پھر آپ حالات کی

دشوار خود ہوں گی۔

چلتا ہوں ۔۔۔ اللہ حافظ۔" وہ شخص ماتھے تک ہاتھ لے جاکر سلام کرتا باہر نکل گیا تھا۔

ربدا ٹوٹے ہوئے شہتیر کی مانند زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

ایک فیصلہ اس نے آنا" فانا" کیا تھا۔ اسی شام اس نے شمسہ سے بات کرکے رات کو ان کی انیکسی میں شفٹ ہو جانے کو ترجیح دی۔ اسے اپنے آپ سے زیادہ اپنی ماں اپنی بہن اور بھائی عزیز تھے ماما اور شارقہ اس کے یوں آنا" فانا" کیے جانے والے فیصلے پر بولی بھی تھیں مگر اس نے ان کی کسی بات پر دھیان نہ دیا تھا۔

شمسہ کی ماما بہت اچھی اور سلجھی ہوئی خاتون تھیں ۔ان کے شفٹ ہو جانے سے بہت خوش ہوئی تھیں۔

اگلے دن وہ نومان اور ثوبان کے اسکول جاکر اسکول وین کا بندوبست کر آئی تھی۔ اس نے ادارے کو سختی سے کہہ رکھا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی بھی آئے بچوں کو ان کے ساتھ نہیں بھیجنا ہے۔ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیجیے گا کہ بچے اسکول چھوڑ چکے ہیں۔ اگلے دو دن تک وہ یہ سارے انتظامات کرکے کچھ ریلیکس ہوئی تھی۔ شمسہ کے گھر میں شارقہ اور ماما کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ نومی اور ثوبان کی وین کی سیکیورٹی سے وہ مطمئن تھی۔

اس نے شمسہ کے کہنے پر گورنمنٹ پوسٹ پر اپلائی کر دیا تھا۔ شمسہ کے ہاں شفٹ ہو جانے کے بعد تیسرے دن ہی اسے written ٹیسٹ کی کال مل گئی۔ وہ اب سنجیدگی سے اس گورنمنٹ جاب کے حصول کے لیے کوشاں تھی۔ اس نے تیاری اچھی طرح کی تھی ٹیسٹ دے کر وہ مطمئن تھی اس کا خیال تھا کہ یہ لمبا پراسس ہو گا مگر جس طرح فورا" written ٹیسٹ کی کال آگئی تھی۔ اسی طرح فورا" انٹرویو کی بھی کال آگئی تھی۔ اسے امید تھی کہ وہ کلیئر کر لے گی۔

شمسہ کے ہاں شفٹ ہو جانے کے بعد ماما آنٹی سے گھل مل گئی تھیں۔ شارقہ بھی ایک اچھے اور پرسکون ماحول میں آکر مطمئن ہو گئی۔ اس نے نومان اور ثوبان پر اسکول کے بعد گھر سے باہر نکلنے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی۔ پرانے گھر میں بھی اور اب بھی وہ ان کو باہر نکلنے نہ دیتی تھی۔

کلینک کی جاب اس کے لیے نعمت تھی مگر وہ بھی آتے جاتے بہت احتیاط سے کام لیتی تھی لوکل ٹرانسپورٹ سے جانے کی بجائے اس نے اپنے لیے رکشہ لگوالیا تھا۔ ان سب حفاظتی اقدامات کے باوجود اس کے اندر ایک خوف کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"رفیق! مجھے وہ لڑکی چاہیے ہر حال میں چاہیے۔ تم نے غفلت کیوں برتی؟ اتنے دن گزر چکے ہیں اور اس کا کوئی اتا پتا نہیں مل رہا۔۔۔ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا ہے۔" وہ اپنے سامنے کھڑے رفیق پر بری طرح گرج برس رہا تھا۔ جبکہ ایک طرف صوفے پر جمشید پرسوچ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

"صاحب جی اس دن واپس آنے کے بعد اگلے دن جا کر دیکھا تو وہ لوگ جا چکے تھے۔ محلے والے بتاتے ہیں کہ ان لوگوں نے رات میں ہی گھر خالی کر دیا تھا۔ میں اس کے کلینک میں بھی کئی بار جا چکا ہوں وہاں جو چوکیدار ایک ہی جواب دیتا ہے کہ ڈاکٹر ربدا کلینک چھوڑ چکی ہیں۔" وہ شرمندہ سا بتا رہا تھا۔ ان لوگوں کو غائب ہوئے دو ہفتے ہونے کو آرہے تھے اور ان کا کوئی نام و نشان نہیں مل رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے جمشید کو دیکھا۔

"اور اس کے بھائی۔۔۔ ان کے اسکول میں کچھ تم ۔۔۔؟" جمشید نے ہی رفیق سے پوچھا۔

"جی صاحب وہ لوکل ٹرانسپورٹ سے آتے جاتے تھے اس دن کے بعد سے وہ نہیں آجا رہے میں نے اسکول انتظامیہ سے پتا کروایا ہے ان کا یہی کہنا ہے کہ دو ہفتے پہلے دونوں لڑکے اسکول چھوڑ چکے ہیں۔"

"دیکھا تم نے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس لڑکی سے پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں میں نے کہا بھی تھا کہ اسے پھر اٹھوا لیتے ہیں مگر تم مانے ہی نہیں۔ اب وہ بھی ہاتھ سے نکل گئی ہے۔"

اٹھوانے کا نتیجہ تم پہلے ہی بھگت رہے ہو۔ اس کے والد کی ڈیتھ کی صورت میں بقول رفیق کے اس کی ماں بیمار رہتی ہے۔ اب اگر پھر وہ غائب ہوتی ہے تو پھر" اس کی ماں بھی متاثر ہو سکتی تھی اور تمہارا ضمیر اتنا بوجھ سہہ لے گا کیا؟" بات اتنی تلخ اور سچی تھی کہ وہ چپ ہو گیا۔ وہ پہلے ہی کئی بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے لب بھینچ لیے۔

"میں مسلسل ایک بات سوچ رہا ہوں وہ لڑکی تمہاری چچازاد کی دوست تھی تو کیوں نہ تم اپنی چچازاد کے ذریعے اسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے نجانے کیوں لگتا ہے اس سارے سیٹ اپ کی جڑیں تمہاری چچازاد سے بھی ملتی ہیں۔ جس طرح تمہاری ہر ملاقات تمہاری چچازاد کے توسط سے ہوئی۔ وہ تمام تصاویر بھی جن ایونٹس کو شو کرتے ہیں وہ بھی تمہاری چچازاد کو ہی پرومینینٹ کرتے ہیں۔۔۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کڑی دونوں لڑکیوں میں ملتی ہے۔ اگر وہ لڑکی واقعی اس سارے سیٹ اپ کی ذمہ دار ہے تو تمہاری کزن بھی کچھ نہ کچھ انوالو ضرور ہوئی ہو گی ڈائریکٹ نہیں تو ان ڈائریکٹ سہی۔" جمشید کہہ رہا تھا اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اپنی جذباتیت میں وہ اس اہم نکتے پر کبھی دھیان دے ہی نہیں پایا تھا۔

"مائی گاڈ! بینش کے متعلق تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔۔۔ رئیلی یو آر رائٹ وہ اس سلسلے میں ہماری ہیلپ کر سکتی ہے۔" وہ فورا" پرجوش ہوا۔

"اب ہمیں کام جوش سے نہیں ہوش سے کرنا ہو گا۔ تمہیں میری ہدایات کے مطابق کام کرنا ہو گا۔ تم آرام اور دھیان سے سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

اس نے کہا تو وہ رفیق کو جانے کا اشارہ کرتے جمشید کے ساتھ ہی صوفے پر ٹک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے کلینک کی جاب شروع کرتے ہوئے چند اور جگہوں پر بھی اپلائی کر رکھا تھا۔ جن میں ایک اکیڈمی بھی تھی جو میڈیکل کے اسٹوڈنٹس کو تیاری کرواتی تھی یہ اکیڈمی شمسہ کے گھر کے قریب ہی تھی اور شمسہ کے ہاں شفٹ ہونے کے چند دن بعد ہی اسے کال لیٹر مل گیا تو اس نے کلینک سے ریزائن کرتے ہی اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔ پیکج یہاں بھی اتنا اچھا نہ تھا مگر یہ ہوا تھا کہ وہ ڈھونڈ لیے جانے کے ایک مسلسل خوف سے آزاد ہو گئی تھی۔

شارقہ اور ماما گھر میں ہی ہوتی تھیں اور وہ بہت جلد اس گھر میں گھل مل گئی تھیں۔ شمسہ کی والدہ بہت اچھی تھیں اس کی غیر موجودگی میں ماما اور باقی لوگوں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس گھر میں آکر ربدا کو لگا کہ جیسے اس کے کندھوں سے بہت بڑا بوجھ اتر چکا ہے۔ ورنہ وہ ایک عذاب میں مسلسل زندگی گزار رہی تھی۔

انہی دنوں جاب کے لیے دیے گئے ٹیسٹ کا رزلٹ آگیا تھا۔ اس کا ٹیسٹ کلیئر ہو گیا تھا۔ اب اس کو انٹرویو کال آئی تو وہ بہت مطمئن ہو گئی تھی اسے بہت امید تھی کہ اس کی سلیکشن ہو جائے گی۔

ایک دن وہ اکیڈمی سے نکلی تو اس کا رکشہ والا لیٹ تھا یونہی اس نے سڑک سے گزرتی گاڑی پر نگاہ ڈالی تو چونک گئی۔ وہاں بینش کے ساتھ گاڑی میں ایک اور وجود تھا۔ اس نے غور کیا تو فورا" یاد آیا کہ یہ بینش کی بھابھی کا بھائی تھا۔

بینش لوگوں کی گاڑی گزر چکی تھی اور پھر اس کا رکشا والا آگیا تو وہ بھی بیٹھ گئی تھی۔ وہ کئی بار سوچ چکی تھی کہ وہ بینش کے ہاں ضرور چکر لگائے گی مگر اپنی زندگی کی الجھی ڈور نے اسے گھریلو حالات سے نکل کر کہیں اور جانے کا موقع نہ دیا تھا اور اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے ہاں چکر لگائے۔

اس دن کلینک میں بینش کے ساتھ ہونے والی اپنی ملاقات' بینش کا ری ایکشن اپنے ادا کیے ہوئے جملے اس نے یونہی ہوا میں تیر چلایا تھا جس طرح وہ تعلق توڑ بیٹھی تھی ایسے میں بینش کا رویہ بڑا عجیب سا تھا اور اس

کے الفاظ پر بینش کا ری ایکشن حیران کن تھا۔ ربدا نے سوچا کیوں نہ آج بینش کے یہاں چکر لگا لے۔ وہ ایک بار بینش سے ضرور ملنا چاہتی تھی وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کے کزن نے اسے کیوں اغوا کیا تھا اور اگر چھوڑ دیا تھا تو اب کیوں پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ اور وہ عادل کون تھا؟

"ڈرائیور!۔۔۔ سیٹلائٹ ٹاؤن چلو۔۔۔" مین روڈ پر آتے ہی اس نے ایک دم فیصلہ کیا تھا کہ وہ آج اور ابھی بینش کے ہاں جائے گی۔ کچھ دیر بعد وہ بینش کے گھر کے سامنے تھی۔

بینش کے چوکیدار نے اسے پہچان لیا تھا وہ کئی بار بینش کے ساتھ اس گھر میں آچکی تھی۔ اس کے تعارف پر اس نے اسے اندر جانے دیا تھا وہ رکشا ڈرائیور کو وہیں رکنے کا کہتے اندر چلی آئی تھی۔

شام کا وقت تھا اندر روشنیاں جلا دی گئی تھیں وہ کون سا پہلی بار اس گھر میں آئی تھی وہ بڑے اعتماد سے چلتی ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے اندر آگئی تھی۔

"اوف، عادی تم بھی بہت عجیب ہو حد کرتے ہو۔" بینش اور اس کی بھابھی کا بھائی دونوں صوفوں پر براجمان تھے دروازے کی طرف دونوں کی پشت تھی، نجانے اس شخص کا کیا نام تھا مگر بینش اسے عادی ہی کہتی تھی۔

"تمہارے لیے میں نے اتنا کچھ کیا ہے اب کیوں اس معاملے کو لٹکا رہی ہو اور وہ تمہارا کزن اب اس گھر میں کیا کرنے آیا ہے۔۔۔ جو تم نے چاہا وہ ہو گیا۔ وہ کیوں ادھر ہے اب؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"ہو کیئر۔۔۔ تم کیوں پروا کر رہے ہو۔" جواباً" بینش نے لاپروائی سے کہا تھا۔ ربدا نے خاموشی سے دونوں کو دیکھا۔

بینش ایک روشن خیال اور ماڈرن ٹائپ لڑکی تھی۔ ان دونوں کی دوستی میں بھی زیادہ ہاتھ بینش کا ہی رہا تھا اور باب ختم کرنے میں بھی۔

بینش کے ہاں وہ جب بھی آئی تھی اس کی بھابھی کا یہ بھائی اس کا دم چھلا بنا رہتا تھا ہر وقت، عجیب متضاد طبیعت کا مالک تھا یہ شخص اور ربدا اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔ اور اب بھی وہ دونوں جس طرح بے تکلفی سے صوفے پر براجمان تھے ربدا پر بینش کے کردار کا ایک اور پہلو واضح ہوا تھا۔

"بینش۔۔۔" اس کی پکار پر وہ دونوں فوراً" حرکت میں آئے تھے۔ بینش اسے اپنے سامنے دیکھ کر ایک پل کو ٹھٹک گئی تھی۔

"تم۔۔۔؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"ہاں میں۔۔۔ تمہیں شاید توقع نہ تھی کہ میں بھی تمہارے گھر آؤں گی۔ خیر کیسی ہو تم؟" وہ آگے بڑھ آئی تھی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں؟" بینش نے اگلے ہی پل اجنبی انداز میں نہایت رکھائی سے پوچھا تھا۔

"تمہیں یہ یاد کروانے کے لیے کہ کبھی کسی زمانے میں تم خود مجھ سے دوستی جتانے کو پیش پیش رہتی تھی۔ کلینک میں ایک بات کہی تھی تم سے۔ بس اس کی تفصیل جاننے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔" وہ ڈرے سہمے بغیر ایک صوفے پر جا بیٹھی تھی۔

"کیسی بات کیسی تفصیل؟" وہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔ ربدا نے بغور اسے دیکھا۔

"مجھے تم نے کیوں اغوا کروایا؟ کیوں؟" وہ فوراً" اصل بات پر آگئی۔ دروازہ کھول کر اندر آتا وجود وہیں دروازے پر ہی ساکت ہو گیا تھا۔

"میں نے تمہیں اغوا نہیں کروایا۔۔۔ نجانے تم خود کس کے ساتھ بھاگی تھیں۔ میں نے صرف تم سے تمام تعلقات ختم کیے تھے۔ مگر تم تو مجھے ہی انوالو کر رہی ہو۔" وہ بے پناہ غصیلے لہجے میں گویا ہوئی تھی ربدا نے بینش کو بس سنجیدگی سے دیکھا تھا۔

"تمہاری کزن سارہ تھی۔۔۔ اس کا ہزبینڈ شاید تمہارا کزن تھا۔ مجھے اس کا نام بتا دو باقی تفصیل تمہیں میں بتاتی ہوں۔" باہر کھڑا وجود ربدا کے ان الفاظ پر ساکت ہو گیا تھا۔

"مجھے کوئی تفصیل نہیں جاننی۔۔۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ گیٹ آؤٹ۔" وہ غصے سے چیخ رہی تھی ربدا نے بینش کے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا اور پھر صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

"آپ کا نام جان سکتی ہوں کیا میں؟ اتنا تو مجھے علم ہے کہ آپ کو عادی کہتے ہیں۔ جب بھی میرا اس گھر میں آنا ہوا تو آپ۔۔۔ یہیں پائے گئے ہیں اور ہر ملاقات میں سارہ کے ہزبینڈ بھی موجود ہوتے تھے کاش مجھے ان کا نام یاد آجائے۔ یہ شاید میری کمزوری تھی میں آپ لوگوں کے جھوٹے خلوص کا شکار ہو گئی اور کبھی آپ لوگوں کی اصلیت جاننے کی کوشش نہ کی۔۔۔ میں نے کبھی جاننے کی کوشش نہ کی کہ اتفاقاً" ملنے والے یہ لوگ آئندہ میری زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ پلیز عادی صاحب آپ بتائیں کہ آپ کا مکمل نام کیا ہے؟"

"عادی تم کچھ نہیں بتاؤ گے اسے۔ یہ بلیک میلر ہے۔" بینش نے فوراً" روک دیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔۔۔ میں نے بہت عرصہ تم لوگوں کی دھمکیوں پر خاموش رہ لیا ہے اب ایک پل بھی خاموش نہ رہوں گی میں پولیس کو سب سچ سچ بتا دوں گی میں تم لوگوں کے خلاف مقدمہ دائر کروں گی۔ مجھے اغوا کروانے اور اپنے پاپا کی ڈیتھ کا مقدمہ تم دونوں اور تمہارے اس کزن کے خلاف کروں گی۔ بہت دھمکیاں دے لیں تم تینوں نے مل کر مجھے میری بیمار ماں بہن اور معصوم بھائیوں کی اب میں کسی کی باتوں سے نہیں ڈروں گی۔ اب عدالت میں گھسیٹوں گی تم سب کو تم اور تمہارا یہ دم چھلا بے شک پس منظر میں تھے مگر میں جانتی ہوں تم نے اپنے کزن کو ملا کر مجھے اغوا کروایا ہے۔ تم لوگ نہ بتاؤ اب ہر بات ہر راز عدالت میں ہی سامنے آئے گا۔" اس نے دھمکی دی تھی بینش کا جو رنگ اڑا تھا اس کے ساتھ کھڑے عادی کا بھی چہرہ پیلا ہوا تھا۔ انہیں شاید اس سے اس قدر ہمت کی توقع نہ تھی۔

"ہم نے تمہیں کڈنیپ نہیں کروایا فار گاڈ سیک۔۔۔ مجھے نہیں پتا بازل خان نے ایسا کیوں کیا مگر بلیو می ہم اس معاملے میں قطعی بے قصور ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ بازل خان نام ہے تمہارے اس کزن کا۔۔۔" بینش نے لب بھینچ لیے تھے۔ اور ربدا ہنس دی۔

"چلو ایک نام تو ہاتھ لگا۔ اب ان کا نام بھی بتا دو؟" اس نے بینش کے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا وہ فوراً" گھبرا کر بولا تھا۔

"عادل۔۔۔ عادل مراد۔" اس کی دھمکی ان دونوں پر خاطر خواہ اثر کر چکی تھی شاید۔ اس کے نام پر جہاں ربدا چونکی تھی وہیں باہر کھڑا وجود بھی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"اور تصاویر و خطوط کا کیا معاملہ ہے؟" کچھ پل سنبھلتے اس نے اب کے بینش کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دی تھیں۔

"ک۔۔۔ کیسی تصویریں۔۔۔ کیسے خطوط؟" وہ ہکلا گئی تھی ربدا کو اس کا زرد چہرہ عجیب سا لگا۔ اگر وہ چہرہ شناس ہوتی تو دھوکہ ہی کیوں کھاتی اس نے سر جھٹکا۔

"اگر مجھے کچھ پتا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سامنے کھڑی نہ ہوتی۔ سیدھا کورٹ میں جاتی میں ایک عام گھرانے کی لڑکی ضرور ہوں میری کمزوری یہ تھی کہ میں تم لوگوں کے نقابوں میں چھپے غلط چہروں کو پہچان نہ پائی اور جواباً" تم لوگوں نے مجھے ہی استعمال کر لیا۔ مجھے ہر معاملے کی تہ تک پہنچنا ہے۔ تم لوگوں نے مجھے کڈنیپ کروایا۔ میری فیملی کو تباہی کے دہانے پہ لا کھڑا کیا۔ مجھے اس شخص نے تصاویر اور خطوط کے الزام میں کڈنیپ کروایا تھا۔ تم تینوں ملے ہوئے ہو۔ اس شخص کی بیوی مر گئی مجھے نہیں پتا کیوں مری؟ مگر تم تینوں اس معاملے میں شریک ہو اب میں ضرور کورٹ میں جاؤں گی۔ مجھے عام لڑکی نہ سمجھو۔۔۔ تم لوگوں کی دھمکیاں بھی اب مجھے نہ روک سکیں گی۔"

"دیکھو تم کچھ نہیں کرو گی۔ مجھے نہیں پتا بازل خان نے تمہیں کیوں اٹھوایا ہے میں پتا کر کے تمہیں بتا دوں گی پلیز تم ہم پر اعتبار کرو ہم بتا دیں گے۔" اس کے الفاظ پر بینش کی ساری ہوا نکل گئی تھی یا یہ بھی اس کی کوئی ایکٹنگ تھی وہ فوراً" اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ ربدا چند پل اسے دیکھے گئی تھی۔

اس نے ـــــ کسی کورٹ میں جانا تھا نہ ہی کسی کچہری میں۔ اس کا مقصد اس دھمکی آمیز گفتگو کے ذریعے ان لوگوں سے سچ اگلوانا تھا اور بس۔۔۔۔

پتا نہیں سچ کیا تھا جھوٹ کیا تھا اتنا ضرور وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ تینوں افراد ملے ہوئے ہیں۔ ان کا کیا مقصد تھا یہ ابھی بھی واضح نہ ہوا تھا۔

"دیکھو بینش سچ کہہ رہی ہے ہمیں کچھ نہیں پتا کہ اس شخص نے تمہیں کیوں کڈنیپ کروایا بٹ بلیو اس حقیقت پتا کر کے تمہیں ضرور بتائیں گے۔"

عادل مراد بھی گھبرا کر کہہ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے پلٹ آئی اور پھر دروازے کے پاس رک کر دونوں کو دیکھا۔ باہر کھڑا وجود فوراً" پیچھے ہٹا تھا۔

"تم لوگوں کا جو بھی مقصد تھا مگر بینش ایک بات یاد رکھنا جو انسان بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ میری آہیں اور بد دعائیں ہمیشہ تم لوگوں کا پیچھا کریں گی اور میرے باپ کا قتل تم لوگوں کی گردنوں پر ہوگا۔ اللہ تم لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں نے بھلا کس کورٹ کس کچہری میں جانا ہے مگر میرا یقین ہے اللہ ہر انسان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا میرا مقدمہ اللہ کی عدالت میں درج ہو گیا ہے۔ وہ دنیا کے انصاف کرنے والوں سے بڑھ کر انصاف کرنے والا ہے اگر تم لوگ قصوروار ہو تو وہ ضرور انصاف کرے گا۔ ڈرو اس دن سے جب وہ تمہارے بد اعمال کو تمہارے چہروں پر دے مارے گا۔ سمجھا دینا اپنے اس کزن کو بھی۔" وہ کہتے ہوئے دروازہ دھکیل کر باہر نکل آئی تھی راہداری کراس کرتے لان سے ہوتے وہ گیٹ کھول کر باہر نکلی تو اس کا رکشا والا منتظر تھا رکشا کے پیچھے ایک سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا وہ بغیر ارد گرد دھیان دیے رکشا میں سوار ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"او مائی گاڈ ـــــ" ساری بات سننے کے بعد جمشید نے سر تھام لیا تھا۔ یہی کیفیت بازل خان کی بھی تھی۔

"اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑکی قطعی بے قصور ہے۔ تو کیا قصوروار اور اصل مجرم تمہاری کزن اور اس کی بھابھی کا بھائی ہے۔"

"کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ تم نے کہا تھا کہ میں اکثر بن بتائے اُدھر چکر لگاتا رہوں اسی مشورے پر عمل کرتے وہاں گیا تھا پہلے بھی کئی بار جا چکا ہوں مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا اب جب گیا تو وہ لڑکی وہاں تھی اور یہ سب کہہ رہی تھی۔"

"یہ تو کنفرم ہو گیا ہے کہ وہ لڑکی قطعی بے قصور ہے۔ اسے محض استعمال کیا گیا ہے۔ اب یہ پتا لگانا ہے کہ ان دونوں نے اس لڑکی اور تمہارے ساتھ ایسا کھیل کیوں کھیلا؟"

"مجھے خود نہیں اندازہ ہو رہا کہ بینش اگر اس سارے معاملہ میں انوالو ہے تو کیوں اور اس عادل مراد کا مجھ سے کیا لینا دینا میں تو یہاں آیا گیا ہی بہت کم ہوں۔ یہ بھی اب آ کر مجھے اس شخص کا نام پتا چل رہا ہے۔ اگر میرے کچھ اچھے تعلقات ہوتے تو میں کب کا جان چکا ہوتا کہ تصویروں کے پیچھے اسی عادل مراد کا ہاتھ ہے۔ اگر یہ ہی عادل مراد ہے تو وہ ایڈریس ربدا کے گھر کا کیوں تھا؟"

"ہو سکتا ہے انہوں نے محض خود کو چھپانے کے لیے ایڈریس دے دیا ہو۔ یہ لوگ عادی مجرم تو ہیں نہیں۔ غلطی تو کر ہی گئے ہیں اگر حقیقت میں ربدا تصویروں کے پیچھے ہوتی تو دستخط بھی اس کے نام کے ہوتے۔ انہوں نے دستخط اپنے نام کے دیے اور پتا ربدا کا دیا تاکہ سارا شک اسی پر جائے۔ تو یہ تھا سارا پلان۔"

"اب کیا کریں؟"

"دو آپشن ہیں اس عادل مراد کو ایک رات کا مہمان بنا کے اپنے اسپیشل روم کی سیر کروا لیتا ہوں دوسرا اپنی کزن کو ٹریٹ کرو۔ کیسے یہ تم پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔"

"اور وہ خط ان پر درج تحریر؟" بازل نے دوسرا نکتہ اٹھایا۔

"تمہارے پاس اس وقت خط ہیں ـــــ؟" جمشید نے پوچھا تو بازل خان نے سر ہلاتے اٹھ کر اپنے روم میں رکھی الماری سے ایک لفافہ نکال کر اسے تھما دیا تھا۔

جمشید نے دونوں خطوط کو بغور دیکھا۔

"تم کسی نہ کسی طرح اپنی کزن کی ہینڈ رائٹنگ لے لو اس طرح میں عادل مراد کی ہینڈ رائٹنگ لے کر میچ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کی میچ ہو گئی تو ٹھیک ورنہ پھر ڈاکٹر ربدا کی کسی طریقے سے ہینڈ رائٹنگ حاصل کر کے پتا لگوانا پڑے گا اور ان سارے مسائل میں پڑے بغیر آسان طریقہ یہ ہے کہ عادل مراد کو ایک رات تھانے کی سیر کروا لوں۔"

"نہیں یار! یہ رسکی کام ہے ـــــ یہ تصاویر اور خطوط والا معاملہ میری فیملی کے علاوہ سارہ جانتی ہے صرف۔ اس کے بعد سارہ ناراض ہو کر گئی ، تو بھی اس نے کسی سے ذکر نہ کیا تھا اس کے بعد اس کا اور باقی لوگوں کا میرے ساتھ سلوک خصوصاً" بابا صاحب کا رویہ باہر کے لوگ قطعی بے خبر ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ اس معاملے کی بھنک بھی کسی کو ہو۔ میں اپنے تئیں مسئلے کو حل کرنا چاہوں گا۔ تم جو ہیلپ کر رہے ہو وہ کافی ہے۔ اگر اس طرح مسئلہ نہ سلجھا تو پھر تمہارے مشورے پر عمل کروں گا اب دوبارہ میں جذباتیت میں ربدا کے ساتھ کیا گیا عمل نہیں دہرانا چاہتا۔" وہ اس وقت ڈاکٹر ربدا کا نام قدرے سکون سے لے رہا تھا۔ ڈاکٹر ربدا کے ساتھ کی گئی زیادتی پر خود بھی پشیمان تھا۔

"ادھر بی جان کی طبیعت آج کل خراب رہ رہی ہے۔ انہیں اکثر استھما کا اٹیک ہو جاتا ہے۔ وہ کئی دنوں سے بلوا رہی ہیں۔ مجھے کل چند دن کے لیے جانا پڑے گا میری غیر موجودگی میں تم کچھ نہیں کرو گے ہاں واپسی پر مل کر کچھ کریں گے۔"

"اوکے ایز یو وش۔" جمشید اس وقت اس کی کال پر اس کے گھر آیا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر ربدا کی رہائش کا علم ہو گیا ہے اب۔ میرا خیال ہے اب رفیق کو پھر سے ان کی نگرانی پر مامور کر رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسے منع کر دو ہاں ربدا کی بجائے اگر تم عادل مراد اور بینش کی نگرانی کرواؤ تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"ہوں چلو میں ربدا کی طرف سے ویسے بھی رفیق کو منع کرنے والا تھا۔ ہاں میری غیر موجودگی میں رفیق کو کہہ دوں گا کہ وہ ان دونوں کا پیچھا کرتا رہے اور جو بھی رپورٹ ہو تمہیں کرتا رہے۔ تم لائحہ عمل ترتیب دے لینا واپسی پر دیکھ لیں گے کہ کیا کرنا ہے۔"

اس نے فوراً" جمشید کی بات مان لی۔

اس کے بعد بھی جمشید بینش اور عادل مراد کے اس سارے کھیل کے پیچھے موجود وجہ کو ہی ڈسکس کرتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر کی جاب کے لیے اس کی سلیکشن ہو گئی تھی۔ یہ کوئی دور دراز کا علاقہ تھا۔ شمسہ نے اس کی بہت ہمت بڑھائی تھی ورنہ اتنی دور اپائنٹمنٹ ہونے پر وہ کافی ناامید ہو گئی تھی اس کا سارا جوش ختم ہو گیا تھا۔ وہ ایسے حالات میں ماما شارقہ اور دونوں بھائیوں کو چھوڑ کر اتنی دور کیسے جا سکتی تھی مگر شمسہ کے کہنے پر اس نے جوائن کر لینے کی ہامی بھری تھی۔ شمسہ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ماما شارقہ اور بھائیوں کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی اور چند ماہ بعد وہ پاپا کے تعلقات استعمال ہوئے اس کا ٹرانسفر اپنے ہی علاقے میں کروانے کی کوشش کرے گی۔

اور اس کی تسلی دلاسوں پر آج کل وہ اس علاقے میں آئی ہوئی تھی۔ پہلے دو تین دنوں میں ہی وہ خاصی اداس ہو گئی تھی وہ کبھی فیملی سے جدا نہ ہوئی تھی اب ہوئی بھی تو یہ دوری سہی نہ جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ دو میل ڈاکٹرز اور تھے جو نرس رضیہ کے بقول کبھی کبھار ہی آنے کی زحمت کرتے تھے۔ چند بستروں کچھ اسٹیشنری اور ادویات کے علاوہ ہسپتال کے ساتھ ہی ہاسٹل بھی تھا، جہاں ہسپتال کی دونوں شادی شدہ نرسز اپنے خاندان کے ساتھ رہ رہی تھیں سسٹر رضیہ نے اسے بھی اپنے ساتھ والا کمرہ سیٹ کر دیا تھا۔

ایک چارپائی بستر اور محدود زندگی وہ جتنے بھی عام سے گھرانے سے تھی مگر ماما پاپا نے انہیں ایک خوشحال

زندگی فراہم کی تھی۔ وہ یہاں قیام کے تیسرے دن ہی عاجز آ چکی تھی۔ اگر روزگار کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ دوسرے دن ہی واپس چلی جاتی۔ یہ ہسپتال اردگرد واقع دو تین گاؤں کے لیے واحد سرکاری ہسپتال تھا۔ یہاں علاقے کے لوگوں کے مسائل اور انداز زندگی بھی مختلف تھے سوائے پرابلم ہو رہی تھی، اسے یہاں آئے آج چوتھا دن تھا مگر ابھی تک سینئرز ڈاکٹرز کا کوئی اتا پتا نہ تھا۔ اس ہسپتال کا سارا انتظام سسٹر رضیہ سسٹر ماریہ کے علاوہ دو وارڈ بوائے لڑکوں کے ذمے تھا جو شاید اسی طرح یہاں نوکری کرنے پر مجبور تھے۔

یہاں کے لوگ ہسپتال تب آتے تھے جب تکلیف شدت اختیار کر جائے ورنہ وہ چھوٹے موٹے ٹوٹکوں سے ہی علاج کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھی مریضوں کو دیکھ رہی تھی۔

ایک بچے کو بیڈ پر لٹا کر چیک کر رہی تھی جب حواس باختہ سی سسٹر رضیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"ڈاکٹرنی صاحبہ... ڈاکٹرنی صاحبہ!" عام لوگوں میں رہنے کی وجہ سے سسٹر رضیہ کا لہجہ بھی ان لوگوں کے رنگ میں رنگ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ بڑی حویلی سے بلاوہ آیا ہے آپ کا..." ربدا کو حیرت سی ہوئی۔

"کیوں...؟" بچے کو واپس اس کی ماں کے حوالے کرنے پیڈ پر اس کے لیے نسخہ تیار کرتے ہوئے سسٹر رضیہ کو دیکھا۔

"حویلی والے سبھی کو دعوت دیتے ہیں۔ اس علاقے میں کوئی بھی نیا آدمی یا عورت آئے حویلی والے ضرور بلاتے ہیں۔"

"اور یہ حویلی والے کون ہیں؟" سنجیدگی سے رضیہ کو دیکھا تو اس کا بھی سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا۔

"اس علاقے کے مالک ہیں..."

"اگر مالک ہیں تو میں کیا کروں... یہاں بہت سے مریض ہیں ڈاکٹر سرور اور یوسف تو جب سے میں آئی ہوں آئے نہیں میں بھی چھوڑ کر چل دوں... تم اگر بھی دھیان سے اپنی ڈیوٹی کیا کرو۔ وہ مالک ہیں تو ہم کیا۔ ہم سرکاری ملازم ہیں۔ اس علاقے کے مالکان کے نہیں۔"

"ارے..." وہ اس قدر صفاچٹ انکار پر حیران رہ گئی۔

"جاؤ اگلے مریض کو بھیجو..." سسٹر رضیہ منہ بناتی چل دی تھی۔

وہ مریضوں سے فارغ ہو کر ہاسٹل سائیڈ میں اپنے کمرے میں لیٹ کر گھر والوں کو یاد کرنے لگی تھی دوپہر کے قریب وہ ایک گھنٹہ ریسٹ کرتی تھی اور پھر ایک بجے سے لے کر تین بجے تک پھر مریضوں کو دیکھتی تھی۔

دو بجے کے قریب مریض نہ ہونے پر وہ وہیں ہسپتال کے اپنے کمرے کے بستر پر لیٹ گئی۔ اس کا ارادہ شارقہ سے بات کرنے کا تھا وہ اپنے سیل پر نمبر ملا رہی تھی جب دھڑام سے دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی مگر اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر ساکت ہو گئی تھی۔

"بازل خان..." بینش کے منہ سے سنا یہ نام اس کی یادداشت میں بہت اچھی طرح تازہ تھا۔ یہی حالت کم و بیش بازل خان کی بھی تھی۔

ربدا کے وجود کو ایک سنسنی خیز کرب ناک لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ دنیا اتنی چھوٹی ہے یا پھر اس کی قسمت میں ہی اس شخص سے ٹکرانا لکھا تھا۔ وہ اس شخص کے خوف سے چھپتی پھر رہی تھی اور یہ یہاں بھی آ پہنچا تھا۔ اس انسان کے تصور سے ہی اسے گھن آتی تھی اور وہ پورے رعب دبدبے اور طمطراق سے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"آپ..." وہ اس کی یوں آمد پر خون کے گھونٹ پیتی اپنی کرسی کے پاس جا رکی تھی۔ بازل خان بھی اسے اپنے اس علاقے میں دیکھ کر حیران تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے سامنے وہی وجود کھڑا ہو گا جسے وہ پچھلے دنوں دیوانہ وار تلاش کر رہا تھا۔

"مجھے ڈاکٹر صاحبہ سے ملنا ہے۔ جو یہاں نئی اپائنٹ ہو کر آئی ہیں۔" ربدا نے خاصا چونک کر اسے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ بغیر ڈرے سہمے سیدھی کھڑی ہو گئی تھی۔

"جی کہیے کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی... میں ہی نئی اپائنٹمنٹ ہوں یہاں کی۔" اس کے لہجے میں خاصی کاٹ تھی۔ اور بازل خان چونک کر حیران ہو کر اسے دیکھے گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ نئی ڈاکٹرنی یہی لڑکی ہے۔ اس نے فوراً" خود کو سنبھالا۔

"تو پھر آپ کو میرے ساتھ ہماری حویلی چلنا ہو گا۔ کچھ دیر پہلے ہماری ملازمہ آپ کو بلوانے آئی تھیں مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ہماری والدہ کافی بیمار ہیں انہیں دکھانا ہے۔"

"تو یہ اس علاقے کے مالکان میں سے ہے۔" ربدا حیرت زدہ تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جاب کے لیے وہ جہاں آئی ہے وہ اسی شخص کا علاقہ ہے۔

"ایم سوری میں کہیں نہیں جا رہی... آپ ان کو یہاں لے آئیں میں دیکھ لوں گی۔" وہ انکار کرتے کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ کیوں ڈرے اگر یہ اس شخص کا علاقہ ہے تو وہ بھی اتنی طاقت رکھتی ہے کہ اس علاقے کے لوگوں کو اس شخص کے کرتوت بتا سکتی ہے۔ اس کے صفاچٹ انکار پر بازل خان نے بے پناہ طیش سے اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک مکمل طور پہ اس کے الزام سے بری الذمہ نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ بینش اور عادل مراد کی حقیقت سامنے نہیں آئی تھی مگر اس پر جو بہتان اس لڑکی کے ذریعے لگا تھا وہ اسی طرح برقرار تھا۔

"وہ یہاں نہیں آ سکتیں... آپ کو میرے ساتھ حویلی چلنا ہو گا۔" کس قدر رعونت بھرا حاکمانہ انداز تھا۔ ربدا کا تن بدن سلگنے لگا۔

"میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ آپ جیسے ظالم سفاک لوگوں کا علاقہ ہے۔ آپ اپنی والدہ کو کہیں لے جائیں میں قطعی نہیں جا رہی آپ کے ساتھ۔" وہ بے قصور تھی اس کا ضمیر مطمئن تھا وہ ان تین دنوں میں حویلی والوں کے بہت سے قصیدے سن چکی تھی۔ اس نے فوراً" سوچ لیا کہ اگر اس شخص نے اسے تنگ کیا کوئی دھمکی دی تو وہ اس کی اصلیت یہاں کے لوگوں کے سامنے لائے گی۔ وہ کیوں ڈر ڈر کر جیے کیوں ظالمانہ جبر سہے۔

اسے صاف انکار کر کے وہ اب یہاں ایک پل بھی اس کے سامنے ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی مریض کوئی تھا نہیں اٹھ کر اس نے ٹیبل پر پڑا اپنا اوور آل اسٹیتھسکوپ اور بیگ تھام لیا تھا۔

"پلیز آپ یہاں سے جا سکتے ہیں مجھے کمرہ لاک کرنا ہے۔" بازل خان کو اسی طرح کھڑے دیکھ کر اس نے کہا۔

"آپ جیسے جاگیرداروں کے پاس ڈاکٹرز کی کمی نہیں ہوتی۔ کسی اسپیشلسٹ کو دکھائیے جا کر میں تو ایک عام سی ڈاکٹر ہوں۔"

غم و غصے ______ سے کہتے وہ وہاں سے نکل آئی تھی وارڈ بوائے کو کمرہ لاک کرنے کی ہدایت دیتے وہ اپنے ہاسٹل والے کمرے میں آ کر لیٹ گئی تھی۔ وہ کیا کرے وہ یہاں سے چلی جائے یا ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرے۔

"یا اللہ... میری ایسی کون سی غلطی ہے۔ جس کی سزا اس شخص کی صورت مجھے مل رہی ہے۔ میں بے قصور ہوں تو اچھی طرح جانتا ہے۔ میں کہاں تک بھاگوں اس شخص سے میں نے اپنا مقدمہ تجھ پر چھوڑا ہے یا اللہ میرا فیصلہ کر دے۔ مجھے اس اذیت سے نجات دے دے۔" ______ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بی بی جان کو اکثر استھما کی شکایت رہتی تھی اور کبھی کبھار شدت اختیار کر جاتی تھی۔ ڈاکٹر ربدا کے انکار کے بعد وہ انہیں شہر لے آیا تھا۔ چند دن ایڈمٹ رہنے کے بعد وہ بہتر ہوئیں تو واپس چلی گئی تھیں۔ جبکہ وہ ادھر ہی رہا تھا۔ اس کا بہت سا کام ابھی باقی تھا۔ ربدا سے ہونے والی اپنی غیر متوقع ملاقات بھی اسے

اذیت سے دوچار کر رہی تھی۔ وہ اب جلد از جلد حقیقت تلاش کرلینا چاہتا تھا۔

"بینش اگر واقعی تم اور وہ شخص ملوث ہوئے تو تم دونوں کو میرے قہر سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔" وہ بی بی جان کے جانے کے اگلے دن ہی چچا کے گھر چلا آیا۔ دوپہر کا وقت تھا ملازم نے بتایا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ اسے اپنا سارا پلان چوپٹ ہوتا محسوس ہوا۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ بینش کو لے جا کہیں ایسی جگہ رکھے گا جب تک وہ حقیقت نہ بتا دے گی وہ اسے چھوڑے گا نہیں مگر وہ گھر پر ہی نہ تھی۔

وہ بینش کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اس کی ٹیبل پر نوٹ بکس، بکس پیپرز پڑے ہوئے تھے اس نے بینش کی ڈائری اٹھالی۔ یہ اس کے نوٹس اور مختلف روزمرہ کے شیڈول پر مشتمل ڈائری تھی۔

"دیکھنا بینش اگر ڈاکٹر ربدا بے قصور نکلیں تو میں تمہیں اتنی زندگیوں سے کھیلنے کی ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ تم ساری عمر یاد رکھو گی۔" ڈائری لے کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس نے یہ قدم جمشید کو بتائے بغیر اٹھایا تھا۔ وہ ڈائری لے کر سیدھا اسی کے پاس آیا تھا۔

"یہ بینش کی ڈائری ہے۔۔۔ مجھے کنفرم کروا کر بتاؤ کہ لیٹرز میں لکھی گئی رائٹنگ اور یہ رائٹنگ کتنی ملتی ہیں۔" بازل خان نے اس کے سامنے دونوں خط اور ڈائری رکھ دی تھی۔

جمشید کافی دیر تک دونوں کو دیکھتا رہا تھا۔

"یہ بینش کی ہی رائٹنگ ہے یار!" جمشید نے اسے دیکھا تو وہ سختی سے لب بھینچ گیا۔

"مگر سوچنے کی بات ہے اس نے یہ سارا کھیل کیوں کھیلا؟"

"کچھ کچھ اندازہ مجھے ہو رہا ہے۔۔۔ کل ملوں گا تم سے پھر تفصیلاً ذکر کروں گا۔" بمشکل خود کو سنبھالتے اس نے خطوط والا لفافہ دوبارہ جیب میں ڈال لیا تھا۔

"اور عادل مراد کے لیے کیا پلاننگ ہے؟ اور یہ تو کنفرم ہو گیا ہے کہ ربدا اس قصے میں بے قصور ہے۔"

"ربدا ہمارے علاقے میں ڈاکٹر کے طور پر اپائنٹ ہو کر گئی ہیں۔"

"اوہ۔۔۔؟" جمشید حیران ہوا تھا۔

"عادل مراد کو بھی دیکھ لوں گا۔ اب اس کو میں اپنے طور پر ہینڈل کروں گا۔ شکریہ یار تم نے اس سارے معاملے میں اتنی مدد کی ورنہ ربدا کو مورد الزام ٹھہرانے اس کے سارے خاندان کو تباہ کرنے کے چکر میں نجانے اپنے ضمیر پر کتنا بوجھ لاد چکا ہوتا۔ چلتا ہوں اب بینش سے خود ہی نبٹوں گا۔ کل ملوں گا ساری تفصیل بتاؤں گا۔۔۔" وہ جمشید سے ہاتھ ملا کر ڈائری لے کر واپس آگیا تھا۔

☼ ☼ ☼
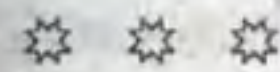
وہ بینش کو شام کے وقت اپنے گھر لے کر آیا تھا۔

بینش حیران تھی کہ اتنا سڑیل مزاج اس سے کئی گز فاصلہ رکھ کر ملنے والا انسان اب کیونکر بدل گیا ہے۔ وہ اسے چند پرسنلز باتیں ڈسکس کرنے کا کہہ کر لایا تھا۔

اور ان لمحات کا بینش کو کب سے انتظار تھا۔ اس سب کے لیے نجانے اسے کیا کیا کرنا پڑا تھا اور آج یہ شخص اس کے قریب تھا۔

"تمہارا پروپوزل چچا جان نے میرے لیے دیا ہے مجھے تم سے اس کے متعلق ڈسکس کرنا ہے۔" یہاں لاتے ہوئے اس نے کہا تھا اور بینش کو لگا تھا کہ جیسے اس نے ساری دنیا فتح کرلی ہے۔ اسی دن اور انہی لمحات کا تو اسے انتظار تھا۔

"آپ ادھر کیوں لائے ہیں۔ کسی ریسٹورنٹ میں چلتے نا۔۔۔" گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے کہا تو بازل خان نے اپنے جذبات پر بمشکل قابو پایا۔

"کیوں تمہیں میرے ساتھ یہاں آنا اچھا نہیں لگا؟" اس کے سنجیدگی سے پوچھنے پر وہ اک ادا سے مسکرائی۔ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔

"نہیں۔۔۔ بہت اچھا لگا ہے۔۔۔" عجب بے خودی کا لہجہ تھا۔ وہ اسے لیے راہداری سے ہوتا ہوا اسٹور نما

کمرے میں داخل ہوا تو وہ چونکی۔

"ہم کدھر جا رہے ہیں؟" اندھیرے اسٹور میں کھڑی وہ پوچھ رہی تھی۔

"تم چلو تو سہی۔۔۔ ایک سرپرائز تمہارا منتظر ہے ابھی پتا چل جاتا ہے۔۔۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے آگے آگے بڑھنے لگا تھا وہ اندھیرے میں اس کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی۔ اسٹور نما کمرے سے نیچے زینے طے کر کے وہ اسے ایک ایسے کمرے میں لایا تھا جو بالکل خالی تھا۔ بس فرش پر ایک میٹرس بچھا ہوا تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔۔۔ ادھر ہم کیوں آئے ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی بازل خان نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی تھی۔ وہ بازل خان کے تیوروں سے کچھ خائف ہو گئی تھی۔

"تم سے بہت سے سوال پوچھنے ہیں۔ ایک بات بتاؤ سچ سچ۔۔۔ جھوٹ کی قطعی گنجائش نہیں۔ تم جانتی تھیں کہ میں سارہ سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اس کے بعد کبھی دوسری شادی نہیں کروں گا پھر بھی تم نے مجھ سے شادی سے انکار نہ کیا۔۔۔ کیوں؟"

"تم سچ جاننا چاہتے ہو تو یہی کہوں گی کہ میں تم سے تب سے محبت کرتی ہوں جب ہمارے بڑوں میں محض ہماری بات ہی طے ہوئی تھی۔ مگر تم نے انکار کر دیا اور سارہ سے شادی کرلی۔ اب سارہ نہیں رہی کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لیے کوئی گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی۔" بازل خان نے بے پناہ نفرت سے اسے دیکھا۔

"اور ربدا! اس کی حقیقت تم واضح کرو گی یا میں بتاؤں تمہیں؟" اس کے سخت پتھریلے لب و لہجے پر وہ چونک کر خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"کون ربدا۔۔۔؟ کیسی حقیقت۔۔۔؟" وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ بازل خان اسے یہاں کیوں لایا ہو گا۔

"شٹ اپ۔۔۔ میرے ساتھ اب کوئی ڈرامے بازی مت کرنا۔۔۔ سارہ مر گئی تمہاری گھٹیا چالوں کی وجہ سے۔۔۔ میرا بچہ ماں سے محروم ہو گیا تمہاری نفرت اسے کھا گئی اور ربدا تم نے اسے بھی نہ بخشا۔۔۔ اب تمہارا کھیل ختم سب کچھ واضح اور روشن ہو چکا ہے۔" وہ دروازہ لاک کرتے بپھرے ہوئے تند و تیز طوفان کی مانند اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور بینش اس کی آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھل گئی تھیں۔

"کتنی مکار اور گھٹیا فطرت کی لڑکی ہو تم۔۔۔ تم اس قدر چالباز اور کینہ پرور ثابت ہو گی مجھے اندازہ ہی نہ تھا۔۔۔ تم نے اپنے ٹھکرائے جانے کا بدلہ لیا۔۔۔ میری اور سارہ کی محبت بھری زندگی تمہیں چین سے جینے نہیں دے رہی تھی اور تم نے ڈاکٹر ربدا کو استعمال کر کے میری غیرت، میری مردانگی و عزت کو کھیل بنا ڈالا۔۔۔ میرے باپ بھائیوں بھابھیوں سب کے دل مجھ سے بدظن کر ڈالے۔ تم نے میری ساری خوشیاں چھین لیں مکار عورت۔"

"کیا۔۔۔ کہہ رہے ہو تم؟ جھوٹ ہے یہ سب؟"

"شٹ اپ۔۔۔" بازل خان کے ایک بھرپور تھپڑ نے اسے میٹرس پر گرا دیا تھا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ یہ ہے تمہارے کرتوتوں کا ثبوت۔" اس نے اپنی جیب سے لفافہ نکال کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

"یہ دیکھو مکار، چالباز لڑکی دیکھو یہ ہیں تمہارے کارنامے۔" اس کا بازو پکڑ انتہائی جنونی پن میں اس نے اسے سیدھا کیا تو وہ ڈر کر فوراً لفافہ تھام گئی۔ جوں جوں وہ تصاویر دیکھ رہی تھی اس کا رنگ لٹھے کی مانند زرد ہو رہا تھا۔

"کیوں کیا تم نے یہ سب۔۔۔ بولو۔۔۔ تمہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہ آیا۔ ایک نہیں کئی زندگیوں سے تم کس درجہ سفاکی سے کھیل گئیں۔" وہ سخت غم و غصے اور انتہائی اشتعال سے گویا تھا۔

بینش کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ واقعی نفرت و انتقام میں اندھی ہو چکی تھی۔ وہ بازل خان کو ہمیشہ سے چاہتی آرہی تھی مگر بازل کے انکار نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا۔ اس کے دل میں سارہ کے لیے بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ہر وقت دل ہی دل میں اس کے خلاف منصوبے بناتی رہی تھی۔ اس

کے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی جو اسے سارہ کے ساتھ ایک مسکراتی خوشحال زندگی گزارتے دیکھ کر دن دن دو آتشہ ہوتی جارہی تھی پھر اس کے سامنے عادل مراد آگیا وہ اس کی محبت کا دم بھرتا تھا اور وہ خود بازل خان کی۔

اس نے اپنی نفرت میں عادل مراد اور ربدا دونوں کو استعمال کیا تھا۔ ربدا اس کی ایک اچھی اسکول لیول کی دوست تھی مگر محبت میں انتقام لیتے لیتے وہ دوستی کو بھی بھینٹ چڑھا گئی تھی۔ اس کے لیے عادل نے سب تصاویر بنوائی تھیں اور ہر بار سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق وہ ربدا اور بازل خان کو سامنے لائی تھی ان کی ملاقاتیں کروائی تھیں ۔ ربدا جان پائی تھی کہ وہ کیا کھیل کھیل رہی ہے نہ ہی بازل خان ہاں عادل مراد اس کو پانے کے لیے اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ تصاویر عادل نے تیار کروائی تھیں اور خط بینش نے خود لکھے تھے اور پھر ان کو پوسٹ کر دیا تھا۔

نتیجہ اس کی توقع کے مطابق تھا سارہ میکے چلی گئی تھی اور پھر چند دن بعد ہی بیٹے کی پیدائش پر اس کی ڈیتھ کی خبر ملی تھی' ربدا اغوا ہو گئی تو وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس کا مقصد صرف سارہ کو بازل خان سے بدظن کروانا تھا اسے قطعی امید نہ تھی کہ بازل خان ربدا کو اغوا کروائے گا۔ وہ اپنے خوف میں مبتلا ربدا سے تمام تعلقات ختم کر بیٹھی تھی مگر کلینک میں ہونے والی ربدا سے گفتگو نے اسے صحیح معنوں میں ہراساں کر ڈالا تھا۔

تب اسے پتا چلا کہ اسے بازل نے اغوا کروایا ہے اور ربدا سمجھ رہی تھی کہ اسے بینش نے اغوا کروایا ہے۔ بعد میں جو بھی صورت حال ہوئی مگر اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں یہ بات نہ تھی کہ بازل حقیقت بھی جان سکتا ہے وہ یہ سارا کھیل کھیلتے ہوئے نہیں جانتی تھی کہ جو کنواں وہ دوسروں کے لیے کھود رہی ہے وہ خود بھی اس میں گر سکتی ہے۔ ربدا کے بقول اللہ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ آج شاید یوم حساب تھا۔

وہ کوئی بھی رعایت دیے بغیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ صورت حال سنگین تر تھی۔ سدباب کی کوئی راہ نہ بچی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا؟" گھٹی گھٹی آواز تھی

"میں تمہیں بتاتا ہوں تم نے یہ کیوں کیا۔۔۔ اپنی مکاریاں اور چالبازیاں۔" وہ تنفر سے گویا تھا۔

"میرا اور تمہارا رشتہ ہمارے بڑوں میں طے تھا مگر میں نے تمہارے بجائے سارہ کو فوقیت دی۔ وہ تھی ہی اس قابل کہ اسے چاہا جاتا اور پانے کی آرزو کی جاتی اور تم کیا تھیں؟ دولت و امارت کے نشے میں چور ماڈرن ازم کا پرچار کرتی ایک بے ضمیر شکست خوردہ سی لڑکی۔ تمہیں اپنی وہ شکست بھول نہیں رہی تھی۔ ہماری خوش باش زندگی تم سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ تم اتنی پستی میں بھی گر سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تم ایک بیمار ذہنیت اور کردار کی مالک لڑکی کیا خیال تھا تم سارہ اور مجھ کو جدا کر کے مجھے حاصل کر لو گی اور تمہارا یہ بھیانک روپ کبھی میرے سامنے نہیں آئے گا۔۔۔ اور یہ لڑکی۔" اس نے جھٹکے سے ایک تصویر اس کے سامنے کی تھی بینش نے خوف بھری نظروں سے تصویر کو دیکھا تصویر میں بازل خان نے ربدا کو کندھوں سے تھام رکھا تھا۔

"اس لڑکی کی زندگی برباد کر دی تم نے۔۔۔ اس کے ساتھ تو کم از کم ایسا گھٹیا کھیل نہ کھیلتیں۔ اس کے اوپر اتنے گھٹیا الزام لگانے پر تمہیں ذرا شرم نہ آئی۔ ذرا حیا کا دامن نہ تھاما یہ ہی سوچ لیتیں کہ تم کس خاندان کی لڑکی ہو۔" اس کے انداز و لہجے پر بینش لرز کر رہ گئی۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری غیرت کو للکارا ہے۔۔۔ پڑھو اپنے لکھے یہ خط۔ کیا کیا بکواس تم نے مجھ سے اور اس معصوم پاکباز لڑکی کے ساتھ منسوب کی ہے پڑھو ان کو۔" اس نے اپنی جیب سے خط نکال کر اس کی طرف اچھال دیے تھے۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" وہ کسی بھی احساس و رحم سے عاری کرخت و جامد تیور لیے اس کی طرف بڑھا تو وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"مجھے معاف کر دو بازل۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دو ۔۔۔ میں انتقام میں اندھی ہو گئی تھی۔۔۔ میں نے بہت غلط کیا۔ تمہارے ساتھ ربدا کے ساتھ۔۔۔ سارہ کے ساتھ۔" وہ ہاتھ جوڑے رو رہی تھی۔ بازل کو اس کے آنسو مکار لومڑی کی مانند لگ رہے تھے۔

"اتنے دن وہ اس کمرے میں بند روتے سسکتے بلکتی رہی تھی مگر مجھے اس پر رحم نہ آیا۔۔۔ میں نے کئی بار اسے کچل ڈالنے کا ارادہ کیا مگر میرے اللہ نے مجھے اپنے ضمیر کے سامنے مزید گرنے سے بچالیا۔ میں سمجھا وہ لڑکی غلط ہے اور میں نے اپنا بدلہ لینے کے چکر میں اسے برباد کر ڈالا۔ اس کا باپ مر گیا۔ وہ گھر سے بے گھر ہو گئی اور میں اپنے زعم میں خود کو حق بجانب سمجھتا رہا۔ اتنا بڑا گناہ کر ڈالا۔۔۔ مجھے پھر بھی اس پر ترس نہ آیا۔۔۔ اور اب مجھے تم پر بھی ترس نہیں آئے گا۔۔۔ چلاؤ جتنا جی چاہے چلاؤ۔۔۔ یہاں کوئی بھی تمہاری آواز سننے نہیں آئے گا۔ جیسے وہ چلائی تھی اور کوئی اس کی آواز نہیں سنتا تھا۔ چلاؤ اب۔۔۔ مکار' ظالم لڑکی چلاؤ۔" وہ اس پر ریوالور تانے حلق کے بل چیخا تھا اور خوف سے لرزتی بینش اپنی جان بچانے کی کوشش میں اندھا دھند بھاگی تھی۔

"نہیں مجھے نہیں مارو۔۔۔" وہ دیوار سے ٹکرا کر گری۔

"مجھے چھوڑ دو۔۔۔ معاف کر دو۔۔۔ پلیز جانے دو۔" بے اختیار روتے سسکتے وہ اس کے پاؤں میں گری تھی بازل خان نے نفرت سے اسے ٹھوکر ماری وہ دوبارہ دیوار کے ساتھ ٹکرائی تھی۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا۔

"بازل۔۔۔ مجھے چھوڑ دو پلیز۔۔۔" وہ اس کے مقابل ٹک گیا تھا۔ وہ اس کی سگی چچا زاد تھی اس کے خاندان کی عزت مگر اس اس پر قطعی رحم نہیں آرہا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔" ہاتھ جوڑے وہ کہہ رہی تھی مگر بازل خان نے اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا تھا۔

"با۔۔۔ز۔۔۔ل۔" بینش کی آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی۔

۞ ۞ ۞

شمسہ کی خالہ بیرون ملک رہتی تھیں۔ وہ پاکستان آئی ہوئی تھیں وہ ان سے اور ان کے بیٹوں سے مل چکی تھی اچھی فیملی تھی باہر سیٹل تھی۔ وہ لوگ اپنے بیٹے کی شادی کرنے پاکستان آئے ہوئے تھے شمسہ کی اپنے ماموں کے ہاں بات طے تھی آج کل اس کی خالہ لڑکیاں دیکھ رہی تھیں۔ آج جب اس نے گھر فون کیا تو ماما بتا رہی تھیں۔

"شمسہ کی خالہ نے اپنے بیٹے کا پرپوزل شارقہ کے لیے دیا ہے۔" ربدا حیرت زدہ تھی۔

"وہ ایک ماہ کے اندر اندر شادی کرنا چاہ رہی ہیں۔ لڑکا اچھا ہے اچھی فیملی ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا جواب دوں۔ شمسہ کے والدین بہت اطمینان دلا رہے ہیں مگر اتنی دور بیٹی کو بھیج دینے پر دل خوفزدہ ہو رہا ہے۔" ماما مزید بتا رہی تھیں۔

"ماما وہ واقعی اچھی فیملی ہے۔۔۔ آپ اپنا اطمینان کر لیں اور ہاں کہہ دیں۔۔۔ شارقہ کی ایج ہے کوئی مضائقہ نہیں۔۔۔ لڑکے سے میں مل چکی ہوں اچھا خاصا ہے۔ یہ تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ وہ اپنی شارقہ کے لیے کہہ رہی ہیں ورنہ ان لوگوں کو رشتوں کی کیا کمی ہے۔۔۔" وہ فوراً" پرجوش ہو گئی۔

"مگر ایک ماہ کے اندر اتنی جلدی شادی۔۔۔"

"سب ہو جائے گا ماما۔۔۔ پاپا کو ملنے والی رقم ساری Save ہے ہم ارینج کر لیں گے۔" اس نے فوراً" کہہ دیا۔

"شمسہ کی خالہ نے کچھ بھی لینے دینے سے صاف انکار کر دیا ہے بلکہ وہ تو کہہ رہی تھیں کہ شادی کی ساری ذمہ داری بھی وہ لوگ خود ہی اٹھائیں گے ایک

اور بات کہہ رہی تھیں وہ؟" ماما کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں وہ چونکی۔

"کیا بات.....؟"

"شارقہ اتنی دور جانے پر راضی نہیں..... تو شمسہ کی خالہ کہہ رہی تھیں کہ وہ نومان اور ثوبان کے ویزے بھی تیار کروا لیتے ہیں شارقہ کے ساتھ یہ دونوں بھی وہاں سیٹل ہو جائیں گے رہ گئی میں تو اگر تم چاہو تو وہ ہم دونوں کو بھی لے جائیں گے۔"

"اچھا....." وہ خاصی حیران ہوئی۔

"مگر میں چاہتی ہوں کہ تمہاری بھی کہیں شادی کر دوں۔"

"ماما پلیز....." اس نے فوراً ٹوک دیا تھا۔

"میرے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو چکا ہے میری بات مت کریں۔ وہ لوگ اگر اتنا کچھ چاہ رہے ہیں تو انکار مت کریں..... رقم وغیرہ سب بینک میں Save ہے۔ نکلوا کر استعمال کر لیجیے گا۔ میں بھی کسی دن چکر لگانے کی کوشش کروں گی۔"

"تم وہاں سیٹ تو ہو نا....." انہوں نے پوچھا۔

"جی....." شارقہ اور دونوں بھائیوں کے مستقبل محفوظ ہو جانے کی خوشخبری نے اسے بہت ہلکا پھلکا کر ڈالا تھا' یہاں آتے ہوئے اس کو دوسرا ہفتہ ہو رہا تھا۔ بازل خان کے وجود سے ہٹ کر اسے یہاں بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر یوسف نے ٹرانسفر کروا لیا تھا اور دوسرے ڈاکٹر بھی ایک دوبار چکر لگا چکے تھے۔

وہ سسٹر رضیہ سے اس علاقے کی خوب صورتی کی بڑی تعریفیں سن چکی تھی۔ ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا تو وہ چہل قدمی کی نیت سے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں آیا تو دل بہت پریشان تھا۔ کسی پل قرار نہ تھا۔

وہ تو اپنی ہی نظروں سے گر چکا تھا۔ اب کسی اور کے سامنے سر اٹھا کر کرتا بھی تو کیا۔ بستر پر لیٹا تو بی بی جان انیق کو اٹھائے اندر آ گئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"خیر ہے پتر..... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" بازل خان کے بجھے بجھے چہرے پر اک گہری نگاہ ڈالی۔

وہ..... ندامت سے چور سر جھکا گیا۔

آج اپنے فعل پر انتہائی پشیمان تھا۔ کسی بے گناہ کے ساتھ کی گئی زیادتی پر انتہائی ندامت ہو رہی تھی۔ غصے کا تو وہ شروع سے ہی تیز تھا مگر خود پر لگائے جانے والے بہتان کا صدمہ اس قدر جان لیوا تھا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں کھو بیٹھا تھا۔ تمام حواس مختل ہو چکے تھے گویا اور اب جبکہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ آج آنکھیں کھلیں تو ہر طرف پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا۔ ضیاع ہی ضیاع تھا۔

ربدا کی ذات کو پہنچنے والا نقصان اس قدر شدید تھا کہ وہ خود کو بری الذمہ قرار بھی نہیں دے سکتا تھا۔ ضمیر ہر وقت کچوکے لگا رہا تھا اور ضمیر سے بڑی عدالت بھلا اور کیا ہوتی ہے۔

"کیا بات ہے پتر..... بتاتا نہیں خیر ہے نا؟"

"میری طبیعت کو کیا ہوتا ہے بی بی جان..... اپنی ہی لگائی آگ میں جھلس رہا ہوں۔" اس جیسا صاف ستھری دیانت دارانہ زندگی گزارنے والا بازل خان اپنی ہی شخصیت کا یہ دوہرا پن برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے..... تم کیوں جھلسو ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو پتر؟" انہوں نے شاید اس کی بات کی گہرائی کو نہیں جانچا تھا مگر دل دہل گیا تھا۔ بازل خان مسکرا دیا۔ انیق کو بازوؤں میں لے کر اپنی گود میں بٹھا کر اس کے ننھے منے ہاتھوں کو چومنے لگا۔

"بی بی! آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے" کچھ سوچتے ہوئے اس نے لب کشائی کی۔

"کیا بات ہے پتر.....؟" بی بی اس کے انداز پر متوحش ہوئی تھیں۔

"بات دراصل یہ ہے بی بی جان کہ....." وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ وہ کل لوٹا تھا اور آج وہ بی بی جان کے سامنے حقیقت بیان کر دینا چاہتا تھا۔

اور پھر وہ انہیں سب بتاتا گیا۔ ہر بات' بینش کی نفرت اس کے انتقام کی کہانی ربدا اور اس کی لی گئی تصویروں کی حقیقت سب کچھ اور بی بی جان حیران و ششدر و متاسف سب سنتی گئیں۔

"بینش نے یہ سب کیا..... یا اللہ۔" وہ بے یقین تھیں۔

اس نے بینش کی کہانی سنا کر لب بھینچ لیے تھے حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا کہ ربدا کے ساتھ کیا جانے والا اپنا سلوک بیان کرے۔ بتائے کہ وہ بھی بینش کی طرح کس قدر سفاکیت کا مظاہرہ کرتے کسی معصوم کی زندگی سے کھیل گیا تھا اس کے سر سے چھت چھین لی تھی اس کا باپ بیٹی کا غم دل پر لیے قبر میں جا اترا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ بتا سکا تھا۔

"بہت برا کیا اس نے..... اس نفرت و انتقام میں وہ کئی زندگیوں سے کھیل گئی۔" ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے..... جہاں بیٹے پر لگا بہتان ختم ہوا تھا وہیں رشتوں پر سے اعتماد بھی اٹھ گیا تھا۔

"بی بی جان! بابا جان کی نظریں میرے اندر شگاف ڈال دیتی ہیں۔ میں ایک الزام کی زندگی لے کر کیسے جیتا" وہ افسردہ تھا اور بی بی جان کا دل بھر آیا۔

"اور بینش کا کیا کیا اب تو نے؟"

"بی بی جان انتقام نے مجھے اندھا کر ڈالا تھا۔ جی تو چاہ رہا تھا کہ اسے قتل کر ڈالوں اور شاید میں کر بھی چکا ہوتا اگر وہ اس وقت بے ہوش نہ ہو چکی ہوتی۔ بی بی جان آپ کی دعاؤں نے نجانے مجھے کن کن گناہوں سے بچا لیا ہے۔ ورنہ وہ بینش بچ نکلتی ناممکن تھا۔ میں اسے اسی دن واپس چھوڑ آیا تھا۔ آپ کی تربیت نے مجھے بچا لیا ورنہ جہاں اتنے گناہ کیے ہیں وہاں ایک اور قتل بھی کر ڈالتا۔" وہ ضبط کی انتہا پر تھا چاہ کر بھی بی بی جان کو اپنے گناہ کے بارے میں نہیں بتا پایا تھا۔

"اللہ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا کہ تو صبر کر۔ دیکھا کیسے سارا کھیل کھل گیا ہے۔ میں تیرے بابا صاحب کو بھی بتاؤں گی۔ بس تو بھی اپنے دل سے ان کے خلاف موجود کدورت نکال دے۔ ان کا بھی بھلا کیا قصور جس طرح بینش نے وہ خط اور تصویریں بھیجی تھیں کوئی بھی ہوتا تو یہی سمجھتا۔"

"مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں رہا اب بی بی جان! بس دل میں ایک خلش ہے کاش سارا مجھے کچھ کہنے سننے کا موقع دیتی۔ مجھے اس کی وہ بے اعتبار نگاہیں جینے نہیں دیتیں۔ آپ کے سامنے کی ہی بات تھی کیسے وہ بغیر کچھ کہے سنے ہونٹوں پر قفل ڈالے پھوپھی جان کے ساتھ چلی گئی تھی اور پھر چند دن بعد ہی دنیا سے منہ موڑ لیا۔ بی بی جان مجھے وہ لمحے نہیں بھولتے۔" وہ پھر گزرے وقت کو یاد کرتے ماضی کی راکھ کریدتے اپنے ساتھ ساتھ بی بی جان کے دل سے بھی کھیل رہا تھا۔

"بڑی نیک فطرت اور پاکباز روح تھی۔ اللہ اسے جنت میں جگہ دے۔" بی بی جان اپنی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"اور وہ لڑکی..... کیا بھلی صورت تھی اس کی۔ میرا تو دل پہلے ہی کہتا تھا کہ وہ ایسی لڑکی نہیں۔ کیا نام اس کا خط میں لکھا تھا بھلا؟"

"ربدا..... ڈاکٹر ربدا ہے نام اس کا۔" اس نے آہستگی سے دہرایا۔

"تیرے بابا نے سختی سے تیری بھابھیوں اور بھائیوں کو کہہ دیا تھا کہ بات حویلی سے باہر نہ نکلے اور سارہ نے بھی جیتے جی کچھ نہ کہا ورنہ وہ لڑکی تو برباد ہو جاتی۔ بینش نے دوستی کا بھی پاس نہ رکھا۔ خدا سمجھے اسے۔ کیا اس لڑکی کو پتا ہے کہ اس کی دوست اسے استعمال کر چکی ہے۔"

بی بی کہہ رہی تھیں اور وہ شرمندگی کے مارے سر جھکائے ہوئے تھا۔

"پتا نہیں بی بی....."

"تو آرام کر پتر..... میں جا کر تیرے بابا اور بھائیوں کو بتاتی ہوں۔"

"ایک منٹ بی بی جان!" وہ رک گئی تھیں۔ وہ بستر سے اتر کر الماری کی طرف بڑھ گیا تھا اور اس میں سے

ایک بڑے سائز کا خاکی لفافہ نکال کر پلٹا۔

"بی بی جان اس میں وہ سارے ثبوت ہیں جو سب کی نگاہوں میں میری بے گناہی ثابت کرنے کو کافی ہیں۔ اس میں بینش کی ڈائری ہے وہ تمام خطوط، اسٹوڈیو کے مالک کے بیانات آفیسر جمشید کی رپورٹ کے علاوہ ان تصاویر کے اصل نگیٹو کے ساتھ اصل تصاویر بھی ہیں۔ اگر تب بھی کسی کو یقین نہ آئے تو بینش کے پاس جا کر تصدیق کی جا سکتی ہے۔" ٹھوس و جامد تاثرات لیے وہ کہہ رہا تھا بابا صاحب کی بے اعتنائی نے اسے بہت بدگمان کر ڈالا تھا بی بی جان نے خاموشی سے لفافہ تھام لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن اپنی مخصوص رفتار میں گزر رہے تھے۔ ایسے میں شارقہ کی شادی شمسہ کے کزن سے طے ہو گئی تھی۔ وہ شادی سے ہفتہ پہلے ہی آ گئی تھی۔ اس کی اکلوتی بہن کی شادی تھی سو بکھیڑے تھے شادی کے بعد شارقہ نے فوراً "امریکہ نہیں جانا تھا ہاں اس کی ساس اور باقی فیملی کو واپس چلے جانا تھا اور جب تک شارقہ کے ساتھ نومان ثوبان وغیرہ کے کاغذات نہ بن جاتے وہ اور اس کے ہزبینڈ نے ادھر اپنی خالہ کے ہاں ہی رہنا تھا۔

ماما بچت سے ان دونوں بہنوں کے لیے زیورات وغیرہ پہلے سے ہی بنوا چکی تھیں۔ دولہا والوں نے شادی کے سارے انتظامات خود کرنے تھے ہاں ماما نے شارقہ کو اس کی پسند کی شاپنگ ضرور کروادی تھی۔ ان لوگوں نے کچھ بھی کرنے نہ دیا تھا۔

شادی کے بعد وہ اک ہفتہ مزید رکی تھی۔ اگر سرکاری نوکری کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ماما کے پاس واپس آ جاتی۔ فی الحال جب تک شارقہ نومان اور توبان کے ویزوں کا بندوبست نہیں ہو جاتا شارقہ ماما کے پاس ہی تھی اور ماما کی طرف سے اسے فی الحال اطمینان تھا۔

وہ واپس آئی تو کئی دن تک اس کو دوبارہ اس ماحول میں ایڈجسٹ ہونے میں لگ گئے۔ بازل خان کی طرف سے خاموشی تھی وہ سمجھی کہ شاید وہ شخص اس کو بھول گیا ہے ورنہ اس کا خوف ہر وقت اعصاب پر چھایا رہتا تھا۔

اس نے سوچا شاید اب زندگی سہل ہوتی جا رہی ہے یا پھر اس کی آزمائش ختم ہو چکی ہے۔ شارقہ سے روزانہ بات ہو جاتی تھی اور آہستہ آہستہ وہ اپنی زندگی سے مطمئن سی ہونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

انیق کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ شاید موسم بدلنے کے اثرات تھے سردی بڑھ رہی تھی اسے بخار اور فلو ہو گیا تھا اور اس کی خراب طبیعت کا سن کر سب حویلی والے فکر مند ہو گئے تھے اور جب رات گئے اس کی طبیعت زیادہ بگڑی تو بھابھی بیگم نے سب حویلی والوں کو اکٹھا کر لیا۔ بازل کی موجودگی میں وہ پہلی بار بیمار ہوا تھا اور وہ سب سے زیادہ بے چین تھا۔

"آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا اب رات گئے اس کو کہاں لے کر جاؤں شہر بھی تمہیں لے جا سکتا۔" وہ کچھ دیر قبل ہی ریسٹ ہاؤس سے گاؤں پہنچا تھا کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا جب شائستہ بھابھی نے آ کر بتایا تھا۔ وہ سارا دن انہی کے پاس ہی ہوتا تھا ان ہی کے پاس سوتا تھا وہ بخار سے مدہوش بلکہ نیم بے ہوش وجود کو اٹھا کر بی بی کے روم میں آ گیا تھا۔

"میں نے ملازمہ کو بھیج کر ہسپتال سے دوائی منگوائی تو تھی مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا بلکہ شام کے بعد تو طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔" بھابھی خود متفکر تھیں۔

"میں کچھ کرتا ہوں جب تک میں آتا ہوں آپ اس کو لپیٹ کر رکھیں۔" گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ فوراً باہر نکل آیا تھا رش ڈرائیونگ کرتے وہ کچھ پل میں ہسپتال پہنچا تھا۔ چوکیدار سے پتا چلا کہ ڈاکٹرنی صاحبہ تو ہاسٹل والے کمرے میں چلی گئی ہیں۔ اور باقی ڈاکٹرز تو آ ہی نہیں رہے۔ وہ تذبذب کا شکار کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر

وہ ہاسٹل کی طرف آ گیا۔ رضیہ سسٹر کا شوہر اس وقت گیٹ پر بازل خان کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"اسلام علیکم خان جی۔۔۔ آپ ادھر۔۔۔ خیریت؟" وہ کئی سالوں سے یہاں مقیم تھے وہ فوراً "سلام کرنے پر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔۔۔ ڈاکٹر صاحبہ کو بلانے آیا ہوں۔ میرے بیٹے کی طبیعت سخت خراب ہے۔۔۔" اس نے کہا تو وہ سر ہلاتا اندر چلا گیا تھا اپنی بیوی کو اٹھا کر اس نے ربدا کو جگانے بھیجا تھا۔

وہ کشمکش کا شکار ادھر سے ادھر چکر لگاتا محو انتظار تھا۔ بازل خان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا رضیہ لوٹ آئی تھیں۔

"ڈاکٹرنی صاحبہ نے آنے سے انکار کر دیا ہے وہ کہہ رہی ہیں کہ وہ رات کے اس وقت کہیں بھی نہیں جائیں گی اگر آپ کے بیٹے کی زیادہ طبیعت خراب ہے تو آپ ادھر لے آئیں۔"

بازل خان کے اندر اک بھانبھڑ سا جل اٹھا تھا۔ مانا کہ وہ غلط تھا اور اس کے ساتھ بہت کچھ غلط کر چکا تھا مگر بحیثیت ڈاکٹر ربدا کا فرض تھا کہ وہ دوست دشمن کی پروا کیے بغیر سب مریضوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ پہلے بھی اس نے بی بی جان کی دفعہ انکار کر دیا تھا اور اب پھر جبکہ اس بار اس کے پاس اس قدر رات گئے کوئی اور راہ بھی نہ تھی۔

"چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔۔۔ میں خود ان سے بات کرتا ہوں۔" وہ سسٹر رضیہ کے ساتھ آ گیا تھا رضیہ نے دروازہ بجایا تو اس نے کھول دیا تھا مگر اسے دیکھ کر وہ پہلے چونکی تھی پھر نفرت سے اس کے زاویے بگڑے تھے۔

"سسٹر رضیہ میں آپ کو کہہ چکی ہوں کہ اس وقت میں کسی مریض کو بھی نہیں دیکھوں گی۔ آپ کے ساتھ ہی کچھ دیر پہلے میں کسی کے گھر سے ہو کر آئی ہوں۔ اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ ان کو کہو یہ اپنے مریض کو کہیں بھی لے جائیں مگر ادھر بار بار مت آئیں۔" خاصے مشتعل لہجے میں وہ کہہ رہی تھی بازل خان کو اس کے سخت لہجے پر ایک دم غصہ آ گیا۔

"میرا بیٹا بخار کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ اتنی جلدی میں اسے کہیں بھی نہیں لے جا سکتا آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" اس طرح کے لہجے برداشت کرنا اس کی فطرت کب تھی بھلا مگر وہ اس لڑکی کو برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

"ایم سوری۔۔۔" بازل خان کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی آؤٹ ہو جاتی تھی تمام مظالم یاد آتے تھے۔ بے پناہ سختی سے کہتے اس نے دروازہ بند کرنا چاہا تو بازل خان نے ایک دم دروازے پر ہاتھ رکھ کر اس کی پیش قدمی روکی تھی۔ اس کے اندر غیظ و غضب نے ایک دم کروٹ بدلی تھی۔

"ڈاکٹر ربدا پلیز!۔۔۔ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا کسی کو بھی۔۔۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے ابھی اور اسی وقت۔ ورنہ آپ جانتی ہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔" بے پناہ غصیلے لہجے میں وہ دھمکی پر اتر آیا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ ڈاکٹر بس ڈاکٹر ہوتا ہے۔ ذاتی غرض اور ہر احساس سے بالاتر۔۔۔ مگر آپ۔۔۔ میرے بیٹے کو اگر کچھ ہوا تو آپ بھی سمجھ لیں میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ میرا بیٹا بے ہوش بخار کی حالت میں نڈھال پڑا ہوا ہے اور" وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے چل دیا تھا۔

ربدا اس کے الفاظ پر دہل سی گئی تھی۔ اس بے ضمیر درندے انسان نے اس کے ساتھ جو بھی کیا تھا وہ کبھی فراموش کرنے والا نہ تھا مگر انسانیت کے ناتے سوچتی تو ڈاکٹر کا کسی مریض کی جان سے کھیلنا اسے قطعی زیب نہ دیتا تھا اس کے ضمیر پر ایک دم بوجھ بڑھا۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر تھا اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل جاتا تو وہ فوراً "بولی تھی۔

"سنو۔۔۔ ٹھہرو میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" بازل خان حیرت سے پلٹا تھا دو منٹ بعد وہ چادر لیے

ہاتھ میں اسٹیتھسکوپ لیے اس کے پیچھے چل دی تھی۔

"سسٹر رضیہ آپ فرسٹ ایڈ باکس اور چند ضروری اشیاء لے کر میرے ساتھ ہی آئیں۔" جاتے جاتے سسٹر رضیہ کو بھی ہدایت دی تھی۔

وہ دونوں اس کے ساتھ اس کی حویلی میں آگئی تھیں۔

"آئیں پلیز۔" اس کی طرف کا دروازہ کھولے وہ بے پناہ عزت سے مخاطب تھا۔ نجانے یہ اس شخص کا کون سا روپ تھا وہ سسٹر رضیہ کو ہمراہ لیے نکل آئی تھی۔ وہ راہداری سے گزر رہی تھیں کہ ایک گھبرائی ہوئی عورت فوراً" قریب آئی تھی۔

"بہت دیر کر دی تم نے ..... کہاں چلے گئے تھے تم؟" وہ بازل خان سے حواس باختہ پوچھ رہی تھیں بازل اس کے انداز پر ایک دم پریشان ہوا تھا۔

"خیریت چھوٹی بھابھی ..... انیق تو ٹھیک ہے نا .....؟" انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"بہت خراب طبیعت ہوتی جا رہی ہے اس کی ..... بالکل ہی ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ جلدی چلو ....." وہ اندر بھاگیں تو بازل خان بھی پیچھے لپکا تھا سسٹر رضیہ ادھر کئی بار آچکی تھی وہ اسے لیے بی بی جان کے کمرے میں بازل کے پیچھے داخل ہو گئی تھی۔ انیق بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ بی بی جان اس کے پاؤں مل رہی تھیں۔ بھابھی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں وہ بالکل زرد کملا کر رہ گیا تھا۔

"میں ڈاکٹر صاحبہ کو لے آیا ہوں۔" سب نے حیرت سے ڈاکٹر ربدا اور اس کے ساتھ آتی سسٹر کو دیکھا تھا اور پھر سب کی نگاہیں ربدا پر جم گئی تھیں۔

"یہ تو وہی تصویر والی لڑکی ہے۔" سب کے ذہن میں صرف ایک یہی خیال آیا تھا۔ ربدا خاموشی سے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

بچے کی کنڈیشن حقیقت میں انتہائی خراب تھی وہ جلدی جلدی اسے ٹریٹمنٹ دینے لگی۔ اس نے فوری دو انجیکشنز لگائے تھے وہ چند اور احتیاطی تدابیر کرتی رہی تھی۔ سبھی خاموشی سے دیکھ رہے تھے سسٹر رضیہ اس کی ہیلپ کر رہی تھی۔

"آپ پلیز ہسپتال سے یہ کچھ سامان منگوا دیں ..... بچے کو ڈرپ لگانی ہے۔ وہاں چوکیدار ہو گا اسے کہیے گا کہ وارڈ بوائے سے سامان لا دے۔ وہاں ڈسپنسری میں ہو گا۔" اس نے باکس سے کاغذ قلم نکال کر سامان لکھ کر بی بی جان کو دیکھا۔

"کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔ یہ ٹھیک تو ہو جائے گا۔" بازل خان بھی بولا تھا۔

"فی الحال تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی ..... سسٹر رضیہ آپ ایسا کریں خود جا کر یہ چیزیں لے آئیں ..... فوری ضرورت ہے ان کی۔" اس نے اسے جواب دے کر کاغذ سسٹر رضیہ کو تھما دیا تھا۔

بازل کی بجائے سجاول بھیا سسٹر رضیہ کو ہمراہ لیے چلے گئے تھے۔ وہ اس دوران کچھ نہ کرتی رہی تھی۔ بی بی جان اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"تمہارا نام ربدا ہے نا؟" اسے مسلسل بچے کے ساتھ مصروف دیکھ کر انہوں نے پوچھا اس نے سر ہلایا۔ اس نے قطعی دھیان نہ دیا کہ وہ اس کا نام بھلا کیسے جانتی ہیں۔ اس نے گرم چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹی ہوئی تھی۔ بابا صاحب بھی اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ جبکہ بازل خان اپنے بیٹے کی طرف متوجہ تھا۔

"بچے کی یہ کنڈیشن کب سے تھی؟" ان لوگوں کی مسلسل خاموشی سے گھبرا کر اس نے پوچھا۔

"کل سے خراب تھی۔ صبح بخار ہلکا ہو گیا تھا۔ میں نے ملازمہ کو بھیج کر دوائی منگوائی تھی مگر شام کے بعد طبیعت زیادہ بگڑ گئی تھی۔" شائستہ بھابھی نے بتایا تو وہ سر ہلا کر گھڑی دیکھنے لگی دو بج رہے تھے وہ کب سے یہاں تھی نجانے ابھی اسے مزید کتنی دیر یہاں رکنا تھا۔

"تم کہاں سے آئی ہو؟ تم ادھر کی نہیں لگتی ہو؟"

بازل خان نے بی بی جان کو دیکھا۔ یعنی وہ لوگ اسے پہچان گئے تھے۔ اس نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا یہ ڈاکٹر ربدا ہی اصل ربدا ہے۔

"جی میں شہر سے آئی ہوں لیڈی ڈاکٹر کے طور پر میری یہاں سلیکشن ہوئی تھی میں پچھلے دو ماہ سے ادھر ہوں۔" کافی روکھے لہجے میں کہا تو بازل نے لب بھینچ لیے۔

"اچھا ....." ان سب کو خاصی حیرت ہوئی وہ دو ماہ سے ان کے علاقے میں تھی اور ان کو خبر تک نہ تھی۔ نئی ڈاکٹر آئی ہے یہ تو پتا تھا یہ ہی لڑکی ہو گی اندازہ نہ تھا تبھی سسٹر رضیہ سامان لے کر آگئی

انجیکشن اور ڈرپ کا اثر تھا کہ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد بچے کی طبیعت سنبھلنے لگی تھی۔ بخار کا زور کم ہو رہا تھا۔ اس نے بچے کے گرد کمبل اچھی طرح لپیٹ دیا تھا۔

"بچے کی حالت بہتر ہو رہی ہے ..... ایک ڈیڑھ گھنٹے میں یہ ڈرپ ختم ہو جائے گی تو آپ لوگ اتار دیجیے گا۔ یہ کچھ میڈیسن ہیں بچے کو ہوش میں آنے کے بعد ہلکی پھلکی خوراک جیسے ساگو دانہ کی کھیر یا دلیہ وغیرہ کے بعد کھلا دیجیے گا۔ میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔" چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ سسٹر رضیہ کو دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اطراف میں موجود سب لوگوں نے اسے دیکھا۔

"ابھی رات باقی ہے بیٹا! ..... صبح چلی جانا۔" بی بی جان کو تو وہ پہلی نظر میں ہی دل و جان کے بے حد قریب لگی بے پناہ خلوص و انسیت کا اظہار کرتے کہا تو وہ بدک گئی۔

"جی نہیں ..... شکریہ میں بس بچے کی وجہ سے آگئی تھی۔ اب میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ بچے کی حالت صبح تک بہتر ہو جائے گی۔ براہ مہربانی آپ ہمیں واپس چھوڑ آئیں۔" اس نے سب کو جواب دے کر بازل خان کو دیکھا وہ فوراً" کھڑا ہو گیا۔

"صبح ہونے میں چند گھنٹے ہیں آپ رک جاؤ بچے ..... صبح ہم چھوڑ آئیں گے۔" بابا صاحب نے بھی کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔ اور بڑی تلخ نگاہ بازل خان پر ڈالی۔

"میرا خیال ہے میں انہیں چھوڑ آتا ہوں۔" اس سے پہلے کہ وہ نفرت کا اظہار برملا کرتی اور بازل خان کا رہا سہا بھرم بھی تباہ ہوتا اس نے فوراً" منظر سے غائب ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

"آئیں پلیز ....." وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ بھی سب کو اللہ حافظ کہتے سسٹر رضیہ کے ہمراہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تھکن ہو رہی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں لوٹی تو سامنے ہی بازل خان کی حویلی کی خواتین کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ بچہ بھی تھا یہ لوگ شاید بچے کو دکھانے لائی تھیں۔

"آپ .....؟" وہ رک گئی تھی۔

"السلام علیکم ....." دونوں نے کھڑے ہو کر کہا تو وہ سر کے اشارے سے جواب دیتی اپنی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

"پلیز بیٹھیے ....." وہ دونوں بیٹھ گئی تھیں۔

"جی فرمائیے ....." رات کے برعکس اس وقت اس کا لہجہ قطعی مختلف اور پروفیشنل تھا بچہ شائستہ بھابھی کے بازوؤں میں تھا۔

"ہم انیق کو دکھانے لائے ہیں ..... یہ اب بہت بہتر ہے ..... ہم کبھی خود ہاسپٹل نہیں آئیں مگر تم نے جس طرح رات گئے حویلی آ کر ہم پر احسان کیا تھا تو ہمیں خود ہی آنا پڑے۔" بی بی جان نے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ خود ہی اٹھ کر بچے کو بازوؤں میں لے لیا۔

"میرے آنے کے بعد زیادہ مسئلہ تو نہیں ہوا تھا ..... طبیعت ٹھیک رہی تھی نا۔" بچے کے مرجھائے ہوئے وجود کو بازوؤں میں لیے قدرے لگاؤ سے پوچھا۔

"نہیں ..... تمہاری دوائی نے بڑا اثر دکھایا ہے ..... اس کا باپ بڑا پریشان رہا ہے رات بھر ..... اب بھی وہی ہمیں چھوڑ کر گیا ہے۔"

بچے کو ابھی بھی بخار تھا مگر رات والی کیفیت نہ تھی۔ ہاں بچے پر بخار کے بعد والی کمزوری غالب تھی جو بچے کو ابھی بھی نڈھال کیے ہوئے تھی۔ بچہ بہت پیارا اور معصوم تھا۔ اس کا دل خود بخود ہی اس کی طرف مائل ہو گیا

"یہ اب ٹھیک ہے۔۔۔ ویک نیس بہت ہو گئی ہے۔ یہ میڈیسن منگوالیں یہاں سے دستیاب نہیں ہے شہر سے مل جائے گی، کمزوری ختم ہو جائے گی۔ ساتھ ساتھ بچے کی ڈائٹ کا خیال رکھیں۔ چند دن تو پرہیزی کھانا کھلائیں۔ اس کے بعد بچے کی عمر کے مطابق کچھ بھی کھلا سکتی ہیں۔"

ایک بازو میں بچے کو اٹھائے دوسرے ہاتھ سے ٹیبل کے پاس آکر وہ قلم سے پیڈ پر لکھتے شائستہ کو ہدایات بھی دے رہی تھی۔ تبھی بازل خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ فوراً" متوجہ ہوئی اس کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے جبکہ دونوں خواتین مسکرائی تھیں۔

"اچھا ہوا تم آگئے ہم فارغ ہی ہیں۔" ربدا کے چہرے پر وہی کرختگی چھا گئی۔

"ڈاکٹر! پریشانی والی اب کوئی بات تو نہیں۔۔۔ یہ اب ٹھیک ہے نا؟" اس کے چہرے کے تاثرات کو یکسر نظرانداز کیے وہ پوچھ رہا تھا۔ ربدا نے اس پر ایک کٹیلی نگاہ ڈال کر بچے کو شائستہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"نہیں۔"

"چلیں۔۔۔" اس کے تاثرات سے گھبرا کر بازل خان نے دونوں خواتین کو دیکھا۔ تبھی ربدا نے دیکھا بی بی جان اور شائستہ دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ تبھی شائستہ نے زمین پر پڑا شاپنگ بیگ اٹھا کر بی بی جان کو تھما دیا۔

"ہم یہ تمہارے لیے لائے ہیں۔۔۔ اصولی طور پر تو ہمیں چاہیے تھا کہ تم کو باقاعدہ حویلی میں دعوت پر بلاتے۔ تم ہمارے علاقے کی لیڈی ڈاکٹر ہو۔ ہماری مہمان ہو۔ ہم نے ایک دفعہ پیغام بھی بھیجا تھا مگر تم نے انکار کر دیا۔ کل رات جس طرح تم نے ہمارے بیٹے کا خیال رکھا گویا ہمیں خرید بھی لیا ہے۔ سرکاری ڈاکٹرز تو آتے رہتے ہیں مگر کبھی کسی نے تمہاری طرح مریضوں کا خیال نہیں رکھا۔۔۔ یہ ہماری طرف سے ایک حقیر سا تحفہ ہے۔ بازل پتر کہہ رہا تھا کہ تمہیں حویلی آنا پسند نہیں تو ہم خود ہی آگئے۔" بی بی جان نے وہ شاپر ٹیبل پر رکھ دیا تھا

"ایم سوری میں یہ تحفہ نہیں لے سکتی۔۔۔ اور جان بچانے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ میں کون اور میری اوقات کیا ہے۔" اور نہ ہی میں نے کسی تحفے کے لالچ میں آدھی رات کو آپ کی حویلی کا چکر لگایا تھا۔" تلخ لہجے میں کہتے اس نے بازل خان کو دیکھا وہ بالکل خاموش تھا۔

"ہم نے ایسا کب کہا بیٹا۔۔۔ یہ تحفہ ہے۔ ہم اپنی خوشی اور محبت سے تحفہ دے رہے ہیں۔ یہ ہمارے نبی کی سنت ہے۔ تحفے سے منہ نہیں موڑتے بیٹا۔" بی بی جان نے اس کی تلخی کے جواب میں بہت محبت سے کہا تو وہ الجھ گئی۔

"مگر آنٹی۔" بی بی جان نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔

"بی بی جان!۔۔۔ میرے بچے اور سب گاؤں والے مجھے بی بی جان کہتے ہیں۔ تم بھی کہو گی تو ہمیں خوشی ہو گی۔۔۔ ہم تمہیں دعوت پر بلائیں کہ خود لینے آئیں گی ضرور آنا بیٹا۔" وہ اسے کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیے بغیر اپنی ہی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"چلتے ہیں ہم اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر دے گا۔" وہ دعا دے کر چل دی تھیں اور وہ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"عجیب لوگ ہیں۔ اپنے علاوہ کسی کی پرواہی نہیں گویا۔"

قلم زور سے ٹیبل پر پھینک کر خود کرسی پر گر گئی تو نظریں خود بخود سفید شاپر پر جا ٹھہریں۔ کچھ دیر ناگواری سے دیکھتی رہی پھر شاپر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ کوئی گفٹ

پیک تھا۔ اس نے ریپر پھاڑا تو اندر سے خاصی قیمتی سرمئی چادر کے علاوہ ایک گرم سوٹ نکلا تھا۔ ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مخملیں ڈبیہ تھی۔ اس نے ڈبیہ کا ڈھکن کھولا تو اس کے اندر گولڈ کے ٹاپس جھلملا رہے تھے۔

وہ ساکت و سامت بیٹھی رہ گئی تھی۔ نجانے ان لوگوں نے اپنے خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا تھا یا اپنی امارت و امیری کا آئینہ دکھایا تھا۔

وہ لب بھینچے بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شارقہ کی شادی کر دینے کے بعد ماما کو اب ہر وقت ربدا کی فکر ستاتی رہتی تھی انہوں نے کئی لوگوں سے ربدا کے رشتے کی بات کی تھی وہ چاہتی تھیں کہ شارقہ وغیرہ کے باہر جانے سے پہلے وہ ربدا کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ ایک رشتہ کروانے والی رشتہ بتا رہی تھی انہوں نے ربدا سے ذکر کیے بغیر ان کو گھر آنے کا کہہ دیا تھا ساتھ ربدا کو بھی چھٹی لے کر آنے کا کہا۔ اتوار والے دن وہ لوگ آئے تو ربدا بھی آگئی تھی وہ ہفتہ کو آئی تھی دو دن مزید رکنا تھا۔ یہاں آکر رشتے کے متعلق سن کر چونکی تھی مگر ماما کی بیماری کی وجہ سے چپ رہی۔ وہ لوگ آئے اور ربدا کو دیکھ کر چلے گئے رات کو انہوں نے فون کرنے کا کہا تھا اور پھر اسی رات کو ان کا فون آگیا۔

ماما نے ہی اٹینڈ کیا تھا۔

انہیں لڑکی پسند آگئی تھی مگر اس کے بعد انہوں نے مزید بھی کچھ کہا تھا۔ ماما کے چہرے کا رنگ بدلا تو وہ چونکی تھی۔ وہ پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً" اسپیکر آن کیا۔

"یہ تو دھوکا ہوا نا۔۔۔" ماما کہہ رہی تھیں۔

"دیکھیں اس میں دھوکہ دہی والی کیا بات۔۔۔ ہم نے رشتے والی کو نہیں بتایا مگر آپ کو تو بتا رہے ہیں۔ ہمارے لڑکے نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی تھی پہلی بیوی سے اس کے دو بچے ہیں۔ ہمیں پڑھی لکھی سلجھی لڑکی چاہیے تھی سو پسند آگئی۔"

"معافی چاہتی ہوں بہن مگر میں دو بچوں کے باپ سے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کر سکتی آپ کہیں اور دیکھ لیں۔" ماما نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ہم بھی تو آنکھوں دیکھی مکھی نگل رہے تھے بی بی۔ شکر کرو ایک اغوا شدہ میں کیڑے نکالنے کی بجائے پسند کر گئے۔ اب ایسی لڑکیوں کو کوئی کنوارہ بیاہنے آنے سے رہا۔۔۔ ہمیں بھی لڑکیوں کی کمی نہیں۔۔۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ ڈاکٹر ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ بچوں کو سنبھال سکتی ہے۔" اس عورت کی زبان چل رہی تھی اور ماما ساکت تھیں۔ ربدا نے بہت غصے سے ان کے ہاتھ سے موبائل لے کر آف کر دیا۔

"خبردار آپ نے آئندہ ایسے کسی سلسلے میں کسی کو گھر بلوایا۔۔۔ ماما میں شادی نہیں کروں گی۔ یہاں بھی میں آپ کی وجہ سے خاموش رہی۔ دیکھ لیا لوگوں کا ری ایکشن۔ میری جیسی لڑکیوں کو لوگ ایسے ہی ٹریٹ کرتے ہیں۔"

"تمہارا اس میں کیا قصور۔۔۔ شارقہ کی شادی کے بعد کتنا ارمان ہے کہ تمہیں بھی رخصت کر دوں گی مگر۔"

وہ چپ رہی۔۔۔ ماما کو ساتھ لگا کر چپ کرواتی رہی۔

☆ ☆ ☆

وہ جو سارہ کے علاوہ کسی بھی دوسری عورت کو سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اب جب بھی آنکھیں بند کرتا تھا چھن سے ڈاکٹر ربدا کا غصے سے بھرا چہرہ دل و دماغ میں روشن ہو جاتا تھا۔ اسے اس لڑکی کو یاد کرتے عجیب سا لطف اور سرور حاصل ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کے لمس کی سچائی وہ آج بھی اپنے وجود پر محسوس کر رہا تھا۔

انیق اس کے پاس ہی تھا وہ سویا تو وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ بی بی جان کے کمرے میں آیا تو وہ شائستہ بھابھی سے باتوں میں مصروف تھیں وہ خاموشی سے ان کے بستر پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ بی بی جان ربدا کے متعلق ہی باتیں کر رہی تھیں۔ اس کے ضمیر کا بوجھ ایک دم بڑھا

تو دل جیسے سانس لینا بھول گیا۔ وہ ایک دم سیدھا ہوتے بری طرح اپنا سینہ مسلنے لگا۔

"کیا بات ہے پتر؟۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بی بی ایک دم پریشان ہو گئیں۔

"بی بی جان۔۔۔!" اس نے اپنی کیفیت سے پریشان ہو کر ان کی گود میں منہ چھپا لیا۔

وہ اتنے عرصے سے ضمیر کی بازگشت تو جھیل ہی رہا تھا مگر اس کا دل اب کیوں نئے راگ الاپنے لگا تھا۔ اس کے اندر باہر ایک جنگ سے چھڑ گئی تھی۔ کسی پل سکون نہ تھا۔ دن رات اس کے لیے عذاب بن گئے تھے۔ وہ آنکھیں بند کرتا تھا تو ربدا کا تصور اسے جینے نہیں دیتا تھا اور آنکھیں کھولتا تھا تو وہ حقیقت بنی اس کے سامنے تھی اور ہر بار قدم اس کے ہسپتال کے سامنے جا کر رکتے تھے اور وہ بڑی مجروح کیفیت لیے واپس لوٹتا تھا۔ اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کے پاس جا کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لیتا۔

"کیا بات ہے پتر؟۔۔۔ تو پریشان ہے پر کیوں؟" اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے انہوں نے پوچھا تو اس نے اپنی لہو رنگ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

"بی بی جان بہت بوجھ ہے مجھ پر۔۔۔ اپنے ضمیر کا کسی کی بد دعاؤں کا۔۔۔ کسی کے ساتھ کیے گئے اپنے وحشی پن کا۔۔۔ بی بی جان کیا کیا بتاؤں؟۔۔۔ میں سخت عذاب میں ہوں۔۔۔ نہ مرنے کا عندیہ مل رہا ہے اور نہ جینے کا بہانہ۔" بی بی جان حیرت زدہ رہ گئی تھیں وہ خود ہی سے ہار گیا تھا۔ وہ بی بی جان کے سامنے ہر بات کہہ کر ہمیشہ ہی شانت ہو جاتا تھا مگر اب سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے گناہوں کا کیسے اعتراف کرے۔ کس طرح اظہار کرے۔

"ماں صدقے۔۔۔ ایسے کیوں کہہ رہا ہے تو؟"

"بی بی جان اگر آپ کو اپنے گناہوں کی تفصیل بتا دوں تو شاید آپ مجھ سے عمر بھر پھر کلام نہ کریں۔" بی بی جان اب حقیقتاً خاصی الجھ گئی تھیں۔

"بی بی جان میں ڈاکٹر ربدا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" بہت ہمت کرتے اس نے دل پر پڑا ایک بوجھ گرا دیا تھا۔ اور بی بی جان حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔

وہ جو سارہ کو بے انتہا چاہتا تھا۔ سارہ کی وفات نے اسے جنونی و وحشی بنا دیا تھا۔ وہ جو سارہ کی وفات کے بعد انتقام میں اپنی اولاد تک کو بھول چکا تھا۔ اب شادی کرنے کا کہہ رہا تھا اور کس سے؟ ڈاکٹر ربدا سے؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

"بازل۔۔۔" انہوں نے کسی انہونی کے خوف سے دہل کر پکارا۔

"کچھ نہ پوچھیں بی بی۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ میرے دل پر بہت بوجھ ہیں۔ بہت زیادہ گناہ گار ہوں میں اس لڑکی کا۔۔۔ بہت ظلم کیے ہیں میں نے اس پر۔۔۔ اور بہت کچھ چھپایا ہے میں نے آپ سے۔۔۔" بی بی جان خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔

"میرے ضمیر پر اتنا بوجھ ہے کہ اب سانس لینا بھی دشوار لگتا ہے۔۔۔ مجھے ربدا چاہیے بی بی جان ورنہ نجانے میں کر بیٹھوں۔۔۔" وہ اپنی لگائی آگ میں جل رہا تھا۔

"تو نے کیا کیا ہے بازل؟۔۔۔ مجھے بتا کیا کیا ہے تو نے اس کے ساتھ۔۔۔" بی بی جان سخت ہراساں ہو گئی تھیں۔

"یوں سمجھیں آپ کا بیٹا بہت بڑا گناہ گار ہے۔۔۔ اپنے اوپر لگے بہتان نے مجھے پاگل جنونی بنا ڈالا تھا اور تب میں نے اس لڑکی کو سزا دینا چاہی تھی بی بی جان میں نے اسے اغوا کروا لیا تھا۔۔۔" وہ ہار گیا تھا اپنے ضمیر کی عدالت کے سامنے۔

"بازل۔۔۔" اور بی بی جان منہ پر ہاتھ رکھے مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔

وہ بول رہا تھا تمام کہانی سنا رہا تھا۔

انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ بازل یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا ایک ظلم گنوا رہا تھا اپنے تمام گناہ بیان کر رہا تھا اور بی بی جان ان کے وجود سے جیسے جان نکلتی جا رہی تھی۔ بازل خاموش ہوا تو ان کا ناتواں ہاتھ بڑے بھرپور انداز میں اس کے رخسار پر لگا تھا۔

"بازل تم نے اتنا بڑا ظلم کمایا۔۔۔ مجھے شرم آ رہی ہے اپنی ذات سے ہی کہ میری تربیت ایسی نہ تھی وہ اسے تھپڑ مارنے کے بعد شدت سے رو رہی تھیں۔ اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت گھر میں تنہا تھیں۔ شارقہ اور سرفراز آج کل سیر کے لیے اسلام آباد کی طرف نکلے ہوئے تھے لڑکے دونوں اسکول گئے ہوئے تھے۔

وہ چاہتی تھیں کہ جلد از جلد یہ سارا سلسلہ نبٹ جائے تو وہ اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے چلی جائیں۔

انہیں سب سے زیادہ ربدا کے مستقبل کی فکر تھی یہاں جہاں بھی رشتہ کی بات چلاتی تھیں لوگ اس کے اغوا کا سن کر دوبارہ بات نہیں کرتے تھے دوسرے ملک جا کر اجنبی لوگوں میں بھلا کس کو ربدا کے ماضی سے سروکار ہو گا۔ وہ اپنی بیٹی کو اس کے گھر میں آباد دیکھنا چاہتی تھیں سو وہ باہر جانے کا فیصلہ کر کے مطمئن تھیں۔

وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھی تو کال بیل ہوئی۔

انہوں نے دروازہ کھولا تو شمسہ کا چوکیدار کھڑا تھا اس کے ساتھ دو نوجوان اور ایک خاصی ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔

"یہ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔" یہ لوگ ان کے لیے اجنبی تھے۔ چوکیدار کے کہنے پر وہ اسے جانے کا کہہ کر انہیں لے کر اندر آ گئی تھیں۔

"معذرت چاہتی ہوں میں نے آپ لوگوں کو پہچانا نہیں۔۔۔" ان کو صوفوں پر بٹھا کر خود بھی سامنے ٹک گئی تھیں۔

سامنے بیٹھی خاتون اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھی تھیں اور پھر ان کے ہاتھ تھام کر کہنے لگیں۔

"آپ ہمیں نہیں جانتیں مگر ہم آپ کو جانتے ہیں۔۔۔ میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔" وہ الجھ کر کبھی ان خاتون کو اور کبھی اپنے سامنے بیٹھے دونوں نوجوانوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ قطعی سمجھ نہ رہی تھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اور ان سے ملنے کیوں آئے ہیں؟

"یہ آفیسر جمشید ہیں۔ پولیس آفیسر ہیں۔ یہ میرا بیٹا بازل خان ہے اور میں اس کی والدہ۔۔۔" انہوں نے تعارف کروایا تھا۔

"ہم آپ کی بیٹی ڈاکٹر ربدا کے سلسلے میں آئے ہیں۔ اس کے اغوا کے متعلق کچھ بتانا چاہتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھیں اور انہوں نے ایک دم خوفزدہ ہو کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

ایک دفعہ پھر ربدا کے اغوا کی کہانی دہرائی جا رہی تھی وہ بے یقینی سے ان خاتون کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ بازل خان ہے میرا بیٹا آپ کا حقیقی اور اصل مجرم۔" انہوں نے چونک کر سامنے بیٹھے سر جھکائے خوش شکل اور خوش لباس نوجوان کو دیکھا۔ وہ کہیں سے بھی مجرم نہیں لگتا تھا۔

"آیئے میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔ پھر باقی فیصلہ آپ پر ہو گا۔" ان کا ہاتھ تھام کر لڑکے کی والدہ آہستہ آہستہ ربدا کے اغوا کی اصل کہانی سے پردہ اٹھانے لگی تھیں۔

اور وہ خوفزدہ دل بھیگی آنکھیں لیے سب سننے پر مجبور تھیں۔

☼ ☼ ☼
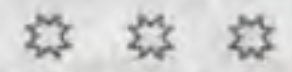
وہ ہسپتال میں اپنے کمرے میں تھی آج صبح سے صرف ایک مریض کے علاوہ کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ اس وقت وہ کتاب کھولے اسٹڈی کر رہی تھی۔ جب کسی آواز پر چونکی تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس کے سامنے ماما شارقہ اور سرفراز بھائی کھڑے تھے۔

"ارے آپ لوگ۔۔۔ وعلیکم السلام۔" وہ ان کو ادھر دیکھ کر حیران ہو گئی۔ ماما سے اور شارقہ سے مل کر حیرت سے پوچھنے لگی۔

"آپ لوگ ادھر کیسے آ گئے؟"

"ہم صبح سے آئے ہوئے تھے۔ بڑا پیارا علاقہ ہے یہ ہم تو دیکھ کر حیران رہ گئے۔" شارقہ کے بتانے پر وہ چونکی۔

"صبح سے۔۔۔ پر میرے پاس تو اس وقت آ رہے ہیں۔"

"بس ہم نے سوچا پہلے اتنے خوب صورت علاقے کی سیر کر لیں پھر تم سے بھی ملاقات کر لیں گے بڑا اچھا امپریشن بٹھا رکھا ہے اس سارے علاقے میں تم نے اپنا۔۔۔ بڑی تعریفیں سن کر آ رہے ہیں۔" سرفراز نے بھی کہا تو وہ ہنس دی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ پر آپ لوگ یوں اچانک بغیر اطلاع کے کیسے آ گئے۔۔۔؟" وہ ابھی بھی اس بات پر حیران تھی۔

"یوں ہی تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا تو ملنے آ گئے۔ تم اتنے عرصے سے اس علاقے میں ہو ہمارا بھی فرض بنتا تھا کہ ادھر آ کر تمہاری خیر خیریت دریافت کر لیا کریں۔" ماما نے ساتھ لپٹا کر بڑی محبت سے کہا تو وہ ہنس دی۔

"ایک اور سرپرائز گھر میں آپ کا منتظر ہے بس ایک دو ہفتے کی لمبی چھٹی کی درخواست دے کر ہمارے ساتھ چلنے کی کریں۔" شارقہ کے الفاظ پر اسے دیکھا۔

"کیسا سرپرائز۔۔۔"

"یہ تو سیکریٹ ہے گھر جا کر بتائیں گے ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔" شارقہ کو گھور کر سرفراز نے کہا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔ ہو سکتا ہے اس کا اور ماما کا دین لگ کر آ گیا ہو۔ مگر اتنی جلدی۔ اس نے اس سرپرائز پر زیادہ دھیان نہ دیا تھا۔

سسٹر رضیہ نے فوراً" مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کر لیا تھا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر شارقہ اور سرفراز کے بار بار کہنے پر ایک' دو ہفتے کی چھٹی کی درخواست دے کر ان کے ساتھ سرفراز کی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

"اتنی لمبی چھٹی کیوں آخر؟ اور سرپرائز کیا ہے بتاتے کیوں نہیں؟" وہ سارا رستہ پوچھ پوچھ کر ان کا دماغ چاٹتی رہی تھی مگر ماما مسکراتی رہی تھیں اور وہ دونوں اسے ٹالتے رہے تھے۔

گھر آتے ان کو شام ہو گئی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو شارقہ ساتھ تھی۔

"اب بتا بھی دو یہ سرپرائز کیا ہے؟ اور چھٹی کیوں لی آخر۔۔۔" شارقہ نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"ہم نے آپ کی شادی طے کر دی ہے۔ پرسوں جمعہ کو آپ کا نکاح ہے اور شادی کے فوراً" بعد تو آپ جوائن نہیں کر سکتیں نا اس لیے چھٹی لی تھی۔"

"کیا۔۔۔" وہ اس انکشاف پر کتنی دیر تک حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"امپاسبل۔۔۔" وہ کتنی دیر تک اس انکشاف پر یقین کرنے کو ہی تیار نہ تھی۔

"کون لوگ ہیں؟۔۔۔ اور اتنی جلدی کیسے؟"

"ماما کی کوئی پرانی دوست ہیں عرصے بعد ماما سے ہفتہ پہلے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کا بیٹا ہے۔ علی نام ہے اس کا ابروڈ سے تعلیم یافتہ ہے اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا

ہے ہم مل چکے ہیں اس سے۔۔۔ ادھر سیٹلائٹ ٹاؤن میں ہی ان کی رہائش ہے' ان کی باقی فیملی کسی اور جگہ رہتی ہے۔ ان کو ماما نے تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے کا بتایا تو پریشان ہو گئیں اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے کا پرپوزل دے دیا۔ بس ماما نے آناً" فاناً" رشتہ طے کر کے نکاح کا دن بھی دے دیا ہے۔ جمعہ کو نکاح ہے اور ساتھ ہی رخصتی بھی ہو گی۔"

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" اس نے سر تھام لیا تھا۔

"مگر شارقہ یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ وہ لوگ مجھے کیسے قبول کر سکتے ہیں اور ماما وہ تو ہیں ہی سدا کی نرم دل سادہ معصوم عورت۔ کوئی فراڈ نہ ہو۔ اتنی جلدی کیسے یہ سب سیٹل ہو گیا؟۔۔۔ آئی ڈونٹ بلیو اٹ۔۔۔ اور وہ کون خاتون ہیں جو ماما کی دوست ہیں اور ہم بے خبر ہیں۔" شارقہ جانتی تھی کہ وہ اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں مانے گی۔

"میں ماما کو بھیجتی ہوں وہ خود ہی تمہیں سب بتا دیں گی۔۔۔" وہ اٹھ کر چلی گئی تھی پھر ماما نے بھی آ کر یہی کہانی دہرائی تھی۔

"بٹ۔۔۔ ماما یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ یہ میری ساری زندگی کا سوال ہے اگر کوئی فراڈ نکلا تو۔۔۔ اور اتنی جلدی؟" ماما کی ساری بات سن کر اس نے پھر وہی کچھ کہا تھا۔

"بیٹا!۔۔۔ میں بے شک تمہارے جتنا علم نہیں رکھتی مگر میں نے بھی اسی معاشرے میں زندگی گزاری ہے۔۔۔ اچھے اور برے کی تھوڑی بہت پہچان تو ہے ہی مجھے بھی۔۔۔ کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں۔۔۔ کیا میں تمہیں کسی اندھے کنوئیں میں اپنے ہاتھوں سے دھکا دے سکتی ہوں۔" وہ ماما کے الفاظ پر الجھ گئی تھی۔

"بے فکر رہو بیٹا۔۔۔ تم نے اپنے اغوا کے بعد اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا نا تو دیکھو اس نے کیسی راہیں نکالی ہیں۔ اب بھی اس پر سب چھوڑ کر مطمئن ہو جاؤ میں نے آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کیا۔ سرفراز کے ذریعے ہر طرح کی چھان بین کروا کر تبھی اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔" وہ لب سی گئی تھی۔

"اپنی ماما پر بھروسہ رکھو بیٹا۔۔۔" ماما نے اس کی پیشانی چوم کر محبت سے کہا تو وہ گہرا سانس فضا میں خارج کرتے اللہ کے ہاتھ میں تمام معاملات سونپے ریلیکس ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

جس قدر عجلت میں یہ سارا معاملہ طے ہوا تھا نکاح والے دن شارقہ اسے پارلر لے گئی تھی دلہن کے روپ میں وہ اس قدر پیاری لگ رہی تھی کہ پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔ شمسہ اور آنٹی ہر معاملے میں پیش پیش تھیں۔

نکاح کی ساری تقریب ان کے گھر کے اندر تھی۔ نکاح کے وقت وہ بہت کنفیوژ تھی۔ سرفراز بھائی ماما اور ثوبان اس کے پاس نکاح کا رجسٹر لے کر آئے تھے۔ یہ وقت شاید ہر لڑکی پر بہت بھاری ہوتا ہے۔ سرفراز بھائی کی نشاندہی پر بغیر کچھ دیکھے بھالے آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر لیے جہاں جہاں انگلی رکھتے گئے تھے وہ دستخط کرتی گئی تھی۔

نکاح کے بعد بھی اسے اسی طرح کمرے میں بیٹھے رہنے دیا تھا۔

پتا نہیں سب کچھ اسے بہت عجیب سا لگ رہا تھا یا تھا ہی عجیب۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے اپنے اعصاب سخت کشیدگی کی زد میں آتے محسوس ہوئے۔

رخصتی کا شور بلند ہوا تو ایک بڑی سی چادر اس کے اوپر ڈال کر شارقہ ماما نومان اور ثوبان کے گھیرے میں اسے باہر لے جایا گیا تھا۔

رخصتی کے وقت ماما شارقہ نومی ثوبان شمسہ سبھی شدت سے رو رہے تھے اور وہ خود بھی میک اپ کی پروا کیے بغیر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں میرے وعدے پر یقین رکھیں میں اسے بیٹی بنا کر ہی لے کر جا رہی ہوں اور بیٹی بنا کر ہی رکھوں گی۔۔۔ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا ہے تو کبھی مایوس نہیں کروں گی۔" ماما سے جدا کرتے دو ہاتھوں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

اور روتی دھوتی ربدا فائق ایک نامعلوم سفر کے لیے

روانہ ہو گئی تھی۔ پیچھے سب کو روتا چھوڑ کر۔

☼ ☼ ☼

رونے سے اس کی حالت اور میک اپ دونوں ہی خاصا خراب ہو چکا تھا۔ رات کا فنکشن تھا نجانے وہ اسے کہاں لے کر آئے تھے اسے بس یہی لگ رہا تھا کہ ایک لمبا طویل سفر طے کر کے وہ اس آرام دہ کمرے میں پہنچی تھی سارا رستہ وہ لمبا سا گھونگھٹ کیے بیٹھی رہی تھی اور گاڑی سے اترتے ہی کئی ہاتھوں نے اسے سہارا دیئے اسی لمبے گھونگھٹ میں بستر پر لا بٹھایا ویڈیو نہ ہی تصویروں کا شور ــــ کچھ دیر بعد ایک لڑکی اندر آ کر اس کا میک اپ درست کر گئی تھی۔ وہ کچھ پر سکون ہو کر بیٹھ گئی تھی کچھ ٹائم گزرا تو چونکی اس کے پاس گھر کے مکینوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ نہ ہی کوئی رسم نبھائی گئی تھی اور نہ ہی عام دلہنوں کی مانند تواضع کی گئی تھی کمرہ اچھا خاصا کھلا اور کشادہ تھا۔ بڑی خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔

بستر پر اور فرش پر پھولوں کی سجاوٹ ضرور تھی۔ اس نے سر بیڈ کی کراؤن سے ٹکا کر کمبل اپنے اوپر ڈال لیا۔ یہ سردی کا موسم تھا اور اس کمرے میں ہیٹر آن ہونے کے باوجود سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اطراف میں دیکھتے ہوئے ڈریسنگ کے شیشے سے جھانکتے اپنے عکس کو دیکھ کر چونکی۔

"کیا یہ میں ہوں۔" سبھی اس کی بے پناہ تعریفیں کر رہی تھیں اس سے اسے اپنا آپ بہت دلفریب اور پیارا لگا تھا۔ اس نے آج تک سادگی کو ہی ملحوظ خاطر رکھا۔ زندگی میں پہلی بار اتنا سجی سنوری تھی بقول شارقہ کے کہ۔

"سسرال کے آئے زیور اور لباس کا کمال ہے سارا ــــ روپ کیوں نہ آتا آخر۔" پتا نہیں اس کا شریک سفر کس مزاج اور عادات کا مالک ہو گا۔ کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر تو وہ اس کے ذوق کا اندازہ لگا ہی چکی تھی مگر وہ خود کیسا ہو گا وہ اندر سے سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ تبھی دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا تو وہ جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ دروازے کی تاب گھٹا کر آنے والے کے تصور سے ہی اس کا سر جھک گیا تھا۔ پورے بدن پر اک معصوم سی کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔

اس قدر روایتی ماحول میں اس کا روایتی انداز تھا۔

"ربدا۔" آنے والے نے سرگوشی میں پکارا تھا۔ اندر کی آوازوں سے نبرد آزما اس کی پکار ہی نہ سن پائی تھی۔ بس سر مزید جھک گیا تھا۔ آنکھیں خود بخود حیا کے بوجھ سے بند ہو گئی تھیں آنے والا اس کے قریب اس کے پاس بیٹھ چکا تھا۔

اس نے ایک استحقاق بھری گہری نگاہ اپنے نام پر پور پور سجے اس وجود پر ڈالی جس کا سارا وجود آنے والے لمحے کے تصور سے ہی لرز رہا تھا۔

بازل خان مبہوت سا دیکھے جا رہا تھا۔

کپکپاتے ہونٹ ــــ لرزتی پلکیں ــــ سحر طراز چہرہ ــــ اور بید مجنوں کی مانند کانپتا وجود ــــ

کیا روئے زمین میں اسے زیادہ خوب صورت اور دلکش وجود آج کہیں اور ہو گا ــــ وہ ان لمحوں کی سحر زدہ کیفیت میں جکڑا گیا۔ سارہ کو اس نے پسند کیا تھا۔ اس کے کردار و اخلاق کی وجہ سے اور پھر اس نے اس سے بے پناہ محبت کی تھی مگر سامنے بیٹھے وجود نے اسے تو اس کی اپنی ذات سے ہی غافل کر دیا تھا۔

وہ کیسے اس کے حصول کے لیے بی بی جان کے سامنے گڑگڑانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کس طرح اس نے ماں کے سامنے اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کیا تھا۔ کیسے ہر سزا جھیلنے کو تیار ہو گیا تھا اور اللہ کو شاید اس پر ترس آ گیا تھا اپنے تمام جرم قبول کرنے کی ادا بھا گئی تھی یا کیا تھا اس کی جھولی بھر دی تھی۔ اور پھر کیسے تمام مراحل با آسانی طے ہوتے چلے گئے تھے۔ وہ ابھی تک حیرت زدہ تھا۔

وہ تو اس کا سامنا کرنے سے خوفزدہ تھا اس کی نفرت بھرے اظہار سے ڈر رہا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے اسے ٹھکرا دیا اسے دھتکار دیا تو وہ کیسے یہ بوجھ سہہ پائے گا۔

اور اب اس کی یہ بند آنکھیں اس کو طلسم کی مانند اپنے حریمیں بکھر رہی تھیں۔ اس نے بے حد والہانہ پن لیے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں سمیٹ لیا تھا۔

"ربدا ــــ" اس نے ایک دفعہ پھر ہمت کی تھی اس بار آواز قدرے بلند تھی۔ ربدا جس کا پورا وجود اس لمحے کان بنا ہوا تھا جس کی سماعتیں پہلے ہی منتظر تھیں وہ اس پکار پر چونک گئی۔

عجب محشر برپا ہوا تھا اس کے اندر۔ اس نے فوراً گھبرا کر آنکھیں وا کر دیں۔ مگر آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک پھیل چکی تھیں۔ منہ کھولے آنکھیں پھاڑے وہ بازل خان کو دیکھ رہی تھی۔

"بازل خان ــــ" اس کے لبوں نے حرکت کی تھی اور ایک گھٹی گھٹی آواز پورے ماحول میں چھا گئی تھی۔

"نـ ــــ نہیں۔" وہ بے یقین تھی۔

"ربدا ــــ" اس کے تاثرات سے ڈر کر بازل خان نے فوراً" پکارا تھا اور وہ جیسے ہوش میں آ گئی اس کے ہاتھوں کو فوراً" جھٹک دیا تھا۔

"تم ــــ" وہ جو دھتکارے جانے سے ڈر رہا تھا اس لمحے اس کی آنکھوں میں وہی نفرت دیکھ رہا تھا۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں ــــ؟" اگلے ہی پل خوفزدہ ہو کر پوچھ رہی تھی۔ وہ شاید اسے اس پل یہاں قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

"ربدا ــــ" اس نے پھر پکارا تو وہ چیخ اٹھی۔

"پلیز نکل جاؤ یہاں سے ــــ دیکھو کیوں تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو ــــ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا ــــ پلیز چلے جاؤ یہاں سے ــــ ابھی میرا شوہر آ گیا تو ــــ" وہ بازل خان کی موجودگی کو کسی اور ہی رنگ میں لے رہی تھی۔ ایک دم رو پڑی تھی۔

"ربدا ــــ یہاں کسی کو بھی نہیں آنا ــــ تم یہاں صرف میرے لیے آئی ہو۔ یہاں صرف مجھے ہی آنا تھا۔" وہ پل میں اس کی کیفیت سمجھا تھا۔ اس کے الفاظ نے گویا ربدا کے حواس پر بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ ایک دم نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں ــــ جھوٹ ہے یہ ــــ اس کا نام علی تھا ــــ شارقہ اور ماما نے اس کا نام علی بتایا تھا۔

"میرا مکمل نام بازل علی خان ہے۔ یہی میرا پیٹ نیم ہے ــــ تمہاری فیملی نے تمہارے انکار کے خوف سے میرا مکمل نام نہیں بتایا تھا۔ نکاح نامے پر بھی میرا یہی نام درج تھا تم نے شاید غور نہیں کیا۔" انکشاف کا یہ بم پہلے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"نہیں ــــ" وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے گنگ سی رہ گئی۔ اس سے ساری دنیا جھوٹ بول سکتی تھی اسے دھوکہ دے سکتی تھی مگر اس کی فیملی نہیں۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ بی بی جان تمہاری والدہ سے ملیں اور پھر ان کو ساری حقیقت بتائی اغوا سے لے کر اب تک کی ساری باتیں اور اصل وجہ بھی ــــ انہوں نے مجھے معاف کر دیا تو بی بی جان نے تمہارا رشتہ مانگا۔ پھر انہوں نے چند دن بعد تمہاری بہن اور بہنوئی سے بات چیت کر کے ہمیں ہاں کہہ دی تھی۔ دو دن پہلے تمہاری والدہ، بہن اور بہنوئی یہاں آ کر سارے علاقے والوں سے ملنے کے بعد شادی بلکہ نکاح کی تاریخ طے کر گئے تھے۔ بس تم سے چھپایا کہ تم انکار نہ کرو ــــ اور ہمیں بھی کہہ دیا کہ شادی تک تم سے حقیقت بیان نہ کی جائے۔ شادی کے بعد تم خود ہی جب حقیقت جان لو گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"او میرے اللہ ــــ" وہ ایک دم بستر سے اتر آئی تھی۔

"اتنا بڑا جھوٹ ــــ اتنا بڑا دھوکہ ــــ" وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

"تم لوگ اتنے گھٹیا ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ــــ تم نے پہلے جو کچھ بھی کیا میں چاہتی تو تمہارے خلاف کیا کچھ نہیں کر سکتی تھی مگر میں زبان سی گئی اور اب اتنا بڑا دھوکہ ــــ تمہیں اس دنیا میں کوئی اور نہ ملی برباد کرنے کے لیے۔" بے دردی سے گجرے نوچ کر اس نے قالین پر پھینکے اپنے دونوں ہاتھوں کو زیور سے آزاد کیا تھا۔

"ربدا ــــ ادھر بیٹھو ــــ پلیز میری بات سنو ــــ ایک دفعہ تم ساری حقیقت جان لو پھر تم جو بھی فیصلہ

کروگی میں ماننے کو تیار ہوں گا۔۔۔" اس کے اس ری ایکشن پر بازل خان نے آگے بڑھ کر کہتے ہوئے اس کی کلائی تھامنا چاہی تھی مگر ربدا نے بری طرح اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹکتے اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔

"خبردار مجھے ہاتھ بھی لگایا تو۔۔۔ ایک قدم بھی اب میری طرف مت بڑھانا۔۔۔ ورنہ کھڑے کھڑے اپنی جان دے دوں گی یا تمہاری لے لوں گی۔" وہ دو دھاری تلوار بنی کھڑی تھی۔ اس کی کیفیت بڑی غضبناک تھی وہ گم سم رہ گیا۔ گویا وہ جیتی بازی ہار گیا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے ایک ایک زیور نوچا تھا ہر چیز بستر پر پھینکتی گئی تھی۔ پھر نفرت بھری نظروں سے بازل خان کو دیکھتے اپنے آنسو صاف کیے۔

"میں اب یہاں ایک پل بھی نہیں رکوں گی۔۔۔ میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے تم لوگوں نے۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سے شدید نفرت۔۔۔ نفرت ہے مجھے تمہارے گھٹیا پن سے اور تمہاری کمینگی سے۔۔۔ مجھے ابھی اور اس وقت واپس جانا ہے۔۔۔" وہ زہر اگل رہی تھی اور بازل خان کو لگا وہ مزید ضبط نہ کر سکے گا۔

"پلیز ربدا۔۔۔ اسٹاپ اٹ۔۔۔ یوں جذباتی مت ہو۔۔۔ پہلے میری ساری بات سن لو۔۔۔ حقیقت جان لو۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں حقیقت جان لو پھر جو بھی فیصلہ کرو گی مجھے قبول ہو گا۔"

"مجھے تمہارا مزید کوئی جھوٹ نہیں سننا۔۔۔ مجھے ایک بات یاد ہے تم میرے مجرم ہو۔ بے قصور مجھے اغوا کرنے والے میرے باپ کے قاتل میری فیملی کی بربادی کے ذمہ دار بے حس بے ضمیر انسان ہو بس۔۔۔" وہ قالین پر بیٹھ کر رو رہی تھی۔

"میں نے جتنی تم سے نفرت کی ہے شاید کبھی کسی وجود سے کی ہو۔۔۔ میں نے اللہ سے اپنے برباد کرنے والے کی بربادی اور موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ کتنا روئی تھی تمہارے سامنے تم سے رحم کی بھیک مانگی مگر تم کو مجھ پر ترس نہ آیا۔ میں نے تو اللہ سے انصاف کی بھیک مانگی تھی اور اللہ نے میرے ساتھ کیا کیا۔ دنیا کا سب سے زیادہ قابل نفرت گھٹیا ذلیل اور ضمیر فروش انسان عمر بھر کے لیے میرے مقدر میں لکھ دیا۔"

وہ اس کے الفاظ پر اسے چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ تبھی وہ تیزی سے اٹھی تھی اور بغیر اس کی طرف دیکھے دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس وقت اسے رات کے اس پہر کسی کی پروا نہ تھی اپنی نہ ہی بازل خان کی۔ اتنی دیر سے خود پر کنٹرول کرتا بازل خان حقیقتاً "صورت حال بگڑنے کے خدشے سے چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"ربدا ایک منٹ۔۔۔ کہاں جا رہی ہو تم؟" وہ ایک دم اس کی راہ میں حائل ہوا تھا ربدا نے اپنا راستہ روکے جانے پر اسے آتشیں نظروں سے گھورا۔

آنکھوں میں سوائے نفرت کے جذبات کے کچھ بھی نہ تھا۔

"تمہاری بی بی جان سے یہ پوچھنے کہ دعوے تو بڑے بڑے کر کے وہ لائی تھیں مگر ایک یتیم بے سہارا لڑکی پر یہ ظلم توڑتے انہیں خوف خدا نہ آیا اور تمہارے بابا صاحب سے یہ حساب مانگنے جا رہی ہوں کہ اس علاقے میں تو وہ بڑے عادل منصف مزاج رحم دل مشہور ہیں اپنے علاقے سے نکل کر ان کے نظریات کیوں بدل گئے ہیں کیا وہ بھی بیٹے کے قصور میں برابر کے شریک ہیں۔" بی بی جان تو ساری صورت حال جانتی تھیں اور انہوں نے اپنی فہم فراست سے اس معاملے کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھتے نا صرف اسے معاف کیا تھا بلکہ اس کی تمام راہیں صاف کی تھیں بابا صاحب تو سرے سے بے خبر تھے۔ اصل معاملہ تو بی بی جان اور ربدا کی والدہ اور بہن بھائی کو پتا تھا۔ دوسروں سے پوشیدہ ہی رکھا گیا تھا اگر ربدا اس پر بابا صاحب کے پاس پہنچ گئی آگے کی صورت حال وہ سمجھ سکتا تھا کہ بابا صاحب نے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا تھا۔ پہلی فرصت میں اس سے تمام تعلقات توڑتے انہوں نے اسے حویلی سے نکال دینا تھا اور کچھ بعید ہی نہ تھا کہ اس کے ظلم کی فہرستیں سننے کے بعد بی بی جان کی بھی شامت آ سکتی تھی اور اپنی وجہ سے بی بی جان کو وہ کسی عذاب سے دوچار نہیں کر سکتا تھا۔

"ربدا پلیز۔۔۔ بات کو بڑھانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ بابا صاحب قطعی لاعلم ہیں بلکہ بی بی جان کے علاوہ باقی سب بے خبر ہیں۔ تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔ جو بھی معاملہ ہے آرام و سکون سے ادھر بیٹھو مجھ سے سنو تب بھی تم مطمئن نہیں ہوتیں تو تمہارے فیصلے کو مقدم جانوں گا۔۔۔ پلیز ربدا۔"

"مجھے تمہارا کوئی جھوٹ نہیں سننا۔۔۔ بھلا قاتل بھی کبھی خود کو قاتل کہتا ہے۔" بازل نے لب بھینچ لیے۔

"تم میری بات نہیں سنو گی؟" وہ ایک دم اس صورت حال سے اکتا گیا تھا زچ ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔" اتنا پتھریلا اور سخت انداز تھا کہ وہ چند ثانیے تک اسے صرف دیکھے گیا تھا۔

"اوکے۔۔۔ ایز یو وش۔۔۔ بٹ تم بابا صاحب یا حویلی میں کسی سے بھی ایک لفظ بھی نہیں کہو گی۔۔۔" وہ بھی آخر مرد تھا کب تک برداشت کرتا اپنی پرانی جون میں لوٹ گیا۔ وارننگ دیتا انداز تھا۔

"ہونہہ میں کیا کہوں گی انہیں خود تم بتاؤ گے کہ تم کیا کچھ کر چکے ہو میں کل صبح ہی یہاں سے چلی جاؤں گی یہ یاد رکھو۔" اس کا وہی انداز تھا۔ بازل خان اسے گم سم انداز میں دیکھے گیا۔ یعنی وہ کچھ بھی سننے سمجھنے کو تیار نہ تھی۔

"تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔۔۔ میں اس وقت تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ کوئی بات بھی نہیں۔۔۔ صبح میں اپنی فیملی والوں کو بلوا لوں گی پھر جو بات ہو گی وہ تمہارے بابا صاحب اور میرے درمیان ہو گی۔ سب کے سامنے۔"

اس کا انداز قطعی لاتعلقی والا تھا۔ بازل خان کچھ دیر کھڑا اس کے تیور دیکھتا رہا اور پھر سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ کچھ دیر تو کھڑی دیکھتی رہی پھر دروازہ لاک کر کے قالین پر بیٹھ کر شدت سے رو دی۔ وہ اس وقت سردی جیسے ہر احساس سے بے نیاز ہو کر صرف رو رہی تھی۔

اس نے صبح صبح ماما کو کال کی تھی اور ماما تو ساری رات سو نہ سکی تھیں وہ ربدا کو اچھی طرح جانتی تھیں انہیں تو رات میں اس کی کال کی توقع تھی۔

"ماما آپ سب نے مل کر میرے ساتھ اتنا بڑا ڈرامہ کیا۔۔۔ دھوکے سے اس شخص سے میری شادی کروا دی۔ جس سے میں نفرت کرتی ہوں۔ کیوں کیا آپ نے ایسا؟ ساری دنیا مجھے دھوکہ دے سکتی ہے مگر آپ نے کیوں کیا ایسا؟" وہ ساری رات روتی رہی تھی اور اب صبح صبح ہی کال کر لی تھی۔

"بیٹا!۔۔۔ وہ شخص اتنا برا نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔۔۔ اس نے تمہیں بتایا نہیں کہ اس نے تمہیں کیوں اغوا کیا تھا؟" جواباً "ماما کے الفاظ پر وہ حیرت زدہ رہ گئی ماما اس کی بجائے اس شخص کی فیور کر رہی تھیں۔

"مجھے کوئی جھوٹی داستان نہیں سننی۔۔۔ میرے لیے جاننے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ میرے باپ کا قاتل ہمیں رسوائیوں میں دھکیلنے والا ہے۔ اس کی وجہ سے ہم گھر سے بے گھر ہوئے۔ دوسرے لوگوں کے گھر میں رہنے پر مجبور ہوئے۔ اس نے جس کے بھی کہنے پر جس کے بھی ساتھ مل کر جو بھی کیا میرے لیے وہ ظالم اور سفاک انسان ہے۔ جو مجھے رہا کرنے کے بعد مجھے اذیت دیتا رہا۔۔۔ مجھے پل پل مر جانے پر مجبور کرتا رہا۔"

"بیٹا اس کی بات سن لو پہلے پھر کوئی فیصلہ کرنا۔" ماما نے صرف یہی کہا تھا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں سننا۔۔۔ اور مجھے ادھر بھی نہیں رہنا۔۔۔ آپ شارقہ اور سرفراز آئیں میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہی ہوں مجھے واپس آنا ہے بس میرا اس شخص کا صرف نفرت کا تعلق ہے اور کسی تعلق کو میں ایکسپٹ نہیں کرتی۔" اس کی وہی جذباتیت تھی۔

"ایک بات تم میری دھیان سے سنو ربدا!۔۔۔ تمہاری بات سے اندازا ہوا تم اغوا کرنے والے کے بارے میں جانتی تھیں تم نے بے شک دھمکی کے خوف سے پولیس اور لوگوں سے ضرور چھپایا مگر ہم سے

تم نے ایک لفظ نہ کہا۔ اس کے بعد تم اسی شخص کے علاقے میں جاب کرنے لگیں تم نے تب بھی کچھ نہ جتایا کیوں؟ بیٹا میں ماں ہوں اس شخص کی ماں نے جس طرح میرے پاس آ کر میرے ہاتھ تھام کر تمام گناہوں کو قبول کیا اور اس شخص نے میرے پاؤں تھام کر معافی مانگی اس وقت میں کیا کوئی پتھر بھی ہوتا تو پگھل جاتا۔ میں نے معاف کر دیا۔ رہ گئی تمہارے پاپا کی موت تو انسان کو اپنے وقت پر ہی مرنا ہے بے شک بہانہ کچھ بھی بنے۔ وہ ہارٹ اٹیک کا شکار ہوئے تھے۔ میں بیمار عورت ہوں وہ شخص تمہاری قدر کرتا ہے۔ تمہیں عزت کے ساتھ اپنانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے عزت و احترام دیکھا تھا اور فیصلہ کر لیا تھا۔ اب بھی تم انکار کرتی ہو تو یاد رکھنا میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گی۔ میں نے آج تک تمہارے ہر فیصلے کو اہمیت دی ہے۔ ہر معاملے میں تمہاری فہم و فراست کو اولیت دی ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے تم انکار کرو گی تو مجھ سے کوئی امید نہیں رکھنا۔ میں نے بہت عزت اور مان کے ساتھ تمہیں وہاں رخصت کیا ہے اگر تم غصے اور جذباتیت سے وہاں سے نکل بھی آئی ہو تو پھر مجھ سے رابطہ نہیں کرنا۔ بیٹا! میں ماں ہوں تمہیں کنویں میں نہیں دھکیل سکتی ابھی تم جذباتی ہو رہی ہو مگر وقت فیصلہ کرے گا کہ میں نے اپنی بیٹی کے لیے دنیا کا سب سے اچھا انسان ڈھونڈا ہے۔"

وہ حیرت سے سن رہی تھی یہ اس کی ماما کے الفاظ تھے کیسا دھمکی آمیز انداز تھا۔

وہ اس شخص کو اس کے لیے بہترین کہہ رہی تھیں جو اس کی نگاہ میں دنیا کا سب سے بد کردار و بد ترین انسان تھا۔

"تمہیں اگر میری عزت کا کوئی پاس ہے۔ تو چند دن وہاں رہ کر گزار لو۔ چند دن بیٹا اگر تب بھی تمہیں لگے کہ وہ لوگ غلط ہیں۔ وہ شخص غلط ہے۔ اس کا کردار غلط ہے تو تم جو بھی فیصلہ کرو گی تو میں مانوں گی مگر ابھی نہیں..... تم ہمیں وہاں دوبارہ آنے کو نہیں کہو گی تم آرام و سکون سے وہاں کچھ عرصہ گزارو اس شخص کو اچھی طرح سمجھ [illegible] وہ غلط ہوا تو میں خود [illegible] کر لے جاؤں گی مگر اس وقت نہیں۔"

"اور اگر میں درست ٹھہری اور وقت نے ثابت کر دیا کہ آپ کا فیصلہ غلط ہے تو پھر آپ مجھے ادھر رہنے پر مجبور نہیں کریں گی میں تب ایک پل بھی نہیں رکوں گی۔"

"ٹھیک ہے..... مگر مجھے یقین ہے تم ساری صورت حال جاننے کے بعد بازل کو انصاف کے ساتھ جسٹی فائی کرتے ہوئے ہمارے فیصلے کو قبول کر لو گی..... بس کچھ دن انتظار کر لو..... اور بازل کو سن لو وہ جو کہتا ہے وہ سنو وہ غلط نہیں ہے۔" ماما کے بے پناہ یقین پر اس نے لب بھینچے سیل آف کر دیا تھا۔

یعنی ماما کی خواہش کے مطابق اسے کچھ عرصہ مزید اپنی جان عذاب میں ڈالنا ہو گی۔ اس نے بے بسی کے گہرے احساس سے دوچار ہوتے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماما کی وجہ سے وہ مجبور ہو گئی تھی وہ جانتی تھی ماما جتنی نرم خو اور سادہ مزاج ہیں بعض معاملات میں اتنی ہی سخت ہیں۔ شارقہ سرفراز فون کرتے رہتے تھے شادی کے تین دن گزر چکے تھے ہسپتال فون کر کے اس نے اپنی چھٹی کینسل کروا دی تھی۔

شادی کے چوتھے دن میں وہ ہاسپٹل جانے کو تیار ہو رہی تھی۔ تیار ہو کر آخری بار آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔ سادہ ہلکا گلابی لباس جس کے اوپر ہاتھ کا نفیس سا کام بنا ہوا تھا۔ اس کے دلکش سراپے پہ یہ رنگ بہت جچ رہا تھا پیروں میں ہم رنگ جوتے تھے اور جیولری کے نام پر گلے میں صرف لاکٹ تھا یہ شادی کی اگلی صبح اسے بی بی جان نے پہنایا تھا۔ جو کہ اس وقت اس کی گردن میں خوب جچ رہا تھا وہ مطمئن ہو کر پلٹی تو بازل خان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کے خوب صورت نقوش نفرت کے سایوں سے اور بھی تیکھے ہو گئے۔ لب بھینچ کر وہ وارڈ روب سے اپنی چادر نکالنے لگی۔

اس رات کے بعد دونوں میں بات چیت بند تھی۔

بازل خان اسے دیکھ کر چونکا تھا۔

"یہ کہاں کی تیاری ہے؟" ربدا نے چادر اوڑھتے ایک ٹیڑھی نگاہ اس پر ڈالی۔ شکن آلود لباس لیے وہ شاید ابھی ہی آیا تھا۔ اس رات کے بعد وہ رات کو باہر ہی نہیں سوتا تھا۔ کہاں؟ اس کی جانے بلا۔

"میں تمہارے سوال و جواب کی پابند نہیں ہوں۔" زہر خند لہجے میں کہتے اس نے ادھر ادھر دیکھا رات کو ہی امی کے ہاں سے ساتھ لائے بیگ سے سامان نکال کر باہر رکھا تھا نجانے بیگ کہاں رکھ دیا تھا۔ یہ بیگ وہ ہسپتال لے کر جاتی تھی۔

"بحیثیت شوہر میں ضرور پوچھنے کا حق رکھتا ہوں..... تم حویلی میں میری بیوی کی حیثیت سے ہی رہ رہی ہو..... یہ تمہارا شہر نہیں ہر معاملے میں پوچھا جاتا ہے۔" پچھلے تین دنوں کی برداشت ایک دم ختم ہو گئی تھی۔ بے پناہ کڑواہٹ سے ہاتھ اٹھا کر باور کروا دیا تھا۔

"میں تمہاری اس حویلی کے کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوں۔" وہ تلخی سے کہہ ڈریسنگ کی درازیں کھنگالنے لگی تھی۔ ایک دراز سے اسے اپنا بیگ مل گیا تھا بیگ نکال کر کھول کر دیکھنے لگی۔ یہ اس کا مخصوص بیگ تھا جو وہ ہسپتال لے کر جاتی تھی۔ اس میں اس کی مطلوبہ تمام اشیاء موجود تھیں۔ زپ بند کر کے سر اٹھایا۔

"ہسپتال جا رہی ہو۔" اسے کسی بھی طرح بتانے پر آمادہ نہ دیکھ کر بازل خان نے خود ہی پوچھا تھا۔

"مسٹر بازل خان یو ڈونٹ انٹرفیئر ان مائی پرسنلز..... آئی ڈونٹ ایکسپٹ آف یور اینی رائٹ....."

"ربدا..... دس از ٹو مچ....." وہ ایک دم پھٹ پڑا درمیانی فاصلہ عبور کرتے اس کا بازو تھام کر غصے سے کہا۔ وہ اس اقدام کے لیے تیار نہ تھی ایک دم لڑکھڑا کر بے توازن ہوئی تھی۔ خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اسے بازل خان کے ہی وجود کا سہارا لینا پڑا تھا۔

"کیا بد تمیزی ہے....." وہ غصے سے بولی تھی مگر دوسری طرف تو پروا ہی نہ تھی۔

"تمہاری یہ طنزیہ باتیں اور جملے..... میری برداشت سے باہر ہے یہ سب..... اگر تمہیں یہ سب قبول نہیں تو چھوڑ کیوں نہیں جاتیں۔ جب تک تم میرے خاندان میں میری بیوی کی حیثیت سے موجود ہو میں تمہارے ہر معاملے میں بولنے اور انٹرفیئر کرنے کا حق رکھتا ہوں۔" وہ سختی سے کہہ رہا تھا تبھی دروازہ پر دستک ہوئی تھی اور ساتھ ہی دروازہ کھلا تھا۔ کھلے دروازے سے بی بی جان اندر داخل ہوئی تھیں۔

بازل خان نے سرعت سے اس کا بازو چھوڑا تو وہ خطرناک تیور لیے ایک طرف ہو گئی۔

"تم کہیں جا رہی ہو بچے.....؟" ان دونوں کے تیوروں سے انجان بی بی جان نے اسے یوں تیار شیار کھڑے دیکھ کر پوچھا تھا۔ ربدا پوری جان سے سلگ اٹھی۔

"میں نے رات ہی آپ کو بتایا تھا کہ میں صبح سے ہاسپٹل جوائن کر رہی ہوں۔" بات کرتے ہوئے وہ لہجے کی تلخی پر قابو نہ پا سکی تھی بازل خان نے اسے گھورا۔

"ہاں مجھے یاد آ گیا۔ تم نے بتایا تھا رات میں۔" پھر انہوں نے بازل خان کو دیکھا۔

"بازل تمہارے بابا صاحب شہر جا رہے ہیں رات انہوں نے تمہیں جو فائلیں دی ہیں وہ کہاں رکھی ہیں۔ وہ اب مانگ رہے ہیں۔"

"وہ تو میں نے آپ کی سائیڈ دراز میں رکھ دی تھیں۔" ربدا ان دونوں سے انجان کھڑی رہی تھی۔ بازل کے جواب پر اکتا کر اسے دیکھتے بی بی کو دیکھا۔

"میں جاؤں بی بی جان!..... مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

یہاں حویلی میں ہر کام کے لیے بی بی جان یا بابا صاحب کی اجازت درکار تھی اگر وہ مطمئن ہوتیں تو اس کے لیے یہ اچھی بات تھی چونکہ وہ سرے سے ہی سب کے خلاف تھی تو اس کو محض ڈھکوسلے قرار دیتی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں..... آج شادی کے بعد پہلا دن ہے بازل پتر تم خود بچی کو چھوڑ کر آؤ..... ہماری حویلی کی

عزت ہے یہ اب۔۔۔ تنہا کیوں جائے۔۔۔" اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرے اجازت دے کر ساتھ ہی بازل کو تاکید بھی کر دی اور ربدا کے اندر تک کڑواہٹ گھلتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

حویلی میں قیام کو اسے ہفتہ ہونے کو تھا۔ اس ساری حویلی میں اس کی دلچسپی کی ذات صرف انیق تھا وہ باقی سارا وقت ہسپتال میں گزار کر گھر آتی تو صرف انیق کی وجہ سے ابھی تک بہلی ہوئی تھی۔ بازل خان اس کا انیق سے لگاؤ دیکھ کر نا صرف چونکا تھا بلکہ کچھ مطمئن بھی ہوا تھا۔ ربدا کی فیملی سے بازل کا مسلسل فون پر رابطہ تھا ورنہ جس طرح ربدا کے تاثرات تھے ایک دن بھی وہ یہاں نہ ٹکتی۔ خصوصاً" بی بی جان اسے سنبھلنے کو ٹائم دے رہی تھیں جبکہ باقی حویلی والے ربدا کے رویے سے الجھے ضرور تھے مگر پریشان نہ تھے۔

وہ آج بھی ہسپتال سے لوٹی تو انیق کو لے کر پہلی بار اپنے کمرے سے نکل کر ہال میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ انیق کے گرد مختلف کھلونے بکھرے پڑے تھے وہ ان سے کھیل رہا تھا بازل خان چند پل کھڑا دونوں کو دیکھے گیا۔ وہ ابھی باہر سے لوٹا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر چونکا تو رک گیا۔

"انیق۔۔۔" اس نے پکارا تو ربدا نے فوراً" گردن گھما کر اسے کھڑے دیکھا۔ انیق بھی اب باپ کی آواز پہچاننے لگا تھا فوراً" باپ کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگا تھا۔ ربدا نے اسے گود سے نکال کر کشنوں کے سہارے قالین پر بٹھا دیا۔

"با۔۔۔ بابا۔۔۔ بابا۔" بازل خان قریب آیا تو وہ ہاتھ اٹھا کر آوازیں نکالنے لگا۔ وہ دونوں پر ایک تیکھی نگاہ ڈال کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ انیق کے پاس قالین پر بیٹھا تو اس نے وہاں سے ہٹ جانے کو قدم اٹھایا۔

"ربدا۔۔۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ چکا تھا مگر آج اسے انیق کے ساتھ دیکھ کر پکار بیٹھا۔

"بات سنو میری۔۔۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس آکھڑا ہوا۔

"ایسا کب تک چلے گا۔۔۔ تم کچھ سننے پر آمادہ نہیں ہو میں کچھ کہنے بھی لگوں تو بھی انکار کر دیتی ہو۔۔۔ آخر تم سن کیوں نہیں لیتیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔"

"فیصلہ تو میں اسی رات کر چکی تھی واپس جانے کا۔۔۔ اگر مجھے ماما کے وعدے کا احساس نہ ہوتا تو میں ایک لمحہ بھی مزید یہاں نہ رکتی۔۔۔ باقی رہی بات کہنے سننے کی تو تب بھی میرا یہی فیصلہ ہو گا۔"

"میں اپنی سب غلطیاں تسلیم کرتا ہوں۔ کیا تم ایک دفعہ آرام سکون سے مجھے نہیں سن سکتیں۔ ایک بار کسی بھی مجرم کو صفائی کا موقع تو قانون بھی دیتا ہے نا۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں سننے کو بس شرط یہ ہے کہ تم سب کو بلا کر لاؤ جو میرے اور تمہارے نکاح کے ذمہ دار ہیں۔" وہ آرام سے کرسی پر بیٹھ گئی تھی بازل خان نے لب بھینچ لیے۔

"ربدا پلیز جب معاملہ ہم دونوں میں کلیئر ہو سکتا ہے تو پھر تم اس کو اتنا کیوں پھیلانے کی ضد میں ہو۔۔۔ بابا صاحب کو میں نہیں بتا سکتا۔"

"اوکے ایز یو وش۔۔۔ جو جیسا ہے چلنے دو۔۔۔ میری ماما کو بھی احساس ہو کہ کسی کی زندگی کس طرح تباہ ہوتی ہے اور شاید وہ ہی کوئی بہتر فیصلہ کر لیں۔ میرا تو یہی فیصلہ ہے اور رہے گا۔۔۔ میں واپس جاؤں گی اور بس۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی بازل خان نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

رات کے دو بجے کا عمل تھا وہ مہمان خانے میں صوفے پر دراز کوئی کتاب پڑھ رہا تھا جب سجاول بھیا چلے آئے تھے وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا تھا وہ بھی اسے رات کے اس پہر یہاں دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

"تم۔۔۔ یہاں۔" مہمان خانے کا یہ راستہ حویلی سے ہٹ کر تھا اس رات کے بعد وہ روز یہیں ہوتا تھا آج شاید اس کا پول کھل گیا تھا۔ اس نے فوراً" بہانہ بنایا۔

"ہاں بس کچھ دوست آئے تو ان کے جانے کے بعد کتاب لے کر لیٹا تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔"

"شہر سے میرے ایک دو مہمان آئے ہیں۔ میں یہاں کمرے دیکھنے آیا تھا۔" انہوں نے کہا تو وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یعنی اب اس کمرے سے بھی نکلنا تھا۔ اس کے کمرے پر تو اس رات سے ربدا قبضہ کیے ہوئے تھی اور اس وقت حویلی کے اندر کسی اور کمرے میں جانے کا مطلب حویلی والوں کو تجسس میں مبتلا کرنا تھا۔

"کافی رات ہو گئی ہے جاؤ اندر تمہاری بیوی پریشان ہو رہی ہو گی۔" وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہاں سے نکل آیا تھا۔

اپنے ہی کمرے کے دروازے پر دستک دیتے اس کی غیرت و انا کئی بار جاگی۔ دو تین بار کی دستک کے بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

ربدا اسے ادھر اس وقت دیکھ کر حیران ہوئی۔ نیند سے بوجھل خمار آلود آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔ بازل خان نے فوراً" اندر داخل ہو کر دروازہ لاک کر لیا۔ سجاول بھیا اس کے ساتھ ہی اندر آئے تھے ساتھ والا کمرہ انہی کا تھا۔

"تم۔۔۔ کیوں آئے ہو تم یہاں۔۔۔ نکلو ادھر سے۔" خواب کی کیفیت سے نکلی تو اس پر چڑھ دوڑی۔

"ربدا۔۔۔ آہستہ۔۔۔ بھیا باہر ہیں۔" منہ پر انگلی رکھ کر اسے فوراً" ٹوکا۔

"تو میں کیا کروں۔۔۔ تم فوراً" یہاں سے نکلو۔۔۔" وہ اسے بستر کی طرف بڑھتے دیکھ کر ایک دم ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔ بازل خان نے اسے گھور کر دیکھا مگر نگاہیں گویا اس کے وجود سے چپک گئی تھیں۔ جدید تراش خراش کے گرم سوٹ میں وہ اپنے وجود کی تمام تر خوب صورتی لیے اس کی نگاہوں کو خیرہ کر گئی تھی۔ دوپٹہ سے بے نیاز وجود۔ وہ اسے پہلی بار بغور دیکھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اس کے پاس اغوا کے بعد کتنے دن رہی تھی تب بھی اس نے اس کی ذات پر توجہ نہ دی تھی اور اب۔۔۔ اس نے ایک بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔

ربدا اس کی نگاہ سے اپنی جگہ سن سی کھڑی رہ گئی مگر اگلے ہی پل غصے سے بل کھا کر رہ گئی تھی۔

"بازل خان! میں کہہ رہی ہوں تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔۔۔" وہ اس کو مکمل طور پر نظر انداز کرتا بستر پر دراز ہو گیا بالکل اسی جگہ جہاں وہ اس کی آمد سے پہلے سوئی ہوئی تھی۔ اس نے وہی کمبل اوڑھ لیا۔

"بازل خان۔۔۔" انتہائی بے بسی سے دیکھا مگر ادھر پروا کب تھی۔

"یہ میرا بھی کمرہ ہے۔۔۔ آرام سے لیٹ کر سو جاؤ۔۔۔ بڑے بھیا باہر ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ حویلی والے متجسس ہوں میں بس یہاں رات گزارنے آیا ہوں۔ زیادہ چلانے یا شور کرنے کی ضرورت نہیں۔" بیڈ کے دوسری طرف اسے بھی لیٹ جانے کا اشارہ کرتے اس نے کمبل سر تک تان لیا تھا۔

"اگر تم نہیں گئے تو میں شور مچا دوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"ضرور۔۔۔ اس کے بعد میں جو سلوک تمہارے ساتھ کروں گا وہ بھی ذہن میں رکھنا۔۔۔ تم میری بیوی ہو۔ بہت سے لوگوں کی موجودگی میں تم سے نکاح کر کے لایا ہوں۔ یہ مت بھولنا۔" ربدا گنگ سی رہ گئی۔ بازل خان کی بات کا مفہوم سمجھنا قطعی مشکل نہ تھا۔ وہ دوبارہ کمبل سر تک تان چکا تھا۔

اس نے بے چارگی سے اس جگہ دیکھا جہاں وہ کچھ پل قبل گہری نیند میں تھی۔ عجلت میں اٹھ کر دروازہ کھولتے دوپٹہ وہیں رہ گیا تھا جو اب بازل خان کے وجود تلے دب گیا تھا۔ ایک بے بس نگاہ اس پر ڈالتے الماری سے چادر نکال کر صوفے پر جا بیٹھی۔ اب نیند خاک آنی تھی اور بستر پر وہ بھلا کیسے جا لیٹتی۔

اس کو مارے بے بسی کے رونا آنے لگا تو گھٹنوں میں منہ دے کر سسکیاں روکیں۔

☼ ☼ ☼

ماما ابھی تک اپنی ضد پر قائم تھیں۔ ان سب کے ویزے تیار ہو کر آ گئے تھے صرف سیٹیں کنفرم ہونا باقی تھیں ماما نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا مگر اس کی وہی ضد تھی۔ وہ اس معاملے کو کسی طور پر سلجھانے پر آمادہ نہ تھی کئی بار بی بی جان نے بھی بات کرنا چاہی تو اس نے ان کی بات ہی سننے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف ماما کے رویے سے ناراض ہو کر اس نے ادھر بھی کال کرنا بند کر دی تھی اگر وہ لوگ کال کر بھی لیتے تو وہ ایک دو منٹ سے زیادہ بات نہ کرتی تھی۔

اس رات کے بعد بازل خان اب اسی کمرے میں رہ رہا تھا اور بازل کی یہ حرکت اسے مزید طیش میں مبتلا کر رہی تھی۔

اس کے ذہن و دل میں ایک ہی بات طے تھی کہ یہ شخص اس کے اغوا اور باپ کی موت کا ذمہ دار ہے وہ اس سے زیادہ سمجھنا چاہتی تھی اور نہ ہی کچھ سننا چاہتی تھی۔ پھر حالات سدھرتے تو کیسے؟

انہی دونوں بی بی جان اور بابا صاحب کا عمرے کے لیے جانے کا ارادہ بنا تو سجاول بھیا اور شائستہ کا بھی پروگرام بن گیا۔ کاغذات تو ان کے تیار تھے بس ٹکٹس کروانی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں وہ فزا اور بازل کے علاوہ بڑے بھیا کے بچے اور سعد بھائی رہ گئے تھے۔

وہ ہسپتال جاتے انیق کو ساتھ ہی لے جاتی تھی اس تھوڑے سے دنوں میں ہی وہ اس سے بہت اچھی طرح مانوس ہو گیا تھا۔ بابا صاحب کے جانے کے بعد زمینوں کا سارا کام بازل اور سعد کے کندھوں پر آ پڑا تھا۔ وہ سارا دن وہیں گزار کر رات گئے گھر لوٹتا تھا اور پھر صبح سویرے نکل جاتا تھا۔

آج بھی وہ دو تین دن بعد لوٹا تھا۔ باہر فصل کے دن تھے اور بارشیں بھی ہو رہی تھیں سردی میں بھی ایک دم کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا' اسے اتنے دن مسلسل باہر گزارتے زمینوں کا حساب کتاب دیکھتے شاید ٹھنڈ سی لگ گئی تھی۔ کل ساری رات بارش ہوئی تھی اور اب بھی گھر آتے آتے وہ بھیگ گیا۔ وہ گھر آیا تو شکر کا سانس لیا ربدا ہسپتال گئی ہوئی ورنہ اس کی موجودگی ایک ٹینشن کا سبب بنی ہوتی تھی آج کل تھکاوٹ کی وجہ سے ویسے بھی جسم دکھ رہا تھا۔ وہ کپڑے بدل کر لیٹ گیا تھا۔

نجانے رات کو کون سا پہر تھا اس کی آنکھ کھلی تو جسم دکھ رہا تھا بخار زور پکڑ چکا تھا۔

"سارہ۔۔۔" نجانے کس احساس میں تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ خوابوں میں اس کے ساتھ تھا اور آنکھ کھلنے پر بھی اس کا نام لبوں پر تھا۔

"سارہ۔۔۔" کمرہ روشن تھا۔ کہنیوں کے بل اٹھتے اس نے دیکھا تو ربدا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ صوفے پر بیٹھی سارہ کے نام پر چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔

بازل خان کا ذہن حال میں لوٹا تو ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ ایسی حالت میں سارہ اس کا بہت خیال رکھتی تھی بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتی تھی اور اب سارہ نہیں تھی۔ آج وہ اسے رہ رہ کر یاد آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کا لمس پیشانی پر محسوس کرتے ہی وہ ساری تکلیف بھول جاتا تھا۔ ربدا سے تو عام حالت میں کسی نیکی کی امید نہ تھی آج تو وہ بیمار تھا۔

"ربدا!۔۔۔ کسی کو باہر سے بلوا دو۔۔۔ کسی ملازم وغیرہ کو۔" سر دباتے اس نے اسے کہا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں اور آپ کی خدمت کے لیے اس وقت کوئی بھی نہیں جاگ رہا۔۔۔"

پتا نہیں کیسی ڈاکٹر تھی وہ تکلیف سے بے حال تھا اور اس کو قطعی پروا نہ تھی شوہر نہ سہی انسانیت کے ناتے ہی دیکھ سکتی تھی۔ اس حالت میں سارہ اس کے کیسے ناز اٹھاتی تھی۔ وہ سوچ کر رہ گیا تھا ایک دم سارہ شدت سے یاد آئی۔ ربدا نے نگاہ پھیر کر دیکھا۔

وہ تکیے پر سر رکھے آنکھیں بند کیے ہلکی ہلکی ضربیں پیشانی پر مار رہا تھا۔ نیند میں بھی وہ کراہ رہا تھا۔ کئی بار کچھ

[illegible]

مدت سے مگر پھر انا آڑے آ گئی تھی۔

کچھ دیر گزری تو وہ بے چین سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ لب بھینچے شاید درد کو ضبط کر رہا تھا۔ اس کے اندر پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ وہ اس سے بے شک سخت نفرت کرتی تھی مگر اس سے پہلے ایک ڈاکٹر بھی تھی اس کا دل نرم پڑنے لگا۔ نجانے وہ کتنی تکلیف میں تھا۔۔۔ اس نے سوچا۔

"سارہ۔۔۔" وہ کروٹ بدل گیا۔ اس کراہ نے اسے اندر سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ ایک دم صوفے سے اتری تھی۔ جب سے بازل نے کمرے میں ڈیرہ جمایا تھا وہ صوفے پر سوتی تھی۔

"کیا ہوا ہے۔۔۔" بستر کے قریب آ کر جھک کر اس کی کلائی پر ہاتھ رکھا تو بازل خان نے حیران ہو کر اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔ جا کر سو جاؤ۔" اپنی دہکتی کلائی کھینچ کر وہ اگلے ہی پل کٹھور بن گیا۔ ربدا کو بہت سبکی کا احساس ہوا دل تو چاہا کہ اپنے ہمدردانہ جذبات اور اس شخص دونوں پر ہزار بار لعنت بھیجے اور جا کر واقعی سو جائے۔

"کیا مجھے ایک شخص کو اس حالت میں چھوڑ کر نیند آ جائے گی۔" ہمدردی ایک بار پھر عود آئی۔ وہ خاموشی سے میڈیکل باکس لے آئی۔

"تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" اس کی پیشانی کو چھوتے ہوئے کہا اور اب کی بار بازل خان چاہنے کے باوجود اس کا ہاتھ نہ جھٹک سکا۔ ربدا کے سرد ہاتھ کے لمس نے اس کے اندر سکون کی اک لہر سی اتار دی تھی۔

"کیا تم بارش میں بھیگتے رہے ہو۔۔۔" اسٹیتھسکوپ سے سانس کی آمد و رفت چیک کرتے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر نفرت کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ فکرمندی تھی۔ وہ تلخی سے مسکرا دیا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔" ربدا نے حیرت سے اسے

[illegible]

ایسا کیا تاثر تھا کہ وہ فوراً "پلکوں کی چلمن گرا گئی تھی۔

"تمہاری سانس بہت اکھڑی ہوئی ہے۔۔۔ شاید ٹھنڈ لگ گئی ہے۔" کانوں سے اسٹیتھسکوپ ہٹا کر بکس کھول کر مطلوبہ دوائی نکالنے لگی تھی۔

"تم نے تو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ تم پہلے کچھ کھا لو۔۔۔ میں کھانا لاتی ہوں۔ پھر میڈیسن لے لینا۔"

وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

واپس آئی تو ٹرے میں کچھ سلائس بوائل انڈے کے ساتھ دودھ کا جگ تھا۔

"میں صرف یہی لے کر آئی ہوں۔ بخار میں شاید کچھ اور کھانے کو دل بھی نہ مانے۔۔۔ دودھ لائی ہوں۔ اگر چائے کی طلب ہو رہی ہے تو بنا لاتی ہوں۔" ٹرے بستر پر رکھ دی تھی۔

"نہیں ٹھیک ہے یہی۔۔۔ چائے رہنے دو۔" بازل اس کے رویے پر خاصا حیران تھا۔ کہاں نفرت سے زہر خند پھنکارتا لہجہ ہوتا تھا اور اب کہاں اتنی ہمدردی و فکرمندی تھی کھانا کھا کر میڈیسن لے کر وہ لیٹ گیا تھا۔ ربدا نے ضمیر کے سامنے اس سرخروئی پر سکون کا سانس لیا۔

"ربدا! اگر تمہیں برا نہ لگے دو منٹ سر دبا دو۔۔۔ درد سے پھٹ رہا ہے۔" وہ ٹرے رکھ کر کمرے میں لوٹی تو ایک فرمائش حاضر تھی۔ ربدا کو بڑا ناگوار گزرا۔ دوٹوک انکار کرنے کو منہ کھولا مگر پھر کچھ خیال آنے پر چپ کر گئی۔

"اگر تمہیں برا لگا ہے تو اٹس اوکے۔۔۔ سارہ دبا دیا کرتی تھی تو میں نے یونہی کہہ دیا۔" وہ چند منٹ کھڑی دیکھتی رہی وہ آنکھیں بند کر گیا تو وہ خود بخود ہی بستر پر بیٹھ گئی۔ ہولے ہولے اس کی پیشانی دباتے اپنے مومی ہاتھ کی لرزش ربدا پر خود بھی آشکار ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن وہ اپنی رات والی ہمدردی و فکرمندی پر خود ہی جھنجلا رہی تھی۔ نجانے دل میں اتنی گنجائش کہاں

سے نکل آئی تھی کہ نفرت کی بجائے ہمدردی نے جگہ لے لی تھی۔ ہسپتال آنے کے بعد بھی دھیان اسی میں لگا رہا جو بخار کی حالت میں لیٹا ہوا تھا۔ وہ بمشکل وہاں گیارہ بجے تک ٹھہر سکی تھی اپنے ہی احساسات سے گھبرا کر وہ سسٹر رضیہ کو ہدایات دیتے واپس حویلی آ گئی تھی۔

اپنے کمرے میں آئی تو بازل خان باتھ روم سے نکل رہا تھا۔ صبح جب وہ کمرے سے نکلی تھی تو وہ لیٹا ہوا تھا بخار سے تب بھی جل رہا تھا اور اب ـــ اس نے شاید باتھ لیا تھا۔ وہ بھی اسے کمرے میں دیکھ کر چونکا۔

"تمہیں باتھ نہیں لینا چاہیے تھا۔ پہلے ہی ٹھنڈ کی وجہ سے بخار ہوا ہے۔" وہ خود کو کہنے سے باز نہ رکھ سکی تھی۔ بازل خان نے حیرانی سے اس کے چہرے پر چھائی فکرمندی پڑھی اور پھر ہنس دیا۔

"میں سخت جان ہوں ـــ یہ چھوٹے موٹے بخار کچھ نہیں بگاڑتے میرا ـــ" تولیہ صوفے پر ڈال کر وہ بستر پر جا بیٹھا تو ربدا کو سبکی سی محسوس ہوئی۔

"شاید رات والی حالت آپ اپنی بھول گئے ہیں ـــ مرحومہ بیگم صاحبہ کو یاد فرمایا جا رہا تھا عالم مدہوشی میں؟" ایک دم وہ پوری جون میں لوٹی تھی۔ بازل ہنس دیا۔

"رات واقعی تم نے بہت خیال رکھا۔ تھینکس ـــ تم بیوی جیسی بھی ہو مگر ڈاکٹر زیادہ ہو۔" وہ بظاہر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ربدا نے اسے گھورا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری ـــ بخار اترا؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ بستر پر لیٹ گیا۔

ربدا نے جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو ابھی بھی حرارت لیے ہوئے تھی۔

"تمہیں باتھ نہیں لینا چاہیے تھا۔" کچھ فکرمندی سے کہتے وہ قدرے فاصلے پر بستر پر بیٹھ گئی۔ بازل خان نے حیران ہو کر غور سے اسے دیکھا۔ وہ اضطراری انداز میں ہاتھ کو مسلتے ہونٹوں کو کچلتے اسے پوری جان سے متوجہ کر گئی۔

"تم نے ناشتا کر لیا ـــ" پتہ نہیں اٹھا کر پوچھا۔

"نہیں ـــ ابھی اٹھا ہوں ـــ تم آج ہاسپٹل نہیں گئی تمہیں کیا اور انیق کہاں ہے؟"

"میں گئی تھی ابھی آئی ہوں ـــ انیق فریحہ بھابی کے پاس ہے ـــ تم بیٹھو میں ناشتا بنا کر لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

وہ اپنے جذبات و احساسات کو سمجھنے سے خود بھی قاصر تھی۔ کہاں وہ نفرت، نفرت کا راگ الاپتی اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی اور اب کیسے رات سے اس کی تیمارداری میں جتی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام کے قریب وہ کمرے سے باہر نکلا تو وہ خود سے الجھنے لگی۔ بے چینی حد سے بڑھی تو کمرے کی بے ترتیبی سمیٹنے لگی۔ اس کا مقصد خود کو بہلانا تھا ورنہ ان چھوٹے موٹے کاموں کے لیے نوکروں کی فوج تھی۔ کمرے کی ہر چیز ترتیب میں آتی چلی گئی مگر اسے اپنی لایعنی سوچوں سے چھٹکارہ نہ مل سکا۔ کمرے کے بعد اس نے الماری کی طرف توجہ دی۔ وارڈروب کے علاوہ یہ الماری تھی جو بازل کے استعمال میں تھی۔ وہ اکثر لاک رہتی تھی آج کھلی ہوئی تھی۔ اس نے یونہی وقت گزارنے کو کھول کر ادھر سے ادھر ہاتھ مارنا شروع کر دیے تھے یہاں بازل کی پرسنلز چیزوں کے علاوہ کچھ کاغذات فائلیں اور روزمرہ کے استعمال کی اشیاء تھیں۔ کئی خانے لاک تھے کاغذات والا کھلا ہوا تھا اس میں تصویروں کے بڑے بڑے البمز تھے۔

باقی خانوں میں زیورات نقدی اور بھی اشیاء تھیں۔ اس نے البم اٹھا لی۔

"ارے یہ لوگ تصویریں بنواتے ہیں مگر میری باری میں تو کچھ بھی نہ تھا۔" متجسس ہو کر اس نے البم نکال لی تھی یہ سارہ اور بازل کی شادی کی تصاویر تھیں۔

یونہی کھڑے کھڑے تصویریں دیکھتے البم کے اندر رکھا خاکی لفافہ نکل کر قالین پر گرا تو اس میں سے کئی چیزیں باہر پھسل آئی تھیں۔

"اف ـــ" نیچے جھک کر وہ لفافہ اٹھانے کو تھی جبھی باہر نکلی ہوئی تصویر پر اس کی نظریں جم سی گئی تھیں۔ اس نے جلدی سے وہ لفافہ تھام لیا تھا۔ البم الماری میں رکھتے وہ لفافہ لیے بستر پر آ بیٹھی تھی۔ پانچ چھ تصویریں تھیں ہر تصویر میں وہ بازل ساتھ تھی۔ اس کی تو شادی پر بھی کوئی تصویر نہ کھینچی گئی تھی کہ وہ سمجھتی کہ اس موقع کی ہو گی ہر تصویر اسے پہلے سے زیادہ شاک پہنچا رہی تھی۔ ہر تصویر اس کے اور بازل کے درمیان ایک گہرے تعلق کو ظاہر کر رہی تھی۔

"مائی گاڈ یہ کیا ہے بھلا؟" تبھی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔

اس کے اغوا کے بعد بازل نے تصاویر اور خطوط کا ذکر کیا تھا اور اس نے بہت کچھ کہا تھا سارہ کی ناراضی اس کی وفات اور پھر اس کا اغوا وہ ہر بات میں تصویروں اور خطوط کا ذکر کر رہا تھا اور بینش کے ہاں بھی اس نے اس سے تصاویر اور خطوط کی بات کی تھی جو وہ ٹال گئی تھی تو کیا اس کے اغوا کے پیچھے ان تصاویر کا کوئی ہاتھ تھا۔

بہت الجھ کر اس نے وہ سارا لفافہ ہی بستر پر الٹ دیا تھا۔ وہاں نیگیٹوز کے علاوہ چند رسیدیں کچھ اور اسی جیسی تصاویر کے علاوہ کچھ کاغذات بھی تھے۔ اس نے تہ شدہ کاغذ تھام لیا تھا۔

یہ دو کاغذ اوپر تلے رکھ کر تہ کیے ہوئے تھے یہ کسی ڈائری کے صفحات تھے۔ اس نے پہلا کاغذ اٹھایا وہاں ایک تحریر رقم تھی۔

"بازل خان!

تم نے بہت تاکید کی تھی کہ میں کوئی رابطہ نہ کروں تمہیں میرا شاید یہ خط لکھنا بھی اچھا نہ لگے مگر کیا کروں میں بہت مجبور ہو کر یہ خط لکھ رہی ہوں۔ تم نے تو پلٹ کر خبر تک نہیں لی نہ کوئی فون؟ نہ کوئی اطلاع۔

آج کل میرا پریشانی سے برا حال ہے اور کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تم تو شاید میرے اور اپنے تعلق کو فراموش کر بیٹھے ہو ـــ مگر میں اب کیا کروں؟ میں جو تمہاری خاطر اتنا آگے بڑھ آئی ہوں کہ اب واپس پلٹوں تو بھی رسوائی ہی رسوائی مقدر ہے۔ تم ایسے حالات میں مجھے بیچ منجدھار میں تنہا کیسے چھوڑ سکتے ہو؟ یہ خط اسی تعلق کی یاد دہانی کے لیے ہے میں اب اپنے اور تمہارے تعلق کو کوئی ٹھوس اور قانونی نام دینا چاہتی ہوں۔ پلیز خط ملتے ہی ملو مجھ سے۔ ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے سراسر ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر تم نے مجھ سے رابطہ نہ کیا تو تم جانتے ہو تمہاری حویلی تک آنا میرے لیے ناممکن نہ ہو گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں خاموش رہوں۔ تمہاری بیوی اور خاندان کو کچھ پتا نہ چلے تو فورا" ملنے آؤ۔

تمہاری منتظر۔

فقط۔

تمہاری ڈاکٹر ربدا فائق۔"

"کیا؟ ـــ" اختتام تک آتے آتے اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

خط کا متن سمجھنے کے باوجود وہ کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ تحریر اس کی تھی نہ ہی رائٹنگ۔ بس اس کا نام تحریر تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھ پائی تھی اس نے خط اٹھا کر کئی بار پڑھا مگر آخر میں نام اسی کا تھا۔ اس نے دوسرا کاغذ کا ٹکڑا تھام لیا۔

ڈیئر بازل خان!

میرے پہلے خط کے جواب میں تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے یہ اس کا ری ایکشن ہے۔ میں تمہاری بیوی کو بتاؤں گی اور تمہارے نام نہاد خاندان کو بھی ـــ اب میری نفرت و انتقام سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا یہ تصویریں بھیج رہی ہوں ایسی ہی تصاویر تمہاری بیوی کو بھی مل جائیں گی۔ مجھے استعمال کر کے بہت بڑے نقصان کا سودا کیا ہے تم نے۔ اب اس کا انجام بھی دیکھو۔

فقط تمہاری ڈاکٹر ربدا فائق۔"

"مائی گاڈ ـــ" پتا نہیں یہ کیا قصہ تھا ـــ اور اس ساری سچویشن کا جو موضوع تھا وہ تو تصور کرتے ہی اس کا ڈوب مرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ بھلا ایسی گندی گھٹیا

حرکت کر سکتی تھی۔ وہ ایسی گندی گفتگو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کجا کہ خط میں لکھنا۔

وہ سارا کچھ دوبارہ لفافے میں ڈال کر اسے سرہانے تلے رکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی اب اسے اصل صورت حال صرف بازل خان ہی بتا سکتا تھا اور وہ شدت سے بازل خان کے آنے کی منتظر تھی۔

بازل خان کمرے میں لوٹا تو وہ اسی طرح بستر پر بیٹھی ہوئی تھی وہ انیق کو ساتھ لے کر آیا تھا دوسری طرف آ کر انیق کو لٹا کر خود بھی ساتھ ٹک گیا تھا۔ اس نے کمرے پر ایک ستائشی نگاہ ڈالی۔ ہر چیز نکھری نکھری صاف ستھری واپس اپنی جگہ پر تھی۔ ربدا سرہانے سے لفافہ نکال کر اس کی طرف چلی آئی تھی۔

"بازل خان!..... یہ سب کیا ہے؟" اس کے دامن میں خط اور تصویریں پھینک کر وہ سوالیہ نشان بن گئی تھی۔ بازل خان نے چونک کر اس کے چہرے اور پھر لفافے کو دیکھا۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

"یہ تمہاری الماری سے صفائی کرتے ہوئے ہاتھ لگا ہے..... پلیز ٹیل می۔ یہ سب کیا ہے؟" وہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔ اس کے قریب ہی گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی۔

"یہ سب وہ سچ ہے جو میں بہت دیر سے بتانا چاہ رہا تھا مگر تم اپنی نفرت کی وجہ سے کچھ بھی سننا اور جاننا نہیں چاہتی تھیں....." وہ بہت تحمل سے کہہ رہا تھا۔

"پلیز بازل! مجھے ساری حقیقت بتاؤ؟..... میں ایسی بالکل نہیں ہوں نہ ہی یہ خط میرا ہے اور نہ ہی یہ تصویریں میں نے بھیجی ہیں۔ مجھے نہیں پتا یہ کس کا کام ہے۔ یقین کرو میرا..... آئی سویر میں بھلا اتنا گھٹیا کام کر سکتی ہوں..... اتنی گندی گفتگو..... قسم لے لو یہ میری رائٹنگ نہیں ہے۔" وہ شدت سے رو پڑی۔ بازل خان نے ایک گہری سانس لی اور پھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں جانتا ہوں یہ تم نے نہیں لکھا اور نہ ہی تم نے کچھ بھیجا..... یہ کس کا کام ہے میں یہ بھی جانتا ہوں....." وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تھا ربدا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کون ہے وہ.....؟"

"بینش..... تمہاری دوست اور میری چچا زاد بینش۔" حیرت کا یہ شدید جھٹکا تھا۔

"بینش....." وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتی بے یقین تھی۔

"مگر کیوں؟..... اس نے یہ سب کیوں کیا؟..... میری بھلا اس سے کیا دشمنی تھی میں نے اسے بہترین دوست سمجھا مگر اس نے ہی دوستی ختم کر لی۔" وہ اب کھل کر رو رہی تھی۔

"ہوس، نفرت اور رقابت کی آگ انسان کو حیوان بنا دیتی ہے۔ شیطانی درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ میری بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔ یہ تصویریں دیکھ کر اور خط پڑھ کر سارہ، بابا اور سب مجھے بے اعتبار کر گئے تھے اور جس سے میرا محبت کا تعلق تھا وہ تمہاری طرح کوئی بھی صفائی کا موقع دیے بغیر چپ چاپ پھوپھو کے ہاں چلی گئی اور چند دن بعد اس کی ڈیتھ ہو گئی۔" وہ چپ ہو گیا تھا۔ ربدا اس وقت جس اذیت سے دوچار تھی اسے پہلی بار بازل کی اذیت کا اندازہ ہوا۔

وہ اسے پچھلی تمام کہانی سناتا چلا گیا۔ کبھی کچھ جو بینش نے کہا تھا اور وہ کبھی کچھ جو وہ غلط فہمی میں ربدا کے ساتھ کر چکا تھا۔

"یہی وہ سچ تھا جسے سن کر تمہاری امی نے معاف کر دیا تھا یہی وہ سچ تھا ربدا جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا مگر تم کچھ بھی سننے کو تیار کہاں تھیں؟ ربدا تم میری اس وقت کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتی ہو میری محبت، میری عزت رشتے، اعتبار اعتماد سب داؤ پر لگ گیا تھا ایسے میں میں وحشی نہ بنتا تو کیا کرتا..... تم اندازہ نہیں لگا سکتیں اس وقت میری کیا کیفیت تھی میں تمہیں بد سے بدترین سزا دینا چاہتا تھا۔ تمہیں میں نے اغوا کروا لیا تھا تم میری تحویل میں تھیں میں وحشی تو بن گیا مگر خود کو شیطان نہ بنا سکا تم باعزت سرخرو میری قید سے نکل گئیں اور میری تلاش شروع ہو گئی..... اور جب اصل مجرم سامنے آیا تو میرا ضمیر ہی مجھے مجرم بنا گیا۔ بی بی جان کے سامنے تمام گناہوں کا اعتراف کیا تو پھر وہ مجھے تمہاری والدہ کے پاس لے گئیں۔ وہ واقعی بہت عظیم خاتون ہیں سب کچھ جان کر نفرت سے دھتکارا نہیں بلکہ معاف کرتے ہوئے انہوں نے جس طرح تمہارے لیے میرا پرپوزل قبول کیا ان کے اس عمل نے مجھے خرید لیا۔ میں ساری عمر بھی ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا اس سارے عرصے میں انہوں نے مجھ سے ایک ایک پل رابطہ کیے رکھا ہے تمہاری نفرت مجھے ہرا دیتی اگر ان کی تسلی اور اعتماد میرے شامل حال نہ ہوتا..... میں تمہارا مجرم ہوں، تمہارے والد کی موت کا ذمہ دار اور تمہاری رسوائیوں کا سبب..... مگر تمہارے کردار تمہارے بے لوث جذبات نے مجھے تمہارا گرویدہ بنا ڈالا..... اور مجھے لگا میں سر سے پاؤں تک تمہاری محبت میں مبتلا ہوں..... اسی محبت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں بی بی جان کے سامنے اپنا دل کھول دوں اور انہوں نے تمہارے حصول کے لیے میرا بہت ساتھ دیا۔ بے شک میں تمہیں کسی بھی قیمت پر نہیں کھونا چاہتا مگر پھر بھی فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ساری حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ جو فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہے۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔

"بازل خان۔" یہ سب ربدا کے لیے برداشت کر لینا بہت مشکل تھا ایک دم نڈھال سے انداز میں بازل کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنا تر چہرہ اس پر رکھتے وہ پھر شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

بی بی جان اور باقی سب عمرہ کر کے لوٹ آئے تو دوسری طرف ماما لوگوں کی ٹکٹیں بھی کنفرم ہو گئیں۔ ماما لوگوں کے امریکہ رخصت ہونے کے دو دن پہلے حویلی میں عمرہ کر کے آنے کے بعد تمام رشتہ داروں کی دعوت تھی۔

اس دعوت میں ماما، شارقہ اس کا شوہر اور نومان ذیان کے علاوہ شمسہ اور فائزہ آنٹی بھی آئی تھیں۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ سب لوگ اس کے پاس گئے تھے وہ بے پناہ خوش تھی۔ اس کے ارد گرد بے پناہ محبتیں تھیں اپنی خود ساختہ نفرت کے خول سے نکل کر دیکھا تو یہاں سبھی اپنے تھے تو پھر وہ دل میں کدورت کیوں رکھتی۔ وہ ماما کے فیصلے پر دل و جان سے راضی تھی۔ ماضی میں بازل خان نے جو بھی کیا مگر وہ اس وقت اس کا حال اور مستقبل تھا۔ وہ اپنے تمام گناہ قبول کرتے سزا کا منتظر تھا اور اس نے ماما کی طرح اسے معاف کر دیا تھا۔ وہ اسی کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنے کو تیار تھی۔

اس وقت وہ فزا اور شائستہ بھابھی کے ساتھ بیٹھی دعوت انجوائے کر رہی تھی۔ جبکہ باقی سبھی حویلی کے ہال میں کھانا کھا رہے تھے۔

"جانتی ہو بی بی جان نے اپنے عمرے کے بہانے تمہاری دعوت ولیمہ نبٹائی ہے۔" کھانا کھاتے بھابھی نے اسے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔ تبھی انیق رونے لگا تو وہ اسے اٹھائے باہر آ گئی ماما اور باقی سب بی بی جان کے ساتھ ہی تھے۔

"کدھر ہو..... کب سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا نظر ہی نہیں آ رہیں محترمہ!" وہ کچن کی طرف آئی تھی کہ کسی ملازمہ کو بلا کر انیق کو اسے تھمائی کہ اسے بہلائے جبھی بازل سامنے چلا آیا تھا۔

"تو ضرورت ہی کیا تھی۔ شریف بیوی کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے کی۔" اس نے لتاڑا۔

"ہاں یہ بیوی کتنی شریف ہے خوب جانتا ہوں میں بھی۔" اس نے خوب صورت سرخ لباس میں زیورات میں سجی سجائی اپنی زوجہ محترمہ کو گھورا وہ کھل کر ہنس دی۔

"یہ انیق کیوں رو رہا ہے؟" انیق کے چہرے پر آنسو دیکھ کر ٹھٹکا۔

"یونہی موڈی سا ہو رہا ہے۔ کوئی کام تھا کیوں ڈھونڈ رہے تھے؟" انیق کا چہرہ صاف کرتے کندھے سے لگا کر تھپتھپاتے پوچھا۔

"بی بی جان کے پاس اندر ہی تھا..... آنٹی (ربدا کی ماما) کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہیں کل صبح واپسی پر اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہیں.....؟" وہ سمجھ گئی کہ جناب تک خبر پہنچ چکی ہے۔

"ہاں تو دو دن بعد تو ماما لوگوں نے شارقہ کے ساتھ چلے جانا ہے۔ پھر پتا نہیں کب ملاقات ہو۔۔۔۔ میں جب سے ادھر آئی ہوں ایک بار بھی تو گھر نہیں گئی۔ اب ماما کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔۔۔۔ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔" چلتے چلتے دونوں اپنے بیڈ روم میں آگئے تھے۔ انیق کو بستر پر لٹا کر سنجیدگی سے بازل خان کو جواب دیا۔

"اور تمہارے بغیر میں ادھر کیسے رہوں گا؟ کچھ خدا کا خوف کرو۔۔۔۔ کوئی نہیں جاتا۔ جس دن ان لوگوں نے جانا ہو گا لے جاؤں گا۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔۔ میں صبح ہی جاؤں گی۔۔۔۔ ذرا بھی خدا کا خوف نہیں۔۔۔۔ اتنے دنوں سے ادھر ہوں۔ کسی نے جھوٹے منہ بھی نہ کہا کہ جا کر مل بھی آؤ یا کوئی لے ہی جائے۔" پچھلے چند دنوں میں دونوں کے درمیان تعلقات اس قدر خوشگوار پیمانوں پر استوار ہو چکے تھے کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ کبھی دونوں کے درمیان شدید قسم کی نفرت پائی جاتی تھی۔

اس نے غصے سے کہا تو وہ مسکرا دیا اور اسے کندھوں سے تھام کر خود سے قریب کرتے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"پتا ہے ربدا مجھے لگتا ہے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں ابھی آنکھ کھولوں گا تو خواب ٹوٹ جائے گا۔" وہ جذباتی انداز میں کہہ رہا تھا ربدا نے جواباً اس کے بازو پر زور سے چٹکی کاٹی تو وہ بلبلا اٹھا۔

"اوف۔۔۔۔ کیا ہے۔" اسے گھورا تو وہ اطمینان سے کہنے لگی۔

"ہوش میں لا رہی ہوں۔۔۔۔ محترم! خواب اتنے دنوں پر محیط نہیں ہوتا۔"

"خدا سمجھے تمہیں۔۔۔۔ سارے رومانٹک موڈ کا ستیاناس کر دیا ہے تم نے۔" وہ ہنس دی۔

"آپ کا یہ رومانٹک موڈ تو چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے جناب۔۔۔۔ یہ دیکھیں اپنے اس لخت جگر نور چشم کو کیسے آنکھیں کھول کر دیکھ رہا ہے۔ کچھ تو شرم کر لیں۔ ابھی باہر سے آواز پڑ گئی تو سارا موڈ ختم ہو جائے گا۔۔۔۔ اتنا رومینس صحت کے لیے نقصان دہ ہو [illegible] ۔۔۔۔ کنٹرول یور سیلف۔"

"خدا ایسی ظالم جلاد ڈاکٹر قسم کی بیوی کسی دشمن کو بھی نہ دے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر دہائی دی۔

"اچھا کل صبح پھر تم نہیں جا رہیں نا۔۔۔۔ پرسوں خود ہی لے چلوں گا پرامس۔"

"بالکل بھی نہیں۔۔۔۔ آپ نے جانا ہے تو صبح ساتھ ہی چلیے گا ورنہ میں نہیں رکوں گی۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"میری پیاری بیوی نہیں ہو۔۔۔۔ کل بالکل فری نہیں ہوں۔ کل بابا صاحب کے ساتھ کہیں جانا ہے چلو پرامس شام واپسی ہو گی تو کل شام ہی چلیں گے۔" وہ اسے پھر کندھوں سے تھام کر کہہ رہا تھا۔ ربدا بازل خان کو دیکھتے ہنس دی۔

"مائی گاڈ۔۔۔۔ یقین نہیں آتا کہ آپ وہی بازل خان ہیں جن سے میری ملاقات انتہائی خراب سچویشن میں ہوئی تھی اور جس کے غصے کو دیکھ کر میں ڈر گئی تھی۔" وہ برملا حیرت کا اظہار کر رہی تھی بازل خان نے اسے مسکراتے ہوئے خود سے اور قریب کر لیا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا ہے نا؟ دل سے۔۔۔"

ربدا نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"اگر معاف نہ کیا ہوتا تو اس وقت آپ کے اتنے قریب کھڑی نہ ہوتی اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں صرف زبان کی ہی صاف گو نہیں ہوں بلکہ دل کی بھی صاف ہوں۔"

"تھینکس ربدا۔۔۔۔ جانتی ہو تمہاری اس معافی نے مجھے تمہارا کس قدر گرویدہ بنا ڈالا ہے۔۔۔۔ رئیلی آئی لو یو۔۔۔۔ آئی سویئر لو یو۔" بازل کے اس قدر والہانہ انداز پر وہ مجوب سی ہو کر رہ گئی۔

"تم واقعی بہت اچھی لڑکی ہو۔" ربدا کے ذہن میں چھن سے ہسپتال کے روم میں اسٹریچر پر زخمی لیٹے وجود کے منہ سے ادا کیا گیا فقرہ یاد آیا۔

"تو پھر کل تم آنٹی لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہیں نا؟" اس نے غصے سے اسے گھورا۔

"اب اگر آپ نے یہ نا جانے والی بات کی تو سچی میری اور آپ کی بڑی زبردست قسم کی لڑائی ہو جائے گی اور اب کی بار میں نے ماننا بھی نہیں۔" انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"میں پہلی بار اپنے میکے جانا چاہ رہی ہوں آپ کو کیا پتا ماما کے یوں دور جانے پر میں کتنی تکلیف محسوس کر رہی ہوں۔ پھر نجانے کب ملاقات ہو۔۔۔۔ شارقہ کا جانا تو طے ہے نا۔ نوی اور ثوبی دونوں کے مستقبل کے لیے کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور ہوں۔۔۔۔ پھر جانے کب ملاقات ہو۔ میں ان کے پاس کچھ دیر ٹھہرنا چاہتی ہوں۔ آپ کو لے کر میں ان سے ناراض رہی ہوں اب ان سے معافی مانگنا چاہتی ہوں اور آپ ہیں کہ انکار کر رہے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں نمی آگئی تو بازل خان نے فوراً اس کا چہرہ تھاما۔

"ایم سوری۔۔۔۔ تم ضرور جاؤ میں منع نہیں کر رہا۔۔۔ مگر۔" اس کی پلکوں سے نمی چن لی تھی۔

"تو پھر؟" اس نے نروٹھے پن سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے ہم بھی یورپ ٹرپ پر نہ نکلیں۔ ایک دو ماہ میں چلیں گے۔" اس نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"آئیڈیا تو برا نہیں مگر ماما کے پاس چلیں گے سب سے پہلے پھر کہیں اور۔۔۔؟" وہ ایک دم بہل گئی تھی اور بازل خان مسکرا دیا۔

"محترمہ میں اپنے ہنی مون ٹرپ کی بات کر رہا ہوں۔"

"ایک بیٹے کے باپ ہو کر ہنی مون پر جاتے ہوئے شرم تو نہیں آئے گی۔۔۔۔ مگر میں ماما کے پاس جانا چاہتی ہوں صرف۔"

"اور تمہیں منع کرتے تو جیسے بڑی شرم آ رہی ہے۔"

"دیکھیں آپ لڑائی میں پہل کر رہے ہیں۔"

"تو تم جواب نہ دو۔"

"بازل خان۔"

"ربدا۔۔۔۔" پھر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس دیے تھے۔

"آپ بہت برے ہیں۔" وہ گویا ہار گئی۔

"اور تم واقعی بہت اچھی ہو۔" محبت کا اظہار اس سے خوب صورت بھلا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور پھر وہ اس کی محبت کی پھوار تلے بھیگتی چلی گئی تھی۔

ان کے پاس کسی کام کے لیے آتی بی بی جان دروازے پر ہی دونوں کی آوازیں سن کر رک گئی تھیں اور پھر ان کو ہنستے دیکھ کر خود بھی مسکرا دیں۔

"یا اللہ میرے بچوں کو ہمیشہ آباد رکھنا۔۔۔۔ کسی بینش جیسی حاسد نظر سے بچانا۔۔۔۔ دونوں کو صحت اور تندرستی کے ساتھ حقیقی خوشیاں عطا کرنا۔" ان کا دل شدت جذبات سے مغلوب دعا مانگ رہا تھا اور آنکھوں میں گزرے حالات کی نمی تھی۔

دونوں کو حالات نے جس طرح بھی ملایا تھا مگر ربدا کی بے پناہ نفرت کو دیکھتے انہوں نے عمرے کا ارادہ کیا تھا اللہ کے گھر میں رو رو کر مانگی گئی ان کی ہر دعا قبول ہوئی تھی واپس آ کر دونوں کو مطمئن دیکھ کر وہ جیسے ایک دم جی اٹھی تھیں اور آج کی تقریب اسی اعزاز میں تھی دونوں کو دعائیں دیتے وہ بنا دونوں کو ڈسٹرب کیے واپس پلٹ گئی تھیں۔

☆ ☆

بشریٰ احمد

دوپہر کو کام کاج سے فارغ ہو کر میں نے نماز ظہر ادا کی پھر ذرا دیر سستانے کے خیال سے بیڈ پر لیٹی ہی تھی کہ پڑوس سے نامانوس سا شور آنا شروع ہو گیا۔ یہ کسی کی بلند آواز سے رونے پیٹنے کی آوازیں تھیں۔

"الٰہی خیر۔" میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی اتنے میں اماں نے بھی کمرے میں جھانکا تھا۔

"اماں یہ کیسی آوازیں ہیں۔" اس سے پہلے وہ مجھ سے کوئی بات کرتیں میں نے استفسار کر ڈالا۔

"مجھے تو خود اندازہ نہیں ہو رہا بیٹے۔ لگتا یوں ہے کہ شیخ صاحب کے گھر سے آوازیں آ رہی ہیں۔" اماں نے قیاس ظاہر کیا تھا۔ شیخ واجد صاحب کا گھر ہمارے دو گھر چھوڑ کر ہی تو تھا۔

"ہمیں چل کر دیکھنا چاہیے کہ کیا معاملہ درپیش ہے۔" میں نے اماں سے پوچھا۔

"ہاں بیٹے چلو میں تو خود تم سے یہ ہی کہنے آئی تھی۔ شیخ صاحب کی طبیعت کافی دنوں سے خراب تھی مجھے تو لگ رہا ہے کہیں خدانخواستہ.....' اماں نے بات ادھوری چھوڑی۔

"چلو جلدی سے گاؤن پہن لو۔ میں بھی چادر اوڑھ رہی ہوں۔ جا کر بے چاروں کی خیر خبر لیں۔ ضرورت محسوس ہوئی تو عدیل کو بھی فون کر کے بلوالوں گی۔ شیخ صاحب ہی گھر کے واحد مرد تھے اکلوتا بیٹا تو کمانے کے چکر میں دور دیس بیٹھا ہے۔" اماں نے شیخ صاحب کو "تھے" فرض کرتے ہوئے افسردگی سے خود کلامی کی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں۔ مشکل وقت میں ہمسایوں کو ہی ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔ اس گھر میں تو شیخ صاحب کے بعد بے چاری چار عورتیں ہی بچی ہوں گی بلکہ چار بھی کہاں تین۔ روبی تو سسرال سدھار گئی ہے۔" میں نے شیخ صاحب کی بڑی بیٹی کا نام لیا تھا جس کی تین چار مہینے پہلے ہی شادی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ شیخ صاحب کی دو بیٹیاں اور بیگم تھیں اکلوتا بیٹا کویت مقیم تھا۔ پتا نہیں بے چارہ باپ کو کندھا دینے پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔ میرا دل تاسف سے بھر گیا۔ شیخ صاحب کے گھر سے رونے پیٹنے کی آوازیں متواتر آ رہی تھیں۔ ان آوازوں کو سن کر عجیب دہشت محسوس ہو رہی تھی۔

"پھر اماں عدیل کو فون کر دوں۔" میں نے گاؤن پہن کر اماں کے کمرے کا رخ کیا وہ بھی چادر پہن کر جانے کو تیار کھڑی تھیں۔

"وہاں چل کر حالات دیکھتے ہیں بیٹا! ہو سکتا ہے دور نزدیک کا کوئی رشتہ دار پہنچ گیا ہو۔" اماں نے کہا۔ میں نے سر ہلا کر ان کی بات سے اتفاق کیا۔ شیخ صاحب کے گھر کی طرف جاتے ہوئے دل کی عجیب ہی حالت ہو رہی تھی۔

شادی سے پہلے میں کسی میت والے گھر میں جانے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ عزیز و اقارب جان پہچان اور آس پڑوس والوں کی خوشی غمی نبھانا امی ابا کی ہی ذمہ داری تھی لیکن ڈیڑھ برس پہلے جب میں بیاہ کر سسرال آئی تو اماں نے غیر محسوس طریقے سے میری اس ذمہ داری کی تربیت کا بیڑہ اٹھایا اماں جی ہاں اماں میری پیاری ساس ہیں۔ نہ.....نہ..... یہ تو کوئی طنز ہے نہ ہی کوئی جھوٹ میں

جب بھی اپنی ساس کی تعریف کرتی ہوں وہ صدق دل سے کرتی ہوں یہ اور بات کہ سننے والوں کو یقین نہیں آتا اور تو اور میری اپنی بڑی آپا تک نے ایک دن مجھے ٹوک دیا تھا۔

"بس کرو عائزہ جب دیکھو اپنی ساس کی تعریف ابھی ٹھیک ہے دوسروں کے سامنے ہر عقل مند لڑکی سسرال والوں کے بخیے ادھیڑنے کے بجائے ان کا پردہ رکھتی ہے اور اس طرح اپنا بھرم قائم رکھتی ہے لیکن اپنوں کے سامنے تو دل کھول کر رکھ دیتی ہے تاکہ تم نے تو ہمیں بھی غیروں کی صف میں کھڑا کر دیا کبھی جو اپنے دل کی کوئی بات ہم سے کی ہو۔" اور میں نے ہنستے ہوئے بہت مشکلوں سے بڑی آپا کو یقین دلایا تھا کہ میری اماں واقعی بہت اچھی ہیں شفیق' نرم مزاج نرم خو انہوں نے ڈیڑھ برس کے عرصے میں مجھے کبھی روایتی ساس بن کر نہیں دکھایا۔ ہمیشہ ایک ماں بن کر قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ مجھے یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں کہ

جب میں عدیل کے سنگ رخصت ہو کر یہاں آئی تو واقعی ایک الہڑ دوشیزہ تھی۔ اپنے آپ میں مگن رہنے والی 'لاپروا' من موجی قسم کی۔ تب اماں نے بہت پیار سے مجھے دینی اور دنیاوی دونوں اقدار سے روشناس کروایا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی کا ذوق شوق بے دار کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے حقوق العباد کی اہمیت بھی سکھائی 'لمبے چوڑے لیکچر کے بجائے عام فہم انداز میں مجھے چھوٹی چھوٹی باتوں کی تلقین کرتیں بلکہ اکثر تو ان کے عمل سے ہی مجھے ترغیب ملتی کہ میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی اور دنیاوی فیوض و برکات سمیٹوں۔

اماں غریب اور نادار رشتے داروں کی خاموشی سے مدد کرتی تھیں۔ پڑوسیوں کی خبر گیری بھی ان کا معمول تھی۔ ان کے ہاں "خبر گیری" کا تصور دوسری خواتین سے بالکل مختلف تھا' عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی سے ملنے جائیں تو اگلے پچھلوں کی برائیاں 'ادھر ادھر کی چغلیاں مزے لے لے کر کرتی ہیں۔ اماں کی ایسی عادت نہ تھی وہ بیمار کی عیادت کو بھی جاتی تھیں۔ کسی کے ہاں مبارک باد دینے بھی کسی کے گھر تعزیت کرنے اور پرسہ دینے بھی لیکن باوقار انداز میں اپنا فرض ادا کرتے گھر کی راہ لیتیں اور اب تو اکثر میں بھی ان کے ساتھ ہوتی۔

خیر بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں جا نکلی 'دراصل میری اماں کی عادتیں اتنی اچھی ہیں کہ مجھے جب بھی موقع ملے میں اماں کی تعریف شروع کر دیتی ہوں چلیں جی بات دوبارہ وہیں سے جوڑتے ہیں جہاں سے توڑ کر میں نے اماں کی تعریفیں کرتے ہوئے بہت سی بہوؤں کو رشک و حسد میں مبتلا کر دیا ہے تو جناب میں اور اماں دکھے دل کے ساتھ جب شیخ صاحب کے گھر پہنچے تو دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی ہم دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔ سامنے برآمدے میں کرسی پر مغموم صورت بنائے شیخ صاحب بیٹھے تھے۔

"اوہ کہیں ان کی بیوی۔" شیخ صاحب کو زندہ سلامت دیکھ کر ذہن میں یہ ہی خیال آیا۔ لیکن اگلے ہی پل کمرے کے کھلے دروازے سے اندر کا منظر واضح ہوا شیخ صاحب کی بیوی محلے کی دیگر عورتوں میں گھری سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ ان کی دونوں بیٹیاں خود بھی رو رہی تھیں مگر ماں کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ہوا کیا ہے آخر۔" میرے ساتھ ساتھ اماں بھی چکرا گئی تھیں انہوں نے پڑوس کی ہی ایک اور پڑوسن سے استفسار کیا۔

"روبی ہائے میری بچی۔" اماں کو جواب ملنے سے پہلے ہی شیخ صاحب کی بیوی نے سینے پر دوہتڑ مارتے ہوئے اپنی بڑی بیٹی کا نام لیا۔

"ہائے اللہ کیا روبی۔" میں نے تیسری بار سوچنے میں جلد بازی سے کام لیا۔

"ابھی ذرا دیر پہلے روبی رکشے میں بیٹھ کر گھر پہنچی ہے اور گھر داخل ہوتے ہی بے ہوش ہو گئی۔ سنا ہے اس کے سسرال والوں نے اس کے ہاتھ میں طلاق نامہ تھما کر اسے گھر سے نکال دیا ہے۔" شاہدہ باجی نے اماں کو آگاہ کیا تھا۔ اور یہ خبر شاید میری سوچی ہوئی سب باتوں سے زیادہ اندوہناک تھی۔ ایک لمحے کو تو میں بھی کھڑے کھڑے چکرا گئی۔ بے چاری روبی۔ ابھی تین چار مہینے پہلے ہی تو اس گھر سے اس کی ڈولی اٹھی تھی۔ کتنی پیاری لڑکی تھی ایسا کیا ہوا جو اس کے سسرال والوں نے اس پر یہ ستم توڑا حالانکہ وہ تو بہت دھیمے مزاج کی لڑکی تھی کہنا تو نہیں چاہیے لیکن سچ یہ تھا کہ مسز شیخ کی تینوں بیٹیوں نے ماں کے بالکل برعکس طبیعت پائی تھی۔

شیخ صاحب کی بیگم کا نام شیریں بانو تھا لیکن وہ صرف نام کی حد تک شیریں تھا ان کے مزاج میں تلخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ شیخ صاحب بے چارے شریف الطبع شخص تھے اور یقیناً" ان کی بیٹیاں بھی مزاج میں ان پر ہی گئی تھیں۔ روبی تو خصوصاً" بہت ہی اچھی لڑکی تھی۔ تینوں بہنوں نے اماں کے پاس بچپن میں کلام پاک پڑھا تھا۔ وہ اماں کو استانی کا درجہ دیتی تھیں بہت عزت و احترام سے پیش آتیں اماں بھی جواباً" بہت شفقت لٹاتیں محلے کی اکثر لڑکیاں جو اب بال بچوں والی ہو چکی تھیں اپنے بچپن میں اماں کی شاگرد رہ چکی تھیں لیکن بڑے ہونے کے بعد بھی یہ شاگرد لڑکیاں اپنی عزیز از جان استانی صاحبہ سے ملنے ہمارے گھر آتی رہتی تھیں روبی بھی اماں کی ایسی ہی ایک شاگرد تھی۔

بڑی بڑی روشن آنکھوں والی روبینہ جو شیخ صاحب کی پہلوٹی کی اولاد تھی۔ اماں بتاتی ہیں کہ پڑھنے لکھنے کی بہت شوقین تھی اور ذہن بھی اچھا پایا تھا مگر شیریں بیگم نے میٹرک کے بعد اسے گھر بٹھا لیا تھا پھر گھر کی ساری ذمہ داری روبی نے ہی اٹھالی تھی۔ وہ بہت پھرتی سے کام نبٹاتی تھی اس کا اندازہ مجھے اس طرح بھی تھا کہ جب بھی وہ اماں سے ملنے آتی تو میرے ساتھ مل کر گھر کا کوئی نہ کوئی کام نبٹا دیتی حالانکہ میں بہت منع کرتی مگر کبھی وہ میرے ساتھ بیٹھ کر سبزی ترکاری بنانے لگتی ___ اگر میں کپڑے دھو رہی ہوتی تو لپک جھپک کر کپڑے تاروں پر ڈال دیتی۔

"اپنی استانی جی سے ملنے آئی ہو یا میرے ساتھ کام کروانے۔" میں خفا ہو کر اسے ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیتی۔ اماں بھی مسکرا دیتیں وہ بھی ہنس پڑتی۔

"یہ بھی کوئی کام ہیں بھابھی۔ اپنے گھر میں تو اماں مجھے ایک لمحے بھی سکون سے بیٹھنے نہیں دیتیں۔ جب بھی فارغ ہوں کوئی اور کام ذمے لگا دیتی ہیں۔" روبی مزے سے بتاتی۔ مجھے شیریں بیگم پر غصہ بھی آتا انہیں خود تو محلے میں گشت کرنے 'ہمہ وقت کسی نہ کسی سے الجھنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ اور بیٹی کو کولہو کے بیل کی طرح گھر کے کاموں میں جوت رکھا تھا۔ چھوٹی دونوں بیٹیاں اسکول جاتی تھیں۔ بیٹے کو کھانے کمانے کے چکر میں اس کے ماموں کے پاس کویت بھیج رکھا تھا۔ شیخ صاحب بھی خاصے مرنجان مرنج قسم کے شخص تھے لیکن شیریں بیگم اکثر ان پر بھی اتنے برے طریقے سے چلاتی تھیں کہ آس پاس کے چار گھروں تک ان کی آواز جاتی تھی۔

"کتنی بدزبان اور جھگڑالو عورت ہے۔" میں اکثر دل میں ہی سوچتی تھی اماں سے اس بارے میں اظہار خیال ممکن نہ تھا کہ وہ اسے غیبت شمار کرتیں۔

خیر آج سے چار مہینے پہلے روبی کی شادی ہوئی تو میں نے دل میں شکر کیا تھا کہ اب یہ پیاری سی لڑکی اپنے پیا کے دل اور گھر پر راج کرے گی۔ لیکن یہ تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ روبی کا گھر پوری طرح بسنے سے پہلے ہی اجڑ جائے گا۔

"میری پھول سی بچی کا کیا حشر کر دیا ظالموں نے۔ جہیز کم لگتا تھا انہیں' ارے کتنی دفعہ جا کر میں نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی اس کا بھائی اور پیسے بھیجے گا تو اس کم بخت عقیل کو موٹر سائیکل بھی دلوا دوں گی اور ائیر کنڈیشنر بھی دے دوں گی۔ ذرا سا انتظار نہیں کر سکے بلکہ میری پاکدامن بچی پر کتنے غلیظ اور گھٹیا الزام لگائے۔ کہتے ہیں اپنے چھوٹے دیور کو پھانسنے کی کوشش کرتی تھی تم لوگ بتاؤ گواہی دو میری بچی کا بچپن' جوانی تمہارے سامنے گزری ہے کیا میری روبی ایسی ہے۔" شیریں بیگم ہذیانی انداز میں محلے والیوں سے مخاطب تھیں۔ چیخ چیخ کر ان کی آواز پھٹ گئی تھی۔

"ارے شکر کرو بہن ایسے بدذات لوگوں سے بچی کی جان چھوٹی۔" ایک محلے والی نے دلاسا دیا۔

"ارے کیسے شکر کروں۔ میری بچی کے دامن پر داغ تو لگ گیا نا۔ ہائے ہائے اس کی ہم عمر لڑکیاں ابھی گھروں میں کنواری بیٹھی ہیں جانے میری عقل پر ایسے کیا پردے پڑے تھے کہ ان بدبختوں کو اپنی پھول سی بچی دے دی۔" شیریں بیگم نے سینے پر دوہتڑ مارتے ہوئے واویلا کیا تھا۔ میں اور اماں دونوں مارے تاسف کے کچھ بول بھی نہ پائے۔ شیریں بیگم کو تسلی دلاسے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا ان کی ذہنی کیفیت ایسی نہ تھی کہ وہ کسی کی بات پر دھیان دیتیں۔

"روبی کہاں ہے؟" اماں نے پڑوسن سے ہی استفسار کیا تھا۔

"دوسرے کمرے میں ہے بے چاری۔ ڈاکٹر نے سکون بخش ٹیکہ لگایا ہے ورنہ وہ تو گھر آتے کے ساتھ ہی حواس کھو بیٹھی تھی۔" پڑوسن نے تاسف سے بتایا

تھا۔ میری آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔

روبی کا غم دل چیر رہا تھا اور ہم تو پھر بھی صرف محلے دار تھے جب ہمارا غم کے مارے برا حال تھا تو اس کے گھر والوں پر تو صحیح قیامت ٹوٹی تھی۔

سب سے برا حال تو بلاشبہ شیریں بیگم کا ہی تھا۔ ماضی میں انہوں نے روبی پر جتنی مرضی سختی روا رکھی ہو، تھی تو وہ ان کی اولاد نا اور اولاد کا دکھ ماں کا دل کیسے جھیل سکتا ہے۔ مجھے شیریں بیگم پر بے تحاشا ترس آرہا تھا۔ کیسے رو، رو کر ان کی آنکھیں سوج گئی تھیں، لیکن اب وہ رو نہیں رہی تھیں۔ شاید جتنے آنسو تھے انہوں نے بہا لیے تھے اب تو دامن پھیلائے روبی کے سسرال والوں کو بددعائیں دے رہی تھیں۔

"خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ جو ستم انہوں نے میری معصوم بچی پر توڑا، وہ ان کے آگے آئے گا۔ ارے چار بہنیں ہیں عقیل احمد کی۔ دیکھنا تم لوگ ایک دن خدا اس کی بہنوں کو بھی اسی حال سے دوچار کرے گا۔ سکھ سے کبھی نہیں رہ پائیں گے۔ وہ لوگ۔ مظلوم کی بددعا تو عرش ہلا دیتی ہے۔ میری بچی کی زندگی کو مذاق بنانے والے خود دنیا میں تماشا بن کر رہ جائیں گے۔ انہوں نے جو بویا ہے، وہ انہیں کاٹنا پڑے گا۔" شیریں بیگم ہسٹریک ہو رہی تھیں۔ عورتیں انہیں تسلی دلاسا دے رہی تھیں۔ میں نے اماں کی سمت دیکھا۔ وہ میری نگاہوں کا مفہوم پا گئیں۔

"ہاں بیٹے چلتے ہیں۔" اماں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی اور جس خاموشی سے ہم آئے تھے ویسے ہی پلٹ گئے۔

شیریں بیگم کو اس وقت کسی تسلی، دلاسے کی ضرورت نہ تھی، سو ہمارا رکنا فضول تھا، لیکن گھر واپس پلٹتے سے میرا جی بہت بوجھل بہت دکھی ہو رہا تھا اور یقیناً" اماں کا حال بھی مجھ سے مختلف نہ تھا۔ جانے اس دنیا میں اتنے شقی القلب لوگ کیسے بستے ہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ڈراموں افسانوں کی بات لگتی تھی کہ جہیز کم لانے پر بہو کا جینا دوبھر کر دیا، لیکن شاید ڈرامے اور افسانے بھی اسی معاشرے کی جیتی جاگتی حقیقت ہوتے ہیں، اگر ان میں بیس فیصد مبالغہ دکھایا جاتا ہے تو اسی فیصد سچائی بھی ہوتی ہے جو اسی معاشرے میں جابجا بکھری پڑی ہوتی ہے اور کسی کی بیٹی پر یہ ظلم توڑتے ہوئے لوگ اپنی بیٹیوں کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں۔ انہوں نے بھی تو بیاہ کر اگلے گھر جانا ہوتا ہے، اگر کوئی انہیں اس سلوک کا نشانہ بنائے تو ایسے لوگوں کے دل پر کیا گزرے گی۔ بے چاری شیریں بیگم کس رقت بھرے انداز میں پیش گوئی کر رہی تھیں کہ جو کچھ روبی کے سسرال والوں نے اس کے ساتھ کیا وہ ان کے آگے آئے گا۔ گھر واپس آکر میں نے اماں سے اس بارے میں اظہار خیال کیا تو اماں کے چہرے پر مغموم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس بچے، انسان نے بھی عجیب فطرت پائی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی برا کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خواہش جنم لیتی ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی کرنے والوں کو بھی مستقبل میں ویسا ہی معاملہ درپیش ہو وہ خود کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا کہ کہیں اس کے ساتھ بیتنے والا حادثہ کسی اور کی بددعا کا نتیجہ تو نہیں۔ اس سے خود ماضی میں کچھ ایسا غلط کام ہوا ہو جو قدرت اس کے آگے لے آئی ہو، مگر نہیں کوئی انسان یہ نہیں سوچتا۔ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہی ایسا ہو گا جس کو اپنی غلطی کا احساس اور توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہو گی۔" اماں چادر تہہ کرتے ہوئے برآمدے میں بچھے تخت پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں سر ہلا کر اماں کی بات سن لیتی، لیکن اب میں چونک کر رہ گئی تھی۔ اماں نے یہ بات یوں ہی نہیں کر دی تھی، ان کا انداز بتا رہا تھا۔ بات کی تہ میں کوئی ایسی حقیقت ہے جس سے میں ناواقف ہوں۔

"اماں آپ کھل کر بتائیں، آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔" میں نے گاؤن اتار کر کمرے کا رخ نہیں کیا تھا بلکہ ان کے پاس تخت پر ہی بیٹھ گئی۔

"ارے چھوڑو بیٹی کوئی بات نہیں۔" اماں نے مجھے ٹالنا چاہا۔ بات کریدنے کی میری بھی عادت نہ تھی لیکن آج مجھے عجیب سا تجسس ہو گیا تھا۔ میں نے اماں کا پیچھا ہی پکڑ لیا کہ وہ مجھے اپنی بات کے سیاق و سباق سے آگاہ کریں۔ آخر اماں تھکے تھکے انداز میں بول ہی پڑیں۔

"کسی کا عیب اچھالتے ہوئے مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے بیٹی، لیکن آج جب میں نے شیریں بیگم کو روبی کے سسرالیوں کو بددعا دیتے سنا تو برسوں پرانا ایک واقعہ میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ شیریں بیگم کا میکا شافعہ کے محلے میں تھا۔" اماں نے اپنی منجھلی نند یعنی میری پھوپھی ساس کا نام لیا تھا۔ میں سر ہلاتے ہوئے ان کی بات سن رہی تھی۔

"شافعہ کی زبانی ہی پتا چلا تھا کہ شیریں بیگم کے بھائی نے اماں، بہنوں کی مرضی کے خلاف ضد زبردستی کر کے محلے کی ایک لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ اس وقت تو بھائی کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ لوگ بھاوج بیاہ لائے، مگر پھر اس بچی کا جینا اجیرن کر دیا۔ بھائی کو نوکری کے سبب دوسرے شہر جا کر رہنا پڑا۔ بھاوج کو اس کے ساتھ بھی نہ جانے دیا اور اس کے خلاف الٹی سیدھی باتیں مشہور کر کے بھائی کو بیوی کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا۔ شیریں بیگم کا بہن، بھائیوں میں پہلا نمبر تھا۔ ماں، باپ کے گھر جو حیثیت شیریں بیگم کو حاصل تھی وہ کسی دوسرے بہن، بھائی کو نہ تھی۔ مجھے یاد ہے برسوں پہلے کا وہ منظر شیریں بیگم کی بھاوج اپنی ماں کے ساتھ شیریں بیگم کے پاس آئی تھی۔ شیریں بیگم نے دونوں کو گھر کی دہلیز بھی پار نہ کرنے دی۔ دونوں ماں بیٹیاں گڑگڑاتی رہیں کہ وہ اپنے بھائی کو بیوی کے بارے میں الٹی سیدھی پٹیاں نہ پڑھائیں، ان کی بیٹی پاک دامن ہے، شیریں بیگم اپنے بھائی اور لڑکی کے شوہر کو سمجھائیں کہ وہ اپنی بیوی پر اعتبار کرے، اسے اپنے ساتھ لے جائے، تب شیریں بیگم نے بہت تنفر بھرے انداز میں انہیں باور کروایا تھا کہ ان کا بھائی ان ہی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور وہ اپنے بھائی سے اس لڑکی کو طلاق دلوا کر ہی رہیں گی۔" اماں ہولے ہولے بول رہی تھیں اور میں دم سادھے ان کی بات سن رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا اماں؟" وہ چپ ہوئیں تو میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا بیٹی۔ شافعہ نے بتایا تھا کہ اس بچی کو طلاق ہو گئی تھی۔" اماں نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ میں چپ کی چپ رہ گئی۔ ذرا دیر پہلے شیریں بیگم کی باتیں دماغ میں گونج رہی تھیں۔ بے بسی اور لاچارگی کی تصویر بنی وہ صرف روبی کے شوہر اور سسرال والوں کو بددعائیں دیے جا رہی تھیں، کیا واقعی ان کے ذہن میں ایک لمحے کو بھی یہ سوچ نہ آئی ہو گی کہ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ مکافات عمل کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ ہی بات میں نے اماں سے پوچھ لی۔

"چھوڑو بیٹی اس قصے کو۔ مجھے تو یہ ساری بات بتا کر ہی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ ہم انسان بھلا کسی معاملے کے منصف کیسے بن سکتے ہیں، یہ اوپر والے کا اختیار ہے کہ کسی کا قصور بخش دے۔ کسی کو ڈھیل دے یا کسی کو سزا۔ لیکن انسان کے ذہن کی رسائی بہت محدود ہوتی ہے۔ واقعات سے خود ہی نتیجہ اخذ کر لیتا

ہے۔ جیسے مجھے لگا کہ شیریں بیگم کے ساتھ جو ہوا وہ مکافات عمل کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس کے ماضی کا ایک عیب تمہارے سامنے کھولا۔ جس پر برسوں سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ اللہ میری اس کوتاہی کو معاف کرے۔" عیب جوئی کبھی بھی اماں کی عادت نہ رہی تھی۔ اس لیے اس وقت اماں مجھ سے یہ قصہ چھیڑ کر بہت پشیمان ہو رہی تھیں۔ لیکن میرا دھیان ابھی بھی روبی کے معاملے میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

فطرت انسانی کے عین مطابق میں نے بھی شیریں بیگم کے ساتھ ہونے والے واقعے کو مکافات عمل سے تعبیر کیا تھا۔ لیکن ذہن میں بار بار روبی کی معصوم صورت گھوم رہی تھی۔ اس کی ماں نے ماضی میں جو کچھ ایک پاک باز لڑکی کے ساتھ کیا آخر اس میں روبی کا کیا قصور تھا۔ اسے تو ایسے گناہ کی سزا ملی جو اس سے سرزد ہی نہ ہوا تھا۔ میں نے الجھتے ہوئے یہ ہی بات اماں سے پوچھ ڈالی۔

"نہ بچے' نہ ایسے نہیں سوچتے۔ قدرت کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دیتی۔" اماں نے مجھے فوراً" سمجھایا تھا' لیکن مجھے ان کی بات سمجھ نہ آئی۔

"روبی بے چاری تو بے قصور تھی' اماں پھر وہ کیوں اپنی ماں کے جرم کی سزاوار ٹھہری۔" میں نے الفاظ بدل کر پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

"وہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں بیٹے کہ ایک تو ہمیں یہ حق بھی حاصل نہیں کہ ہم خود یہ فیصلہ کرلیں کہ شیریں کو بھی اپنے کیے کا پھل ملا' یہ خالق اور مخلوق کا آپس کا معاملہ ہے' لیکن چلو ہم ایک لمحے کو یہ فرض کرلیتے ہیں کہ شیریں بیگم کو اپنی کرنی کا پھل ملا تو روبی کی زندگی کیوں لپیٹ میں آئی' وہ تو بالکل معصوم' پاک باز اور نیک فطرت بچی ہے۔"

"وہی تو اماں میں بھی تو بالکل یہ ہی بات کر رہی ہوں۔" میں نے اماں کی بات کاٹی۔ اماں دھیرے سے بولی تھیں۔

"اللہ اپنے پسندیدہ اور نیک بندوں کو آزمائش سے بھی تو دوچار کرتا ہے بیٹی۔ سزا اور آزمائش میں بہت فرق ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم سب کو ایک ہی فہرست میں کھڑا کردیں۔ ہو سکتا ہے کسی کو کیے کا پھل ملا ہو اور کسی کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش جس کو برداشت کرکے' جھیل کر وہ شخص اپنے مالک حقیقی کا مزید قرب حاصل کرے۔ صبر [illegible] اللہ کو بہت پسند ہے اور صبر کا اجر بھی بہت بیش قیمت ہوتا ہے۔ میں نے اس بچی کو پڑھایا ہے' نہ صرف پڑھایا' بلکہ اپنی فہم کے مطابق اسے دین کا صحیح شعور بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ آج تو ان کے گھر میں عجیب ہنگامہ بپا تھا جب حالات معمول پر آئیں گے تب میں روبی کے پاس جاؤں گی۔ اسے سمجھاؤں گی کہ وہ یہ صدمہ دل پر نہ لے۔ وہ بہت سمجھ دار بچی ہے' امید ہے میری بات سمجھ لے گی۔"

"ہاں اماں... ایک طرح سے تو اچھا ہی ہوا ناکہ ان لالچی لوگوں سے اس کی جان چھوٹ گئی۔ صدمہ بے شک بہت بڑا ہے' مگر اللہ اسے صبر جمیل سے نوازے' اگر اسے مستقل ان لوگوں کے بیچ زندگی گزارنی پڑتی تو اس کی زندگی کی کٹھنائیوں میں اضافہ ہی ہوتا۔" میں نے اماں کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"ہاں بیٹے تم صحیح کہہ رہی ہو۔ باقی ہمارا تمہارا کام صرف دعا کرنا ہے۔ اس خالق حقیقی کی بارگاہ میں خلوص دل سے دعا کرنا کہ اللہ اس بچی کی آئندہ زندگی میں آسانیاں عطا کرے۔ اسے کوئی بہتر نعم البدل عطا کرے۔ اسے زندگی کی حقیقی مسرتیں حاصل ہوں۔ یاد رکھو کسی مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنا بھی بہت اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔" اماں نے اپنے مخصوص دھیمے اور دلنشین انداز میں سمجھایا تھا اور میرا تو رواں رواں اس پیاری سی لڑکی کے لیے دعاگو تھا۔ دل میں دھیرے دھیرے یہ احساس بھی جاگ رہا تھا کہ خلوص نیت سے کی گئی یہ دعائیں یقیناً" اس رب کی بارگاہ میں بہت جلد قبولیت کا درجہ پا جائیں گی۔ (ان شاء اللہ)

☆☆

لبنیٰ طاہر

ناولٹ

سرمئی شام کے سائے آہستہ آہستہ پھیلتے جارہے تھے۔ فضا میں اپنے اپنے گھونسلوں میں لوٹتے پرندوں کا خوشنما سا شور گونج رہا تھا۔ پھر یہ شور معدوم ہوتے ہوتے بالکل تھم گیا۔

رات کی تاریکی پوری طرح پھیلنے سے قبل وہ گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ "گھر" جو ہر انسان کی محفوظ پناہ گاہ ہے اور جس کی مانوس فضائیں مہرباں بانہیں ساری تھکن اپنے اندر سمیٹ لینے کا ہنر جانتی ہیں گھر اور گھر کی چار دیواری کی اہمیت وہی لوگ بہتر سمجھتے ہیں جنہوں نے بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد گھر کا سکھ حاصل کیا ہو وہ بھی اپنی شبانہ روز محنت کے بعد یہ سکھ حاصل کر پایا تھا ایک گھر بنانے کی چاہ میں اس نے خود کو دن رات محنت کی بھٹی میں سلگایا تھا تب کہیں جاکر کامیابی اس کا مقدر بنی تھی آج اس کے پاس اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت تھی قیمتی ساز و سامان سے آراستہ ایک خوبصورت گھر آرام دہ اور بیش قیمت گاڑی اور دن بہ دن ترقی کرتا کاروبار.....

پندرہ سال قبل جب وہ اس شہر میں آیا تھا تو بالکل خالی ہاتھ تھا حتیٰ کہ رہنے کا ٹھکانہ بھی میسر نہ تھا آج جب وہ اپنے پر آسائش گھر کو دیکھتا تھا تو شکر گزاری کا احساس اس کے روئیں روئیں سے پھوٹتا تھا خدا کے ساتھ ساتھ وہ اس شخص کا بھی شکر گزار تھا جس نے اس اجنبی شہر میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے سہارا دیا وہ تہہ دل سے ریاض احمد کی قدر کرتا تھا اپنے چھوٹے سے قصبے سے روشنیوں کے اس شہر تک کا سفر بہت جانگسل تھا اور اس کے بعد کا سفر مسلسل جدوجہد سے عبارت تھا وہ جب یہاں وارد ہوا تو انسانوں کے ہجوم میں تن تنہا تھا کئی دنوں تک تو وہ سہما ہی رہا ایک تو کم عمری اس پر سے ناتجربہ کاری.... گھر سے جو رقم لے کر چلا تھا اس کے ختم ہونے سے پہلے پہلے کسی نوکری کا وہ شدت سے خواہاں تھا اور یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اسے ایک گارمنٹ فیکٹری میں بطور ہیلپر کام مل گیا۔ تنخواہ گو کہ معمولی تھی مگر غنیمت تھی۔

نوکری تو مل گئی تھی مگر فی الحال رہنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی ابھی تک تو وہ ایک انتہائی معمولی سی سرائے میں قیام پذیر تھا مگر اب مسئلہ یہ تھا کہ اس کی جائے رہائش فیکٹری سے بہت دور تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ دیر سویر کی وجہ سے اس کی ملازمت پر کوئی آنچ آئے وہ بہت صبح صبح فیکٹری جانے کے لیے نکلتا تھا کہ وقت پر پہنچ سکے ـــــ اس طرح رات کو واپس آتے آتے بھی بہت دیر ہو جاتی تھی پھر بھی وہ خوش تھا کہ برسر روزگار ہو گیا ہے ورنہ اس نے سنا تھا کہ اس شہر میں لوگ برسوں جوتیاں چٹخاتے ہیں مگر گوہر مقصود سے محروم رہتے ہیں۔۔۔ اس کی ماں تو بالکل بھی راضی نہ تھی کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اتنی دور جائے مگر ابا نے اس کا ساتھ دیا تھا تبھی وہ اتنا حوصلہ کر پایا تھا کچھ اس کے اندر آگے بڑھنے، کچھ کرنے اور اپنے حالات سدھارنے کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ ماں کے آنسو بھی اسے کمزور نہ کر سکے وہ اپنی ماں، بہنوں اور باپ سے بہت سارے وعدے کرکے انہیں ڈھیروں تسلیاں اور ان کی آنکھوں میں آنے والے دنوں کے خوبصورت خواب سجا کر چلا آیا اور اب اپنی خوابوں کو تعبیر دینے کے لیے وہ جاں توڑ محنت کر رہا تھا۔

ریاض احمد اسی فیکٹری میں بطور سپروائزر کام کرتے تھے بیس بائیس سال کے اس لڑکے پر جب ان کی نظر پڑی تھی تو وہ نہ جانے کیوں انہیں بہت اپنا اپنا سا لگا تھا اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک اور چہرے پر جفاکشی کا نور تھا خاموش طبع سا یہ نوجوان ریاض احمد کو بہت اچھا لگا وہ اکثر آتے جاتے اس کی خیریت دریافت کر لیا کرتے پھر آہستہ آہستہ یہ شناسائی ایک خاص تعلق خاطر میں بدل گئی تب انہیں پتا چلا کہ اسے رہائش کا پرابلم ہے۔

"تم یوں کیوں نہیں کرتے ایان، کہ میرے ساتھ چل کر رہو۔" ان کی اس فراخدلانہ پیش کش پر وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ میرا گھر فیکٹری سے قریب ہے تمہارا آنے جانے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ریاض بھائی مگر یہ مناسب نہیں لگتا۔" وہ ہچکچا رہا تھا۔

"ارے یار... اس میں نامناسب کیا ہے؟ مجھے خوشی ہوگی اگر تم میرے ساتھ رہو گے تو... میرے گھر میں ایک اضافی کمرہ چھت پر بنا ہوا ہے تم وہیں رہ لینا... ویسے بھی سرائے وغیرہ کا ماحول کچھ اچھا نہیں ہوتا... بس ٹھیک ہے تم آج میرے ساتھ میرے گھر چل رہے ہو چھٹی کے بعد چل کر تمہارا سامان لے آئیں گے... ٹھیک ہے نا؟" انہوں نے تائید چاہی ایاز ابھی تک جھجک رہا تھا۔

"مگر... آپ کے گھر والوں کو کوئی اعتراض ہوا تو؟"

"کون اعتراض کرے گا یار... گھر میں صرف میری بیوی ہے اور تین عدد بچے اور وہ بھلا میری بات سے کیوں اختلاف کریں گے؟ اتنا مت سوچو... کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

یوں وہ اپنا مختصر سا اسباب اٹھا کر ریاض احمد کے گھر چلا آیا۔

"تم بیٹھو ایاز... میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔" ریاض احمد اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اندر چلے گئے۔

"یہ لڑکا کون ہے؟" روٹی سینکتے ہوئے فاخرہ ان کی بیوی نے پوچھا ریاض نے تفصیل سے اس کے بارے میں بتایا ساتھ یہ بھی کہ ایاز اب یہیں رہے گا۔ فاخرہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"یہاں کیوں رہے گا؟ جوان جہان لڑکے کو اٹھا کر گھر لے آئے... پتا نہیں کون ہے؟ کیسا ہے؟ یہ کوئی بات ہے بھلا؟"

"آہستہ بولو سن لے گا وہ اور تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے... نیک شریف بچہ ہے میں بہت دنوں سے اسے دیکھ رہا ہوں اس شہر میں اکیلا ہے بے چارہ ایک فضول سی جگہ پر رہ رہا تھا اسی لیے میں اسے یہاں لے آیا ہوں اور وہ کون سا سارا دن یہاں رہے گا صبح کا گیا رات کو آئے گا صرف سونے کے لیے اب جلدی سے کھانا نکال دو بہت بھوک لگ رہی ہے۔" انہوں نے گویا بات ختم کی۔

"دے رہی ہوں کھانا... کیا وہ بھی کھائے گا؟"

"ظاہر ہے بھئی اسے بھی بھوک لگی ہوگی۔"

"کیا روز نہیں کھائے گا؟" فاخرہ کا انداز بہت تیکھا تھا۔

"ہاں صبح کا ناشتا اور رات کا کھانا تو گھر میں ہی کھائے گا۔"

"ابھی تو کہہ رہے تھے کہ صرف سونے کے لیے آئے گا اور اب یہ صبح کا ناشتا اور رات کا کھانا...؟" فاخرہ غصے میں آگئی۔

"کیا ہو گیا ہے فاخرہ اگر ایک اللہ کا بندہ دو وقت کی روٹی ہمارے وسیلے سے کھا لے گا تو کیا فرق پڑ جائے گا؟" ریاض احمد زچ ہو کر بولے۔

"یہ فرق مہینے کے آخر میں پتا چلے گا... میں کیسے گھر کا خرچ چلاتی ہوں' میں ہی جانتی ہوں ایک تو پہلے ہی اس قدر مہنگائی ہے اس پر سے... یہ تو مہنگائی میں آٹا گیلا ہونے والی بات ہے۔"

"اچھا بھئی... اب فضول کی بک بک مت کرو تم کھانا دو باقی سب اللہ پر چھوڑ دو اور ہاں... ذرا چھت والے کمرے کی صفائی کر دو ایاز وہیں سوئے گا۔" وہ تو آرڈر دے کر چلے گئے فاخرہ پیچھے سے جلتی بھنتی رہ گئی کھانا دے کر وہ چھت پر چلی آئی کمرے کی صفائی کرتے ہوئے بھی اس کی بڑبڑاہٹ جاری رہی۔

"ہونہہ... سارے زمانے کا درد انہی کو ہے... گھر نہ ہوا دھرم شالہ ہو گیا پتا نہیں کس کو اٹھا کر لے آئے ہیں اب ان کے ساتھ ساتھ اس کی بھی چاکری کرو... نوکر لگی ہوں میں جیسے...."

فاخرہ کو ایاز کا اپنے گھر میں رہنا ایک آنکھ نہیں بھا تا تھا مگر وہ ریاض احمد کی وجہ سے مجبور تھی۔ ریاض احمد ویسے تو بہت صلح جو طبیعت کے مالک تھے لیکن اگر کبھی غصے میں آجاتے تو کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا تھا اسی لیے فاخرہ برداشت کر رہی تھی اس کے برعکس اس کے بچے ایاز کی آمد سے بہت خوش تھے سب سے بڑی تیرہ سالہ صبا کو تو وہ ایاز کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتی تھی مگر لائبہ اور جواد ایاز کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکتے تھے وہ بھی ان بچوں سے بہت محبت کرنے لگا تھا روز ان کے لیے کچھ نہ کچھ لیے چلا آتا۔ ریاض احمد منع کرتے تھے اور اسے بچت کی تلقین کرتے تھے۔ مگر وہ ہنس کر ٹال دیا کرتا۔

"کچھ نہیں ہوتا ریاض بھائی مجھے اچھا لگتا ہے بچے خوش ہوتے ہیں تو مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔" اپنی پہلی تنخواہ سے جب اس نے فاخرہ کو ایک خوبصورت لان کا سوٹ اور ہزار روپے دیے تو فاخرہ چند لمحوں تک کچھ بول ہی نہ سکی۔

"کیا ہوا بھابھی آپ کو کپڑے پسند نہیں آئے؟" ایاز اس کی خاموشی سے کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

"نہیں... کپڑے تو بہت اچھے ہیں مگر... یہ پیسے؟ ریاض کو پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔"

"ارے... بس اتنی سی بات... تو آپ انہیں پیسوں کے بارے میں بتائیے گا ہی نہیں یہ تو میں آپ کو اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ اپنے لیے اپنی پسند سے کچھ لے لیجیے گا۔" فاخرہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے وہ ہزار کا نوٹ رکھ لیا۔ اب یوں تھا کہ فاخرہ کی تیوریوں کے بل میں خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔

ایاز اپنی محدود سی تنخواہ سے بچت کر کے کچھ نہ کچھ لاتا ہی رہتا کبھی سبزی' کبھی گوشت تو کبھی پھل وغیرہ وہ اس گھرانے کا بہت احسان مند تھا۔ اس اجنبی شہر میں اسے ایک گھر کی چھت اور اتنی اپنائیت ملی تھی جس کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ ادھر اس کے والدین بھی مطمئن ہو گئے تھے کہ ان کا بیٹا نا صرف روزگار سے لگ گیا تھا بلکہ اسے رہنے کا ٹھکانہ بھی میسر ہو گیا تھا... تھوڑے سے عرصے میں اس گھر سے وہ اس طرح مانوس ہوا جیسے ہمیشہ سے یہیں کا باسی ہو....

☼ ☼ ☼

ڈرائیونگ کے دوران اس نے کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی میں ٹائم دیکھا آٹھ بجنے والے تھے اس نے گاڑی کی اسپیڈ کچھ اور بڑھا دی ذرا دیر میں وہ گھر پہنچ گیا سکون کی ایک لہر اس کے سارے وجود میں سرائیت کر گئی ہمیشہ یہی ہوتا تھا وہ جب بھی گھر میں داخل ہوتا تھا اسی طرح خود کو بہت پرسکون محسوس کرتا تھا یہ گھر اس کی محنت اور جانفشانی کا ثمر تھا اس کی چھوٹی بہن الماس اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی تھی۔

"اماں بھائی آگئے۔" اس کے ہاتھ سے بریف کیس پکڑتے ہوئے اس نے ماں کو آواز دی۔

"ابا عشاء پڑھ کر آگئے؟" اس نے الماس سے پوچھا۔

"بس آنے والے ہیں آپ جلدی سے چینج کر کے فریش ہو جائیں پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے آج اماں نے آپ کی پسند کے پالک کوفتے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں۔"

"اوہ... زبردست... پھر تو جلدی سے کھانا لگواؤ میں بس ابھی آتا ہوں۔" پالک کوفتے بہت مزے دار بنے تھے وہ بہت رغبت سے کھا رہا تھا اماں نے محبت لٹاتی نظروں سے اپنے فرماں بردار اور بے حد خوبرو بیٹے کو دیکھا وہ جب اس کی طرف دیکھتی تھیں ان کی بوڑھی آنکھیں روشنی سے بھر جاتی تھیں گھر میں کئی ملازم تھے کھانا پکانے کے لیے علیحدہ سے کک بھی تھا پھر بھی وہ روز ہی اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور پکاتی تھیں ایاز ان کے ہاتھ چوم کر کہتا تھا۔

"اماں آپ کیوں اتنی محنت کرتی ہیں خود کو تھکایا مت کریں' ساری عمر آپ نے مشقت کی ہے اب آپ صرف آرام کیا کریں۔"

"نہ پتر... ایسے نہ بول... تو بھی تو اتنی محنت کرتا ہے یہ تیری محنت ہی تو ہے جو آج ہم سب اتنی اچھی زندگی گزار رہے ہیں تجھے کیا پتا ماں کو کتنا سکھ ملتا ہے تیرے کام کر کے نہ روکا کر مجھے ویسے بھی مجھ سے فارغ نہیں بیٹھا جاتا۔" اماں اس کی پیشانی چوم لیتیں...

الماس سے بڑی اسماء کو تین سال پہلے اس نے بہت دھوم دھام سے رخصت کر دیا تھا اب وہ چاہتا تھا کہ الماس کی بھی شادی ہو جائے مگر اماں ابا کی خواہش تھی کہ اس سے پہلے گھر میں بہو آجائے اللہ کا دیا سبھی کچھ تو تھا ایاز جہاں اشارہ کرتا وہاں سر کے بل جانے کو تیار تھے۔ مگر ایاز فی الحال شادی کے لیے تیار نہ تھا وہ پہلے

الماس کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتا تھا مگر ماں باپ کی خواہش پر اس نے سر جھکا دیا تھا اب اس کے لیے لڑکی تلاش کی جا رہی تھی جہاں بھی اس سلسلے میں جانا ہوتا فاخرہ ہمیشہ ساتھ ہی ہوتی تھی پتا نہیں کیا بات تھی۔ فاخرہ کو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی تھی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اماں اور الماس کو لڑکی بہت اچھی لگی مگر فاخرہ کو نہیں بھائی اس چکر میں بہت سی اچھی اچھی لڑکیاں ریجیکٹ ہوتی گئیں اماں تو سیدھی سادی عورت تھیں مگر الماس ٹھٹک سی گئی کیا وجہ تھی کہ فاخرہ ہر لڑکی میں ہی کوئی نہ کوئی کمی ڈھونڈ لیتی تھی جانے وہ کیا سوچے بیٹھی تھی۔

سال پہلے وہ اپنی بڑی بیٹی صبا کو رخصت کر چکی تھی رہ گئی لائبہ تو وہ ایاز سے بہت چھوٹی تھی ایاز کا جوڑا تو صبا کے ساتھ بھی نہیں بنتا تھا لائبہ کے بارے میں تو سوچنا ہی فضول تھا فاخرہ کا رویہ الماس کی سمجھ سے باہر تھا تب اس نے ایاز سے اس بات کا ذکر کیا۔

"اچھا نہیں لگتا بھائی... فاخرہ بھابھی اچھی خاصی لڑکیوں کو ریجیکٹ کر دیتی ہیں پچھلے ہفتے ہم جس لڑکی کو دیکھنے گئے تھے بہت پیاری تھی وہ مگر فاخرہ بھابھی کو وہ بھی پسند نہیں آئی ان کا خیال تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکیاں گھروں میں فساد ڈالتی ہیں اپنے حسن کے زعم میں وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتیں ایسا ضروری تو نہیں ہے نا... اب اسماء آپی کو ہی دیکھ لیں کتنی پیاری ہیں وہ مگر کتنی اچھی طرح اپنے سسرال میں رہ رہی ہیں مجھے تو سمجھ نہیں آتا فاخرہ بھابھی چاہتی کیا ہیں؟"

"تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو الماس۔ اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی ہو سکتا ہے وہ تمہارے بھائی کے لیے خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہوں۔" ایاز نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر بھائی اس طرح سے لڑکیاں دیکھتے پھرنا اور پھر ان میں عیب نکال کر ریجیکٹ کر دینا بھی تو بہت غلط ہے نا؟ مجھے یہ بات بہت بری لگتی ہے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو... اچھا چلو... میں بات کروں گا فاخرہ بھابھی سے تم پریشان نہ ہو۔" پتا نہیں ایاز نے فاخرہ سے بات کی تھی یا نہیں مگر الماس کو عجیب سا احساس گھیرے ہوئے تھا جانے کیوں اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ فاخرہ نہیں چاہتی کہ ایاز کی شادی ہو اور اس خیال کی اس کے نزدیک ایک بڑی ٹھوس وجہ تھی چند سالوں سے ریاض بھائی مسلسل بیمار رہنے لگے تھے۔ بیماری جب زیادہ ہی طول پکڑ گئی تو انہیں نوکری کرنا بھی مشکل ہو گیا ایسے میں ایاز ہی تھا جس نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا تھا علاج معالجے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے گھر کا تمام خرچ بھی اٹھا رہا تھا ہر ماہ اچھی خاصی رقم وہ فاخرہ کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا فاخرہ تو اس رقم کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھی مگر ریاض بھائی بہت شرمندگی محسوس کرتے تھے جب بھی وہ فاخرہ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتے تو وہ چمک کر کہتی۔

"کون سا احسان کر رہا ہے وہ ہم پر... بلکہ وہ اس احسان کا بدلہ چکا رہا ہے جو ہم نے اس پر کیا تھا آج اگر وہ کامیاب ہے تو ہماری وجہ سے ورنہ اس شہر میں اسے جانتا ہی کون تھا؟"

"تمہاری فضول بک بک کرنے کی عادت گئی نہیں فاخرہ بیگم... جب بھی بولنا بے کار ہی بولنا اور خدا کے واسطے یہ بات بات پر احسان جتانا چھوڑ دو۔ ایاز کی کامیابی اس کی اپنی محنت اور ریاضت کا نتیجہ ہے ورنہ میں بھی تو اسی شہر کا باسی ہوں مجھے کیوں نہ اتنی کامیابی حاصل ہو گئی۔" انہوں نے اچھا خاصا جھڑک ڈالا تھا فاخرہ کو۔

"اس لیے کہ آپ کنویں کے مینڈک تھے آگے بڑھنے کا جذبہ ہی نہیں تھا آپ کے اندر ساری عمر سپروائزری میں گزار دی اور اب تو اس کا بھی ٹھکانہ نہیں رہا... ہونہہ... لیکچر بازی کرنے کو کہہ دو بس۔"

جب سے ریاض احمد بستر سے لگے تھے فاخرہ جیسے شیر ہو گئی تھی وہ ایک بات کرتے تو آگے سے چار سناتی تھی۔ ریاض احمد بے چارے دل مسوس کر رہ جاتے فاخرہ کی جہالت سے تو وہ برسوں پہلے ہی سمجھوتہ کر چکے تھے اب اس عمر میں آ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو چکے تھے

کہ فاخرہ کے اندر کوئی تبدیلی آئے گی... ایک بات اور تھی کہ فاخرہ گاہے بگاہے ایاز کے سامنے بھی ان پرانے دنوں کا تذکرہ کرنا نہیں بھولتی تھی وہ مسلسل ایاز کو اس احساس کے شکنجے میں جکڑے رہنا چاہتی تھی کہ اس نے اور اس کے خاندان نے آڑے وقت میں ایاز کو سہارا دیا تھا حالانکہ اسے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر وہ اپنی فطرت سے مجبور تھی جبکہ ایاز اپنی فطرت سے مجبور تھا وہ دن رات کے کسی بھی حصے میں یہ بات نہیں بھولتا تھا وہ ریاض بھائی سے عقیدت اور اس گھر سے انسیت رکھتا تھا اسی لیے تو وہ اس گھر کے مسائل کو اپنے مسائل ہی سمجھتا تھا اس لیے اس گھر کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور ہمیشہ کرنے کا عزم رکھتا تھا چھوٹی سے چھوٹی ضرورت پوری کرنا بھی وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

اس چھوٹے سے دو کمروں کے گھر کا آج نقشہ ہی بدل گیا تھا تین چار سال پہلے اس نے اس گھر کو نئے سرے سے تعمیر کروایا تھا اور گھر کو جدید اور خوبصورت فرنیچر اور ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ کروایا تھا ریاض بھائی اس کے حق میں نہیں تھے مگر فاخرہ نے ان کی ایک بھی نہ چلنے دی اور گھر کی تعمیر سے لے کر اسے فرنشڈ کرنے تک ہر معاملے میں پیش پیش رہی تھی پھر جب صبا کی شادی کا معاملہ ہوا تب بھی ایاز نے پانی کی طرح پیسہ بہایا تھا اور اسے ڈھیروں ڈھیر جہیز کے ساتھ رخصت کیا تھا وہ احسان شناس تھا درد مند دل رکھتا تھا اس لیے اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے مگر الماس بھانپ چکی تھی اسے اچھی طرح فاخرہ کی فطرت کا اندازہ ہو گیا تھا مگر وہ ایسی کوئی بھی بات کر کے ایاز کا دل برا نہیں کرنا چاہتی تھی اول تو ایاز اس بات کو مانتا ہی نہیں اور اگر بالفرض مان لیتا تو بہت ڈس ہارٹ ہوتا اس لیے الماس خاموش رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
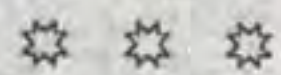
لڑکیاں دیکھنے دکھانے کا سلسلہ جاری رہا فی الحال کہیں بات نہیں بنی تھی وجہ وہی فاخرہ کے بلاوجہ کے اعتراضات تھے اب تو اماں بھی سوچنے لگی تھیں کہ آخر فاخرہ چاہتی کیا ہے؟ تب الماس نے ان سے اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا اماں تو دنگ ہی رہ گئیں۔

"ہائے نہیں پتر... فاخرہ ایسی لگتی تو نہیں... تجھے یوں ہی وہم ہوا ہو گا وہ بھلا کیوں ایاز کی شادی میں رکاوٹ ڈالے گی؟ اور میرا بیٹا ایسا تھوڑی ہے کہ شادی کر کے بدل جائے وہ ایسے ہی فاخرہ اور اس کے گھر کا خیال رکھے گا جیسے اب رکھتا ہے نہ... نہ... ایسا نہ سوچ بری بات ہے۔" انہوں نے تو فوراً ہی الماس کے خدشات کی نفی کر ڈالی۔

"او میری بھولی ماں! آپ کو نہیں پتا دنیا بڑی چالاک ہے ایسے ایسے لوگ بستے ہیں یہاں جو اپنے فائدے کے لیے ہر حد سے گزر جاتے ہیں فاخرہ بھابھی انہی لوگوں میں سے ایک ہیں یہ تو آپ کہہ رہی ہیں نا اور میں بھی جانتی ہوں کہ میرا بھائی کبھی نہیں بدلے گا کیونکہ وہ آئینے جیسا دل رکھتا ہے جیسا وہ خود ہے اپنے دل کے آئینے میں ہر کسی کو ویسے ہی دیکھتا ہے... فاخرہ بھابھی کو یہی خوف ہے کہ ایاز کی شادی ہو گئی اس کی دلہن آ گئی تو ان کے ہاتھ سے سونے کا انڈا دینے والی مرغی نکل جائے گی اور کیا پتا اماں... آنے والی واقعی اپنے شوہر کی کمائی پر صرف اپنا حق سمجھے بیویاں کب چاہتی ہیں کہ ان کا شوہر دھڑلے سے اپنی محنت کی کمائی دوسروں پر لٹائے اسی لیے فاخرہ بھابھی ہر رشتے میں کیڑے نکالتی ہیں۔" الماس کی باتیں اماں کو پل پل حیران کر رہی تھیں۔

"پتا نہیں الماس... مجھے تو تیری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی۔ پتا نہیں کیا بول رہی ہے تو۔"

"آ جائے گا اماں... آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آ جائے گا۔"

الماس نے یہ ساری باتیں فون پر اسماء سے بھی ڈسکس کی تھیں اسماء شادی کے بعد اسلام آباد چلی گئی تھی یہ سب سن کر وہ بھی فکر مند ہو گئی تھی۔

"تم لوگ ہر جگہ فاخرہ بھابھی کو ساتھ لے کر ہی

کیوں جاتے ہو؟"

"کیا کریں آپی آپ کو تو پتا ہے بھائی ان کی کتنی عزت کرتے ہیں کتنا مان دیتے ہیں انہیں یہ انہی کا حکم ہے کہ فاخرہ بھابھی کی رائے اور مشورے کے بغیر کوئی کام نہ ہو وہ بہت بھروسہ کرتے ہیں ان پر اب کیا کیا جائے مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا مسئلہ یہ ہے کہ بھائی سے میں یہ سب نہیں کہہ سکتی انہیں بہت دکھ ہوگا۔"

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ کاش ایاز کو خود ہی کوئی لڑکی پسند آجائے۔" اسماء نے بالکل ہی انہونی بات کی۔

"بس۔۔۔ رہنے دیں انہیں کام سے بزنس سے فرصت ملے تو وہ کسی اور کی طرف دیکھیں بھی وہ تو اماں ابا کی خواہش پر شادی کے لیے راضی بھی ہو گئے ورنہ مانتے کہاں تھے خدا خدا کر کے مانے ہیں تو یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھنے کو تیار نہیں۔" الماس نے آہ بھر کر کہا۔

"اچھا دیکھو۔۔۔ میں کچھ کرتی ہوں یہاں ہمارے سرکل میں دو تین بہت اچھی لڑکیاں ہیں، میں کہیں بات چلانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"پلیز آپی اگر ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو آپ کو فون کرنے کی اصل میں یہی وجہ تھی، میں آپ سے یہی کہنے والی تھی بس۔۔۔ آپ ہی اب کچھ کریں۔" الماس ایکدم سے پرجوش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

بہت سارے دن گزر گئے تو ایک دن فاخرہ چلی آئی۔

"کیا ہوا خالہ جی۔۔۔ بڑے دن ہو گئے ایاز کے لیے کوئی لڑکی دیکھنے نہیں گئے؟ یا خود ہی خود جا کر پسند کر آئے کسی کو؟" ادھر ادھر کی مختلف باتوں کے بعد فاخرہ پوچھ بیٹھی اس سے پہلے کہ اماں کچھ بولتیں الماس بول پڑی۔

"ارے کہاں بھابھی۔۔۔ آپ کے بغیر تو ہم لوگ کہیں جاتے ہی نہیں اصل میں فی الحال بھائی نے ہی منع کر دیا ہے۔"

"ہیں۔۔۔ منع کر دیا؟ مگر کیوں؟" فاخرہ کے چہرے پر اطمینان مگر لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ۔۔۔ بس۔۔۔ کہہ رہے ہیں کہ ابھی میں بہت مصروف ہوں بعد میں دیکھی جائے گی اب کیا کر سکتے ہیں اس لیے چپ کر کے بیٹھ گئے ہیں۔"

"اچھا! چلو جیسے اس کی مرضی۔" الماس نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا اس کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔ الماس اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی۔

"توبہ۔۔۔ کتنی خود غرض اور چالاک عورت ہے اپنے مطلب کے لیے میرے بھائی کو استعمال کر رہی ہے۔" اسماء کا فون آیا تھا اس نے سب کو اسلام آباد بلایا تھا۔ ایاز تو اپنی مصروفیت کی وجہ سے نہیں جا سکتا تھا اس نے اماں ابا اور الماس کی سیٹیں کنفرم کروا کر انہیں اسلام آباد روانہ کر دیا۔ الماس جانتی تھی کہ اسماء نے کیوں بلوایا ہے اس نے اماں ابا سے بھی ذکر کر دیا تھا مگر فاخرہ کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی ایاز کو بتانا بھی فی الحال مناسب نہیں تھا ورنہ اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا وہ فاخرہ کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیتا۔

☼ ☼ ☼

اسماء نے دو تین لڑکیاں دیکھ رکھی تھیں اماں اور الماس بھی دیکھ لیتیں تو بات آگے بڑھائی جاتی اسماء کے شوہر سرمد کے دوست کی بہن سبین ان لوگوں کو پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی۔ وہ جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی سادہ بھی پڑھی لکھی، سلجھے ہوئے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لیے اس کے ہر انداز میں نفاست تھی اماں کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ فوراً" سے پیشتر بات پکی کر کے سبین کو انگوٹھی پہنا دیں مگر ایاز کا عندیہ لینا ضروری تھا اور جب اسماء نے ایاز سے فون پر بات کر کے سبین کے متعلق بات کی تو وہ چند لمحے چپ رہ کر بولا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، میں نے تو سب کچھ اماں اور تم لوگوں پر چھوڑا ہوا ہے لیکن۔۔۔ فاخرہ بھابھی سے بھی مشورہ کر لو تو اچھا ہے۔۔۔ بلکہ میں ایسا کرتا ہوں کہ فاخرہ بھابھی کو اسلام آباد بھیج دیتا ہوں اچھا ہے وہ بھی دیکھ لیں گی ٹھیک ہے نا؟"

"پلیز ایاز۔۔۔ ایسا مت کرنا اب تک کتنی لڑکیوں کو وہ ناپسند کر چکی ہیں یہاں بھی اگر انہوں نے ایسا کیا تو سرمد کو اچھا نہیں لگے گا، میں خود فاخرہ بھابھی سے بات کر لوں گی یہ تم مجھ پر چھوڑ دو ہم ابھی کون سا کوئی رسم کر رہے ہیں اللہ نے چاہا اور ایسا وقت آیا تو فاخرہ بھابھی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا فی الحال میں ان سے بات کر کے انہیں سبین کے بارے میں بتا دیتی ہوں او کے۔" اسماء نے فاخرہ سے بات تو کی مگر کچھ ایسے کہ فاخرہ جز بز ہو کر رہ گئی وہ جان چکی تھی کہ اب اس کا کوئی بھی پینترا کامیاب نہیں ہو سکے گا یہ لوگ اب ایاز کی شادی کروا کر ہی دم لیں گے۔۔۔ پھر سارے معاملات طے ہوتے گئے ایاز فاخرہ کو لے کر اسلام آباد آگیا تھا سبین کو دیکھ کر جہاں ایاز کا دل میٹھی سی تال پر دھڑکا تھا وہیں فاخرہ اسے دیکھ کر من ہی من سلگ اٹھی تھی یہ لڑکی تو پوری ساحرہ تھی بہت جلد ایاز کو اپنے سحر میں جکڑ لے گی مگر وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی یہاں تو سب کچھ طے ہو چکا تھا سو وہ بد دلی سے اس سادہ سی رسم میں شریک ہوئی تھی سبین کو منگنی کی انگوٹھی پہناتے ہوئے ایاز نے اپنی ماں بہنوں کی پسند کو دل ہی دل میں سراہا تھا شادی ایک سال بعد ہونا قرار پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

کراچی واپس آکر ایاز کو پتا چلا کہ وہ اپنا دل تو وہیں اسلام آباد میں چھوڑ آیا ہے صرف چند دنوں میں ہی وہ سبین کی محبت میں بری طرح گرفتار ہوا تھا اپنی یہ تبدیلی اسے بہت اچھی لگی تھی اکثر سبین سے فون پر بات ہو جاتی وہ بھی اسے مس کرتی تھی اور اس بات کا اظہار وہ ایاز کے بار بار پوچھنے پر بہت جھجکتے ہوئے کر پاتی تھی گو کہ وہ بہت روشن خیال گھرانے سے تعلق رکھتی تھی مگر اس کے اندر فطری شرم و حیا بدرجہ اتم پائی جاتی تھی ایاز خوش تھا کہ اسے ایک باکردار اور خوبصورت لڑکی کی ہمراہی نصیب ہوئی تھی ادھر اس کے گھر والے بھی اس رشتے سے بہت خوش تھے ایک صرف فاخرہ تھی جو جل بھن کر کباب ہوئی جا رہی تھی مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنی یہ جلن ظاہر نہیں کر سکتی تھی کسی پر بھی نہیں حتیٰ کہ ریاض احمد کے سامنے بھی نہیں ورنہ وہ اسے اچھی طرح لتاڑتے بس خود اپنی ہی آگ میں جل رہی تھی۔

ایاز کے گھر شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اسے بھی ان تیاریوں میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی مگر اس نے بہانہ کر کے ٹال دیا تھا خوامخواہ وہاں جا کر دل برا کرنے کا کیا فائدہ؟ وہ خوش ہوتی مخلص ہوتی تو ضرور بڑھ چڑھ کر ان کی خوشیوں میں شریک ہوتی اسے تو ہر وقت بس اپنے مستقبل کی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر شادی کر کے ایاز کی نظریں بدل گئیں تو کیا ہوگا؟ کاش صبا کم بخت مان جاتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا اب اسے رہ رہ کر صبا پر غصہ آتا کیا کیا نہ سوچا تھا اس نے اس کا پکا پکا ارادہ تھا کہ وہ صبا کی شادی ایاز کے ساتھ کروائے گی اسے یقین تھا کہ ایاز اس کی بات کبھی نہیں ٹالے گا مگر اس کی اپنی اولاد نے اسے دھوکہ دیا جب اس نے صبا کو اس معمولی سے نوجوان کے ساتھ پینگیں بڑھاتے دیکھا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

ناصر نام کا یہ لڑکا جواد کا دوست تھا جب وہ پہلی مرتبہ جواد سے ملنے آیا تبھی فاخرہ کو پسند نہیں آیا تھا ایک تو وہ جواد سے عمر میں کافی بڑا تھا دوسرے مالی لحاظ سے بھی عام سا تھا اور اب اس کی اپنی بیٹی اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی فاخرہ نے تو اپنا سر ہی پیٹ لیا تھا وہ اس بے وقوف لڑکی کے لیے کیا سوچے بیٹھی تھی اور وہ کیا کرنے پر تل گئی تھی۔ صبا کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

"شادی کروں گی تو صرف ناصر سے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" اور ایاز کا نام سن کر تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔

"ایاز بھائی سے شادی۔۔۔؟ آپ کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔۔۔ وہ بھائی ہیں میرے، آپ نے ایسا سوچا

بھی کیسے؟"

"ارے تو کون سا سگا بھائی ہے؟ آئی بڑی وہاں سے مجھے سمجھانے والی زمانے بھر کی بے وقوف۔۔۔ سونے کی کان کو چھوڑ کر کوئلے کی کان میں گھس رہی ہے ارے۔۔۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ساتھ مقدر بھی سیاہ ہو جائے گا تو آخر سمجھتی کیوں نہیں ہے؟ دیکھ میری بات مان جا۔۔۔ چھوڑ دے اس دو ٹکے کے چھوکرے کا خیال ساری زندگی عیش کرے گی۔۔۔ ایاز کے پاس بہت دولت ہے رانی بن کر راج کرے گی تو۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے رانی بننے کا فضول باتیں مت کریں۔۔۔ میں ناصر سے پیار کرتی ہوں اسی سے شادی کروں گی بس میں نے کہہ دیا ہے۔" صبا انتہائی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہی تھی فاخرہ کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

"اچھا۔۔۔ دیکھتی ہوں میں، تو کیسے اس منحوس لڑکے سے شادی کرتی ہے وہ حشر کروں گی تیرا کہ تو یاد کرے گی اور آئے ذرا اب وہ کمینہ اس گھر میں ٹانگیں نہ توڑ دیں تو کہنا وہ یہاں جواد کے بہانے تجھ سے ملنے آتا ہے نا دیکھتی ہوں کیسے ملاقاتیں ہوتی ہیں تم دونوں کی۔"

"اماں اگر تم نے میرے ساتھ زیادہ زور زبردستی کی نا تو اچھا نہیں ہو گا۔۔۔ میں بتا رہی ہوں۔" صبا بے خوفی سے اس کے سامنے سینہ تانے بول رہی تھی اس کی آنکھوں میں کوئی لحاظ تھا نہ لہجے میں مروت تھی تب اس لمحے فاخرہ یکدم ڈر گئی تھی جب جوان اولاد خاص طور پر لڑکی اس طرح بے دید ہو جائے تو ماں باپ اسی طرح خوف زدہ ہو جاتے ہیں عزت جیسے تلوار بن کر سر پر لٹکتی رہتی ہے فاخرہ بھی اس دو دھاری تلوار کی خوفناک کاٹ سے کانپ اٹھی تھی تب اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا صبا کو پیار محبت سے رام کرنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھوں پر ناصر کی محبت کی ایسی دبیز پٹی بندھی تھی کہ وہ کچھ اور دیکھ ہی نہیں پا رہی تھی فاخرہ کئی دن تک اس پتھر سے سر پھوڑتی رہی مگر اس کی وہی رٹ تھی تب اسے مجبوری کا یہ سودا کرنا ہی پڑا مگر اس کے دل کی کھٹک آج تک نہ گئی تھی اب جبکہ ایاز کی شادی ہونے والی تھی تو رہ رہ کر یہ کھٹک اسے تڑپاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایاز کی شادی میں تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا تھا اس دوران الماس کا رشتہ بھی طے پا گیا اب یہ دونوں شادیاں اکٹھے ہونا تھیں گھر میں ایک ساتھ دو دو شادیوں کا سلسلہ ہوا تو مصروفیت بھی ایکدم بڑھ گئی اسماء بھی اسلام آباد سے آگئی تھی۔ ادھر فاخرہ کو بھی مجبوراً ان تیاریوں میں شامل ہونا پڑا روز بازار کے چکر لگتے ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی اور خوبصورت چیزیں خریدی جاتیں فاخرہ جی ہی جی میں کلستی رہتی کیسے پانی کی طرح پیسہ بہایا جا رہا تھا اس کا بس چلتا تو وہ ہر چیز کو آگ لگا دیتی مگر بس چلتا تب نا۔۔۔ وہ جتنی ناخوش تھی ریاض احمد اور اس کی اولاد اتنے ہی خوش تھے یوں لگتا جیسے ریاض احمد کے اپنے سگے بیٹے کی شادی ہو رہی ہو اپنی بیماری کی وجہ سے روز تو نہیں مگر ہفتے دس دن میں ایک چکر ضرور ایاز کے گھر کا لگاتے تھے۔ ایاز کے ابا امیر احمد سے ان کی ویسے بھی گاڑھی چھنتی تھی لائبہ اور جواد بھی بڑھ چڑھ کر ان معاملات میں شامل ہو رہے تھے حالانکہ ابھی شادی میں تین مہینے باقی تھے مگر ایاز کے گھر کی رونقیں عروج پر تھیں۔

اس روز فاخرہ گھر میں اکیلی تھی سب لوگ ایاز کی طرف گئے ہوئے تھے ریاض احمد نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر وہ نہ گئی دل ہی نہیں چاہتا تھا وہاں جانے کو سب کے دمکتے ہوئے چہروں کو دیکھنے کی اس میں اب ہمت نہیں رہی تھی اسے تو بس دن رات آنے والے وقت کی فکر کھائے جاتی تھی انہی فکروں میں گھری وہ۔۔۔ روزمرہ کے معاملات نبٹا رہی تھی دیوار گیر گھڑی اس وقت شام کے ساڑھے چھ بجا رہی تھی ابھی ریاض احمد اور بچوں کے آنے میں کافی وقت تھا اکیلے گھر میں اسے وحشت سی ہونے لگی ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اب کیا کرے اپنی بوریت دور کرنے کے لیے کہ دروازے پر بیل بجنے لگی۔

"ہائیں۔۔۔ اتنی جلدی آگئے یہ لوگ؟" اس نے دروازہ کھولا تو صبا تھی صبا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونک پڑی تھی صاف لگ رہا تھا کہ وہ روتی ہوئی آئی ہے۔

"کیا ہوا؟ سب خیر تو ہے؟" وہ صبا کا ہاتھ تھام کر اندر لے آئی گھر میں آتے ہی صبا اس کے گلے لگ کر رونے لگی فاخرہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"ارے کچھ بول بھی تو۔۔۔ کیا ہوا ہے؟"

"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ وہ ناصر۔۔۔" وہ بہ مشکل روتے روتے بولی۔

"ناصر۔۔۔ ؟ ناصر کو کیا ہوا؟"

"اماں ناصر نے مجھے گھر سے نکال دیا۔" وہ اپنی سسکیاں روک کر بڑی مشکل سے بولی۔

"گھر سے نکال دیا۔۔۔ ارے ایسے کیسے نکال دیا۔۔۔ اس کی یہ جرات۔۔۔ اچھا تو بیٹھ میں تیرے لیے پانی لاتی ہوں پھر مجھے ساری بات بتانا اس کا تو میں وہ حشر کروں گی اس کی ہمت کیسے ہوئی تجھے گھر سے نکالنے کی۔" وہ اسے صوفے پر بٹھا کر پانی لینے چلی گئی۔

"ہاں اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟" صبا کچھ بہتر ہوئی تو فاخرہ نے پوچھا۔

"بس اماں۔۔۔ ہماری لڑائی ہوئی تھی اور اس نے مجھے غصے میں گھر سے جانے کے لیے کہہ دیا مجھے بھی اتنا غصہ آیا کہ میں چلی آئی۔"

"دیکھ صبا مجھے صحیح بات بتا۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی اس نے کہا اور تم نے گھر چھوڑ دیا۔۔۔ کس بات پر لڑائی ہوئی تھی؟" وہ بغور صبا کو دیکھ رہی تھی صبا نظریں چرانے لگی۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں صبا۔۔۔ بتاتی کیوں نہیں؟"

"وہ۔۔۔ اماں میں نے اس سے ایاز بھائی کے گھر جانے کی اجازت مانگی تھی میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں بھی وہاں جاؤں لائبہ بتا رہی تھی کہ آج کل وہاں بڑی رونق لگی ہوئی ہے اس لیے بس۔۔۔"

"تو یہ کون سی لڑنے کی بات ہے بھلا؟"

"اماں ناصر، ایاز بھائی کو پسند نہیں کرتا نا اس لیے اس نے مجھ سے جھگڑا شروع کر دیا اور بس بات بڑھتی چلی گئی۔"

"او ہو بڑا آیا ایاز کو ناپسند کرنے والا۔ اپنی شکل دیکھی ہے اس نے کبھی آئینے میں؟ پسند نہیں کرتا یا جلتا ہے اس سے؟" فاخرہ کو تو آگ ہی لگ گئی۔

"اور کیا کیا کہتا ہے وہ ایاز کے بارے میں؟"

"وہ کہتا ہے کہ اس شخص کی تم لوگوں کے ساتھ جب کوئی رشتہ داری نہیں ہے تو وہ کیوں تم لوگوں پر اتنا مہربان ہے؟ آزادانہ تمہارے گھر میں آتا جاتا ہے اور تو اور اماں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تمہاری ماں نے اس پر کالا جادو کروایا ہے ورنہ کوئی بھی اپنی دولت اس طرح غیروں پر نہیں لٹاتا اس بات پر ہمارا پہلے بھی کئی بار جھگڑا ہو چکا ہے بس اماں اس کی انہی باتوں کی وجہ سے لڑائی ہوئی ہے۔" جیسے جیسے صبا بتاتی جا رہی تھی فاخرہ کا پارہ ہائی ہوتا جا رہا تھا۔

"اس کی یہ ہمت وہ مجھے جادوگرنی کہتا ہے۔ تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ خیر۔۔۔ اچھا ہوا جو اب بھی بتا دیا اب دیکھنا میں کیا حال کرتی ہوں اس کمینے کا۔ ایسا سبق سکھاؤں گی کہ یاد کرے گا۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں اماں آپ کچھ مت کیجیے گا خوامخواہ بات بڑھ جائے گی۔" صبا ماں کے تیور دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

"بڑھتی ہے تو بڑھنے دو۔ تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی زبان کو اگر ابھی لگام نہ دی تو وہ اور شیر ہو جائے گا اور بکواس کرتا رہے گا۔"

"مگر اماں۔۔۔"

"بس اب زیادہ اگر مگر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فاخرہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھ لیا نا اپنی مرضی کرنے کا نتیجہ۔۔۔ اسی دن کے لیے میں تجھے سمجھاتی تھی مگر اس وقت تو تیری عقل پر پردے پڑ گئے تھے ماں دشمن نظر آتی تھی اب پتا چلا کہ کیوں میں اس شادی کے خلاف تھی۔۔۔ خیر۔۔۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔ بگڑے کو درست کرنا آتا ہے مجھے۔" کسی خیال سے فاخرہ کی آنکھیں چمک اٹھی

تھیں صبا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کیا کرنے والی ہیں اماں؟ مجھے بھی تو بتائیں۔"

"بتا دوں گی۔۔۔ زیادہ بے صبری نہ ہو اور ایک بات اچھی طرح سمجھ لینا میں جو بھی کروں گی تیرے ہی فائدے کے لیے کروں گی اس لیے اب بیچ میں اپنی ٹانگ مت اڑانا ایک بار تو نے اپنی مرضی کی تھی اب میری باری ہے۔۔۔ میری بات مانے گی تو ہمیشہ فائدے میں رہے گی ورنہ اسی طرح آئے دن روتی دھوتی ماں کے دروازے پر آکر بیٹھ جایا کرے گی میرا خیال ہے کہ اب تک تیرے سر سے عشق کا بھوت اتر گیا ہوگا اگر نہیں اترا تو اتار دے ناصر کی اصلیت آگئی نا سامنے۔۔۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی طعنے دے دے کر تیری زندگی حرام کرتا رہے گا اب میری بات غور سے سن اور جیسا میں کہوں کرتی جاؤ دیکھنا کیسے سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا جائے گا۔"

"لیکن اماں آپ آخر سوچ کیا رہی ہیں؟ ایسا کیا کریں گی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟"

"یہ تو تم مجھ پر چھوڑ دو' اپنی ماں کی عقل پر بھروسہ تو کرو' اگر پہلے ہی میری بات مان لی ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔۔۔ چلو اب یہ رونا دھونا بند کرو اور آرام سے یہاں رہو اور خبردار ناصر سے بات کرنے کی یا اس سے ملنے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس وقت لوہا گرم تھا اس لیے فاخرہ نے بہت سوچ سمجھ کر چوٹ لگائی تھی اس کے شاطر دماغ نے بہت دور تک سوچ لیا تھا بہت صحیح وقت پر یہ فتنہ کھڑا ہوا تھا یہی وہ موقع تھا جو بیٹھے بٹھائے اسے مل گیا تھا اور اس وقت اس موقع سے فائدہ اٹھانا فاخرہ جیسی عورت کا ہی کمال تھا اس کے دماغ نے جس تیزی سے تانے بانے بنے تھے وہ خود ہی اپنی عقل پر حیران رہ گئی تھی بس یہ صبا اگر پھر کوئی گڑ بڑ نہ کرتی اور اس کی ہدایات پر عمل کرتی تو سارے دلدر دور ہو جاتے اتنے دنوں سے فاخرہ کو جو فکر کھائے جا رہی تھی یکدم ہی ختم ہو گئی تھی بہت عرصے بعد وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی اگلا قدم کیا اٹھانا ہے

وہ اچھی طرح سے جانتی تھی ایاز کے گھر فون کرتے وقت وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ فون ایاز ہی اٹھائے اسے پتا تھا کہ ایاز اس وقت گھر پر ہی ہوگا اس کی دعا قبول ہوئی فون ایاز نے ہی ریسیو کیا تھا ایاز کی آواز سنتے ہی فاخرہ چھکوں پھکوں رونے لگی تھی ایاز اسے یوں روتے سن کر بری طرح گھبرا اٹھا۔

"کیا ہوا بھابھی۔۔۔ کیوں اس طرح رو رہی ہیں۔۔۔ خدا کے لیے کچھ بتائیے بھی۔"

"کیا بتاؤں بھیا۔۔۔ تم فوراً اپنے بھائی کو بھیج دو ہم تو سچ لٹ ہی گئے۔"

"اف بھابھی آخر ہوا کیا ہے کچھ تو بولیے میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔۔۔ اچھا دیکھیں۔۔۔ آ۔۔۔ آپ روئیں مت۔۔۔ میں خود ریاض بھائی کے ساتھ آتا ہوں۔ آپ حوصلہ رکھیں۔۔۔ ہم بس ابھی پہنچتے ہیں۔" ان لوگوں کے یہاں پہنچنے تک فاخرہ سارا ڈرامہ ترتیب دے چکی تھی اچھی طرح صبا کو سبق پڑھا چکی تھی صبا بھی شاید روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آچکی تھی اسی لیے تو ماں کی ہدایات پر بلا چون و چرا عمل کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایاز کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں تھیں فاخرہ اور صبا کے آنسو اسے بے چین کر رہے تھے ریاض احمد کی پریشانی بھی قابل دید تھی ان کا خیال تھا کہ بات چیت کے ذریعے اس مسئلے کا حل نکالا جائے ایاز بھی ان کا حامی تھا مگر فاخرہ نے یہ تجویز سرے سے مسترد کر دی تھی وہ تو اس مسئلے کو حل کرنا ہی نہیں چاہتی تھی بلکہ مسئلہ جتنا زیادہ الجھتا اتنا ہی اس کے حق میں اچھا ہوتا اس کا بس ایک ہی مطالبہ تھا کہ صبا کو طلاق دلوائی جائے۔

"بس میری بیٹی اب اس خبیث کے ساتھ نہیں رہے گی میں نے کہہ دیا ہے۔"

"مگر فاخرہ۔۔۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوگی بیٹی کو طلاق دلوا کر ساری عمر کے لیے گھر بٹھا لیں؟

نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں خود ناصر سے بات کروں گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے بات کرنے۔۔۔ آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟ میری بیٹی ساری زندگی اس کے جوتے کھاتی رہے ایاز کے نام کا طعنہ سنتی رہے؟ اس سے اچھا ہے کہ یہ ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی رہے مجھے یہ منظور ہے بجائے اس کے کہ یہ وہاں خوار ہوتی رہے۔" اس کے انداز میں بڑی قطعیت تھی۔

"اگر آپ کہیں بھابھی تو میں ناصر سے بات کروں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ غلط سوچ رہا ہے اپنے بارے میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔ ہو سکتا ہے بات اس کی سمجھ میں آجائے ہمیں اتنی جلد بازی میں کوئی بھی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔" یہی سب کرنا ہوتا تو فاخرہ اکیلی ہی کافی تھی مگر اس کا مقصد تو کچھ اور تھا اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار تھی اس نے ریاض احمد اور ایاز پر اچھی طرح واضح کر دیا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر ناصر سے مصالحت پر تیار نہیں ہے صبا کو اس نے پوری طرح اپنے کنٹرول میں کیا ہوا تھا اس کی پلاننگ کے مطابق صورت حال دن بدن گمبھیر ہوتی چلی گئی ناصر نے صبا سے ملنے اور اسے منانے کی کوششیں کیں مگر فاخرہ نے اس کی ایسی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا اول تو اس نے اسے صبا سے ملنے ہی نہیں دیا الٹا اسے بری طرح ذلیل کر کے گھر سے نکال دیا ناصر مرد تھا اپنی اتنی ذلت پر وہ بھی بھڑک اٹھا اور اول فول بکتا ہوا وہاں سے چلا گیا جو بھی ہو رہا تھا وہ فاخرہ کے پلان کے عین مطابق تھا ناصر کی ماں بیٹے کا گھر بچانے کی خاطر خود چل کر بہو کو منانے آئی تھی فاخرہ نے اس کے بھی خوب لتے لیے تھے ایسی زبان استعمال کی کہ ناصر کی ماں کانوں کو ہاتھ لگا کر وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی ناصر کی برداشت جواب دے گئی اور غصے میں آکر اس نے وہی کیا جو فاخرہ چاہتی تھی۔

جس دن صبا کو طلاق کے کاغذات موصول ہوئے تھے اس دن فاخرہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا صبا البتہ گھٹنوں میں سر دے کر بہت دیر تک روتی رہی تھی جو بھی تھا اس نے ناصر سے محبت کی تھی اور اس کی خاطر اس نے اپنی ماں سے بھی جھگڑا کیا تھا صرف ایک سال بعد ہی اس محبت کا ڈراپ سین ہو گیا تھا اس کا رونا دھونا فاخرہ کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"بے وقوف شکر نہیں کرتی کہ اس بدبخت سے جان چھوٹ گئی بلاوجہ رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہے۔ دیکھ لی اس کی محبت؟ ایسا ہی چاہنے والا ہوتا تو مرتے مر جاتا پر طلاق نہ دیتا اب یہ سوگ منانا چھوڑ اور آگے کی فکر کر۔"

دوسری طرف ایاز کے گھر میں شادی کی تیاریاں دن بہ دن زور پکڑتی گئیں مگر اس نے محسوس کیا تھا کہ ایاز بجھا بجھا سا رہنے لگا ہے اس کے چہرے پر وہ رونق اور خوشی کی وہ چمک مفقود ہو گئی تھی جو صبا والے واقعے سے پہلے نظر آتی تھی اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود کو اس سانحے کا ذمہ دار سمجھتا تھا اس پر فاخرہ دن رات اٹھتے بیٹھتے یہی راگ الاپتی تھی اور ایاز کے سامنے تو خاص طور سے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتی ریاض احمد کے آنکھیں دکھانے کے باوجود یہ ذکر ضرور چھیڑتی تھی تب ایاز کے چہرے پر خفت سی چھا جاتی اور اس کا حساس دل مزید دکھی ہو جاتا جیسے جیسے شادی کے دن نزدیک آرہے تھے فاخرہ کی لن ترانیاں بڑھتی جا رہی تھیں صبا کی عدت بھی بس ختم ہونے کو تھی فاخرہ نے ایاز کو فون کر کے گھر بلوایا تھا آج وہ کوئی فیصلہ کرنے کے موڈ میں تھی۔ آر یا پار اس اونٹ کو اب کسی کروٹ بیٹھنا چاہیے تھا۔

ایاز کے آنے سے پہلے ہی وہ گراؤنڈ تیار کر چکی تھی وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ فاخرہ رو رہی تھی صبا کو دیکھ کر بھی لگتا تھا کہ وہ روتی رہی ہے گھر کا ماحول عجیب بوجھل سا ہو رہا تھا ایاز چور سا بن گیا ہر بار وہ جب بھی یہاں آتا تھا اس کے دل کا بوجھ بڑھ جاتا تھا وہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا تھا ریاض احمد اس وقت دواؤں کے زیر اثر سو رہے تھے فاخرہ کے لیے یہ صورت حال

ساز گار تھی ورنہ ریاض احمد کی موجودگی بنا بنایا کھیل بگاڑ بھی سکتی تھی۔

"آپ کو مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی تھی بھابھی؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایاز نے پوچھ لیا۔

"کیا بات کروں بھیا... ؟ بات کرنے کے لیے اب رہ ہی کیا گیا ہے۔ صبا کی حالت دیکھ رہے ہو نا تم؟ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ دن رات روتی رہتی ہے... اتنی سی عمر میں اجڑ گئی میری بچی اس کم بخت ناصر نے زندگی برباد کر کے رکھ دی میری بیٹی کی... میں سوچ رہی تھی کہ دو چار دن میں اس کی عدت پوری ہو جائے گی اگر پھر سے اس کا گھر بس جائے تو یہ سنبھل جائے گی... تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ بڑی گہری نگاہوں سے ایاز کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی... اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہو گا آپ کی نظر میں اگر کوئی ہے تو ضرور بات چلایئے میں ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہوں۔"

"بات میری نہیں ہے ایاز... یہ بے وقوف لڑکی کسی طرح راضی نہیں ہوتی ہیں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں مگر اس کے دل میں پتا نہیں کون سا ڈر بیٹھ گیا ہے اب دیکھو نا ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ ساری عمر گھر تو نہیں بیٹھی رہے گی؟ میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے۔ تم ہی سمجھاؤ تمہاری بہت عزت کرتی ہے شاید تمہاری بات مان لے۔" فاخرہ بہت سوچ سمجھ کر کھیل رہی تھی اتنی چالاکی سے کہ ہارنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

"میں صبا کو بھیجتی ہوں ذرا اچھی طرح اسے سمجھاؤ کہ کچھ عقل سے کام لے۔" اور صبا نے ماں کے سکھائے ہوئے تمام سبق اچھی طرح رٹ لیے تھے وہ ایاز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہی تھی۔

"میں کیوں دوبارہ شادی کروں؟ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ کوئی دوسرا مجھے آپ کے نام کے طعنے نہیں دے گا؟ ایک بار آپ کی وجہ سے اجڑ چکی ہوں اب پھر سے یہ رسک لینے کو تیار نہیں ہوں نہیں کرنی مجھے شادی وادی۔ بتا دیجیے امی کو بھی کہ مجھے مجبور نہ کریں۔"

"لیکن صبا۔ اس طرح سے تو زندگی نہیں گزرے گی نا ضروری تو نہیں کہ ہر بار ہی ایسا ہو دیکھو میری بات...."

"پلیز ایاز بھائی۔" صبا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسا نہ ہو... میں بار بار خود کو تجربے کی نذر نہیں کر سکتی، میں پہلے ہی بہت تکلیف اٹھا چکی ہوں... آپ کو کیا پتا؟ ناصر کیسی کیسی باتیں کرتا تھا وہ باتیں میں آپ کے سامنے دہرا بھی نہیں سکتی۔ مجھ میں اب اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ پھر سے وہ زہریلی باتیں سنوں، آپ میری فکر چھوڑیں... مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

"ایسا مت کرو صبا۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے... تمہاری اس حالت کا ذمہ دار میں ہوں... کیسے تمہیں اس حال میں رہنے دوں؟"

"تو کیا کریں گے آپ... ؟ جایئے... جا کر اچھی طرح سوچیں کہ مجھے اس تکلیف سے نکالنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں آپ؟" وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی باہر کھڑی فاخرہ جو ساری باتیں سن رہی تھی اس نے دل ہی دل میں بیٹی کی کارکردگی کو سراہا اور اندر چلی آئی ایاز کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ سمجھ چکی تھی کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں چہرے پر پتھریلے تاثرات تھے فاخرہ کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"مم... میں چلتا ہوں بھابھی... پھر آؤں گا... آ... آپ صبا سے کہہ دیجیے اب اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہو گا جو پہلے ہو چکا نکال دے اپنے دل سے سارے وہم اور خوف جلد ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ بہت جلد...." وہ کہہ کر رکا نہیں فوراً چلا گیا تھا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا وہ فاخرہ کے پلان کے تو عین مطابق تھا مگر باقی لوگوں کے لیے کسی جھٹکے سے کم نہیں تھا خاص طور پر ایاز کے گھر والے تو جیسے کسی

سانحے میں گھر گئے تھے الماس تو بے تحاشا رو پڑی تھی یہی حال اسماء کا تھا اسے تو یہ فکر لاحق تھی کہ سبین کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے وہ سرمد کے دوست کی بہن تھی اور سرمد یہ بات کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ اس کی دوستی اور تعلقات خراب ہوں۔

"ایاز پلیز ایسا مت کرو کچھ تو سوچو... سرمد تو میرا حشر کر دیں گے اور ان شریف لوگوں کا تمہیں ذرا خیال نہیں ہے؟ اس سارے قصے میں ان لوگوں کا کیا قصور ہے تم کیوں ہم سب کو خوار کرنے پر تل گئے ہو؟ سبین کے بارے میں بھی سوچا ہے تم نے؟ اس پیاری لڑکی کو تم کس بات کی سزا دے رہے ہو؟" ایاز کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی سبین کا نام سن کر پہلے اس کا دل اس نام پر دھڑک اٹھتا تھا اور اب جیسے سکڑ کر رہ گیا۔

سبین جس کی محبت اس کی شریانوں میں لہو بن کر دوڑتی تھی اور جس سے ملن کی گھڑی بس آیا ہی چاہتی تھی اس تھوڑے سے عرصے میں وہ اس کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو چکا تھا مگر حالات نے اسے ایک ایسے موڑ پر کھڑا کر دیا تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے بڑی مشکل سے اس نے اپنے دل کو بہلایا وہ خود کو صبا کی بربادی کا ذمہ دار سمجھتا تھا اور پھر ریاض بھائی کے احسانات اس پر اتنے تھے کہ اس نے یہ مشکل فیصلہ آخر کر ہی لیا مگر اس کی بہنیں یہ فیصلہ ماننے کو تیار نہ تھیں الماس نے رو رو کر اپنا حشر کر لیا تھا جبکہ اسماء نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر رکھی تھی اماں ابا تو بس بے چارے خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے وہ فیصلہ کر چکا تھا اور اپنے اس فیصلے پر اٹل تھا ذرا سی بھی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی سبین کو بھی وہ اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا تھا وہ کتنی ہی دیر خاموش رہی تھی۔ فون پر صرف اس کی سانسوں کا زیر و بم سنائی دے رہا تھا اور پھر اسی خاموشی سے اس نے فون رکھ دیا۔ ایاز نے اس کے بعد کئی بار کوشش کی تھی اس سے بات کرنے کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

دو دن بعد سرمد بھی اسلام آباد سے آ گیا اسماء بہت ڈری ہوئی تھی کہ سرمد پتا نہیں اس بات پر کس طرح ری ایکٹ کرے گا مگر حیران کن بات یہ ہوئی کہ سرمد کے ہر انداز سے ندامت کا اظہار ہو رہا تھا اسے بالکل بھی خبر نہ تھی کہ یہاں کیا کچھ ہو چکا ہے اس نے سب سے پہلے اسماء سے وہ بات کی تھی جسے سن کر اسماء حیران رہ گئی سرمد کہہ رہا تھا کہ سبین نے اس شادی سے انکار کر دیا ہے وہ کسی طرح بھی ایاز سے شادی کے لیے رضا مند نہیں ہو رہی۔ سبین کا بھائی احمد جو سرمد کا دوست تھا وہ بہت شرمندہ تھا اپنی بہن کی اس حرکت پر اسماء جانتی تھی سبین کے انکار کی وجہ سبین کی اعلیٰ ظرفی پر اس کا دل رو پڑا اس نے سب کچھ اپنے اوپر لے کر ایاز کو شرمندگی سے بچا لیا تھا یہ اس کی ایاز سے محبت کا ثبوت تھا اس کا جی چاہا کہ وہ سرمد کو سب کچھ سچ سچ بتا دے مگر وہ ایسا نہ کر سکی اس کی مجبوری تھی اگر وہ سرمد کو سچ بتاتی تو اس کا اپنا گھر برباد ہوتا اس لیے اس نے باقی سب کو بھی سختی سے منع کر دیا تھا سرمد کو حقیقت بتانے سے اور ایاز کے آگے تو اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے ایاز اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر رو دیا۔

"مم... میں کیا کروں اسماء؟ کاش تم اندازہ کر سکتیں کہ میں کس اذیت میں ہوں اسے بھلانا میرے لیے ناممکن ہے وہ ہمیشہ میرے دل میں آباد رہے گی یہ تو جو کچھ بھی ہے صرف مجبوری کا سودا ہے۔"

"تم بہت ظلم کر رہے ہو ایاز... خود پر بھی اور اس پر بھی... اب بھی سوچ لو مت کرو یہ سب... پھر سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا... پلیز ایاز... اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرو۔"

"بس... اب دوبارہ یہ بات مت کرنا میں نے بہت مشکل سے یہ فیصلہ کیا ہے تمام امکانات پر غور کر کے... تم جانتی ہو ریاض بھائی اور بھابھی کے مجھ پر کس قدر احسانات ہیں اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں میری اس چھوٹی سی قربانی سے اگر ان لوگوں کا بھلا ہو سکتا ہے تو میں کیسے پیچھے ہٹ جاؤں؟ اور یوں بھی صبا کی بربادی کا ذمہ دار میں ہی تو ہوں تو یہ میرا فرض ہے کہ میں اسے دوبارہ آباد کروں... اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی۔

الماس کو بھی سمجھائیے۔۔۔ تم لوگ اسے میری خوشی سمجھ کر خوش نہیں ہو سکتے؟" پھر سارے کام اپنے مقررہ وقت پر ہوئے فرق صرف یہ تھا کہ بینن کی جگہ صبا دلہن بن کر اس گھر میں آگئی۔ الماس بھی رخصت ہو گئی کچھ دن ٹھہر کر اسماء اور سرمد بھی لوٹ گئے۔

اسلام آباد جا کر اسماء بینن سے ملی اس کے گھر والے بار بار اسماء کے سامنے ندامت کا اظہار کرتے رہے اور اسماء بے چاری شرمندگی سے گڑ کر رہ گئی بینن کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ اتنے سے دنوں میں بینن نچڑ کر رہ گئی تھی اس کی دمکتی ہوئی رنگت زرد پڑ گئی تھی آنکھوں میں جیسے ویرانیوں نے ڈیرے ڈال لیے تھے اسماء روتی رہی اور بینن ضبط کی کڑی منزلیں طے کرتی رہی۔

"چپ ہو جائیے۔۔۔" بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

"رونے سے اگر کچھ حاصل ہو سکتا تو سب سے زیادہ میں آنسو بہاتی۔"

"بینن تم۔۔۔ تم میرے بھائی کو۔۔۔ ہم سب کو معاف کر دو پلیز۔۔۔ ہم سب تمہارے گناہ گار ہیں تمہارے سامنے سر اٹھانے کے بھی قابل نہیں ہیں تم نے ہمیں شرمندگی اور خاص طور پر مجھے بہت بڑے نقصان سے بچایا ہے۔۔۔ اگر سرمد کو پتا چل جائے کہ انکار تم نے نہیں ایاز نے کیا تھا تو وہ پتا نہیں کیا کرتے۔۔۔ میں مر کر بھی تمہارا یہ احسان نہیں اتار سکوں گی۔"

"آہستہ بولیے آپی۔۔۔ اگر کسی نے سن لیا تو غضب ہو جائے گا۔۔۔ میں جانتی تھی اس لیے میں نے یہ قدم اٹھایا تھا اور میں ایاز کو بھی جانتی ہوں آپی۔۔۔ انہوں نے جو کیا ٹھیک کیا انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا وہ اگر یوں نہ کرتے تو مجھے حیرت ہوتی کیونکہ جتنا میں ایاز کو جان پائی ہوں اس کے مطابق انہوں نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے ان جیسا حساس، صاحب دل اور احسان شناس انسان ہی یہ حوصلہ کر سکتا تھا مجھے فخر ہے کہ میں نے ایک بہترین شخص سے محبت کی ہے اور ضروری تو نہیں آپی کہ محبت میں آپ سب کچھ پالیں محبت تو سراسر دینے کا نام ہے ان چند مہینوں میں ایاز نے مجھے جو کچھ دیا ہے وہ میرے لیے بہت ہے مجھے بس دعاؤں کی اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ آپ میرے لیے دعا کریں کہ میرا حوصلہ اسی طرح بلند رہے۔" بینن سے مل کر اس کی باتیں سن کر حیرت کے ساتھ ساتھ اسماء کے دل کا بوجھ بھی کسی حد تک کم ہو گیا تھا اس کا رواں رواں بینن کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو تھا۔

☼ ☼ ☼

صبا کی شادی ایاز سے کیا ہوئی فاخرہ کی گویا پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں اب ایاز اس کا داماد تھا اس کی بیٹی اس گھر کی بہو بن گئی تھی سارے دلدر ہی جیسے دور ہو گئے تھے۔ فاخرہ کو جو ایک خوف دامن گیر تھا کہ شادی کے بعد ایاز اس کے گھر سے آنکھیں پھیر لے گا اب اس خوف کا کہیں نام و نشان نہ تھا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔ صبا جب بھی اس سے ملنے آتی وہ اسے ایاز کو مٹھی میں کرنے کے نت نئے گر بتاتی صبا ماں کی باتیں سن تو لیتی تھی مگر اس کا ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اسے ضرورت بھی کیا تھی ایاز ویسے ہی اس کا بہت خیال رکھتا تھا دنیا کی ہر آسائش اسے میسر تھی جو زندگی اس نے ناصر کے ساتھ گزاری تھی اور اس زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا پھر بھی پتا نہیں کیوں کبھی کبھی ناصر اسے بڑی شدت سے یاد آتا تھا کچی عمر کی اس محبت کو وہ پوری طرح اپنے دل سے کھرچ نہیں سکی تھی دولت کی فراوانی اور شوہر کی توجہ کے باوجود بھی ماضی کی یادیں کبھی کسی وقت اسے ہر شے سے بیگانہ کر دیتی تھیں کبھی کبھی اسے لگتا کہ یہ سب کچھ بہت جلد بازی میں ہو گیا ہے بات اتنی بڑی تھی نہیں جتنی بڑھائی گئی اور جب یہ سوچیں زیادہ شدت سے اس پر حملہ آور ہوتیں تو وہ ڈر جاتی گھبرا کر اردگرد دیکھتی کہ کسی نے اس کے دل کے چور کو دیکھ تو نہیں لیا ان سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لیے بلکہ فرار حاصل کرنے کے لیے وہ ڈرائیور کے ساتھ گھومنے پھرنے نکل جاتی کبھی شاپنگ پر بے دریغ پیسہ خرچ کرتی کبھی مہنگے مہنگے ریسٹورنٹس میں جا کر لنچ، ڈنر کرتی اس سے پہلے وہ ایسے ہوٹلوں میں گئی تھی نہ کبھی اتنی مہنگی اور برانڈڈ چیزیں خرید سکی تھی جس گاڑی میں وہ گھومتی تھی اس سے پہلے اس نے ایسی گاڑی کا تصور بھی نہ کیا تھا ناصر کے پاس تو ایک کھٹارا سی موٹر سائیکل تھی جس پر بیٹھ کر وہ اس کے ساتھ خوب تفریح کیا کرتی تھی جب وہ ناصر کے ساتھ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بائیک پر بیٹھ کر سڑکیں ناپا کرتی تھی تو خوشی اور سرشاری اس کے انگ انگ سے پھوٹتی تھی یوں لگتا جیسے ساری دنیا اس کے قدموں میں ہے اور وہ خود ہوا کے سنگ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہے خوشی اور شادمانی کا احساس اس لمبی سی چمچماتی گاڑی میں بیٹھ کر اسے کبھی نہ ہوا تھا پتا نہیں کیوں؟

وہ خوش ہونا چاہتی تھی آسائشوں سے بھری اس بھرپور زندگی کو جینا بھی چاہتی تھی مگر۔۔۔ ایک کانٹا جو دل میں گڑا تھا اس کی چبھن اسے کبھی کبھی بہت بے چین کر دیتی تھی ماں کی جلد بازی اور لالچی فطرت نے اسے دلی سکون اور سچی خوشی سے محروم کر دیا تھا وہ ماں سے شاکی تھی اس لیے بہت کم وہاں جاتی ایاز البتہ پہلے کی طرح وہاں کی خبر گیری کرتا تھا فاخرہ کی تو یوں لگتا لاٹری نکل آئی ہے ایاز جیسا شاندار اور دولت مند داماد قسمت سے ہی ملتا ہے اور آج کل فاخرہ کی قسمت کے ستارے بلندیوں پر تھے۔

☼ ☼ ☼

ایاز بزنس کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے ملائیشیا جا رہا تھا اس کی خواہش تھی کہ صبا بھی ساتھ چلے شادی کے بعد وہ اسے لے کر کہیں نہیں جا سکا تھا جب اس نے صبا سے چلنے کے لیے کہا تو اس کا خیال تھا کہ صبا نہ صرف خوش ہو جائے گی بلکہ فوراً ملائیشیا جانے کے لیے تیار بھی ہو جائے گی وہ جانتا تھا کہ صبا گھومنے پھرنے کی شوقین ہے مگر اسے حیرت ہوئی جب صبا نے جانے سے انکار کر دیا جب سے شادی ہوئی تھی اس نے محسوس کیا تھا کہ صبا بہت خاموش رہتی ہے پہلے جیسی کوئی بات اس میں تھی ہی نہیں وہ اسے بہت عرصے سے دیکھ رہا تھا وہ ایسی بالکل نہیں تھی جیسی اب نظر آتی تھی وہ بہت زندہ دل ہنسنے ہنسانے والی زندگی سے بھرپور ہوا کرتی تھی مگر ناصر سے شادی اور پھر طلاق نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا ایاز اس کی دلی کیفیت کو سمجھتا تھا وہ محبت اور پھر جدائی کے درد کو بہت گہرائی سے محسوس کر سکتا تھا اس کا اپنا دل بھی تو ٹوٹا تھا بینن کو بھلانا اس کے لیے بھی کوئی آسان نہ تھا کبھی کبھی اس کی یاد ٹیس بن کر دل میں اٹھتی اور پورے وجود میں سرائیت کر جاتی تھی اس لیے وہ صبا کا خیال رکھتا تھا اور اسے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا تھا وہ خود کو صبا کا مجرم سمجھتا تھا ازالے کے طور پر وہ صبا کے قدموں میں سارے جہان کی خوشیاں ڈھیر کر دینا چاہتا تھا مگر اب تک وہ اپنی ان کوششوں میں ناکام رہا تھا اسے ملائیشیا لے کر جانا بھی اس کی انہی کوششوں کا حصہ تھا جس میں وہ تاحال ناکام رہا تھا صبا کے انکار پر وہ اکیلے ہی چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ گہری نیند میں تھی اسے لگا کسی نے آہستہ سے اس کا نام پکارا ہے کسی کی سانسوں کی مہک وہ اپنے بہت قریب محسوس کر رہی تھی یہ بہت مانوس سی مہک تھی اس کی نیند ٹوٹ گئی وہ اس کے قریب تھا بہت قریب۔۔۔

"تا۔۔۔ ناصر۔۔۔ تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"شش۔۔۔ بس خاموش رہو۔۔۔ کچھ مت کہو۔۔۔ اسی طرح لیٹی رہو۔۔۔ میں چلا جاؤں گا تھوڑی دیر تمہیں اور دیکھ لوں پھر چلا جاؤں گا۔" وہ سرگوشی میں بول رہا تھا۔

"تم۔۔۔ تم پاگل ہو گئے ہو ناصر۔۔۔ جاؤ یہاں سے اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟ پلیز جاؤ ورنہ غضب ہو جائے گا۔" وہ اسے پرے دھکیل کر بجلی کی سی تیزی سے بیڈ سے

اتری تھی۔

"صبا سنو... پلیز صبا میری بات سنو۔" ناصر اسے پکار رہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا... جاؤ یہاں سے، خدا کے لیے چلے جاؤ۔" وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے سسک پڑی تھی۔

اس کی آنکھ کھلی تو وہ بری طرح کانپ رہی تھی سارا وجود پسینے سے بھیگا ہوا تھا وہ خواب دیکھ رہی تھی شکر تھا کہ یہ ایک خواب ہی تھا۔ ناصر کے ملبوس کی خوشبو اب بھی اسے اپنی سانسوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی سرگوشیاں اب بھی اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں وہ کتنی دیر تک بستر پر چت پڑی اس خوشبو کو اپنے اندر جذب کرتی رہی اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ناصر کی یادوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ تم نے کیا کیا اماں؟ اپنے عیش کی خاطر میری زندگی سے کھیل گئیں تمہارے لالچ نے آج مجھے کس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ میں کہیں کی بھی نہیں رہی نہ پوری طرح ایاز کی ہو پا رہی ہوں نہ ناصر کو اپنے دل سے نکال پا رہی ہوں تم نے بہت برا کیا ہے میرے ساتھ اماں... بہت برا..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

ایاز کا فون آیا تھا اسے ابھی مزید کچھ دن وہاں رکنا تھا وہ ملائیشیا میں بھی اپنے آفس کی ایک برانچ کھول رہا تھا صبا ان دنوں جس ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی اس حساب سے تو یہ اچھا ہی تھا کہ ایاز یہاں نہ ہو وہ خود سے لڑ لڑ کر تھک گئی تھی ناصر کی یاد اس کی رگوں میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گئی تھی اب اسے پتا چلا تھا کہ عورت اپنی پہلی محبت کیوں نہیں بھول پاتی ناصر کے مقابلے میں ایاز ہر لحاظ سے بہت بہتر تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جس میں صرف ناصر کا خیال بسا تھا اس خیال کو اپنے دل سے کھرچ کھرچ کر نکالنے میں وہ بری طرح ناکام رہی تھی پتا نہیں وہ ناصر کے خیالوں میں یوں ہی کب تک زندہ پائے گی اور شاید کبھی جان بھی نہ پاتی اگر ایک روز اچانک سرِ راہ ناصر سے ملاقات نہ ہو جاتی وہ اس روز ابا کی طبیعت کی خرابی کے باعث اماں کے بار بار بلانے پر وہاں آئی تھی کچھ دیر بیٹھ کر وہ واپس جا رہی تھی گلی کا موڑ مڑتے ہی اس کی نظر ناصر پر پڑی ناصر بھی اسے دیکھ کر تیر کی طرح اس کی طرف لپکا تھا اس نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کا کہا گاڑی رکی تو ناصر قریب آ گیا عجیب سے حلیے میں تھا بڑھتی ہوئی شیو اور ملگجا لباس، صبا کے دل میں عجیب سی کسک اٹھی تھی اسے اس حال میں دیکھ کر وہ دونوں ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے اتنے دنوں کے بعد دیکھا تو جیسے آنکھوں پر اختیار ہی نہ رہا۔

"یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔" بہت دیر بعد صبا کچھ بول سکی تھی۔

"تمہارے بغیر جو حال ہو سکتا تھا وہی ہے... مگر تم تو بیگم صاحب بن گئی ہو نا۔ ٹھیک کیا تم نے بالکل ٹھیک کیا میں تمہیں یہ عیش و آرام کہاں دے سکتا تھا کہاں میری وہ کھڑ کھڑاتی موٹر سائیکل اور کہاں یہ چمکدار اور قیمتی گاڑی... اچھا کیا جو تم نے مجھے لات مار دی... میں اسی قابل تھا۔" ناصر کے لہجے میں ایسی کاٹ تھی کہ صبا کا تمام وجود جیسے زخمی ہو گیا۔

"کاش تم سمجھ سکتے کہ میرے لیے تمہاری وہ کھڑ کھڑاتی موٹر سائیکل کیا تھی۔ میں تو اب بھی اسی جگہ اسی مقام پر کھڑی ہوں جہاں تم سے جدا ہوئی تھی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"جھوٹ... میں تمہاری کسی بات پر اب یقین نہیں کر سکتا تم بھی اپنی ماں کی طرح لالچی اور دولت کی پجاری ہو تبھی تو آج تمہارے یہ عیش ہیں۔"

"نن... نہیں ناصر... مجھ پر یہ الزام مت لگاؤ۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی... یہ... یہ میرا نیا نمبر ہے میں جلد ہی تمہیں فون کروں گی پھر تمہیں پتا چلے گا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔" اس نے جلدی جلدی کاغذ پر اپنا سیل نمبر لکھا اور اسے پکڑا دیا۔

☼ ☼ ☼

ناصر سے ملنے کے بعد اس کی تڑپ اور بے چینی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ عالی شان گھر اسے قید خانہ لگنے لگا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اب کسی کی بیوی ہے۔ وہ آگ سے کھیل رہی تھی۔ آج بھی وہ ناصر سے ملنے جا رہی تھی۔ وہ خود کو اس سے ملنے سے روک ہی نہیں پا رہی تھی۔ ایسی چاہت، اتنی دیوانگی تو تب بھی نہیں تھی جتنی اب تھی، اس بار محبت اپنی پوری شدت کے ساتھ ان دونوں پر حملہ آور ہوئی تھی۔ چھپ چھپ کر محبوب سے ملنے میں ایسا مزا تھا کہ صبا کو کسی چیز کی پروا تھی نہ خوف، وہ تو جیسے دوبارہ جی اٹھی تھی۔ اس کے انگ انگ میں سرشاری لہو بن کر دوڑنے لگی تھی۔ ہونٹ پھر سے مسکرانے لگے تھے۔ آنکھوں کی مانند بڑی چمک لوٹ آئی تھی۔ ایاز واپس آ گیا تھا۔ صبا میں آئی تبدیلی ایسی نہ تھی کہ نظر نہ آتی۔ ایاز نے بھی اس تبدیلی کو نوٹ کیا تھا۔ اس نے اطمینان محسوس کیا۔ اس تبدیلی پر وہ یہی سمجھا تھا کہ صبا نے اپنی نئی زندگی اور حیثیت کو قبول کر لیا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صبا نے اس کی غیر موجودگی میں کون کون سے پہاڑ سر کر لیے تھے۔

وہ آفس سے آیا تو صبا گھر پر نہیں تھی۔ پچھلے تین دنوں سے یہی ہو رہا تھا۔

"پتا نہیں پتر... مجھ سے پوچھ کر یا بتا کر تھوڑی جاتی ہے۔"

"لیکن اماں... آپ تو اس سے پوچھ سکتی ہیں نا۔"

"یہ بھی تو نے خوب کہی... مجھ سے تو وہ بلا ضرورت بات تک نہیں کرتی اور کرتی بھی ہے تو ٹیڑھے منہ سے... ہم تو پتر تیری شادی کر کے اپنے ہی گھر میں اجنبی بن گئے۔ سوچا تھا کہ بہو آئے گی تو گھر کی رونق میں اضافہ ہو گا۔ ساس، بہو مل کر خوب باتیں کیا کریں گے۔ مگر بہو کے تو مزاج ہی نہیں ملتے۔" اماں بے چاری اپنے دکھڑے رونے لگیں۔ ساڑھے آٹھ بج گئے تھے وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ ایاز نے کئی بار اسے فون کیا تھا۔ مگر اس کا موبائل بند تھا۔ فاخرہ کے گھر بھی فون کر کے پتا کر لیا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ اب ایاز غصے کے بجائے پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں وہ کہاں تھی کسی پریشانی میں نہ گھر گئی ہو، خدانخواستہ کوئی حادثہ... اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈرائیور اور گاڑی بھی لے کر نہیں گئی تھی۔ اماں نے بتایا تھا کہ وہ ٹیکسی میں گئی تھی۔ ایاز کے دل میں عجیب عجیب واہمے گھر کرنے لگے تھے۔ ابھی وہ مختلف مقامات پر غور کر رہا تھا کہ وہ آ گئی۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟" اسے اتنا مطمئن دیکھ کر ایاز کا غصہ عود کر آیا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کتنی رات ہو گئی ہے اور ہم لوگ کس قدر پریشان تھے؟"

"اتنی بھی رات نہیں ہوئی ہے ابھی... دس ہی تو بجے ہیں۔" وہ ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر بولی۔

"دس بجے ہیں...؟ شریف عورتیں اس طرح دس بجے رات تک بغیر اطلاع کے گھر سے باہر نہیں رہتیں۔ موبائل کیوں بند تھا تمہارا اور... اور گاڑی لے کر کیوں نہیں گئیں۔"

"شریف عورتیں... آپ کا مطلب ہے میں بدمعاش عورت ہوں... آوارہ ہوں؟ بدچلن ہوں؟" وہ تو ایک دم سے آگ بگولا ہی ہو گئی۔

"صبا؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ میں یہ تو نہیں کہہ رہا ہوں تم تو بالکل ہی الٹی بات کر رہی ہو۔ میں تم سے جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"کیا جواب دوں، موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی تھی اور رہی گاڑی تو مجھے گاڑیوں میں پھرنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور ویسے بھی مجھے دیر سے آنا تھا۔ اس لیے میں ٹیکسی میں چلی گئی... بس یا کچھ اور پوچھنا ہے؟" وہ اتنی بدلحاظی سے بولی کہ ایاز اس کی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ اس کے گھر میں؟ وہ گھر جو اس کے خوابوں کا گہوارہ تھا جسے اس نے بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد حاصل کیا تھا اس کی فضا اتنی بوجھل اور زہر آلود ہو رہی تھی کہ ایاز کی سانس گھٹنے لگی تھی۔ وہ جو

بڑی صلح جو اور نفیس طبیعت کا مالک تھا اس رات اس کے لیے ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ خود کو روکتے روکتے بھی وہ صبا سے استفسار کر بیٹھا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم صبا؟ کیوں کر رہی ہو اس طرح؟"

"کیا کیا ہے میں نے؟" بڑا تیکھا انداز تھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تم کیا کر رہی ہو، تمہارے انداز... تمہارا رویہ مجھے اور اس گھر کو کتنا ڈسٹرب کر رہے ہیں، تمہیں کچھ احساس بھی ہے کہ نہیں؟ کس چیز کی کمی ہے تمہیں؟ اگر ہے تو مجھے بتاؤ میں نے تمہاری ہر خوشی پوری کرنے کا وعدہ کیا ہے اور تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو، میں وعدہ خلاف نہیں ہوں... بولو تو سہی، کیا چاہتی ہو۔" وہ بہت نرمی اور رسانیت سے پوچھ رہا تھا۔ صبا چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے... کیا چاہیے تمہیں۔"

"مجھے جو چاہیے... کیا آپ مجھے وہ دیں گے؟" وہ جھکی نظروں سے اور دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور... تم کہو تو سہی۔"

"ایاز... ایاز... ایاز آپ... آپ مجھے... طلاق..." وہ اٹک اٹک کر بڑی مشکل سے بول پا رہی تھی۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایاز چیخ پڑا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے سارے وجود میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔

"کیوں؟ کیا ہوا رہ گئے نا آپ کے وعدے اور دعوے دھرے کے دھرے۔" بڑا طنزیہ انداز تھا صبا کا، طنز بھرا لہجہ اور تمسخر اڑاتی آنکھیں، ایاز کا دماغ گھوم گیا، صبا کے گال پر پڑنے والا تھپڑ اتنا بھرپور تھا کہ وہ الٹ کر پیچھے کی طرف گری تھی۔

"تمہیں عزت، محبت اور دولت کچھ بھی راس نہیں... جو کچھ تمہیں ملا ہے تم اس کے قابل نہیں تھیں۔ شرم نہیں آئی اتنی گھٹیا بات کرتے ہوئے، ایک طلاق سے تمہارا جی نہیں بھرا تھا، میں خود کو تمہاری بربادی کا ذمہ دار سمجھتا رہا۔ اب پتا چلا کہ تم تو خود ہی گھر بسانے والی عورت نہیں ہو۔"

"ہاں... میں نہیں بسا سکتی آپ کے ساتھ گھر۔ کیونکہ مجھے آپ کی محبت اور دولت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے آپ سے محبت ہے، سن لیا آپ نے مجھے طلاق چاہیے... میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" وہ ہر طرح کے لحاظ کو بالائے طاق رکھ کر چیخنے لگی تھی۔ ایاز کا جی چاہا وہ اس عورت کو گولی مار دے۔ یہ عورت جس کی خاطر وہ اپنی محبت سے دستبردار ہوا تھا، جسے آباد کرنے کے لیے خود برباد ہوا تھا آج وہ عورت بڑی بے شرمی سے اس سے طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر کیوں؟ کس کی خاطر۔

"تو تمہیں طلاق چاہیے؟" وہ بہت ضبط سے کام لے رہا تھا۔

"کیوں چاہیے تمہیں طلاق؟ اب کون سا نیا شکار پھانسا ہے تم نے؟ میں اس تیسرے مرد کا نام پوچھ سکتا ہوں جو اب تمہاری زندگی میں داخل ہوا ہے۔"

"تیسرا مرد؟" صبا کی آنکھیں اب بھی مذاق اڑا رہی تھیں۔

"نہیں ایاز صاحب، نہ دوسرا، نہ تیسرا، میری زندگی میں صرف ایک مرد تھا اور ہمیشہ رہے گا... کچھ سمجھ میں آیا آپ کے، میں کس کی بات کر رہی ہوں؟" اور ایاز کی سمجھ میں آیا تو اسے لگا جیسے اس کا جسم ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے۔ یہ اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیلا گیا تھا؟ ناصر جس کے ظلم کی داستانیں سنا سنا کر فاخرہ اسے شرمندہ کیا کرتی تھی۔ گھوم پھر کے اس کی ہر بات کا ایک ہی مطلب نکلتا تھا کہ ناصر نے صبا کو اسی کی وجہ سے طلاق دی ہے۔ پھر... پھر یہ سب کیا تھا صبا کے منہ سے ناصر کا نام سن کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی گہری سازش کا شکار ہوا تھا۔ اب اس کے لیے بات کی تہ تک پہنچنا ضروری ہو گیا تھا۔ صبا کو طلاق دینی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ تو بعد میں ہونا تھا۔ پہلے تو یہ جاننا ضروری تھا کہ اس سارے کھیل کے پیچھے کون تھا۔

کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا اور تھوڑی سی سختی اور کوشش سے صبا اگلتی چلی گئی، شروع سے لے کر آج تک جو کچھ ہوا تھا اسے جان کر ایاز سکتے میں رہ گیا۔ اسے اس طرح ٹریپ کیا گیا تھا کہ اچھا خاصا عقل مند ہوتے ہوئے بھی وہ سمجھ نہ سکا تھا۔

کوئی عورت اتنی لالچی اور دولت کی حریص ہو سکتی ہے کہ بیٹی کی بسی بسائی زندگی برباد کر دے۔ اپنے عیش کی خاطر اتنے سارے لوگوں کی زندگی کو اپنے پیروں تلے روند سکتی ہے ایاز کو یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اس عورت کی سازش کا شکار ہوا تھا جس کی اس نے ہمیشہ بہت عزت کی تھی۔ اسے اپنی ماں اور بڑی بہن کا درجہ دیا تھا۔ کیونکہ وہ ریاض احمد کی بیوی تھی اور ریاض احمد وہ شخص تھا جس نے غریب الوطنی میں اسے سہارا دیا تھا۔ آج وہ جس مقام پر تھا اس کا سارا کریڈٹ وہ ریاض احمد کو دیتا تھا۔ یہ اس کی اعلا ظرفی تھی ورنہ اس کی اپنی محنت اور جدوجہد نے اسے یہ کامیابی بخشی تھی۔ ریاض بھائی کی اس کے دل میں جو جگہ تھی وہ مرتے دم تک رہنا تھی۔ فاخرہ نے جو کچھ بھی کیا تھا یہ اس کا اپنا فعل تھا۔ ریاض بھائی تو یوں بھی اب عضو معطل تھے۔ اسی لیے تو فاخرہ کی اتنی جرات ہوئی تھی کہ وہ کئی زندگیوں سے کھیل گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

سب کچھ جان کر ایاز کے دل و ذہن کو شدید صدمہ ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے انتہائی رنج کے عالم میں بیٹھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ صبا کو طلاق دیتا تو ریاض بھائی جو پہلے ہی بستر سے لگے تھے یہ دھچکا شاید برداشت نہ کر پاتے اور جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلق تھا اس کی غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی تھی کہ وہ صبا جیسی عورت کو اپنے گھر میں رکھتا جو شادی شدہ ہوتے ہوئے اپنے پہلے شوہر اور عاشق سے تعلقات استوار کیے ہوئے تھی۔ یوں بھی صبا اسے صاف صاف کہہ چکی تھی کہ اگر وہ اسے سیدھی طرح طلاق نہیں دے گا تو وہ عدالت سے رجوع کرے گی اور کورٹ کچہری کا مطلب بدنامی اور ذلت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ وہ عجیب بھنور میں پھنس گیا تھا۔ کسی کے لالچ اور ہوس نے اس کی سیدھی سچی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

صبا پوری طرح سرکشی پر اتری ہوئی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے اس کا بس ایک ہی مطالبہ تھا جن امکانات پر غور کر کے وہ خود کو روکے ہوئے تھا۔ صبا کو ان کی ذرا پروا نہ تھی۔ نہ اسے باپ کی صحت و سلامتی کی فکر تھی، نہ ذلت و بدنامی کا خوف، سب کچھ جان لینے کے بعد بھی ایاز نے کوشش کی تھی کہ وہ سنبھل جائے، مگر وہ کچھ بھی سننے سمجھنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اتنے دنوں سے ایاز اس محاذ پر اکیلا ہی لڑ رہا تھا۔ اس کی قوت برداشت آہستہ آہستہ جواب دینے لگی تھی۔ گھر میں کسی کو خبر نہیں تھی کہ وہ ان دنوں کس اذیت سے گزر رہا ہے۔ مگر اب جبکہ اس کا حوصلہ پست ہونے لگا تھا۔ اس نے الماس کو سب کچھ بتا دیا۔ الماس آج کل گھر آئی ہوئی تھی۔ وہ شاید اسے بھی کچھ نہ بتاتا۔ مگر وہ اس کی بہت لاڈلی بہن تھی اور بھائی سے بہت محبت اور عقیدت رکھتی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ بھائی کی دلی کیفیات لاکھ چھپانے کے باوجود اس کی نظروں میں نہ آتیں۔ اس کے پوچھنے پر ایاز خود کو روک نہ پایا اور اس کی گود میں سر رکھ کر ٹوٹ کر رو دیا۔ الماس اس کے بکھرے ٹوٹے وجود کو بڑی مشکل سے سنبھال پائی تھی۔ اس کا اتنا مضبوط اور شان دار بھائی اتنی تکلیف میں تھا کہ اس کی تکلیف دیکھ کر الماس لرز اٹھی تھی۔ وہ تو پہلے ہی فاخرہ کی چالوں کو سمجھ چکی تھی۔ اب جبکہ سب کچھ ایاز کے سامنے بھی کھل کر آ چکا تھا۔ اس صورت حال میں اس نے ایاز کو یہی مشورہ دیا کہ وہ صبا کو فوری طور پر طلاق دے دے۔ مگر فاخرہ کو ہر بات سے آگاہ کر کے۔ ورنہ وہ چالاک عورت پھر سے کوئی نئی چال چل سکتی تھی۔ اس کا کوئی بھروسہ نہ تھا کہ اپنی بیٹی کو معصوم اور ایاز کو گناہ گار ثابت کر دیتی۔

"مگر... الماس... ریاض بھائی... انہیں بہت صدمہ ہو گا اگر صبا کو دوبارہ طلاق ہو گئی تو۔"

"لیکن بھائی اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ آپ اسے اپنی مرضی سے تو طلاق نہیں دے رہے نا۔ اچھا ہے ریاض بھائی کو اپنی بیوی اور بیٹی کے کرتوت کا پتا چلے اور آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں کہ وہ عدالت تک جانے کی دھمکی دے رہی ہے۔ اس سرکش عورت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ آپ پلیز جان چھڑائیں اس مصیبت سے... مجھے تو حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی آپ اس بے ہودہ عورت کو برداشت کیسے کر رہے ہیں؟ کوئی اور ہوتا تو اب تک دھکے مار کر نکال چکا ہوتا... بس صبح ہوتے ہی فاخرہ کو بلوائیں اور بتائیں اسے کہ وہ اور اس کی بیٹی کتنی گری ہوئی عورتیں ہیں۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ منہ توڑ دوں ان دونوں کا اگر آپ اجازت دیں تو میں..." الماس بہت غصے میں تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

"نہیں الماس۔" ایاز نے اس کی بات کاٹ دی۔ "فاخرہ بھابھی کا فعل ان کے ساتھ... میں کسی قسم کا کوئی تماشا نہیں چاہتا... ریاض بھائی کے احسانات میں بھول نہیں سکتا ان کے احسان کا یہی تقاضا ہے کہ میں خاموش رہوں اور رہی طلاق کی بات تو یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو کہ میں فاخرہ بھابھی کے سامنے انہیں سب کچھ بتا کر پھر کوئی قدم اٹھاؤں گا تاکہ بعد میں وہ مجھے کوئی الزام نہ دے سکیں۔"

☼ ☼ ☼
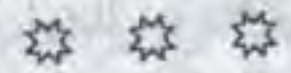
الماس نے فاخرہ کو فون کر کے بلوالیا تھا۔ فاخرہ کو دیکھ کر صبا کچھ بوکھلا سی گئی اس طرح اچانک فون کر کے بلوائے جانا فاخرہ کو بھی فکر میں مبتلا کر گیا تھا ایاز کو دیکھ کر اس کی فکر اور بڑھ گئی تھی اس کے چہرے پر بڑے پتھریلے سے تاثرات تھے نہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا نہ پہلے کی طرح گرمجوشی دکھائی تھی اماں اور ابا کو الماس پہلے ہی ساری صورت حال سے آگاہ کر چکی تھی حقیقت جان کر وہ دونوں بھی انتہائی رنجیدہ ہوئے تھے اور ان کا رویہ بھی فاخرہ کے ساتھ بے حد سرد تھا ماحول اتنا کشیدہ تھا کہ فاخرہ کا دم گھٹنے لگا پتا نہیں ایسا کیا ہوا تھا کہ سب کے سب یکدم سے بدل گئے تھے اس وقت وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے فاخرہ کو لگا جیسے وہ کوئی مجرم ہے اور یہ سب لوگ اسے سزا سنانے یہاں اکٹھا ہوئے ہیں ابتدا الماس نے کی پھر آہستہ آہستہ فاخرہ کی تمام سازشیں بے نقاب ہونے لگیں وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے سب کچھ سن رہی تھی صبا الگ مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی فاخرہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کا پردہ اس طرح فاش ہوگا یوں سرعام اس کی سازش کا بھانڈا پھوٹے گا اور یہ سب کچھ اس کی اپنی بیٹی کی وجہ سے ہوگا' وہ تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی کیونکہ اس کے سامنے جو بیان کیا جا رہا تھا وہ سچ تھا۔

اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں تھی جو کچھ اس نے کیا تھا آج اس کے سامنے اپنی انتہائی بدصورت شکل میں آگیا تھا کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ صبا پر الٹ پڑی اس کے کوسنے اور بددعائیں سن کر ایاز جو اتنی دیر سے خاموش تھا بول پڑا۔

"آپ کو اس کے ساتھ جو بھی کرنا ہے اپنے گھر لے جا کر کیجیے گا... میرے گھر میں یہ تماشا لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ آپ کر چکی ہیں وہ ہی میرے لیے کافی ہے آپ کو یہاں بلانے کا مقصد یہی تھا کہ کل کو آپ مجھے الزام نہ دیں کہ میں نے آپ کی بیٹی کے ساتھ ظلم کیا ہے چالیں چلنے میں آپ کتنی ماہر ہیں یہ میں اچھی طرح جان چکا ہوں میں آپ کے سامنے آپ کی بیٹی کو طلاق دے رہا ہوں ایک دو دن میں کاغذات بھی بھجوا دوں گا اور جو کچھ اس کا حق ہے وہ بھی' اس کے علاوہ بھی یہاں سے جو بھی لے جانا چاہتی ہے لے جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور ہاں آپ بے فکر رہیے گا میں جو کچھ آپ کے لیے آپ کے گھر کے لیے کر رہا ہوں وہ کرتا رہوں گا مرتے دم تک کیونکہ میں احسان شناس ہوں ریاض بھائی میرے لیے محترم تھے اور رہیں گے البتہ آپ اپنا مقام کھو چکی ہیں... اب آپ پلیز جائیں یہاں سے اور اسے بھی ساتھ لے جائیں۔" وہ کمرے سے نکل گیا ایک ایک

کر کے سب نکل گئے صرف فاخرہ اور صبا وہاں بیٹھی رہ گئیں۔

فاخرہ کی عجیب حالت تھی اپنی نظروں میں گرتا کیا ہے آج اسے معلوم ہوا تھا اس نے ایک نظر صبا کو دیکھا اس کے چہرے پر کوئی پشیمانی نہیں تھی بلکہ وہ مطمئن نظر آتی تھی اسے جو چاہیے تھا وہ مل چکا تھا فاخرہ کے اندر غصے اور نفرت کا ابال سا اٹھا اس کا جی چاہا صبا کو جان سے مار دے اس لڑکی کی وجہ سے وہ آج ذلیل ہوئی تھی کہ زندگی میں کبھی نہ ہوئی تھی برداشت کی حد جواب دینے لگی تو اس کی زبان پھر سے چلنے لگی جتنی بددعائیں کوسنے اور گالیاں اسے آتی تھیں وہ صبا کو دیتی گئی صبا کچھ دیر تو برداشت کرتی رہی پھر چیخ پڑی۔

"بس اماں... بہت ہو گیا خبردار جو تم نے مجھے اب کچھ کہا تو اچھا نہیں ہوگا بولا ہے نا ایاز نے کہ تمہاری عیاشیوں کے لیے وہ تمہیں پہلے کی طرح رقم دیتا رہے گا پھر کیوں اتنی باؤلی ہو رہی ہو۔"

"بکواس کرے گی تو تیرا منہ توڑ دوں گی بے غیرت لڑکی... میری فکر چھوڑ اور اپنی خیر منا تیرا کیا ہوگا؟ پھر سے اس فقیر دو ٹکے کے ناصر سے بیاہ رچا کر بھک منگوں جیسی زندگی گزارے گی آج نہیں تو کل پچھتائے گی... ترسے گی اس محل جیسے گھر اور عیش و آرام کے لیے... دیکھنا تیرا حشر کیا ہوگا؟"

"ہاں... ہاں... دیکھ لینا... تم بھی دیکھ لینا مجھے اس گھر سے اور یہاں کے عیش و آرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میرے ساتھ جو بھی ہوگا میں بھگت لوں گی تمہارے پاس آنے کی غلطی نہیں کروں گی تمہارا کیا بھروسہ تمہارے شاطر دماغ میں پھر کوئی نیا پلان آجائے گا۔"

وہ دونوں جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ نچا نچا کر لڑ رہی تھیں ایک دوسرے پر الزام لگا رہی تھیں الماس نے اندر آ کر کڑی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

"آپ دونوں ابھی تک یہاں ہیں...؟ سنا نہیں ایاز نے کیا کہا ہے جو بھی ڈرامہ کرنا ہے اپنے گھر جا کر کریں یہاں شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے چلتی پھرتی نظر آئیں شکر کریں کہ بھائی نے آپ کے ساتھ بہت رعایت سے کام لیا ہے کوئی اور ہوتا تو پتا نہیں آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتا اور اس بے حیا لڑکی کا تو وہ حشر ہوتا کہ یہ ساری عمر یاد رکھتی۔" الماس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے ڈھٹائی سے کھڑی صبا کا منہ توڑ دے ایاز نے اسے روکا نہ ہوتا تو وہ ان دونوں عورتوں کو دھکے مار کر یہاں سے نکالتی اس کے اتنے شاندار بھائی کے ساتھ ان عورتوں نے جو سلوک کیا تھا سوچ سوچ کر الماس کا خون کھول رہا تھا ان کی خاطر وہ اپنی محبت تک سے دستبردار ہو گیا تھا سبین جیسی پیاری لڑکی کو کھویا تھا اس نے خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا تھا الماس نے بہت کچھ سوچ لیا تھا وہ اپنے بھائی کی اجڑی زندگی میں بہار لانے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار تھی یہ تو اسے معلوم تھا کہ سبین کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے وہ شادی کرنے کے لیے کسی بھی طرح راضی نہیں تھی اسماء سے جب بھی بات ہوتی تھی سبین کا ذکر ضرور ہوتا تھا اس نے بتایا تھا کہ اس دوران سبین کے کئی اچھے رشتے آئے مگر وہ شادی کے لیے رضامند نہ ہوئی شاید یہ اس کے صبر اور قربانی کا انعام تھا جو اتنے مختصر وقت میں اتنا سب کچھ ہو گیا خیر جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے وہ پرعزم تھی اور اسے یقین تھا کہ اب ایاز کی زندگی میں جو بھی ہوگا ان شاء اللہ اچھا ہی ہوگا...

ایاز کی طرف سے طلاق کے کاغذات کے ساتھ ساتھ حق مہر کے پانچ لاکھ بھی ملے تھے سونے کے بیش قیمت زیورات اس کے علاوہ شادی کے کچھ عرصے بعد ایاز نے ایک فلیٹ بھی صبا کے نام کر دیا تھا یہ سب کچھ اسے مل گیا تھا اب وہ صرف اپنی عدت کے ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی اس کے بعد وہ اور ناصر نکاح کر لیتے وہ ناصر کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھی چونکہ عدت میں تھی اسی لیے ابھی تک فاخرہ کے گھر میں رہ رہی تھی فاخرہ جب اسے ناصر کے ساتھ فون پر باتیں کرتے ہوئے دیکھتی تو اس کے خون میں جیسے ابال آ جاتا مگر صبا نے جیسے اپنے کان سی لیے تھے وہ اس کی زہریلی باتوں

کے جواب میں خاموش رہی وہ صرف وقت کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھی ورنہ اس گھر میں اس کا دم گھٹتا تھا کیونکہ اس گھر میں کوئی اس سے بات نہیں کرتا تھا لائبہ اور جواد اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے اور ابا وہ تو پہلے ہی بہت بیمار تھے بیوی اور بیٹی کی حرکتوں نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا بالکل ہی بستر سے لگ گئے تھے ایاز کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی اس دوران ایاز کا دو تین بار ان کے پاس فون آیا تھا کیسا بلک بلک کر وہ بچوں کی طرح روئے تھے ایاز کے تسلی اور دلاسے بھی ان کی شرمندگی اور ندامت کو کم نہ کر سکے تھے بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو قصوروار سمجھتے تھے ایاز کا جی چاہتا کہ وہ ریاض بھائی کے پاس جائے ان کے سامنے بیٹھ کر ان کے ہاتھوں کو تھام کر وہ انہیں تسلی دے مگر وہ خود کو روک لیتا تھا اس گھر میں وہ دونوں عورتیں تھیں جنہوں نے ایک کھلونے کی طرح اسے استعمال کیا تھا اس کے جذبات و احساسات کی پروا کیے بغیر اسے اپنی نفسانی خواہشوں کی بھینٹ چڑھا دیا تھا وہ اب تک اس دھچکے سے سنبھل نہیں پایا تھا۔

اس سب کے باوجود وہ ریاض بھائی کی طرف سے غافل نہیں تھا ان کے علاج معالجے سے لے کر گھر کی تمام ضروریات وہ اب تک پوری کر رہا تھا جیسے پہلے کیا کرتا تھا کیونکہ یہ اس کا اپنے آپ سے کمٹمنٹ تھا اور خود سے کیا وعدہ وہ کیسے توڑ دیتا جواد اور لائبہ بھی ماں اور بہن سے سخت نالاں تھے وہ دونوں اس سے ملنے اس کے آفس آئے تھے لائبہ تو دیر تک دوپٹے میں منہ چھپا کر روتی رہی۔ ایاز کو اس نے ہمیشہ بڑے بھائی کی حیثیت دی تھی بہنوئی بن جانے کے بعد تو وہ اس کی بہت زیادہ عزت کرنے لگی تھی وہ ایاز کو بھی جانتی تھی اور اپنی ماں کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف تھی ایاز کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی وہ اس کا مستحق ہرگز نہ تھا باپ کی طرح وہ دونوں بھی ماں، بہن کے کیے پر شرمندہ تھے ایاز جانتا تھا کہ ریاض بھائی اور دونوں اس سارے معاملے سے الگ تھے اس لیے ان لوگوں کے لیے وہ اب بھی پہلے کی طرح پر خلوص تھا۔

☼ ☼ ☼
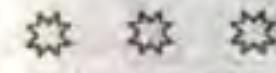
عدت گزرنے کے بعد صبا نے ناصر سے شادی کرلی اس کے پاس ایاز کا دیا ہوا بہت کچھ تھا جو ظاہر ہے اب ناصر کا تھا وہ ناصر کے ساتھ اپنے فلیٹ میں شفٹ ہو گئی تھی ناصر کی ماں کو اپنی بے عزتی اب تک یاد تھی وہ صبا کو اپنے گھر رکھنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی صبا کو اس بات کی بھلا کیا پروا ہو سکتی تھی وہ اب اپنے ذاتی فلیٹ کی مالک تھی وہ خود بھی ناصر کے اس چھوٹے سے گھر میں اس کے گھر والوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی ناصر کی ماں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ تو اس کے حق میں اچھا تھا حق مہر کے پانچ لاکھ اور کچھ زیورات بیچ کر شہر کے ایک کاروباری علاقے میں ناصر نے اپنا بزنس شروع کرلیا اس کی تو زندگی ہی بدل گئی تھی اس کی تو گویا پانچوں گھی میں تھیں نا صرف اس کی محبت اس کی بیوی اسے واپس مل گئی تھی بلکہ وہ اب اپنے ذاتی بزنس کا بھی مالک تھا یعنی فائدہ ہی فائدہ۔۔۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت دیر سے یونہی بے مقصد گاڑی چلا رہا تھا شام کب کی ڈھل چکی تھی رات کی سیاہی نے ہر شے کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا اسے کچھ خبر ہی نہ تھی وہ شاید گھر کا رستہ بھول گیا تھا تبھی تو گاڑی انجانی راہوں پر محو سفر تھی یا شاید وہ گھر جانا ہی نہیں چاہتا تھا وہ گھر جو کبھی اس کے خوابوں کا نگر تھا اس کی محنت اور جدوجہد کا ثمر تھا اور جس کے در و دیوار سے سکون اور اپنائیت کی لہریں پھوٹتی تھیں اور پھر اس کے جسم و جان میں سرائیت کر جاتی تھیں آج اسے وہاں جانے کے خیال سے وحشت ہوتی تھی حالانکہ اس گھر میں اس کے بوڑھے ماں باپ تھے جو ہر شام بے تابی سے اس کے منتظر رہتے تھے جب تک وہ آنہیں جاتا تھا ماں کی نظریں دروازے پر لگی رہتی تھیں اور باپ گھر سے باہر کئی چکر کاٹ ڈالتا تھا۔

"کیا ہے اماں۔۔۔؟ آپ کو پتا تو ہے کہ میں اس ٹائم تک گھر آہی جاتا ہوں پھر کیوں اتنا پریشان ہوتی ہیں اور بلاوجہ خود کو تھکاتے ہیں میں کوئی بچہ تھوڑی ہوں شہر کی بھیڑ میں کہیں کھو جاؤں گا میں تو خود ہی شام ڈھلنے سے پہلے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

"تو نہیں سمجھے گا پتر۔۔۔ تجھے کیا پتا کہ اس انتظار میں کتنا سکھ ہے اور ہمارے لیے تو تو بڈھا بھی ہو جائے تو بچہ ہی رہے گا۔" اماں اس کے بکھرے بالوں کو سنوار کر کہتیں اور وہ سچ مچ بچہ بن جاتا اماں کی گود میں گھس کر ممتا کی مہک کو دیر تک اپنے اندر اتارتا رہتا۔

اب اس گھر کا سناٹا در و دیوار سے ٹپکتی وحشت اور سوگواری سے وہ سہم سا گیا تھا گھر کے اندر قدم رکھتے ہی اسے لگتا یہ دیواریں اسے پیس ڈالیں گی چھت اس کے اوپر آ پڑے گی اسی لیے وہ اس گھر سے بھاگ رہا تھا آفس سے نکلنے کے بعد کتنی کتنی دیر تک وہ سڑکیں ناپا کرتا تھا پھر ہمت کر کے گھر جاتا تو اپنے کمرے میں بند ہو جاتا ماں باپ اس کی اس حالت پر تڑپتے رہ جاتے تب اماں کے دل سے صبا اور فاخرہ کے لیے آہ نکل جاتی تھی کیسا زندہ دل اور خوش مزاج بیٹا تھا ان کا گھر کی ساری رونق ہی اس کے دم سے تھی اب جو اسے چپ لگی تھی وہ ٹوٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی اس عرصے میں اماں بھی گھر کے دو تین چکر لگا چکی تھی ایک بار اسماء بھی ہو کر جا چکی تھی گھر کے سب لوگوں کی خواہش تھی کہ ایاز پھر سے زندگی کی طرف لوٹ آئے پھر سے اس کا گھر آباد ہو جائے مگر یہ بات اس سے کرتے ہوئے سب ڈرتے تھے ایسی دبیز چپ کی چادر اس نے اوڑھ رکھی تھی کہ کہیں کوئی روزن دکھائی نہ دیتا تھا کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا جائے؟ اسماء نے جب سرمد سے بیبن کے سلسلے میں بات کی تو سرمد نے فوری طور پر انکار کر دیا تھا اس کا خیال تھا کہ جب بیبن پہلے ہی ایاز سے شادی کے لیے انکار کر چکی ہے تو اب جبکہ وہ ایک بیوی کو چھوڑ چکا ہے وہ کیوں اس شادی کے لیے تیار ہوگی؟ اسماء اسے کیسے بتاتی کہ بیبن نے کیوں انکار کیا تھا؟ انکار تو در اصل ایاز نے کیا تھا بیبن نے تو قربانی دی تھی اور شاید اب اس قربانی کے انعام کا وقت تھا جب سرمد نہ مانا تو اس نے خود بیبن کو فون کرلیا جو بھی ہوا تھا اس نے بیبن کو بتا دیا یہ بھی کہ ایاز ان دنوں کیسی ذہنی اذیت سے گزر رہا تھا بیبن یہ سب سن کر رو پڑی تھی۔

"اچھا ہوا آپی کہ آپ نے مجھے فون کرلیا میں۔۔۔ میں ایاز سے بات کرتی ہوں آپ پریشان نہ ہو اللہ بہتر کرے گا۔" بیبن سے بات کر کے اسماء جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی اسے لگا اب واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا۔

☼ ☼ ☼

شام کے سات بج چکے تھے وہ اب تک آفس میں تھا تقریباً تمام لوگ جا چکے تھے مگر وہ اب تک یہیں تھا ابھی کچھ دیر پہلے لائبہ اور جواد اس سے مل کر گئے تھے ان سے اسے پتا چلا تھا کہ صبا نے ناصر سے دوبارہ نکاح کرلیا ہے اور اب وہ اس فلیٹ میں رہ رہی ہے جو ایاز نے اسے دیا تھا وہ چپ تھا بالکل چپ اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا حالانکہ اندر ہی اندر اس کا خون ابل کر رہ گیا اس کا جی چاہا وہ اپنے سامنے پڑی ہوئی ہر شے تہس نہس کر ڈالے زمین آسمان الٹ کر رکھ دے گو کہ اسے صبا سے کوئی محبت نہ تھی نہ وہ اس کی مرضی اور خوشی سے اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی اس کے دل کی بستی اس کے آنے سے آباد ہوئی تھی نہ جانے سے برباد، پھر بھی وہ ایک مرد تھا اس کی انا پر بڑی کاری ضرب پڑی تھی جو بھی تھا آخر وہ اس کی بیوی تھی اور اس کے نکاح میں رہتے ہوئے اس نے ایک غیر مرد سے تعلقات استوار کیے تھے یہ بات جب جب اسے یاد آتی اس کا لہو گرم ہو جاتا اس کی غیرت اور اس کی عزت کی دھجیاں اڑا دی گئی تھیں اس لیے وہ تکلیف میں تھا۔

وہ شدید دکھ میں گھرا سر جھکائے بیٹھا تھا بہت ساری باتیں اسے یاد آ رہی تھیں اور اس کے دکھ میں اضافہ کر رہی تھیں لاکھ کوشش کے بعد بھی وہ بھول نہیں پا رہا تھا جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ سب بھول جانا

چاہتا تھا مگر یہ ممکن نہیں تھا وہ اپنے گھر سے اپنے پیاروں سے آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا اور یہ چیز اسے مزید اذیت میں مبتلا کر رہی تھی اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا دکھتا ہوا سر تھام لیا۔
"یا خدا۔ میری مدد کر، مجھے اس اذیت سے نکال دے، میری زندگی کو پہلے جیسا کردے میرے مالک۔"
دعا بھی اس کے لبوں سے آہ کی طرح نکلی تھی اور دل سے نکلی ہوئی آہ سیدھی عرش تک جاتی ہے شاید اس کی بھی شنوائی ہو گئی تھی ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا اور جب اس نے فون ریسیو کیا تو اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا یہ... یہ آواز... یہ تو کوئی مژدہ جانفزا تھی... یہ سبین کی آواز تھی، سبین جو اس کے دل کا درد تھی اور اس درد کی دوا بھی جیسے جیسے وہ بول رہی تھی ایاز کو لگا اس کے اندر کی دنیا بدلتی جا رہی ہے وہ جیسے شانت ہوتا جا رہا تھا وہ تکلیف جو اس کی رگیں کاٹ رہی تھی آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جا رہی ہے ایک آواز نے اس کی ذات کے ٹوٹے بکھرے ٹکڑوں کو سمیٹ کر یکجا کر دیا تھا جب وہ آفس سے اٹھا تو پہلے والا ایاز تھا اس کی گاڑی روانی سے گھر کی جانب دوڑ رہی تھی وہی گھر جس کی مہربان باہیں ہمیشہ اس کے لیے کھلی رہتی تھیں وہ ان کی کھلی باہنوں میں سما جانے کے لیے بے تاب تھا...

☼ ☼ ☼

فاخرہ بہت دیر سے اس خوبصورت کارڈ کو ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی یہ ایاز کی شادی کا کارڈ تھا وہ سبین سے شادی کر رہا تھا اس لڑکی سے جسے ایک بار پہلے وہ اس کی دلہن بننے سے روک چکی تھی کیا کیا جتن نہ کیے تھے اس نے یہ شادی رکوانے کے لیے اور کامیاب بھی ہو گئی تھی مگر اس کی عاقبت نااندیش بیٹی نے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔
"یہ کم بخت محبت... ایسا کیا ہے اس نامراد میں کہ انسان اندھا ہی ہو جاتا ہے۔ پھولوں کو چھوڑ کر کانٹے چن لیتا ہے چاہے ہاتھ کتنے ہی زخمی ہو لیں۔" وہ محبت کی کرشمہ سازی پر حیران تھی یہ محبت ہی تھی جس نے اس کی بیٹی کو ایک شاندار آدمی کا نہ ہونے دیا تھا دولت جاہ و حشم سب کچھ ٹھکرانے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ بھی محبت ہی تو تھی جو بچھڑے ہوؤں کو ایک بار پھر قریب لے آئی تھی...
کہتے ہیں چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے باز نہیں آتا جب اسے لائبہ کی زبانی پتا چلا تھا کہ ایاز کی شادی ہو رہی ہے اور وہ بھی اسی لڑکی سے جس سے پہلے ہو رہی تھی فاخرہ کے کلیجے پر سانپ لوٹ گیا تھا اسے پھر سے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا تھا۔
یہ لڑکی تو اب کبھی بھی ایاز کو واپس اس گھر کی طرف پلٹنے نہیں دے گی کیونکہ فاخرہ کی وجہ سے اس کی زندگی میں بھی اندھیرا چھا گیا تھا اور فاخرہ کے خیال میں اس سے بدلہ لینے کے لیے وہ ایاز کا رہا سہا اس گھر سے تعلق بھی ختم کر دے گی ورنہ فاخرہ کو امید تھی کہ کبھی نہ کبھی سب ٹھیک ہو جائے گا وقت کے ساتھ ساتھ ایاز ساری باتیں بھول کر پھر پہلے جیسے ہو جائے گا جب اس کی یہ امید بھی دم توڑنے لگی تو وہ جیسے اپنی عقل ہی گنوا بیٹھی اس کی بات نے لائبہ کو سر سے پاؤں تک لرزا کر رکھ دیا تھا لالچ اور ہوس نے اس عورت کو اس حد تک گرا دیا تھا کہ وہ بولنے سے پہلے سوچنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کر رہی تھی۔
"خدا کے لیے اماں... بس کردیں اور کتنی پستیوں میں جائیں گی آپ؟ یہ بات کرنے سے پہلے ایک بار بھی آپ نے نہ سوچا کہ یہ کتنی گھٹیا اور گری ہوئی بات ہے... مجھے... مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ اتنا برا بھی سوچ سکتی ہیں۔ حالانکہ... حالانکہ مجھے یقین ہونا چاہیے تھا... آپ... آپ... سچ کچھ بھی سوچ سکتی ہیں... گھٹیا سے گھٹیا بات کی امید مجھے آپ سے رکھنی چاہیے۔" لائبہ جیسے چیخ ہی پڑی تھی اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔
"بکواس کیے جائے گی... ایسی بھی کیا گھٹیا بات کی ہے میں نے جو تو شور مچا رہی ہے... ارے ایک بار

کوشش کرنے میں کیا حرج ہے میں اگر ایاز کے سامنے ہاتھ جوڑوں گی اس کے پاؤں پڑ جاؤں گی تو مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معاف کردے گا اور پھر وہی ہوگا جو میں چاہوں گی بس... بس تو مان جا... دیکھ چندا اس میں تیرا بھی تو فائدہ ہے نا... میری بات پہ ذرا غور تو کر۔" وہ اس کے گالوں کو چھو کر بولی لائبہ نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔
"گھن آ رہی ہے مجھے تم سے اماں۔ اور افسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہاری بیٹی ہوں... ایک بات یاد رکھنا اماں اگر تم نے ایسی کوئی کوشش بھی کی نا تو میں اپنی جان دے دوں گی میں تصور بھی نہیں کر سکتی اس بات کا جو تم نے ایسی آسانی سے کہہ دی ہے میں نے ہمیشہ انہیں اپنا بڑا بھائی سمجھا ہے میرے لیے وہ اتنے ہی محترم ہیں جیسے ابا سمجھیں تم۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
"اور ایک بات اور بھی اچھی طرح سمجھ لو اس بار اگر تم اپنے کسی ناپاک ارادے کے ساتھ وہاں گئیں نا تو میں تو پیچھے سے اپنی جان دوں گی ہی تم بھی بہت ذلیل ہو کر وہاں سے نکالی جاؤ گی آخر اپنے ایک معمولی سے احسان کا اور کتنا خراج وصول کرو گی تم اس شخص سے اور احسان بھی وہ جو درحقیقت تم نے نہیں ابا نے کیا تھا اور اس احسان کے بدلے میں تم اتنا کچھ سمیٹ چکی ہو کہ کب کا اس احسان کا بوجھ اتر چکا پھر بھی تمہارا پیٹ نہیں بھرتا... کیوں جہنم کا سودا کر رہی ہو اماں؟ باز آجاؤ ورنہ سچ مچ بہت پچھتاؤ گی۔"
"ارے جا... جا... میں تو ایک کوشش ضرور کروں گی مجھے زیادہ دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس پر تو جیسے کسی بات کا اثر ہی نہیں تھا ریاض پتا نہیں کب سے پیچھے کھڑے اس کی بکواس سن رہے تھے ان کے ناتواں وجود میں اتنی طاقت جانے کہاں سے آ گئی تھی فاخرہ کے منہ پر پڑنے والا تھپڑ اتنا زور دار تھا کہ اس کا دماغ گھوم گیا۔
"ذلیل... نیچ عورت... تیرے نیچ پن کی کوئی حد ہے بھی کہ نہیں تیری حرکتوں کی وجہ سے پہلے ہی میں

ایاز کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا تو نے اور تیری بیٹی نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا ہر روز موت کی تمنا کرتا ہوں تاکہ اس ذلت کی زندگی سے جان چھوٹے اور۔۔۔ اور تو ہے کہ۔۔۔" ان کا سانس پھول گیا۔

"مگر اب۔۔۔ اب اور نہیں اس سے پہلے کہ تو اور مجھے بے عزت کرے میں تجھے طلاق۔"

"نن۔۔۔ نہیں ابا اللہ کے واسطے آگے کچھ مت کہیے گا۔" لائبہ ان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی ریاض احمد کے منہ سے طلاق کا لفظ سن کر فاخرہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اتنے برسوں میں پہلی مرتبہ ریاض احمد نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور اب طلاق کی بات اس کے تو جیسے سارے بدن کا لہو خشک ہو گیا تھا۔

"یہ۔۔۔ عورت اسی قابل ہے مجھے بہت پہلے ہی اسے چھوڑ دینا چاہیے تھا تاکہ نوبت یہاں تک نہ پہنچتی بہت برداشت کیا ہے میں نے، اب میری برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔"

"نہیں ابا۔۔۔ میرے پیارے ابا معاف کر دیں انہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ اب ایسا کچھ نہیں کریں گی۔۔۔ بس آخری بار معاف کر دیں۔۔۔ بولیں نا اماں۔۔۔ آپ اب کبھی بھی ایاز بھائی کو تنگ نہیں کریں گی جو بات آپ نے ابھی مجھ سے کی ہے آئندہ کبھی بھی اپنی زبان پر نہیں لائیں گی بولیں۔۔۔ کچھ تو کہیں اماں۔۔۔" وہ فاخرہ کو جھنجوڑ کر کہہ رہی تھی فاخرہ کے منہ سے آواز تو نہ نکل سکی ہاں اس نے اپنے دونوں ہاتھ ضرور جوڑ لیے تھے اس عمر میں طلاق کا سوچ کر ہی اس کی روح فنا ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کل اس کی زندگی میں ہر طرف بہاروں کا راج تھا وہ اپنے ساتھ ہزاروں پھولوں کی مہک اور جھرنوں کا ترنم لے کر آئی تھی اب سے کچھ عرصے پہلے تک اس کی زندگی میں جو سیاہی تھی وہ اسے چھٹ چکی تھی کہ ہر جانب نور سا پھیلا نظر آتا تھا ان کی قسمت میں ملکن لکھا تھا سو وہ مل گئے تھے کٹھنائیاں تو ضرور درمیان میں آئی تھیں مگر اب وہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے وہ دونوں ہنی مون کے لیے یورپ کے ٹور پر جا رہے تھے ایک خوبصورت سفر پر جس کا آغاز بھی محبت تھی اور انجام بھی یقیناً "محبت ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک شخص کی چاہت میں وہ اتنا آگے نکل آئی تھی کہ باقی سب رشتے پیچھے چھوٹ گئے تھے اس نے جو بھی کیا تھا سوچ سمجھ کر ہی کیا تھا مگر اب جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا یوں بھی ہو سکتا ہے یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا وہ جنونی محبت جس نے اسے کچھ اس طرح اپنے بس میں کیا تھا کہ وہ سب کچھ بھلا بیٹھی تھی کتنے دلوں کو روند کر وہ منزل تک پہنچی تھی ابھی تو سفر کی تھکان بھی نہ اتری تھی کہ ایک نیا سفر درپیش تھا اور یہ سفر وہ تھا جس کی شاید کوئی منزل بھی نہ تھی مگر اسے چلنا تھا چاہے پاؤں میں کتنے ہی آبلے پڑتے قدم لہولہان بھی ہوتے تب بھی چلنا تھا رک جاتی تو کہیں کی نہ رہتی اس سفر میں کیا کچھ کھویا تھا اور کیا پایا تھا وہ بس اسی جمع تفریق میں لگی رہتی تھی اور اس حساب کتاب میں زیادہ تر گھاٹا ہی ہوا تھا نفع کا رجحان تو بہت ہی کم تھا۔

ناصر کے لیے وہ اب ایک بری عورت تھی اور اس بات کا طعنہ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے دیا کرتا اس کی نظریں تھیں یا کمان سے نکلے ہوئے تیر جو اس کے وجود کو چھید ڈالتے تھے شک بھری نظریں اور زہر میں بجھی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اسے زخم زخم کیے دیتے وہ روز مرتی روز جیتی تھی شاید وہ کسی کی بددعا کے اثر میں تھی کسی کی آہ بدروح بن کر اس کے وجود سے لپٹ گئی تھی اب شاید اسے ساری عمر اس آسیب کے ساتھ رہنا تھا وہ محبت تو گئے دنوں کا قصہ بن گئی تھی جس کی خاطر اس نے پستیاں مول لی تھیں اور بغیر محبت زندگی کیسے بسر ہوتی ہے وہ جان چکی تھی۔۔۔

☼ ☼

وہ نیشنل بینک کے اکاؤنٹر کے اس پار اپنا فارم جمع کروانے کے لیے لائن میں کھڑی تھی جب کسی لڑکے نے اس کو مخاطب کیا تھا۔

"ایکسکیوزمی! کیا آپ اپنا فارم دکھائیں گی یہ کیسے فل کرنا ہے؟"

"ایں میں کیوں اپنا فارم اسے دکھاؤں اس پر میرا نام بھی ہے اور میرا مکمل ایڈریس بھی۔۔۔" وہ دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔ پھر کچھ توقف کے بعد اس سے کہا۔

"بہت سمپل ہے پہلے بلینک میں اپنا نام لکھنا ہے دوسرے خانے میں اپنا ایڈریس اور اس سے آگے جس سیٹ کے لیے آپ اپلائی کر رہے ہیں اس کا نام لکھنا ہے اور لاسٹ میں اپنے سگنیچر۔۔۔ بس ہو گیا فارم فل۔"

"چلیں ٹھیک ہے میں ایسے کر لیتا ہوں۔" وہ شاید سمجھ گیا تھا تبھی سرہلاتا وہاں سے ہٹ گیا۔ اپنی باری آنے پر فیس اور فارم جمع کروا کر وہ روم میں بڑے واحد بینچ کے پاس آکھڑی ہوئی بینچ پر پہلے سے موجود لڑکیاں بیٹھی اپنا فارم فل کر رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ لڑکیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے کاؤنٹر پر لڑکیوں کا رش دیکھ کر شکر ادا کیا کہ وہ پہلے آکر فارم اور فیس جمع کروا آئی۔ اب اسے اپنی دوست کا انتظار تھا جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے اضطراری انداز میں اپنے بائیں ہاتھ میں بندھی نازک سی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اسی وقت حنا اس کے نزدیک آکر بولی۔

"سوری ویری سوری۔۔۔ کچہری روڈ پر اتنا رش تھا میں لیٹ ہوگئی۔"

"تو تم ایک میسج بھی کر سکتی تھیں میں کب سے پریشان ہو رہی تھی۔"

"مادام منزہ ذرا اپنا خوبصورت سا سیل فون بیگ سے نکال کر چیک کریں، میں ایک نہیں دس میسج کر چکی ہوں مگر آپ نے ایک میسج کا بھی جواب نہیں دیا۔"

"طنز مت کرو۔ تمہیں پتا ہے، میں ایسے سرراہ سیل فون یوز نہیں کرتی۔"

"ہاں ہاں پتا ہے آپ اس وقت روڈ پر کھڑی ہیں۔" حنا طنز کرنے سے پھر بھی باز نہیں آئی تھی۔

"اب اپنا طنز بند کرو اور اپنا چالان فارم نکالو۔۔۔ یہاں سے جمع کروا کر پھر ہمیں ای ڈی او کے آفس بھی جانا ہے۔ وہاں بھی فارم جمع کروانے کی لمبی لائن لگی ہوگی۔"

"یہ کاؤنٹر پر رش کم ہو جائے پھر میں جمع کرواتی ہوں۔"

"تم ذرا مجھے اسٹیپلر دو میں نے فارم کو پن اپ کرنا ہے۔" حنا فائل میں سے فارم نکالتے ہوئے اس سے بولی تو اس نے بیگ سے اسٹیپلر نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ حنا نے فارم کو پن اپ کر کے واپس اس کی طرف بڑھایا اسی وقت وہ لڑکا پھر سے اس کے پیچھے کھڑا اسٹیپلر مانگ رہا تھا۔

"پلیز مجھے بھی اسٹیپلر دیں۔۔۔ میں نے بھی پن اپ کرنا ہے۔" وہ اپنے بے ترتیب سے فارم اس کو دکھاتے ہوئے بولا۔ تو منزہ نے خاموشی سے اسٹیپلر اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے فارم پن اپ کر کے شکریہ کے ساتھ اسٹیپلر اس کی طرف واپس بڑھا دیا۔ حنا پیچھے کھڑی شرارت سے دوپٹے سے جھانکتی اس کی چوٹی کھینچ رہی تھی۔ جب اس نے پلٹ کر حنا پر غصیلی نظر ڈالی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔۔۔"

"میں نے کچھ کہا کیا۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہاری سوچ کا پتا ہے مجھے۔۔۔ کچھ الٹا سیدھا مت سوچنا۔"

اس کو ڈپٹتے ہوئے وہ اسے ساری بات تفصیل سے بتانے لگی تھی جب پھر سے اسے مخاطب کیا گیا تھا۔

"ایکسکیوزمی! کیا آپ میرا چالان فارم جمع کروا دیں گی؟ ادھر میلز کی لائن بہت لمبی ہے مجھے پورا دن یہ فارم جمع کروانے میں ہی لگ جائے گا۔" وہ بڑے

شائستہ اور احترام بھرے انداز میں پھر سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

وہ جو ادھر سے رخ موڑے حنا سے باتوں میں مصروف تھی ذرا سا مڑ کر اس کی طرف دیکھا وہ اپنا فارم اور پیسے ہاتھ میں لیے آس بھری نگاہوں سے اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"نہیں۔۔۔" اس نے ٹکا سا جواب دے کر اپنا رخ دوبارہ حنا کی طرف کر لیا۔ مخاطب کو شاید اس سے اس طرح کے جواب کی امید نہ تھی تبھی تحیر بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بڑی حیرت سے پوچھنے لگا۔

"مگر کیوں۔۔۔"

"کیوں کہ میں آل ریڈی اپنا فارم جمع کروا چکی ہوں اور اپنی فرینڈ کے انتظار میں ہوں وہاں آپ دیکھ رہے ہیں نا میلز کا کتنا رش ہے کوئی بھی فی میل اب وہاں نہیں ہے میں اکیلی جا کر وہاں فارم جمع نہیں کروا سکتی۔۔۔" اسے شاید اپنے روڈ رویے کا احساس ہوگیا تھا تبھی تھوڑے نرم انداز میں اسے تفصیلی جواب سے نوازا تھا۔

بات شاید اس کی سمجھ میں آگئی تھی اسی لیے مایوس سا اس کی طرف سے پلٹنے لگا اسے تھوڑا سا افسوس ہوا تھا تبھی کچھ سوچ کر اس کو مڑتے وقت پکارا تھا۔

"اچھا رکیے۔۔۔ آپ اپنا فارم دے دیں یہ میری فرینڈ اپنا فارم جمع کروانے جا رہی ہے آپ اسے دے دیں یہ آپ کا بھی جمع کروا دے گی۔"

اس کی بات نے اس کے چہرے پر خوشی بکھیر دی تھی وہ ممنون نظر آتا اسے اپنا فارم اور پیسے دے کر تھوڑا دور ہٹ گیا تھا۔

"یہ لو حنا۔۔۔ تم کرا دینا یہ بھی جمع۔۔۔" اس نے فارم حنا کی طرف بڑھایا تھا حنا جو خاموش کھڑی ان کو سن رہی تھی۔ فارم دینے پر اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اسے دیکھ کر وہ فوراً چڑ سی گئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ کیوں ایسے مسکرا رہی ہو۔۔۔ میں نے کچھ غلط کر دیا کیا۔"

"ہرگز نہیں تم نے تو بہت نیک کام کیا ہے۔۔۔ میں تو اس لیے ہنس رہی ہوں تم آج پگھل کیسے گئیں۔"

"جب سے میں آئی ہوں بے چارہ پتا نہیں مجھے کسی این جی او کا ورکر سمجھ رہا ہے۔ جو بھی مشکل پڑ رہی ہے ہیلپ کے لیے میرے پاس آرہا ہے۔"

"ہاں تو اس بے چارے کو کیا پتا یہ شکل سے معصوم اور رحم دل نظر آتی نازک اندام حسینہ کا حقیقت میں کتنا پتھر دل ہے۔" حنا نے اس لڑکے کے لیے افسوس کیا تھا۔

"تم میری دوست ہو یا اس کی۔۔۔" منزہ بڑے خطرناک موڈ میں اس کی طرف استفہامیہ دیکھ رہی تھی۔

"تم کہو تو اس کی بھی بن جاؤں۔۔۔" وہ اس کے تیوروں کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائی تھی۔

"جاؤ پھر اس کی دوست بن جاؤ۔۔۔" وہ خفا سی اس کے پاس سے جانے لگی جب حنا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تھا۔

"اچھا ناراض تو مت ہو۔۔۔ میں مذاق کر رہی تھی۔"

"اتنا بے ہودہ مذاق۔۔۔" وہ کڑے تیوروں سے اس کی طرف مڑی تھی۔ حنا ایکدم ہی سیریس ہوگئی۔

"مذاق بے ہودہ نہیں ہے منزہ۔۔۔ میں سچ میں چاہتی ہوں تم محبت کرو، محبت کو سمجھو تم اب تک اس سے دور صرف اس لیے ہو کہ کیونکہ تم نے اپنے دل کے دروازے پر بڑا موٹا اور مضبوط تالا ڈالا ہوا ہے جس پر بڑے بڑے لفظوں میں کندا "نو انٹری" دیکھ کر کوئی بھی اندر جانے کی جرات نہیں کرپاتا۔"

"تو تم کیا چاہتی ہو ایسے سرراہ کسی بھی تھرڈ پرسن کو اپنے دل میں جگہ دے دوں اپنے دل کے دروازے اس پر وا کر دوں۔۔۔ کسی انجانے کو اپنا مان لوں۔۔۔" وہ ابرو اچکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جب محبت کرو گی تو نہ تو وہ سرراہ ملنے والا تھرڈ پرسن لگے گا اور نہ ہی اجنبی۔۔۔ کسی کو محبت کی نظر سے دیکھو گی تو دل کے دروازے خود بہ خود اس پر وا ہو جائیں گے۔" حنا نجانے کیوں اسے محبت کا سبق دینے بیٹھ

گئی۔
"واٹ نان سینس... یہ کام تم ہی کر سکتی ہو ویسے تم نے بھی تو ایسے کسی سرراہ ملنے والے کے بجائے اپنے کزن سے محبت کی ہے، تم نے کیوں نہ انجانے شخص سے محبت کی..." وہ تیکھی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔
"ہاہاہا... میری بھولی سی دوست محبت کی کب جاتی ہے یہ تو ہو جاتی ہے۔" وہ اس کی بچکانہ سی بات پر زور سے ہنسی تھی۔
"یہ اپنے دانت اندر کر لو۔ سارے تمہیں دیکھ رہے ہیں اور اب یہ اپنا محبت نامہ بند کرو اور جا کر فارم جمع کرواؤ..." اس نے چڑتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ پکڑ کر اسے آگے دھکیلا تھا۔ حنا اسی طرح مسکراتی آگے بڑھ گئی۔
آج SESE کی سیٹ پر اپلائے کرنے کی لاسٹ ڈیٹ تھی اسی لیے وہ دونوں اس وقت مین برانچ میں موجود تھیں۔ یہاں سے چالان فارم جمع کروانے کے بعد انہوں نے 6 نمبر پر موجود EDO کے آفس میں اپنی ایپلیکیشن جمع کروائی اور واپس اپنے گھروں کو روانہ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

فرصت کے لمحات میں بیٹھی وہ اپنا پسندیدہ شو بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی جب فون کی بجتی بیل نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانی چاہی مگر وہ اسے اگنور کیے سب کے بھرے بن رہی تھی۔
فون کی مسلسل بجتی بیل جب اس کی نازک طبع پر ناگوار گزرنے لگی تو اس نے بے دلی سے بنا نمبر دیکھے یس کا بٹن پریس کر کے کان سے لگا لیا۔
اس کی توجہ ابھی بھی ٹی وی ہی کی طرف تھی... جبھی دوسری طرف سے آنے والی آواز کی پہچان نہ کرتے ہوئے اس نے شان بے نیازی سے پوچھا تھا۔
"جی کون..."
"تمہارا سر..." دوسری طرف سے انتہائی بھنائے ہوئے انداز میں ارشاد ہوا تھا۔
"او اچھا تم..." وہ شاید فون کی دوسری طرف موجود ہستی کو پہچان گئی تھی اسی لیے ٹی وی کی آواز کم کرتی فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"اچھا بتاؤ تم نے فون کیوں کیا کوئی خاص بات تھی کیا...؟"
"تمہیں خود تو شرم آتی نہیں کوئی اطلاع ہی دے دیتیں۔ میں نے سوچا میں خود معلوم کر لوں..."
"کیسی اطلاع..." منزہ نے پوچھا۔
"آج SESE کی لسٹیں لگی ہیں۔ کیا بنا تمہارا...؟ میں نے بھائی سے لسٹ چیک کروائی تھی تو وہ صرف میرا نام دیکھ کر آ گئے... تمہارا مجھے معلوم نہ ہو سکا اس لیے فون کیا تاکہ تم سے پوچھ لوں..." حنا نے وجہ بیان کی۔
"ہاں میں نے بھی بھائی سے چیک کروائی تھی لسٹ 'میرا نام نہیں آیا۔" منزہ نے اطلاع دی۔
"ہاں تو میرا کون سا آ گیا ہے..." حنا نے فٹ سے جواب دیا تھا۔
"آ بھی نہیں سکتا تھا یار' کھلی دھاندلی ہے یہ ان لوگوں کی 'سیٹ تھی بی ایس سی 'بی ایڈ والوں کے لیے اور اتنی چھوٹی سیٹ پر ایم فل والوں نے اپلائی کیا ہوا تھا تو ظاہری بات ہے اوپن میرٹ پر ہم جیسے بی ایس سی والوں سے زیادہ میرٹ ایم فل والوں کا بنتا تھا اور انہوں نے ایم فل والوں کو ہی سلیکٹ کرنا تھا..." منزہ بہت افسوس بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔
"تو اتنا دکھی کیوں ہو رہی ہو... تمہیں کون سا اتنی نوکری کی ضرورت تھی ہم تو شوق شوق میں اپلائی کر آئے۔" حنا نے اس کا افسوس کم کرنا چاہا۔
"بات یہ نہیں ہے حنا... تم غور کرو تو تمہیں سمجھ آئے ہمارے ملک میں یہ حال ہے ایم فل والے SESE جیسی چھوٹی سیٹ پر اپلائی کر رہے ہیں۔ یہ عالم ہے بے روزگاری کا... اور پھر یہ چھوٹی سیٹ پر ایم فل والوں کی وجہ سے بی ایس سی کیے جاب کے مستحق

لوگ جاب ملنے سے رہ جاتے ہیں... اب وہ کیا کریں..."
"ہوں... تمہاری بات درست ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں یار..."
"ہاں ہم صرف افسوس کر سکتے ہیں یا پھر تمہارے جیسے لوگ محبت کر سکتے ہیں..." بات کرتے کرتے اس کی رگ شرارت اچانک پھڑک اٹھی تھی۔
"ارے... کیا بات کرتی ہو اور کتنی درست بات کرتی ہو... سولہ آنے درست فرمایا تم نے... دل کرتا ہے ہاتھ چوم لوں تمہارے۔"
حنا تو جیسے جوش میں آ گئی۔
"بس بس اتنا بھی مت پھیلو..." منزہ نے جیسے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔
"ویسے منزہ تمہارا اب کیا خیال ہے محبت کے بارے میں..."
"بہت نیک خیال ہے..." وہ جیسے اسی کے رنگ میں رنگ گئی تھی آج۔
"کیا مطلب ہے تمہارا... کہیں کوئی مل تو نہیں گیا..." حنا قدرے سرگوشیانہ انداز میں بولی۔
"مطلب یہی ہے کہ شادی کروں گی پھر جو میرے نصیب میں ہو گا اس سے محبت کروں گی۔"
"تم سے یہی امید تھی...؟"
"اچھا تم بتاؤ آگے تمہارے کیا ارادے ہیں۔ ایڈمیشن لینا ہے آگے...؟" منزہ نے پوچھا۔
"نہ جی یہ پڑھائی وڑھائی ہمارے بس کا روگ نہیں 'میں نے جو امی سے کہہ دیا ہے شادی کر دیں میری..." حنا نے شرارت سے جواب دیا۔
"نہ کر یار..." اسے یقین ہی نہ آیا۔
"ارے سچ کہہ رہی ہوں میں... میری شادی کی تیاری چل رہی ہے ان دنوں... اور میں بھی بہت خوش ہوں سب بہت خوابناک سا لگ رہا ہے جسے چاہا اسے پانے جا رہی ہوں میں" وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔
"یہ تو اچھی خبر دی ہے تم نے..." وہ واقعی دل سے

خوش ہو کر بولی تھی۔
"تم آؤ گی نا میری شادی پہ..."
"دیکھو میں وعدہ نہیں کرتی مگر کوشش ضرور کروں گی..." منزہ نے کہا۔
"ہاں ڈیٹ فائنل ہو جائے، میں خود آؤں گی تمہارے گھر کارڈ دینے..."
"ہاں موسٹ ویلکم یار..."
"او کے اب فون رکھتی ہوں بہت سر کھا لیا تمہارا..." وہ ہنسی تھی۔
"ہاں ٹھیک ہے جناب... اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔"
اس نے مسکراتے ہوئے رابطہ منقطع کیا اور ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی جہاں اب شو ختم ہونے کے بعد اشتہار چل رہے تھے۔ اس نے ٹی وی بند کیا اور کچن کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

منزہ اور حنا کی دوستی بی ایس سی کے دوران ہوئی تھی دونوں کلاس فیلوز تھیں۔ حنا قدرے شوخ مزاج کی لڑکی تھی جبکہ منزہ دھیمے مزاج کی مالک تھی۔ حنا محبت پر یقین رکھتی تھی۔ اسے پھول، خوشبو، رنگ اور بارش اٹریکٹ کرتی تھی جبکہ منزہ کو یہ سب خاص پسند نہ تھا۔ وہ محبت پر یقین تو رکھتی تھی مگر اس کا کہنا تھا محبت وہ ہوتی ہے جو شادی کے بعد اپنے شوہر سے کی جاتی ہے۔ وہ ابھی تک محبت کے جذبے سے انجان تھی جبکہ حنا محبت کو جانتی بھی تھی اور مانتی بھی تھی وہ اپنے ماموں کے بیٹے سے شدید محبت کرتی تھی تو اس کا کزن بھی دل و جان سے اسے چاہتا تھا۔ منزہ کو یہ سب پسند نہ تھا محبت کے معاملے میں وہ اتنا روڈ ہو جایا کرتی تھی کہ آج تک کسی کی ہمت نہ ہوئی تھی کہ اس کے دل تک رسائی حاصل کر پاتا...
مگر وہ نہیں جانتی تھی "محبت تو ایسا جذبہ ہے، جو دلوں پہ وحی بن کر اترتا ہے اور بس پورے وجود پر چھا جاتا ہے... اور جب یہ وحی بن کر اتر جائے تو پھر کوئی بھی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔" ہاں اس کے ہونے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، جو منزہ کے لیے بھی زیادہ دور نہ تھا...

☼ ☼ ☼

آج حنا کی شادی تھی۔ منزہ نے شادی کی باقی رسموں میں تو شمولیت نہ کی تھی مگر شادی کا فنکشن اٹینڈ کرنے کے لیے وہ اس وقت اپنی امی کے ساتھ حنا کے پاس موجود تھی۔ حنا دولہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی اور یہاں تو شادی محبت کی تھی خوشی اس کے ایک ایک انداز سے اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ یہ محبت کا عطا کردہ روپ تھا جو اس پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی... دولہن بن کر بھی اس کی زبان بغیر کسی بریک کے چل رہی تھی۔ اور سب سے زیادہ اس کے ہاتھوں منزہ عاجز آئی ہوئی تھی۔
"ویسے منزہ آپس کی بات ہے کہا جاتا ہے اگر دولہن کا جھوٹا کوئی کھالے یا ایک آدھ تھپڑ کھالے تو اس کی شادی جلدی ہو جاتی ہے۔ کاش ایسا بھی ہوتا کہ کوئی محبت کرنے والا کسی کو کچھ کھلا دے یا زور کا چانٹا لگا دے تو اسے بھی محبت ہو جاتی۔ قسم سے اگر ایسا کچھ ہوتا تو میں تمہیں اتنا مارتی اتنا مارتی کہ تم سے اقرار محبت کروا کے دم لیتی..." اس کے انداز میں شوخی بھری تھی۔
"اور اب محبت نہ سہی کم از کم تمہاری شادی تو جلدی ہو سکتی ہے نا، اس کے لیے مجھے تمہیں مارنا پڑے گا۔" کہتے ہی اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور اس کے گال پر دے مارا۔ منزہ بھنا کر اس کے پاس سے اٹھ کر اپنی امی کے پاس آ بیٹھی تھی...
پھر پورا وقت وہ وہیں بیٹھی خاموشی سے فنکشن انجوائے کرتی رہی۔ کھانا کھانے کے بعد جب رخصتی کا مرحلہ آیا تو وہ سب بھلائے حنا کی کزنز اور بہن کے ساتھ کھڑی تھی۔
دعاؤں کے سائے میں حنا کو رخصت کر دینے کے بعد وہ بھی اپنے گھر لوٹ آئی تھی۔

ہر کام کے ہونے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے پھر وقت آنے پر کوئی کام ادھورا نہیں رہتا۔ منزہ جو ہر فکر سے آزاد بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی اس کے لیے ایسا پرپوزل آیا جو بہت آئیڈیل خوبیوں کا حامل تھا۔ اتنے زبردست پرپوزل کو اس کے والدین نے فوراً ہی پسندیدگی کی سند بخشی تھی۔ ان کا ارادہ اس کی شادی کرنے کا تھا۔ اسی لیے اس کی ماں نے اس کی رائے پوچھی تھی۔
"منزہ بیٹی ہمیں یہ رشتہ بہت پسند ہے اگر تمہاری کوئی پسند ہو تو بغیر جھجکے ہمیں بتا دو ورنہ ہم ان لوگوں کو ہاں کر دیں۔"
ماں کی بات سن کر جھماکے سے اس کی نظروں کے سامنے اس اجنبی کا چہرہ آیا تھا۔ جسے نہ تو وہ جانتی تھی اور نہ ہی اس کے نام سے واقف تھی۔ اس اتفاقیہ ملاقات کے بعد پتا نہیں کیوں وہ شخص اسے یاد رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے دل کے گرد بڑی مضبوط باڑ قائم کی ہوئی تھی جو کوئی بھی پار نہیں کر پایا تھا۔ مگر نجانے کیوں کبھی کبھی وہ شخص اسے باڑ کے اس پار کھڑا محسوس ہوتا تو وہ ہمیشہ جھنجھلا جاتی تھی جیسے ابھی جھنجھلا کے بڑبڑا رہی تھی۔
"بھلا ہو اس حنا کی بچی کا... یہ سب اسی کی کارستانی ہے۔ پتا نہیں کیا کیا بولتی ہے اس دن بینک میں بھی اپنا لیکچر لے کر بیٹھ گئی تھی جبھی وہ شخص مجھے یاد رہ گیا..."
اپنے دماغ میں ابھرتی سوچوں کو جھٹکتی ہوئی وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو اس کے جواب کی منتظر تھیں۔
"امی جان ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میری کوئی پسند نہیں آپ لوگ جہاں چاہیں وہاں میری شادی کر سکتے ہیں..." نظروں کو جھکائے اس نے کہا تھا۔
اس کی سعادت مندی پر نثار ہوتی فاخرہ بیگم نے اس کی پیشانی چوم کر اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔
جیسے ہی اس کے والدین نے اس رشتے کے لیے ہامی بھری تمام معاملات تیزی سے طے پاتے گئے اور اس کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی اور جب اس نے یہ خبر حنا کو دی تو وہ بے حد خوش ہوئی تھی مگر ناسازی طبیعت کا سوچ کر وہ افسردہ ہو گئی۔
"طبیعت ٹھیک ہوتی تو تمہاری شادی میں سب سے آگے میں نظر آتی۔ مگر تم دیکھنا طبیعت ٹھیک ہوتے ہی میں فوراً تم سے ملنے آؤں گی اور تمہارے اس شہزادہ گلفام کو بتاؤں گی تمہارا... اسے بتاؤں گی منزہ نے کیسے اپنے جذبے تمہارے لیے سینت سینت کر رکھے ہوئے تھے کبھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی تھی۔"
منزہ اس کی باتوں کو بس دھیمی سی مسکان لبوں پہ سجائے سن رہی تھی۔ جب کچھ یاد آنے پر حنا نے پوچھا تھا۔
"تم نے اپنے ہونے والے دولہا کی تصویر دیکھی ہے...؟"
"نہیں تو..." منزہ نے فوراً انکار کیا تھا۔
"ہیں... مگر کیوں... یہ تو تمہارا رائٹ ہے منزہ..."
"بس میں نے خود انکار کر دیا۔ شادی ہو تو رہی ہے ایک دفعہ ہی دیکھ لوں گی۔" حنا نے کتنی حیرت سے کہا تھا۔

ناولٹ

نویں قسط 9

ریحانہ امجد بخاری

"منزہ تم نے تو حد کر دی ہے اف۔"
"اور تمہارے وہ انہوں نے نہیں منگوائی تمہاری تصویر۔؟"
"نہیں ان کی طرف سے بھی ایسا کوئی مطالبہ نہیں ہوا۔" اس نے بتایا۔
"اوہ۔ لگتا ہے وہ بھی تمہاری طرح زاہد و عابد ہیں۔ کچھ نہیں ہو سکتا تم دونوں کا۔" وہ بہت تپ گئی تھی۔
"اچھا تم اتنا غصہ تو مت کرو ورنہ میرا بھانجا بھانجی بھی تمہاری طرح غصیلے پیدا ہوں گے۔" منزہ نے اسے چھیڑا۔

آج اس کی شادی تھی۔ وہ دلہن بن کر واقعی کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ کبھی اہتمام سے تیار نہیں ہوئی تھی اسی لیے آج کے سنگھار کے بعد اس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔

نیک خواہشات، حسین سپنوں اور ماں باپ کی دعاؤں کے ساتھ وہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر عاصم ملک کے گھر پہنچ گئی تھی۔ جہاں تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد وہ گھونگٹ نکالے حجلہ عروسی میں عاصم ملک کی منتظر تھی۔ جب کچھ دیر بعد دروازے پر کھٹکا محسوس کر کے وہ سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ عاصم دھیرے سے چلتا ہوا آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔۔۔

شرم اور گھبراہٹ کے مارے اس نے آنکھوں کو سختی سے بند کر لیا تھا۔ جب اس نے دھیرے سے اس کا گھونگٹ اٹھایا تھا اور سامنے موجود چہرے کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا۔۔۔
"آپ۔۔۔"

اچانک ایسا رد عمل دیکھ کر اس نے حیران سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اور خود بھی اس کی طرح ساکت رہ گئی تھی۔

عاصم نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھو کر یقین کرنا چاہا تھا اور جب یقین ہو گیا یہ سپنا نہیں حقیقت ہے تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔
"شادی کو جوا سمجھ کر کھیلا تھا۔ آپ نہیں تو کوئی بھی۔۔۔ مگر نہیں جانتا تھا میں یہ جوا اس طرح جیت جاؤں گا اور انعام میں آپ کو پاؤں گا۔"

حیران تو وہ بھی تھی پہلی مرتبہ جو شخص دل کے اس پار محسوس ہوا تھا وہی اس کا نصیب بن گیا تھا۔ وہ دونوں ہی اس اتفاق پر بہت خوش تھے۔
"آپ کو میں یاد تھی۔۔۔؟" قدرے اشتیاق سے استفسار کیا گیا تھا۔
"بھولی کب تھیں آپ۔۔۔" دوبدو جواب آیا تھا۔

دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ شرماتے ہوئے وہ نظریں جھکا گئی۔۔۔

واقعی نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک دوسرے کے ذہن و دل سے چپک کر رہ گئے تھے۔
"میں کبھی کسی لڑکی سے انسپائر نہیں ہوا مگر اس دن نجانے کیا بات تھی آپ کی وہ بے نیازی کی ادا اتنا بھا گئی کہ میں خود چل کر آپ کے پاس آیا۔۔۔ حالانکہ وہاں اور بھی بہت سے لوگ تھے۔۔۔ اتنے لڑکے میری مدد کرنے کو موجود تھے مگر میں جان بوجھ کر آپ کے پاس آیا۔۔۔"

اس وقت کو یاد کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ستارے چمکنے لگے تھے۔ اس کے لبوں سے بھی ہنسی پھوٹنے لگی تھی۔۔۔

اس کا ہاتھ پکڑے وہ کہہ رہا تھا۔۔۔
"پھر آپ کو بہت تلاشا مگر آپ ایسی جل پری بن گئیں کہ ایک جھلک دکھا کر دوبارہ کبھی نظر نہیں آئیں۔ میں مایوس ہو گیا۔ اپنے دل میں بیدار ہوتے جذبات کو تھپک تھپک کے سلا دیا اور امی کے اصرار پر شادی کے لیے تیار ہو گیا۔۔۔ مجھے نہیں معلوم تھا امی سے کی جانے والی سعادت مندی کے صلے میں اتنا اچھا انعام مل جائے گا۔"

خوشی ان کے ہر انداز سے ان کے چہروں سے روشنی بن کر چھلک رہی تھی۔

ان دونوں نے محبت کا احترام کیا تھا اور صلے میں بنا مانگے محبت نے انہیں محبت سے نواز دیا تھا۔

☆ ☆
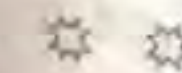
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں
وہ شعلہ مر چکا
جس نے
کبھی چاہا تھا اک خاشاک
عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے!
یہ آہستہ سے کہتا ہے
یہ کذب وافترا ہے
جھوٹ ہے
دیکھو میں زندہ ہوں!!!

فریال نے گاؤن اتار کر کرسی کی پشت پر لٹکایا اور پھر قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔

سامنے رکھے کیسز کی فائلوں پر ایک نظر ڈالی اور پھر طویل سانس لیتے ہوئے بیل کا بٹن دبا دیا۔

''فاطمہ! ایک کپ چائے تو پلواؤ۔'' اس نے بیل کے جواب میں دروازے کے باہر بیٹھی بوڑھی ملازمہ کے نمودار ہونے پر تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔

ملازمہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔

فریال ابھی وارڈز کا راؤنڈ لگا کر اپنے کمرے میں پہنچی تھی اور خاصی تھکن محسوس کر رہی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سنائی دینے پر اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''یس! کم ان......''

دروازہ کھول کر ڈاکٹر عقیل اندر داخل ہوا تھا۔ دبلا پتلا چہرے پر چھوٹی سی داڑھی' بڑے بڑے بال اور آنکھوں پر نظر کا چشمہ سجائے ڈاکٹر عقیل ہمیشہ کی طرح خاصا وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔

فریال نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

''آؤ عقیل...... بیٹھو'' پھر ایک فائل اٹھا کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

''وارڈ نمبر چار کے بیڈ نمبر تیرہ کا مریض مجھے بہتر نہیں لگا' میں ابھی راؤنڈ سے واپس آئی ہوں' اسے تم ہی ٹریٹ کر رہے ہونا؟''

عقیل جو اس دوران کرسی گھسیٹ کر اس کی ٹیبل کی دوسری جانب آرام سے بیٹھ چکا تھا فائل پکڑتے ہوئے بولا۔

''ہاں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... ہیڈ انجری کے کیسز میں اکثر اس قسم کے مسائل سامنے آ ہی جاتے ہیں میں نے اس کا سی ٹی اسکین کروایا ہے رپورٹس آئیں گی تو ہی کچھ کہہ سکوں گا۔''

جملہ ختم کرنے کے بعد وہ فائل کھول کر اس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا تھا' ٹھیک اسی وقت ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی اور قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

''ڈاکٹر! پلیز جلدی چلیے...... ایمرجنسی ہے...... مریض کا بہت زیادہ خون بہہ چکا ہے......''

فریال تیزی سے اٹھتے ہوئے عقیل سے مخاطب ہوئی۔

''چلو عقیل...... ہری اپ! فالو می......''

پھر دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ایک ساتھ ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہوئے اور لپکتے ہوئے بیڈ کی جانب بڑھے جہاں ایک خوبصورت نوجوان خون میں لت پت بے ہوش پڑا تھا۔

فریال نے جلدی سے اس کی نبض چیک کی اور عقیل اس کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر جیسے ان میں زندگی کی چمک تلاش کرنے لگا۔

فریال نے اس کی کلائی چھوڑ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا پھر پلٹ کر چیختے ہوئے بولی۔

''اسے جلدی سے آپریشن تھیٹر پہنچاؤ''

اس کی آواز سن کر ارد گرد کھڑے وارڈ بوائے تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ نوجوان کے وجود کو اسٹریچر پر منتقل کیا گیا اور پھر چند ہی لمحوں میں اسے آپریشن تھیٹر پہنچایا جا چکا تھا۔

وہ دونوں بھی ان کے تعاقب میں اندر داخل ہوئے اور آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند ہو گیا۔

☆☆☆

کس واسطے بیٹھا ہوا بند باندھ رہا ہے
مضطر کبھی رکتا نہیں چڑھتا ہوا پانی

''دیکھو ماہم! میں کچھ مختلف مزاج کا انسان ہوں۔ تمہارا کہنا اپنی جگہ درست ہے کہ میں بھی تم سے تمہارا نمبر طلب کر لیتا لیکن اگر میں بھی یہی کرتا تو پھر مجھ میں اور ان سب میں فرق کیا رہ جاتا؟'' اذان نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھا اور پھر اس پر دونوں کہنیاں ٹکاتے ہوئے ماہم کی بات کا جواب دیا۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا موبائل فون پر ماہم سے مخاطب تھا۔ ماہم نے اس سے سوال کیا تھا کہ اگر اس کے پاس ماہم کا نمبر موجود تھا تو اس نے رابطہ کرنے میں اتنی دیر کیوں کی؟ اور اگر نہیں تھا تو پھر اب کہاں سے حاصل کیا؟

جس کے جواب میں اذان نے یہ جملے کہنے کے بعد کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کی تو ماہم جلدی سے بولی۔

''اوہ...... تو اس کا مطلب ہے کہ جناب دوسروں سے خاصے مختلف ہیں! چلیے مان لیا...... ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے بھی آپ سے رابطے کا خاصا اشتیاق تھا!

اور میں اس وقت بھی یہی توقع رکھتی تھی کہ آپ بھی دوسرے لڑکوں کی طرح مجھ سے نمبر مانگیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا......

خیر چھوڑیں ان باتوں کو آپ صرف یہ بتائیں کہ اب آپ کو میرا نمبر کس نے دیا کیا انہی لڑکوں میں سے کسی نے؟''

اذان نے توجہ سے اس کی بات سنی پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

''نہیں ماہم! ایسا نہیں ہے...... اگر میں نے تمہارا نمبر انہی لڑکوں سے لینا ہوتا تو پھر کیا یہ زیادہ بہتر نہیں تھا کہ تم سے ہی مانگ لیتا......

میں نہیں جانتا کہ کسی بھی لڑکی سے گفتگو کرتے ہوئے کون سے آداب ملحوظ خاطر رکھے جاتے ہیں مجھے اس کا تجربہ نہیں کیوں کہ میں نے کبھی آج سے پہلے کسی بھی لڑکی سے اس انداز میں بات کرنے کی کوشش ہی نہیں کی......

اگر کوئی غلطی ہو جائے تو برا مت ماننا مجھے بات کو زیادہ گھمانا پھرانا نہیں آتا صرف یہ کہوں گا کہ جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے یہی لگا کہ میں تمہیں پہلی بار نہیں دیکھ رہا بلکہ میں تو شاید...... صدیوں سے تمہیں جانتا ہوں' پہچانتا ہوں......

مجھے تم یکسر اجنبی نہیں لگیں...... ایسا کیوں ہوا؟ میں نہیں جانتا...... لیکن ایسا ہوا......

تم نے سب کو اپنا نمبر دیا مجھے اچھا نہیں لگا!

لیکن جب ان لڑکوں سے بعد میں مجھے حالات معلوم ہوئے تو بہت اچھا لگا......

نہ تو یہ میرا مزاج ہے اور نہ میں نے پہلے کبھی ایسی کوئی کوشش کی ہے لیکن تمہیں دیکھنے' تمہارے ساتھ کام کرنے اور پھر تمہارے چلے جانے کے بعد کچھ ایسا عجیب ضرور ہوا جو پہلے کبھی نہیں تھا میں نے پل پل تمہیں محسوس کیا......

سچ کہوں پہلی بار کسی لڑکی کو خواب میں بھی دیکھا اور وہ تم تھیں...... دیکھو میری سوچ یہ تھی کہ میں آج کل کے نوجوانوں کی طرح کبھی کسی لڑکی سے رابطہ نہیں کروں گا کسی سے دوستی نہیں کروں گا اور اگر کروں گا تو کسی ایسی لڑکی سے جو صرف دوست نہیں ہو گی...... میری ہمدرد' غم گسار' رازدار' میری اپنی اور...... میری زندگی کی ساتھی بھی وہی بنے گی......

شاید آج کل کے لڑکے یہ مزاج نہیں رکھتے لیکن میں ان جیسا نہیں ہوں میری جو سوچ ہے میں نے کھل کر تمہیں بتا دی ہے اور یہ اس لیے ہو گیا کہ تم سے بات کرنے سے پہلے میں نے بہت سوچ بچار کی بہت حوصلہ مجتمع کیا اور آخر یہ سب کچھ تم سے کہہ ڈالا اب تمہارا جو بھی فیصلہ ہو۔''

اذان دھڑکتے دل کے ساتھ سب کچھ کہہ چکا تو اسے احساس ہوا کہ دوسری جانب مکمل خاموشی ہے اس نے موبائل کان سے ہٹا کر غور سے دیکھا اور پھر

دوبارہ کان سے لگاتے ہوئے گھبراہٹ آمیز انداز میں بولا۔
"ہیلو ماہم! کیا تم سن رہی ہو......؟"
اور دوسری جانب سے ہنسی کا جل ترنگ بج اٹھا پھر اس کی آواز سنائی دی۔
"اذان صاحب! کتنی عجیب بات ہے کہ میرے اور آپ کے خیالات ایک جیسے ہیں......
دوستی اور فلرٹ پر میں بھی یقین نہیں رکھتی......
ہمارے ماں باپ ہمیں پال پوس کر جوان کرتے ہیں...... انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں' صحیح غلط کی شناخت بخشتے ہیں' ہمیں شعور عطا کرتے ہیں اور ہم پل بھر میں ان کی ساری محبتوں کو کسی اجنبی شخص کے لیے یک لخت نظر انداز کردیں......تو یہ درست تو نہ ہوا نا؟
میں خود بھی ایسی ہی سوچ رکھتی ہوں اور لڑکیوں کے بلاوجہ دوستیاں پالنے کے شوق سے بھی خاصی الرجک ہوں۔
میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ اول تو کسی سے دوستی کرنی ہی نہیں چاہئے اور اگر کوئی ایسا ہو...... جو آپ کو سمجھ سکتا ہو' آپ کا خیال رکھتا ہو' تو پھر اسے صرف دوست نہیں جیون کا ایک حصہ ہونا چاہیے!
اور وہ بھی والدین کی رضامندی سے......
آپ نے دیر تو بہت کی لیکن پہلی ہی مرتبہ میرا اعتماد جیتنے میں کامیاب رہے مجھے آپ کی باتیں اچھی لگیں۔"
اس کی بات سن کر اذان جیسے ہواؤں میں پرواز کرنے لگا اور اس کے ہونٹوں سے ایک جملہ بے ساختہ آزاد ہوگیا۔
"تو کیا میں امید رکھوں کہ ہم آئندہ بھی بات کرسکیں گے؟"
"جی امی! آرہی ہوں"
جواب میں ماہم کی آواز سنائی دی پھر وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "امی جان آواز دے رہی ہیں
ہم ان شاء اللہ ضرور بات کریں گے لیکن آپ مجھے کال صرف اس وقت کریں گے جب میں آپ کو میسج دے کر کال کرنے کے لیے کہوں گی......اوکے؟
اپنا بہت خیال رکھیے گا...... اللہ حافظ!" لائن منقطع ہوگئی' اذان نے موبائل کان سے الگ کرکے اس کی طرف دیکھا اور پھر موبائل کو کس کرتے ہوئے بستر پر ایک جانب اچھال دیا' آج وہ بہت خوش تھا!

☆☆☆

"تھینکس گاڈ!"
آپریشن تھیٹر سے نکل کر عقیل کے ساتھ چلتے چلتے گلوز اتارتے ہوئے فریال نے کہا۔
"بہت مشکل آپریشن تھا لیکن کامیاب رہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مریض کی زندگی لوٹادی۔"
عقیل نے توجہ سے اس کی بات سنی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔
"فریال! تم نے بہت بڑا رسک لیا ہے میرے خیال میں تو یہ پولیس کیس تھا اور ہمیں پولیس کی آمد سے پہلے آپریشن نہیں کرنا چاہیے تھا!"
اس دوران وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے ریسپشن تک پہنچ چکے تھے۔
فریال نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر قدرے تیز لہجے میں بولی۔
"کبھی کبھی مجھے بہت حیرت ہوتی ہے عقیل کہ تم ڈاکٹر کیسے بن گئے......؟
ہمارا کام زندگی بچانا ہے' لوگ ہمیں مسیحا کہتے ہیں......ایک انسان موت کے دہانے پر کھڑا ہو اور ہم پولیس کا انتظار کرتے رہیں......؟"
عقیل نے رک کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔
"بھئی یہاں کی ایم ایس تم ہو' ہاسپٹل تمہارا ہے تم زیادہ بہتر جانتی ہو کہ کیا کرنا ہے...... مجھے کیا؟ تم جو مناسب سمجھو...... میں تو چلا۔" عقیل نے جملہ مکمل کیا اور فریال کے جواب کا انتظار کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

فریال نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے سر جھٹکا اور پھر ریسپشنسٹ سے مخاطب ہوئی۔
"مریض کی حالت اب خطرے سے باہر ہے اسے وارڈ میں شفٹ کروادو اور ہاں اس کے ساتھ کون ہے؟"
فریال نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا لیکن اسے اردگرد کوئی اجنبی چہرہ نظر نہ آیا تو اس کی نظریں دوبارہ کاؤنٹر کے عقب میں کھڑی ریسپشنسٹ کے چہرے پر جا ٹھہریں۔
اس کی نظروں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے ریسپشنسٹ قدرے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں گویا ہوئی۔
"وہ......میڈم! اسے ایک پٹھان لے کر آیا تھا اس کی حالت ایسی تھی کہ...... ہم سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور...... اسی دوران اسے لے کر آنے والا پٹھان غائب ہوگیا......"
فریال نے گھور کر اس کی جانب دیکھا اور پھر قدرے تلخ لہجے میں بولی۔
"اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھا کرو تمہاری ڈیوٹی ریسپشن پہ ہے مریضوں پر نہیں......"
پھر پلٹ کر اندرونی حصے کی طرف جاتے ہوئے گویا ہوئی۔ "مریض کو ہوش آجائے تو مجھے اطلاع کروادینا میں اپنے کمرے میں ہوں۔"
کمرے میں داخل ہوئی تو ٹیلی فون سیٹ کی جانب متوجہ ہوگئی جس کا رنگر بتا رہا تھا کہ کسی کی کال آرہی ہے اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولی۔
"ہیلو......کون؟"
پھر چند لمحے دوسری جانب کی آواز سننے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔ "اوہ...... ویری سوری بھیا! میں تو بھول ہی گئی تھی کہ آج میرا برتھ ڈے ہے......
اصل میں ایک ایمرجنسی کیس آگیا ہے...... میں ذرا دیر میں پہنچوں گی!"
چند لمحے دوسری جانب کی آواز سننے کے بعد لاڈ بھرے انداز میں بولی۔
"تھینکس بھیا! مجھے یقین ہے کہ آپ کا گفٹ اس مرتبہ بھی آپ کی طرح پیارا ہی ہوگا......بس میں دو سے تین گھنٹے میں پہنچ جاؤں گی......اوکے بھیا!"
اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی۔
"ڈاکٹر مریض کو ہوش آگیا ہے۔"
فریال نے نظریں اٹھا کر نرس کی طرف دیکھا پھر بڑبڑاتے ہوئے بولی۔
"حیرت انگیز......اتنی جلدی؟ اوکے میں ابھی آتی ہوں۔"
اور نرس سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔
فریال بھی اٹھ کر تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوگئی۔ وہ سخت حیرت زدہ تھی کہ مریض کو اتنی جلدی ہوش کیسے آگیا؟
اس کے خیال کے مطابق اسے ہوش میں آنے کے لیے ڈیڑھ سے دو گھنٹے درکار تھے لیکن مریض حیرت انگیز طور پر ہوش میں آگیا تھا اس کے باوجود کہ وہ شدید زخمی ہونے کے ساتھ ساتھ خواب آور ادویات کے زیر اثر بھی تھا!
وہ اس کے بیڈ کے قریب پہنچی تو اسے حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا برداشت کرنا پڑا کیوں کہ مریض نہ صرف ہوش میں تھا بلکہ وہ سینے پر بندھی ہوئی بے شمار پٹیوں کے باوجود ٹیک لگائے آرام سے بیڈ پر بیٹھا تھا۔
شاید وہ نوجوان بہت زیادہ قوت ارادی کا مالک تھا!
اور یہ بات فریال کے لیے حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ خاصی دل چسپی کا باعث بھی تھی۔
اس نے قریب پہنچ کر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے دریافت کیا۔
"اب کیسے ہیں آپ؟"
نوجوان نے سکون سے نظریں اٹھائیں فریال کے چہرے کا بغور جائزہ لیا اور پھر پرسکون لہجے میں

گویا ہوا۔

"انسان جیسا تھا ویسا ہی ہے...... اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا...... ویسے آپ کون ہیں؟"

فریال نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور اسے لگا کہ شاید نوجوان اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہے...... اپنی بات کے جواب میں اس کا بے سروپا جواب اور پھر اس کا بے تکا سوال فریال کی پریشانی میں اضافہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

اس نے گھبرا کر اس کا جائزہ لیا لیکن مریض نہایت پرسکون انداز میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر دیوانگی یا غائب دماغی کی کوئی جھلک نظر نہیں آرہی تھی فریال قدرے سنبھل کر گویا ہوئی۔

"دیکھیں آپ اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ مت ڈالیں...... آپ کی تسلی کے لیے اتنا بتا دیتی ہوں کہ آپ ہاسپٹل میں ہیں میں ڈاکٹر ہوں اور یہاں آپ کا علاج ہو رہا ہے......"

نوجوان نے بتحمل سے اس کی بات سنی پھر پرسوچ انداز میں گویا ہوا۔ "اوہ...... تو گویا میں بیمار ہوں...... لیکن میں ہی کیا یہاں تو پوری انسانیت بیمار ہے!

کتنی عجیب حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں جو یہ بتا سکے کہ صحت کیا ہے......؟

میڈیکل سائنس جتنی بھی ترقی کر لے، جتنی بھی ٹیکنیکل اصطلاحات سے بہرہ ور ہو جائے لیکن بے سود ہے......

ڈاکٹرز دوا تو تجویز کر سکتے ہیں مگر...... صحت...... صحت کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے...... چلیں میں آپ کو بتاتا ہوں!

دیکھیں جب انسان کو کوئی بیماری لاحق نہ ہو تو اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اسے صحت کہا جاتا ہے! یعنی بیماری کی عدم موجودگی صحت ہے اور صحت تخلیق نہیں کی جا سکتی یا تو یہ بیماری کی وجہ سے چھپی ہوئی ہوتی ہے یا پھر اگر بیماری دور ہو جائے تو یہ خود کو ظاہر کر دیتی ہے...... صحت ہمارے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔"

فریال نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے حیرت سے نوجوان کی طرف دیکھا۔ اس نے غور کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ نوجوان کا دماغ نہیں چلا بلکہ نوجوان دوسروں کا دماغ چلا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ بہت گہری باتیں کر رہا تھا فریال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر کھنچ گئی پھر وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن آپ کو اللہ کا شکر بجا لانا چاہیے کہ اس نے صحت کی یہ دولت آپ کو بخش دی ہے۔

اور میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں کہ آپ موت کے منہ سے دوبارہ واپس لوٹ آئے ہیں۔"

نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی پھر وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"دریا ہمیشہ رواں رہتے ہیں کیوں کہ یہ پانی بے یہ طاقت ور ہے، اسے تو بہنا ہے، یہ کسی آسرے، کسی سہارے سے نہیں پوچھتا!

کہ اسے سمندر کا راستہ بتایا جائے۔ کیا آپ نے کبھی کوئی دریا دیکھا ہے جو کسی سے سمندر کا پتا معلوم کر رہا ہو؟

یہ درست ہے کہ سمندر کہیں دور دراز نظروں سے اوجھل ہو سکتا ہے لیکن دریا بہرحال راستہ پا لیتا ہے دریا کے پاس کوئی گائیڈ بک نہیں ہوتی اسے اپنی منزل پر پہنچنا ہی ہوتا ہے!

پہاڑوں کو توڑتے، میدانوں کو عبور کرتے، دوڑتا چلا جاتا ہے۔" فریال نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے ایک طویل سانس لی اور پھر گویا ہوئی۔

"آپ بہت اچھی ہوئی باتیں کرتے ہیں، بہرحال...... آپ کو نئی زندگی مبارک ہو، اگر کوئی تکلیف محسوس کریں تو نرس سے کہہ کر مجھے بلوا لیجیے گا! اب آپ آرام کریں او کے؟"

فریال واپسی کے لیے پلٹی تو نوجوان کی سنائی دینے والی آواز نے ایک مرتبہ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا دی۔

نوجوان بڑے رسان سے ایک شعر سنا رہا تھا۔

کہانی میں کوئی رد و بدل کر
مرا مرنا ابھی بنتا نہیں تھا!

☆☆☆

اذان گلاس ڈور کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوا اور پھر ایک سرسری سی نظر ہال پر دوڑاتے ہوئے اپنی مخصوص ٹیبل کی جانب بڑھ گیا۔

وہ اس وقت اپنے پسندیدہ ہوٹل میں موجود تھا جہاں دکان بند کرنے کے بعد وہ اکثر شام کی چائے پینے آیا کرتا تھا۔

ٹیبل کے اردگرد رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھے شاہد نے اٹھ کر گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اذان اس سے معانقہ کرنے کے بعد کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"بہت دن ہو گئے تھے ملاقات کیے ہوئے میں نے سوچا کہ تم سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور چائے بھی ساتھ پی لیں گے...... اس لیے یہاں بیٹھا تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

شاہد نے اذان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی وہاں موجودگی کی وجہ بیان کی۔

"بہت اچھا کیا یار! تم تو جانتے ہی ہو کہ مجھے دکان سے فرصت نہیں ملتی، تمہاری محبت ہے کہ ملنے آ جاتے ہو۔"

اذان نے خوش دلی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ٹھیک اسی وقت ویٹر قریب آن پہنچا تو اذان اس کی طرف مڑتے ہوئے گویا ہوا۔ "دو چائے لے آؤ یار۔"

اور ویٹر گردن خم کرتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

"اور بھئی شاہد کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

اذان شاہد سے مخاطب ہوا۔ شاہد نے برا سا منہ بنا کر اذان کی طرف دیکھا پھر گویا ہوا۔

وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

"ہونا کیا ہے یار! گھر، گھر سے ہاسپٹل، ہاسپٹل سے واپس گھر، بس وہی یکسانیت کچھ نیا کرنے کے لیے ہو تو انسان کی طبیعت بھی کچھ بہتر ہو جائے۔"

پھر بغور اذان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ویسے تم خاصے بہتر نظر آ رہے ہو آج تمہارے چہرے پر مجھے وہ رونق نظر آ رہی ہے جو تمہاری شخصیت کا حصہ ہوا کرتی تھی یہ انقلاب کیسے؟"

اذان نے گڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا اسی وقت ویٹر نے چائے لا کر سرو کی تو شاہد برتن اپنی طرف گھسیٹ کر چائے بنانے لگا۔ اذان نے ایک طویل سانس لی پھر شاہد کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا...... کیسا انقلاب؟ اب انسان خوش بھی نہ رہے...... اگر منہ لٹکا کر اداسیاں اوڑھ کر رونی صورت بنائے پھرو تو تم جیسے نقاد تب بھی چین سے نہیں بیٹھتے......

ان کے دماغ میں یہ کھد بد شروع ہو جاتی ہے کہ آخر اس اداسی کا سبب کیا ہے؟ اور اگر انسان ہنستا مسکراتا نظر آئے تو پھر بھی ہول اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں...... ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے کہ اگر درانتی کی ایک سائیڈ پر دندانے ہوتے ہیں تو دنیا کی دونوں سائیڈوں پر...... بندہ دنیا کو کسی صورت بھی راضی نہیں کر سکتا۔"

شاہد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "بھئی واہ! آج تو دماغ کے ساتھ ساتھ زبان بھی خوب چل رہی ہے، محاورے بھی یاد آ رہے ہیں اس کا مطلب ہے کہ حضور واپس ٹریک پر آتے جا رہے ہیں کوئی انہونی ہی لگتی ہے......"

پھر جھک کر اذان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"مجھے بھی نہیں بتاؤ گے...... کہ یہ کھلتے ہوئے رنگ بہار آنے کی چغلی کیوں کھا رہے ہیں؟"

اذان نے سٹپٹا کر نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"یار تم بھی کمال کے آدمی ہو جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہو، کون سی بہار، کیسے رنگ......؟ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی......"

شاہد معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے شرارت سے بولا۔
"کچھ تو ہے...... جس کی پردہ داری ہے!"
اذان جلدی سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔
"فضول بکواس نہیں کیا کرو یار! پتا نہیں کہاں کہاں کی ہانکتے رہتے ہو۔" اور پھر چائے پینے لگا۔
"یار وہ ماہم نہیں تھی......!"
شاہد اچانک چونکا دینے والے لہجے میں گویا ہوا تو چائے کا کپ اذان کے ہاتھ میں لرز کر رہ گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر شاہد کی طرف دیکھا پھر سوالیہ لہجے میں دریافت کیا۔
"کیا ہوا اسے؟"
"ایک نئی خبر ملی ہے......"
شاہد نے انکشاف کرتے لہجے میں بات کرتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو اذان بے چینی سے بول اٹھا۔
"کیسی خبر؟ ایک تو تمہاری یہ بہت بری عادت ہے کہ خوامخواہ سسپنس پیدا کرتے رہتے ہو جو بات ہو بندہ بول دے چھوٹی سی چھوٹی بات کو افسانہ بنا دیتے ہو۔"
شاہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے گویا ہوا۔
"اور تم کبھی بھی میری اس صلاحیت کی داد نہیں دو گے کہ میں ایک کامیاب افسانہ نگار بن سکتا ہوں......"
حسب عادت شاہد کے پھر جملہ ادھورا چھوڑ دینے پر اذان جھلا کر بولا۔
"ایسی کی تیسی تمہاری افسانہ نگاری کی ......اب کچھ بکو گے بھی یا میں اٹھ کر چلا جاؤں؟"
شاہد نے مسکینی سی شکل بنا کر اذان کی طرف دیکھا پھر بسورتی ہوئی آواز میں بولا۔
"اچھا بھئی! بگڑتے کیوں ہو؟ میں تو صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ ماہم نے ہم سب سے تو یہ کہا کہ وہ صرف کسی ایسے لڑکے سے دوستی کرے گی جو اس سے شادی بھی کرے گا لیکن وہ اس "حافظ عامر" سے دوستی کا دم بھرنے لگی ہے......وہ اٹھائی گیرا پتا نہیں کون سا جادو جانتا ہے کہ ہم سب کے چھکے چھڑا دینے والی لڑکی اس کے گیت گاتی ہے......
ہم میں سے کسی نے بھی جب اسے ملاقات پر آمادہ کرنا چاہا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ عنقریب اس منحوس سے ملاقات بھی کرے گی......"
"کیا بکواس ہے...... وہ ایسا کیوں کرنے لگی...... ماہم ایسی لڑکی ہے ہی نہیں۔"
اذان بے اختیار بول اٹھا تھا اور اس کا لہجہ بھی لاشعوری انداز میں خاصا تیز اور تلخ ہو گیا تھا۔
شاہد نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا پھر حیرت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔
"ارے...... تمہیں کیا ہوا؟ تم تو یوں بگڑ رہے ہو جیسے ماہم سے تمہارا کوئی گہرا رشتہ ہو......"
اس کی بات سن کر اذان کو بھی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا وہ سنبھل کر قدرے شرمندہ سے انداز میں گویا ہوا۔
"نہیں یار! بات دراصل یہ ہے کہ اس لڑکی کے بارے میں ہم لوگوں نے جتنے بھی اندازے قائم کیے ...... وہ آج تک سب کے سب غلط ثابت ہوئے ہیں۔
اس لیے تمہاری اس بات پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہ رہا......اور تو کوئی بات نہیں ہے۔"
شاہد نے بغور اس کا جائزہ لیا پھر قدرے مشکوک لہجے میں بڑبڑایا۔
"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

☆☆☆

اس نے چور نظروں سے چاروں سمت دیکھا اور پھر چپکے سے ایک جانب بڑھ گیا۔ اب اس کا رخ بیرونی دروازے کی طرف تھا۔ جونہی اس کی نظر دروازے پر پڑی اس کے قدموں کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ پر پہنچ گیا اور پھر

جلد ہی وہ باہر سڑک پر پہنچ چکا تھا۔
اس نے پلٹ کر اس عمارت کی جانب دیکھا جس سے وہ ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔ عمارت کے مرکزی دروازے کے بالکل اوپر ایک نیون سائن جگمگا رہا تھا۔ جس پر جلی حروف میں لکھا "زمان ہاسپٹل" واضح دکھائی دے رہا تھا۔
اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر قریب سے گزرتے ہوئے ایک رکشا کو ہاتھ سے اشارہ دیا۔
رکشا چند قدم آگے جا کر رک گیا۔ وہ تیزی سے اس جانب لپکا اور پھر رکشا ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔
"لکشمی چوک چلو گے؟"
رکشا ڈرائیور نے مسکراتی نظروں سے اس کی جانب دیکھا پھر خوش دلی سے بولا۔
"ہمارا کیا ہے خان صاحب! ہم تو دن میں پچاس بار لکشمی چوک جاتے ہیں آپ اپنی بات کروا گر جانا ہے تو ابھی پہنچا دیتا ہوں۔" لیکن وہ اس کی خوش گفتاری سے متاثر ہوئے بغیر جلدی سے رکشا میں بیٹھ گیا اور بولا۔
"منڑاں جلدی چلو پھر ام کو اودر بوت کام اے۔"
ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے رکشا آگے بڑھا دیا۔
اس نے سر باہر نکال کر آخری مرتبہ زمان ہاسپٹل کی عمارت پر ایک نظر ڈالی اور پھر سیٹ سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔
کچھ ہی دیر کے بعد رکشا قلب لاہور یعنی داتا دربار کے سامنے سے گزر رہا تھا۔
اس کی نظریں باہر کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں جونہی اس کی نظر ایک دکان کے باہر لگے ہوئے بورڈ پر پڑی وہ جلدی سے بولا۔ "منڑاں ایدر ذری آسرا کرو ام ایک ضروری پھون کرے گا۔" ڈرائیور نے رکشا ایک سائیڈ پر کر کے روک دیا تو وہ جلدی سے اتر کر دکان کی جانب بڑھا۔ پیچھے سے ڈرائیور کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔
"خان صاحب! ذرا جلدی آنا ادھر روڈ پر زیادہ دیر رکیں تو سارجنٹ چالان کر دیتا ہے۔"
اس نے پلٹ کر ایک نظر اس کی جانب دیکھا پھر بولا۔
"پھکر نئیں کرو ام ابھی آتا اے۔"
وہ پھرتی سے اس دکان میں داخل ہوا جس کے باہر بورڈ لگا ہوا تھا "ستا پی سی او" اب وہ کرسی پر بیٹھا ایک نمبر ڈائل کر رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ چور نظروں سے اردگرد کا جائزہ بھی لیے جا رہا تھا۔
رابطہ قائم ہونے پر اس کی آواز بلند ہوئی۔
"محبوب خان بولتا اے بی بی صاب!
فرزان بابو بوہت زخمی ہو گیا اے......ام اس کو اسپتال پہنچا دیا اے اس سے زیادہ ام کچھ نئیں کر سکتا تھا۔"
چند لمحے دوسری جانب کی آواز سننے کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔
"آپ کا نمبر ام کو پھر ید کھان دیا تھا......اس کا گھر والوں کو ام نئیں جانتا' اس لیے آپ کو بتا دیا اے۔"
ایک لمحے کے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔
"جی نیلم بی بی! لکھو......"زمان اسپتال......"
اور پھر وہ ایڈریس لکھوانے لگا۔ جونہی ایڈریس مکمل ہوا اس کے کریڈل پر رکھے ہاتھ نے حرکت کی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔
اس نے پی سی او والے کو یونٹ کے حساب سے پیسے ادا کیے اور باہر نکل کر دوبارہ رکشا میں جا بیٹھا۔
اب وہ پھر "لکشمی چوک" کی جانب رواں دواں تھا۔
محبوب خان نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا کہ اس سے زیادہ وہ کر بھی کچھ نہیں سکتا تھا۔
کیوں کہ فرزان سے اس کا تعلق ایک سطحی تعلق تھا۔ کوئی گہرا یا خونی رشتہ تو تھا نہیں جو زیادہ مضبوط' زیادہ پائیدار ہوتا!
آج کا انسان اگر کسی سے تعلق جوڑتا ہے تو وہ

تعلق ایسا ہی تعلق ہوتا ہے خالی پن سے بھرا ہوا......

☆☆☆

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں!

"ہماری یہ دنیا اناؤں کا ایک بے ہنگم ہجوم بن کے رہ گئی ہے۔ جہاں ہر آدمی اکیلا ہے' تنہا ہے' ایک دوسرے سے یکسر الگ تھلگ' صرف ضرورت اور غرض کے رشتے رہ گئے ہیں جو ہمیں ایک دوسرے سے جوڑنے کا باعث بنتے ہیں۔

بظاہر تو ہر طرف ایک گہما گہمی اور بھیڑ نظر آتی ہے لیکن اندر سے ہر انسان اکیلا ہے۔ جس کے چاروں طرف صرف تنہائیاں ہی تنہائیاں ہیں۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم سب اپنی اپنی انا کے قیدی ہیں۔ اپنی سوچیں' اپنے خیالات ونظریات ہی ہمیں درست لگتے ہیں اور دوسرا اپنی جگہ غلط دکھائی دیتا ہے۔ ہم نے اپنے اردگرد خود ساختہ دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ ہم نے محبت کو بہت محدود کر کے رکھ دیا ہے۔

ایسی گھٹن اور ایسے حبس کے عالم میں محبت کا پھولنا پھلنا ویسے بھی ممکن نہیں! کیوں کہ محبت تو وہ جذبہ ہے جو دلوں میں خود بخود جنم لیتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔

محبت کو ہم دیواروں میں قید کر کے نہیں رکھ سکتے۔ خود ساختہ اور مصنوعی حد بندیوں میں محصور نہیں کر سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو محبت سسک سسک کر دم توڑ دے گی' مر جائے گی۔

محبت تو دیواروں کے انہدام کا نام ہے۔ محبت ہوتی ہی اس وقت ہے جب من وتو کا پردہ حائل نہیں رہتا۔ محبت صرف اسی وقت جنم لیتی ہے جب انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔ جب حدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔

محبت دوری یا فاصلوں میں نہیں بلکہ محبت تو قربت اور ملن کے سہارے پروان چڑھتی ہے۔

جس طرح ریت' پتھر اور مٹی ہٹا کر ہم ایک کنواں کھودتے ہیں تو زمین سے پھوٹ نکلنے والا صاف وشفاف پانی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ہم فاصلوں کو ختم کرتے ہیں' دوریوں کو مٹا دیتے ہیں تو بالکل اسی مصفا پانی کی طرح امڈتی ہوئی جو چیز ظہور میں آئے گی۔ اسی کا نام محبت ہے...... ایک خالص' پاکیزہ اور مقدس جذبہ!"

اذان نے اپنی طویل گفتگو کا اختتام کیا تو دوسری جانب خاموشی سے سنتی ہوئی ماہم گویا ہوئی۔

"اذان صاحب! آپ بہت خوب صورت گفتگو کرتے ہیں۔ آپ کی زبان سے ادا ہوا ہر لفظ اپنی جگہ ایک خوب صورت موتی کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن سوچ ہر انسان کی اپنی ہوتی ہے۔ آپ کی نظر میں صرف قربت ہی کا نام محبت ہے...... میں کسی حد تک آپ کی بات سے متفق بھی ہوں لیکن میرے خیال میں قربتیں اسی وقت مناسب ہوتی ہیں جب ہم اس معاشرے کے رائج کردہ اصولوں کے مطابق اپنی محبت کو کسی خوب صورت رشتے کا نام دے دیں تو......"

اذان جو حسب معمول اپنے بستر پر نیم دراز موبائل پر ماہم سے ہم کلام تھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسے خوشی ہوئی تھی کہ ماہم بھی اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مدلل گفتگو کرتی ہے۔ پھر وہ قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"سوچیں مختلف ہو سکتی ہیں' نظریات الگ ہو سکتے ہیں لیکن دلیل اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔ میری نظر میں محبت زنجیروں میں جکڑے رہ کر نہیں کی جا سکتی۔

محبت تو آزادی کا نام ہے...... قید نہیں! یہ محرومی نہیں سعادت ہے! جبر تو محبت کو قتل کر دیتا ہے۔ کیوں کہ محبت کیوں' کب' کیسے' جیسے الفاظ کی قائل نہیں ہوتی......

یہ تو کسی جزا اور صلے کی توقع کے بغیر مسلسل تسلیم ورضا ہے۔ ضد' انا' انکار اور ہٹ تو محبت کے وجود پر وہ کاری زخم لگاتے ہیں کہ محبت تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتی ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی جگہ پر ایک بہت گھنا درخت تھا۔ جس پر ڈھیروں پھول کھلتے' پھل لگتے تتلیاں ہر وقت اس کے اردگرد رقص کرتیں۔ چہچہاتے ہوئے پرندے ہر وقت اس کی پھیلی ہوئی مہربان شاخوں پر ڈیرے ڈالے رہتے۔

ایک ننھا سا بچہ بھی اکثر اس درخت کے سکون بخش سائے کے نیچے کھیلنے آیا کرتا۔

بچہ روز آتا' کھیلتا' وقت گزارتا اور چلا جاتا دھیرے دھیرے درخت کو بچے کے ساتھ لگاؤ ہو گیا۔

درخت بہت بڑا' بہت گھنا تھا اور بچہ ایک ننھا منھا وجود...... لیکن جہاں محبت جنم لیتی ہے وہاں بڑے چھوٹے کا فرق ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور ویسے بھی انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو یہ احساس شدت سے رہتا ہے کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا......

محبت میں کوئی بڑا کوئی چھوٹا نہیں ہوتا۔ یہ تو ہر آنے والے کو گلے سے لگا لیتی ہے۔ بس درخت کو اس چھوٹے بچے سے محبت ہو گئی! بچہ روز آتا' کھیلتا درخت بچے کے لیے اپنی بلند شاخوں کو جھکا دیتا کیوں کہ محبت ہمیشہ جھکنے پر آمادہ رہتی ہے۔

بچہ پھول چنتا' پھل کھاتا اور خوشی خوشی واپس چلا جاتا۔ پھر یوں ہوا کہ بچہ بڑا ہو گیا۔ کبھی وہ درخت کے سائے تلے آ کر سو جاتا' کبھی پھل کھاتا اور مسرت سے معمور ہو جاتا۔ درخت اس کی خوشی دیکھ کر جھوم اٹھتا۔ ہوا کے ساتھ لہراتا' ناچتا اور رقص کرنے لگتا۔

لڑکا کچھ اور بڑا ہو گیا۔ اب وہ درخت کی شاخوں سے جھول کر اس کے اوپر چڑھنے لگا۔ درخت اپنے محبوب کے لمس کو پا کر بے انتہا خوشی محسوس کرتا۔

وقت گزرتا گیا۔ لڑکے پر ذمہ داریوں کا بوجھ پڑتا اور پھر بڑھتا چلا گیا۔ خواہشیں جنم لینے لگیں' آرزوئیں بے دار ہوتی گئیں۔ اب اسے امتحانوں سے گزرنا تھا۔ دوستوں کے ساتھ گپیں لگانا' سیر و تفریح کرنا اس کے پسندیدہ مشاغل تھے۔

اب وہ درخت کی طرف زیادہ نہ آتا۔ درخت بے چین رہتا' اضطراب کے ساتھ اس کا انتظار کرتا' درخت کی روح بے قراری کے عالم میں پکار اٹھتی۔

"اے میرے دوست! آ جاؤ...... میں تمہارا منتظر ہوں......"

اور محبت تو ہے ہی انتظار...... شب و روز کبھی نہ ختم ہونے والا انتظار...... محبت اداس ہو گئی۔

درخت کی طرف کم سے کم آنا لڑکے کا معمول بن گیا۔ کیوں کہ وہ دنیاوی معاملات میں الجھ گیا تھا۔

ایک دن جب وہ قریب سے گزرا تو درخت نے اسے پکارا۔

"سنو! میں تمہارا انتظار کرتا ہوں مگر تم نہیں آتے میں ہر روز یہ امید کرتا ہوں کہ تم ضرور آؤ گے لیکن میری امید پوری نہیں ہوتی۔"

لڑکا تلخی سے بولا۔

"میں تمہارے پاس کیوں آؤں...... تمہارے پاس ہے ہی کیا؟ مجھے دولت کی تلاش ہے کیا تم مجھے دولت دے سکتے ہو؟"

لڑکے کا جواب سن کر درخت پریشان ہو گیا۔ وہ حیرت سے بولا۔ "کیا تم تبھی آؤ گے جب میں تمہیں کچھ دوں گا؟ محبت تو غیر مشروط ہوتی ہے۔"

لڑکا بے زاری سے بولا۔

"مجھے تو بس دولت کی ضرورت ہے اور میں وہیں جاؤں گا جہاں مجھے دولت ملے گی......"

محبوب کا دوٹوک انداز دیکھ کر درخت خاموش ہو گیا۔ پھر دکھی لہجے میں گویا ہوا۔

"اچھا میرے عزیز! تم صرف یہ کرو کہ میرے پھل توڑو اور انہیں بازار لے جا کر بیچ دو تمہیں دولت مل جائے گی۔"

لڑکا پرجوش ہو گیا۔ وہ فوراً درخت پر چڑھا اور دھڑا دھڑ سارے پھل توڑ لیے۔ بہت سی چھوٹی بڑی ٹہنیاں بھی ٹوٹیں' پتے بھی گرے لیکن محبت تو چیز ہی ایسی ہے کہ ٹوٹنے پر بھی خوش ہوتی ہے۔ درخت نے خوشی سے سوچا کہ اب اس کا دوست سارے پھل لے

گیا ہے اب ضرور اسے دولت حاصل ہو جائے گی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ لڑکا سارے پھل تو لے گیا لیکن اس نے شکریہ کا ایک لفظ تک نہیں بولا ......

کئی دن گزر گئے لڑکا نہیں آیا۔ کیوں کہ اسے پھل بیچ کر کافی رقم حاصل ہو گئی تھی اور وہ اس پیسے سے مزید پیسہ کمانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ درخت کی طویل رفاقت کو بھول گیا تھا۔

برسوں گزر گئے...... درخت اداس ہو گیا۔ وہ روزانہ ایک بوڑھی ماں کی طرح لڑکے کا انتظار کرتا' پاگلوں کی طرح راستے کو تکا کرتا لیکن لڑکا نہیں آیا۔

پھر کئی برس کے بعد لڑکے کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ جوان مرد بن چکا تھا۔ وہ درخت کے قریب آیا تو درخت بے تابی سے بولا۔

''آؤ میرے بچے مجھے گلے سے لگالو۔''

لڑکا برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''جذباتیت چھوڑو اب میں بچہ نہیں رہا۔''

درخت کے دل پر ایک چرکہ تو لگا لیکن محبت تو محبت ہوتی ہے اس نے پھر کہا۔

''آؤ میری شاخوں سے جھولو' میرے ساتھ کھیلو۔''

لڑکا جواب ایک بالغ مرد تھا غیر جذباتی لہجے میں بولا۔

''فضول باتیں مت کرو...... میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں' مجھے گھر بنانا ہے' کیا تم مجھے گھر دے سکتے ہو؟''

درخت حیران رہ گیا پھر پریشانی سے بولا۔

''میں تو خود گھر کے بغیر رہتا ہوں کیوں کہ انسان کے علاوہ کوئی بھی مخلوق گھروں میں نہیں رہتی۔ بہر حال! تم میری شاخیں کاٹ کر لے جاؤ اور ان کی مدد سے گھر بنالو۔''

آدمی وقت ضائع کیے بغیر ایک کلہاڑا لے کر آیا اور درخت کی تمام شاخیں کاٹ لیں۔ درخت اب صرف ایک تنا رہ گیا تھا۔ آدمی شکریہ ادا کیے بغیر چلا گیا لیکن محبت ایسی باتوں کی پروا ہی کب کرتی ہے؟

درخت نے اپنے تمام اعضاء اپنے محبوب کی خاطر قربان کر دیئے تھے۔ وہ اس کی آرزو پوری کر کے خوش تھا۔ آدمی نے گھر تعمیر کیا' دن برسوں میں ڈھلتے چلے گئے۔ تنے کے نصیب میں انتظار لکھا تھا وہ انتظار کرتا رہا۔

دوست کے دیدار سے محرومی اس کے لیے اذیت تھی۔ وہ چیخنا چاہتا تھا! مگر وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کی شاخیں اور اس کے پتے اس کے ساتھ نہیں تھے۔ ہوائیں چلتیں مگر وہ انہیں کوئی پیغام نہیں دے سکتا تھا لیکن اس کی روح میں ہر وقت ایک ہی دعا گونجتی رہتی۔ ''آجاؤ' آجاؤ میرے محبوب' آجاؤ......''

لیکن انتظار لاحاصل رہا اور دن پہ دن گزرتے گئے۔ بچہ پہلے لڑکا پھر مرد اور اب بوڑھا ہو گیا تھا۔ ایک دن وہاں سے گزرا اور درخت کے قریب آگیا۔ درخت خوشی سے سرشار ہو کر بولا۔

''تم ایک طویل عرصے کے بعد آئے ہو...... میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟'' آدمی رکھائی سے بولا۔

''میں دوسرے ملک جانا چاہتا ہوں اور مجھے سفر کے لیے کشتی کی ضرورت ہے۔'' درخت خوش ہو کر بولا۔

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے میرے محبوب! میں تمہارے ساتھ تعاون کر کے خوشی محسوس کروں گا' تم میرا تنا کاٹ لو اور اس سے کشتی بنالو...... مگر یاد رکھنا میں تمہاری جلد واپسی کا انتظار کروں گا!'' وہ شخص ایک آرا لے کر آیا' درخت کو کاٹا' کشتی بنائی اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اب ایک چھوٹا سا ٹھنٹھ رہ گیا تھا جو کبھی ایک بہت بڑا اور گھنا سایہ دار درخت ہوا کرتا تھا۔

وہ انتظار کرتا رہا کہ اس کا محبوب واپس آئے گا لیکن آدمی واپس نہیں آیا۔ کیوں کہ وہ درخت سے محبت نہیں کرتا تھا۔ وہ صرف ایک غرض مند تھا اور درخت کے پاس اس کی غرض پوری کرنے کے لیے اب کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

لیکن درخت اس سے محبت رکھتا تھا وہ اب بھی پریشان تھا۔ وہ دیوانگی کے عالم میں خود کلامی کرتا۔

''میرا دوست نہیں آیا' پتا نہیں کہاں کھو گیا' کہیں وہ ڈوب ہی نہ گیا ہو' کاش کسی طرح مجھے اس کی خیریت کی کوئی خبر مل سکے۔''

''محبت ایسی ہوتی ہے مس ماہم! یہ جب دینے پر آتی ہے تو نفع نقصان کچھ نہیں سوچتی...... اور تم قربت سے ڈرتی ہو؟

میں تو چاہتا ہوں کہ تم میرے اتنے قریب آؤ کہ میری آنکھوں کے آر پار دیکھ سکو......

شاید میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا! بس یہی کہوں گا کہ محبت محسوس کرنے کا نام ہے۔ اگر تم میرے قریب نہیں آؤ گی' میری آنکھوں میں اپنی محبت کے دیپ جلتے ہوئے نہیں دیکھو گی' مجھے چھو نہیں پاؤ گی تو پھر میرے لفظوں میں بھی نہیں ڈھونڈ پاؤ گی۔

تمہیں اپنا رویہ' اپنی سوچ تبدیل کرنا ہی ہو گی۔ میری باتوں پر غور کرنا۔''

☆☆☆

زندہ دلوں کا شہر لاہور پنجاب کا ثقافتی مرکز اور جنوبی ایشیا کا ایک اہم اور دولت مند علاقہ ہے۔

لاہور جو شاہی دارالخلافہ بھی رہا بادشاہوں نے یہاں شاندار عمارتیں بنوائیں۔ مغل بادشاہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر عالم گیر گیٹ سے گزرتے ہوئے شاہی قلعہ میں داخل ہوتے۔

رقاصائیں اور درباری بھی اسی راستے سے گزر کر دربار پہنچتے تھے۔ سناز' سوداگر اور درزی روشنائی گیٹ سے گزرتے ہوئے عالم گیری دروازے تک پہنچتے۔

مبہوت کر دینے والی مسجد وزیر خان' شاہی قلعہ' بادشاہی مسجد' شالا مار باغ' بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے خستہ حال مقبرے عظمت کے وہ نشان ہیں جو اس شہر کو مغلیہ سلطنت سے وراثت میں ملے۔ شہر کے وسط میں گزرتی وسیع اور دونوں اطراف درختوں سے اٹی مال روڈ برطانوی راج کی نشانیاں ہیں۔

کئی بوسیدہ اور مرمت طلب قدیم عمارتیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔ پرانا لاہور صدیوں سے اسی طرح کا ہے جو قدیم شہر یا اندرون شہر کہلاتا ہے۔ عرصہ ہوا خندقیں بھری جا چکیں' دفاعی فصیلیں غائب ہو گئیں مگر شہر کے تیرہ دروازے آج بھی موجود ہیں۔

پیدل آنے والے آج بھی قلعہ بند شہر کی تنگ گلیوں کی طرف آتے ہیں۔ تانگے' رکشے' موٹر سائیکل اور چھوٹی گاڑیاں پیدل چلنے والے لوگوں کے اس جم غفیر میں راستہ بنا کر چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ لیکن ٹریفک کا یہ بے مہار ہجوم ان تنگ گلیوں میں داخل نہیں ہو پاتا۔

ان گلیوں پر ایک دائمی دھند آلود اداسی رقص کرتی نظر آتی ہے لیکن شہر یہاں آج بھی اسی طرح جاگتا ہے۔ زندگی کی جلوہ طرازیاں اسی طرح نظر آتی ہیں جیسا کہ صدیوں پہلے یہاں کا معمول تھا۔ صبح کے وقت دکان دار اپنے اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ قصائی' مرغیوں اور بکریوں کا گوشت کاٹتے ہیں۔ چائے کے ڈھابے کھلتے ہیں۔ ناشتے کے لیے حلوہ پوری دستیاب ہے۔ پھل اور سبزی فروش اپنے ٹھیلے سجاتے ہیں۔ مولیاں' بینگن' گاجریں' پالک' ٹماٹر' پالک کی گتھیاں' تازہ کھیرے اور سلاد' پودینے کے پتے ان ٹھیلوں کی آرائش کا کام بھی کرتے ہیں۔

چھکڑوں پر بڑے بڑے ڈول رکھے دودھ والے دودھ لے کر آتے ہیں۔ ریڑھے پر چاول اور آٹے کے بورے ادھر سے اُدھر جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی تنگ ورکشاپوں میں بچے اور بڑے کام کے لیے پہنچتے ہیں۔ اور یہ اس شہر کے لوگوں کی مصروفیت کا آغاز ہوتا ہے۔

اسی قلعہ بند شہر کے شمالی کونے میں موجود مغلیہ سلطنت کے عظیم شاہی قلعے اور سب سے بڑی خوب صورت مسجد کے بالکل قریب چار چار منزلہ رہائشی عمارتیں اس شاہی محلے کا حصہ ہیں جسے عرف عام میں ڈائمنڈ مارکیٹ یا ہیرا منڈی کہا جاتا ہے۔

یہاں جب راتیں جاگتی ہیں تو صبح تک روشن رہتی ہیں۔ آج بھی حسب معمول ہیرامنڈی کی اس مرکزی گلی میں چائے کی دکانوں' ریستورانوں اور گیمز کی دکانوں پر روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔

ترنم سینما کے سامنے شور مچاتے رکشے' ریڑھیوں اور موٹر سائیکلوں کے اژدھام میں اس وقت کھلبلی مچ گئی جب تیزی سے چلتی ہوئی وہ دونوں گاڑیاں آندھی اور طوفان کی طرح آگے پیچھے نمودار ہوئیں۔ پیدل چلنے والوں نے بھاگ کر خود کو ان گاڑیوں کی زد سے محفوظ کیا تو اسی طرح موٹر سائیکلوں اور رکشا والوں نے ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز بلند ہوئی تو اس سارے شوروغل پر حاوی ہوگئی۔ دیکھنے والوں نے چونک کر دیکھا۔ دونوں گاڑیاں کوثر بائی کے کوٹھے کے سامنے رک چکی تھیں۔ پھر ان میں سے آٹھ دس اسلحہ بردار افراد برآمد ہوئے اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے غڑاپ سے کوثر بائی کے کوٹھے میں داخل ہوگئے۔

محفل شباب پر تھی۔ کنول شاخ گل کی مانند لچکتی بل کھاتی رقص کناں تھی۔ سازندوں کے ہاتھ حسب دستور مشینی انداز میں حرکت کررہے تھے۔ تماشائی داد وتحسین کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ کوثر بائی کا منہ پان چباتے ہوئے جگالی کرنے کے انداز میں تیزی سے چل رہا تھا جو اس آفت ناگہانی کو دیکھ کر حیرت سے کھل گیا اور پان کی پیک اس کے ہونٹوں کے دونوں کناروں سے بہہ نکلی۔ سازندے ہڑبڑا کر رک گئے اور کنول بھی اپنی جگہ ساکت ہوگئی۔

''فاروق ملک نام ہے میرا...... کیا سمجھا تھا تم نے؟ میں کوئی سیاست دان ہوں جو منہ سے نکالی ہوئی بات کی لاج نہیں رکھوں گا؟''

اس نے رک کر ایک سرسری سی نظر تماشائیوں پر ڈالی جو حیرت سے گنگ بیٹھے تھے۔ پھر اس کی نظریں ساکت کھڑی کنول کے سراپے سے الجھ گئیں۔ چند لمحے خاموشی سے اس کا جائزہ لینے کے بعد وہ دہکتی ہوئی آواز میں غرایا۔

''اور تم کیا سمجھتی تھیں...... فاروق ملک ایک طوائف سے شکست کھا جائے گا......؟ تمہاری اوقات ہی کیا ہے...... ہیں؟''

خاموش کھڑی کنول کے وجود میں ہلکی سی لرزش نمودار ہوئی پھر اس نے کہا۔

''میری اوقات کا اندازہ نہیں ہوا......؟ یہ میری ہی اوقات ہے جس نے ایک رئیس زادے کو بے اوقات کردیا...... اور وہ بلبلاتا ہوا یہاں تک دوڑا چلا آیا۔''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی' پھر سرد لہجے میں دوبارہ گویا ہوئی۔ ''عورت کو اگر یہ احساس ہو کہ وہ عورت ہے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کوٹھی میں رہتی ہے یا کوٹھے پر......

ناچنا میرا پیشہ ضرور ہے مسٹر فاروق ملک! اور میں اس سے پورا انصاف بھی کرتی ہوں...... لیکن...... ایک بات کان کھول کر سن لو...... عزت بکاؤ چیز نہیں ہوتی......''

''بند کرو اپنی یہ بکواس......'' وہ اس کا جملہ کاٹتے ہوئے دھاڑا۔

''یہ کوٹھا ہے...... اور جانتی ہو کوٹھا کیا ہوتا ہے......؟

تم لوگوں کی دکان...... اور تم...... شوکیس میں سجا ہوا ایک ڈیکوریشن پیس بس......!

جسے کوئی بھی خرید سکتا ہے...... جب کوئی لڑکی کسی کوٹھے پر ناچنا شروع کرتی ہے تو اس کی پیشانی پر برائے فروخت کا لیبل لگ جاتا ہے...... میں تمہارا سب سے بڑا خریدار ہوں...... تمہیں اول و آخر بکنا ہے...... پھر میں کیوں نہیں؟''

اس نے آگے بڑھ کر کنول کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا پھر جھٹکا دیتے ہوئے غرایا۔

''بولو! جواب دو...... میرے ہاتھوں کیوں نہیں؟''

ٹھیک اسی لمحے اپنے تھلتھلاتے وجود کو سنبھالتی ہوئی کوثر بائی آگے بڑھی اور کنول کو اس کے ہاتھوں سے چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے گھبراہٹ آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''ح ح...... حضور...... دکاندار میں ہوں اور مجھے مال نہیں بیچنا...... کوئی زبردستی ہے کیا......؟''

فاروق ملک نے قہر بار نظروں سے کوثر بائی کو گھورا پھر کنول کو ایک زوردار جھٹکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر دور جا گری اور کوثر بائی بھی اپنا توازن قائم نہ رکھتے ہوئے ایک جانب لڑھک گئی۔

فاروق ملک گن کا رخ کوثر بائی کی جانب کرتے ہوئے آتشیں لہجے میں غرایا۔

''کوثر بائی! میں نے کہا تھا نا......؟ کہ جو کھلونا مجھے حاصل نہ ہو میں اسے توڑ دیا کرتا ہوں...... دکاندار کی کیا مجال کہ وہ مال بیچنے سے انکار کرے...... میں اسے جہنم رسید نہ کردوں گا۔''

پھر دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

''فاروق ملک نام ہے میرا......''

اس نے ٹرائیگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا، پھر بڑھایا، پھر بڑھایا...... یکے بعد دیگرے دھماکوں کی آواز بلند ہوئی۔ کنول تڑپ کر چیختے ہوئے آگے بڑھی۔

''نہیں......!'' اور سنبھل کر اٹھتی ہوئی کوثر بائی سے لپٹ گئی۔ گولیاں ایک کے بعد ایک تواتر کے ساتھ کنول کے جسم میں پیوست ہوگئیں اور وہ لہرا کر کوثر بائی سمیت دوبارہ زمین پر آرہی۔ یہ منظر دیکھ کر کوٹھے پر بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ پاگلوں کی طرح بیرونی دروازے کی جانب دوڑے۔ تب فاروق ملک کو بھی جیسے ہوش آگیا۔

اس نے گن ایک جانب اچھالی اور لپک کر کنول کی جانب بڑھا۔ پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے جنونی انداز میں گویا ہوا۔

''نہیں...... میں نہیں ہار سکتا...... میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گا...... تم نہیں مرسکتیں۔''

کنول نے اپنی بند ہوتی ہوئی پلکیں اٹھا کر بمشکل اس کی جانب دیکھا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ساتھ ہی ایک ٹوٹا پھوٹا جملہ اس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے برآمد ہوا۔

''ع...... ز...... ت...... بکاؤ چیز...... نہیں ہوتی!''

پھر اس کی گردن ایک جانب لڑھک گئی۔

لیکن اس کے ہونٹوں پر اب بھی ایک ملکوتی مسکراہٹ تھی...... تقدس اور پاکیزگی میں ڈھلی ہوئی ایک خوب صورت اور لازوال مسکراہٹ......

☆☆☆

''مجھے سخت افسوس ہے ماہم! کہ تم نے مجھے بھی عام لوگوں میں شامل کردیا...... مگر ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ میں ہرگز عام آدمی نہیں ہوں اور نہ ہی عامیانہ پن کو پسند کرتا ہوں۔ تم نے ملنے سے انکار کر کے مجھے بہت ہلکا کردیا...... میرا اور تمہارا تعلق کچھ تو خاص تھا جو دوسروں سے الگ' دوسروں سے مختلف تھا۔''

اذان نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ وہ حسب معمول بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ نچلا دھڑ سینے تک کمبل سے ڈھکا ہوا تھا اور آج اس کی طبیعت بھی کچھ مضمحل سی تھی۔

وہ بہت زیادہ تھکن محسوس کررہا تھا اور ایسے عالم میں ماہم کا ملنے سے انکار کرنا اسے مزید اداس کر گیا تھا۔ شاید اسے توقع تھی کہ وہ ملاقات کے لیے کہے گا تو ماہم فوراً راضی ہوجائے گی۔ وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ماہم اس سے پہلے بھی جن لڑکوں سے بات کرتی رہی ہے وہ ان میں کسی سے بھی ملنے کے لیے رضامند نہیں ہوئی۔

لیکن اذان کو اپنی ذات پر ایک بھروسہ تھا' اپنے لفظوں پر ایک مان تھا جسے ماہم کے انکار نے ریزہ ریزہ کردیا تھا۔ انفرادیت پسند اذان کو ماہم کی طرف سے اپنا شمار دیگر لڑکوں میں کیا جانا ہرگز پسند نہیں آیا تھا۔

دوسری جانب شاید ماہم کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ اذان برا مان گیا ہے وہ جلدی سے وضاحت آمیز لہجے میں بولی۔

"اذان پلیز! سمجھنے کی کوشش کریں......ہم لوگوں کی دوستی کی بنیاد ہی اس بات پر استوار ہوئی تھی کہ......ہم اپنے اس تعلق کو شادی کے بندھن میں باندھ کر ایک دائمی شکل بخشیں گے آپ نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

پھر اب ایسا کیا ہوگیا کہ آپ نے ملنے کی بات کو انا کا مسئلہ بنالیا؟ آپ اس بات پر بضد کیوں ہیں......؟ آپ کا تو یہ مزاج ہی نہیں' پھر کیوں؟"

ماہم کا لہجہ بھی اداسی سے معمور تھا۔ اذان کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ احتجاجی انداز میں گویا ہوا۔

"ماہم! بات تو ہم روز کرتے ہیں......لیکن......میں تمہیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں......بات کرنا چاہتا ہوں' تمہیں محسوس کرنا چاہتا ہوں......ہم لوگوں نے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا عہد کیا ہے تو کیا مجھے تم پر اتنا بھی حق حاصل نہیں؟ یہ کیسی محبت ہے؟ کیا شادی بھی فون پر ہی کروگی؟"

ماہم جلدی سے بولی۔

"دیکھیں اذان! پلیز ضد نہ کریں...... مجھے میرے اصول توڑنے پر مجبور نہ کریں......یہ درست ہے کہ میں...... واقعی آپ سے متاثر ہوگئی ہوں! پورے دن کیا کیا' کیا کھایا' کیا پیا سب کچھ جب تک آپ کو بتا نہیں لیتی مجھے چین نہیں آتا۔ آپ مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اور اپنے دکھائی دینے لگے ہیں لیکن......میں اپنا شمار ان لڑکیوں میں نہیں کرنا چاہتی جو محبت کے نام پر رسوائی کا داغ لگادیتی ہیں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا!

اگر آپ ملنے کے لیے اتنے ہی بے چین ہیں تو مجھے تھوڑا وقت دیں میں آہستہ آہستہ امی کا ذہن بناتی ہوں۔

پھر آپ اپنی فیملی کو ہمارے گھر بھیج دیجیے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہوجائیں گے۔"

ماہم کی بات سن کر اذان تیز لہجے میں بولا۔

"تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں......لیکن......یہ ایک صبر آزما کام ہے اور......اس میں بہت وقت لگے گا!

تمہاری تعلیم بھی ابھی مکمل نہیں ہوئی' میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ کبھی کبھی ہم لوگوں کو ملنا بھی چاہیے' اگر ہم فون پر بات کرسکتے ہیں تو کیا دو اچھے انسانوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھ کر بات نہیں کرسکتے......اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

ماہم بے بسی سے بولی۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے' شادی سے پہلے......لڑکے اور لڑکی کا اس طرح ملنا ٹھیک نہیں ہوتا!

اور ہمارا معاشرہ بھی اس بات کو خاصا معیوب سمجھتا ہے۔ آپ صبر کیوں نہیں کرتے......؟ مجھے تھوڑا سا تو وقت دیں؟"

اذان جھلا کر بولا۔

"دیکھو ماہم! اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں کچھ کر بیٹھوں گا......میں اب تمہیں دیکھے بغیر' ملے بغیر' تمہیں محسوس کیے بغیر' نہیں رہ سکتا! تمہیں مجھ سے ملنا ہی ہوگا ورنہ......ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گا!"

اذان نے اپنی بات ختم کی تو ماہم شکستہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"یہ بات میری فطرت اور میرے مزاج کے خلاف ہے اذان! پلیز آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں میں یہ نہیں کرسکتی۔"

اذان چند لمحے کے لیے خاموش رہ گیا اسے ماہم کی طرف سے ایسے قطعی اور دوٹوک انداز میں جواب دیے جانے کی توقع ہی نہیں تھی' اس کا خیال تھا کہ ان کا تعلق اب اس نہج پر پہنچ چکا ہے کہ ماہم اس کی بات ضرور مان لے گی......لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

ماہم کے جواب نے اسے دکھی کردیا چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"بہت شکریہ ماہم! یہ بتانے کا کہ تمہاری نظروں میں میری کیا اوقات ہے' میں......میں شاید اب تمہیں فون نہیں کروں گا! میں کوشش کروں گا کہ جو کچھ بھی ہمارے درمیان تھا' میں اسے بھول سکوں......اور تم بھی آئندہ مجھے فون مت کرنا......اللہ حافظ!" اذان نے سلسلہ منقطع کیا اور موبائل بیڈ پر ایک جانب اچھالنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اسے ماہم کی طرف سے اتنے سخت رویہ کی توقع نہ تھی اس کے لیے یہ بات شدید اچنبھے کا باعث تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس کے الفاظ' اس کے جذبات' اس کی محبت اتنی ہی بے معنی تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس طرح سے اس کی شخصیت' اس کی انا پر ضرب لگادے' اسے یوں نظر انداز کردے' یہ اس کی ذات کی نفی تھی' اس کی توہین تھی' اور اسے یہ توہین پسند نہیں آئی تھی۔

بپ......بپ کی آواز سنائی دینے پر اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں اور موبائل کی جانب دیکھا! موبائل کی اسکرین بلنک کررہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور اسکرین پر نمودار ہونے والا نام پڑھا "ماہم کالنگ!"

لیکن اب وہ ماہم سے بات کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اور اس وقت تو شاید وہ کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بے دلی سے موبائل دور اچھال دیا۔

لیکن چند لمحوں کے بعد ہی موبائل پر دوبارہ کال آنے لگی۔ اس نے موبائل اٹھا کر کال کاٹ دی لیکن فوراً ہی پھر کال آنے لگی۔ وہ چند لمحوں تک موبائل کو گھورتا رہا پھر کچھ سوچ کر کال ریسیو کرتے ہوئے موبائل کان سے لگا کر گویا ہوا۔

"بولو! کیا کہنا چاہتی ہو......اب کیوں فون کررہی ہو بار بار......؟"

اس کی آواز خاصی تیز تھی۔ دوسری جانب سے ماہم کی پریشان آواز سنائی دی۔

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا......میں آپ کے لیے اتنی غیر اہم تو کبھی نہیں تھی......جس طرح آپ نے یکلخت کال کاٹ دی' میں تو پریشان ہوگئی تھی......آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے' آپ خیریت سے ہیں نا؟"

اذان کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تم سے بات ہونے تک تو ٹھیک تھی لیکن اب......اب ٹھیک نہیں ہے۔"

ماہم بے چینی سے بولی۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ پلیز! سچ سچ بتائیں......؟"

اذان خاموش رہا تو ماہم کی بے چین آواز دوبارہ سنائی دی۔

"آپ چپ کیوں ہیں؟ بولیں نا......کیا ہوا ہے آپ کو؟"

اذان دھیرے سے ہنسا اور بولا۔

"مجھے ہوا کچھ نہیں ہاں میں نے کچھ کیا ضرور ہے......"

"کیا کیا ہے آپ نے؟ دیکھیں آپ کو میری قسم سچ سچ بتائیں......کیا ہوا ہے؟"

اذان کے حلق سے ایک کراہ سی خارج ہوئی پھر وہ سسکاری بھرنے کے سے انداز میں گویا ہوا۔

"تم نے ملنے سے انکار کیا تو غصے میں آکر میں نے دیوار میں دو چار ٹکریں رسید کردیں......اور تو کچھ نہیں کیا......اور ذرا سا سر پھٹ گیا ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہوا بھی نہیں......"

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ یہ کیا دیوانگی ہے......؟ ایسا کیوں کیا آپ نے؟"

ماہم کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ تاسف بھی صاف محسوس کیا جاسکتا تھا۔

"تو کیا کرتا......؟ تم نے تو مجھے میری ہی نظروں سے گرادیا......کیا میں اتنا عام شخص ہوں کہ تم میری کسی بھی بات کو اہمیت ہی نہ دو؟ جب تم مجھ سے مل ہی نہیں سکتیں......تو میں کچھ بھی کروں......جیوں یا مروں' تمہیں اس سے کیا؟"

اذان کے لہجے میں درد ہی درد تھا' شکوہ ہی شکوہ تھا۔ ماہم تڑپ کر رہ گئی پھر وہ جلدی سے گویا ہوئی۔

"دیکھیں! یہ پاگل پن ہے......ایسا مت کریں......آپ کو میری قسم! اب آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے......اور آپ ابھی جائیں اور جا کر کوئی

میڈیسن لیں......پلیز!"
اذان نے ماہم کی بات سنی پھر اداس لہجے میں بولا۔
"میڈیسن بیرونی زخموں کا علاج تو کردے گی......جو درد دل سے اٹھ رہا ہے اس کا کیا کروں......؟"

ماہم نے سنجیدگی سے اذان کی بات سنی پھر فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "میری بات توجہ سے سنیں...... آپ ابھی اٹھیں اور فوراً سے پہلے جا کر دوا لیں......دوا لے کر اب آپ آرام سے سو جائیں گے...... سمجھ رہے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں......؟ اب آپ کوئی فضول بات نہیں کریں گے...... میں کل آپ کی دکان پر آپ کا پتا کرنے آؤں گی......اوکے؟"
اس کے ساتھ ہی لائن بے جان ہوگئی۔ ماہم نے دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کردیا تھا۔

☆☆☆

"آپ کو ہاسپٹل لے کر آنے والا آدمی آپ کو یہاں چھوڑ کر غائب ہوگیا۔
آپ شدید زخمی تھے اس لیے ہم نے باقی تمام باتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فوری طور پر آپ کا آپریشن کیا۔
جس کے نتیجے میں اب آپ تیزی سے صحت کی جانب رواں دواں ہیں لیکن کچھ معاملات میں ہمیں بھی خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے......" فریال نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے چہرے پر نظریں دوڑائیں جہاں گہرا سکوت طاری تھا۔
اس کی بڑی بڑی گہری آنکھیں فریال کے چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ پوری توجہ سے فریال کی بات سن رہا تھا۔ فریال اس کے بیڈ کے ایک کنارے پر ٹکی ہوئی تھی اور وہ حسب عادت ٹیک لگائے بیٹھا خاموشی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔
فریال نے چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا لیکن جب وہ کچھ نہیں بولا تو وہ سلسلہ گفتگو کو دوبارہ جوڑتے ہوئے بولی۔
"اب آپ مکمل ہوش میں ہیں لہٰذا آپ ہمیں اپنے متعلق معلومات خود ہی فراہم کردیں کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے اور کیا آپ اپنے زخمی ہونے یا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونے کی اطلاع کسی کو پہنچانا چاہیں گے؟"
فریال نے اپنا جملہ مکمل کرکے اس کے چہرے پر اپنی بات کا ردعمل تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے آہستگی سے حرکت کی اور پہلو تبدیل کرتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔
"آپ کی اس طویل گفتگو کو سننے اور سمجھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ نے مجھ سے تین سوال کیے ہیں۔ نمبر ایک میں کون ہوں؟ نمبر دو میرا نام کیا ہے؟ نمبر تین کیا میں کسی کو اطلاع بھجوانا چاہتا ہوں؟"
پھر ایک لمبی سانس لینے کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔
"آپ کا پہلا ہی سوال خاصا مشکل ہے جس کا جواب میں آج تک نہیں ڈھونڈ پایا۔
اپنی "میں" سے آشنائی حاصل کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ "میں" دراصل "تو" کا ردعمل ہے۔ میں جتنا زور سے اپنی "میں" کے بارے میں چلاؤں گا اتنی ہی شدت کے ساتھ "تو" وجود میں آتا ہے اور یہ جو "تو" ہے نا؟ یہ "میں" کی گونج ہے!
"میں" جو شاید "انا" کا دوسرا روپ ہے' آپ نے کبھی سوچا کہ "میں" کہاں ہے؟"
چند لمحے تک سوالیہ نظروں سے فریال کی طرف دیکھتا رہا لیکن جب وہ خاموش رہی تو اپنا ہاتھ اس کی نظروں کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔
"یہ ہاتھ...... یہ سر......اور یہ دل...... یہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اور کہاں ہے؟ جب آپ سوچیں گی تو ادراک ہوگا۔ لیکن جب کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنی "میں" کو تلاش کرنے لگیں گی تب آپ کو پتا چلے گا کہ "میں" کہیں نہیں ہے......
کتنی حیرت کی بات ہے کہ جہاں "میں" ایک حقیقت ہے وہاں "میں" کہیں نہیں ہے!"
وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر فریال کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے گویا ہوا۔
"شاید اس طرح آپ میری بات کو سمجھ نہیں پائیں گی......
چلیں! میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں......
بادشاہ کا قاصد ایک بزرگ کے پاس پہنچا۔ اس بزرگ کا ہم کوئی بھی نام فرض کرلیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اس بزرگ کو عبداللہ کے نام سے پکار لیتے ہیں! قاصد اس بزرگ سے بولا۔
"اے عالی مرتبت بزرگ عبداللہ! میں آپ کو دعوت دینے آیا ہوں...... بادشاہ سلامت آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے یہ دعوت آپ تک پہنچاؤں"
بزرگ نے توجہ سے اس کی بات سنی پھر گویا ہوئے۔
"دیکھو عزیز! اگر تو تمہارے بادشاہ کو میں مطلوب ہوں تو میں حاضر ہوں۔ لیکن اگر تمہیں عبداللہ درکار ہے تو یہاں کوئی عبداللہ نہیں رہتا! یہ محض ایک نام ہے......ایک فانی وجود......"
قاصد نے واپس جاکر بزرگ کی یہ عجیب و غریب بات جوں کی توں بیان کردی کہ بزرگ دربار میں حاضر ہوجائیں گے لیکن ان کا کہنا ہے کہ میں تو آجاؤں گا لیکن یہاں کوئی عبداللہ نہیں رہتا۔ بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی کہ آخر بزرگ کے اس جملے میں کیا بھید ہے......کیا اسرار پوشیدہ ہے؟
وہ جتنا اس بات کو سوچتا اس کی حیرت بڑھتی چلی جاتی۔ مقررہ وقت پر جب شاہی بگھی پر سوار بزرگ پہنچ گئے تو بادشاہ نے ان کا استقبال کیا اور کہا۔
"اے عالی مرتبت بزرگ عبداللہ! میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں"
یہ سن کر بزرگ ہنسنے لگے اور بولے۔
"میں بطور عبداللہ تمہاری میزبانی قبول کرتا ہوں لیکن یہاں عبداللہ نام کا کوئی شخص ہے نہیں......"
بادشاہ پھر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے استعجابی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"محترم بزرگ! آپ تو پہیلیوں میں بات کررہے ہیں۔ اگر آپ عبداللہ نہیں تو دعوت کون قبول کررہا ہے؟ اور میں اس وقت یہاں کس کا استقبال کررہا ہوں؟"
بزرگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور گویا ہوئے۔
"یہ جس چیز میں بیٹھ کر میں ابھی یہاں پہنچا ہوں کیا یہ بگھی ہے؟" بادشاہ نے حیرت سے بزرگ کا سوال سنا پھر بول اٹھا۔
"جی محترم بزرگ! یہ بگھی ہی ہے۔"
بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔
"مہربانی فرما کر اس کے گھوڑے کھول دیں۔"
بادشاہ نے حکم دیا اور گھوڑے کھول دیے گئے۔

بزرگ نے گھوڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔
"کیا یہ تمہاری بگھی ہے؟" بادشاہ نے جلدی سے کہا۔ "نہیں میرے محترم بزرگ یہ گھوڑے ہیں بگھی نہیں۔"

بزرگ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو گھوڑے غائب ہوگئے۔ بزرگ نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا۔
"جن بانسوں کے ساتھ گھوڑوں کو بگھی میں جوتا گیا تھا انہیں الگ کیا جائے۔"
ایسا ہی کیا گیا! بزرگ نے انہیں بھی غائب کردیا پھر کہا۔
"کیا یہ بانس تمہاری بگھی تھے؟"
بادشاہ نے پریشانی سے کہا۔ "نہیں محترم بزرگ! بانس بگھی کیسے ہوسکتے ہیں؟"
بزرگ نے حکم دیا کہ "پہیے نکال دیے جائیں" پہیے نکالے گئے۔ بزرگ نے دریافت کیا۔
"کیا یہ پہیے تمہاری بگھی ہیں؟"
"ہرگز نہیں! یہ پہیے ہیں بگھی نہیں۔" بادشاہ نے تیزی سے جواب دیا۔

بات اس کے سمجھ میں تو نہیں آرہی تھی لیکن اس کی دلچسپی بڑھتی جارہی تھی کہ آخر بزرگ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟
وہ پوری توجہ سے یہ سارا کھیل دیکھ رہا تھا اور اس کھیل کا حصہ بھی بنا ہوا تھا۔ بزرگ نے ایک ایک کرکے بگھی کے تمام حصے الگ کروائے اور ہر بار بادشاہ نے یہی جواب دیا کہ "یہ بگھی نہیں ہے۔" بزرگ نے باری باری تمام حصے غائب کردیے یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ بزرگ نے دریافت کیا۔
"کہاں ہے تمہاری بگھی؟ میں نے ہر حصہ الگ کروایا اور تم سے سوال کیا۔ لیکن ہر بار تم نے یہی کہا کہ یہ بگھی نہیں ہے تو پھر مجھے بتاؤ کہ بگھی کہاں ہے؟"
بادشاہ اس سوال پر چکرا کر رہ گیا۔ بزرگ ہنستے ہوئے گویا ہوئے۔ "یہ بگھی محض کچھ مخصوص اشیاء کا مجموعہ تھی۔ بگھی کا اپنا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ بہت سی توانائیوں کا ایک مرکب تھی اور بس......"
بزرگ نے بغور بادشاہ کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔
"کچھ سمجھ میں آیا......؟ ذرا اپنے متعلق غور کرو اور سوچو اپنی "میں" کو تلاشو...... تمہیں سمجھ آجائے گی کہ "میں" کہیں نہیں ہے۔ اپنے ہاتھ، پیر، سر، دھڑ اپنے تمام جسم اور تمام اعضاء کے متعلق غور کرو۔ ہر چیز فانی ہے، ہر چیز ختم ہوجائے گی تو پھر "عبداللہ" کہاں باقی بچا؟" اس نے خاموشی اختیار کرتے ہوئے فریال کے چہرے کی طرف دیکھا جو اس کی گفتگو کی گہرائیوں کو ناپ رہی تھی۔
چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔
'میں کون ہوں...... کیسے بتاؤں؟
آپ کے سوال کا ایک حصہ یہ تھا کہ کیا میں کسی کو کوئی اطلاع بھجوانا چاہتا ہوں؟
فی الحال تو میں خود کی شناخت نہیں کر پایا...... کسی اور کے متعلق کیا بتاؤں؟

جب میں یہ جان گیا کہ "میں" کیا ہوں؟ تو شاید پھر کسی اور کے متعلق بھی سوچ سکوں...... بہرحال! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... وقت آنے پر میں یہ سب بھی ضرور بتادوں گا!"
چند لمحے توقف کے بعد دوبارہ بولا۔
"آپ کا ایک سوال یہ تھا کہ میرا نام کیا ہے؟ یعنی آپ...... محض شناخت کے لیے اور مجھے پکارنے کے لیے ایک فانی پہچان قائم کرنا چاہتی ہیں...... تو اس میں...... میں آپ کے لیے آسانی پیدا کردیتا ہوں' میرا نام...... فرزان ہے!

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

میری بھی سنیے

میکال ذوالفقار

شاہین رشید

(۱) "میرا نام؟"
"میکال ذوالفقار ہے۔"
(۲) "میری پیدائش؟"
"لندن (یوکے) 5 ستمبر 1981ء"
(۳) "میری تعلیم؟"
"اے لیول کیا ہے۔"
(۴) "شادی؟"
"گزشتہ سال یعنی 2010ء کو اپریل میں میری شادی ہوئی اور ماشاءاللہ سے ایک بیٹی کا باپ ہوں۔ میری بیوی کا تعلق شوبز سے نہیں ہے۔"
(۵) "شوبز میں مجھے متعارف کرایا؟"
"معروف بیوٹیشن نبیلہ نے۔"
(۶) "میرا پہلا کمرشل / پہلا ڈرامہ؟"
"ولپٹن پاکستان / یاد تو آئیں گے۔"
(۷) "میری پہلی کمائی؟"
"کمرشل کے 20 ہزار ملے تھے۔"
(۸) "میرا ڈرامہ جو آج کل آن ایئر ہے؟"
"سات پردوں میں" ڈائریکٹر یاسر نواز ہیں۔
(۹) "میری فلموں کی تعداد؟"
"گاڈ فادر" اور شوٹ آن سائیڈ اور ایک فلم انڈیا میں کررہا ہوں۔
(۱۰) "میری خواہش؟"

"کہ میں انڈین فلموں میں زیادہ سے زیادہ کروں۔"

(۱۱) "میں پاکستان میں کیوں رہنا چاہتا ہوں؟"
"اس لیے کہ اس ملک نے مجھے عزت دولت اور شہرت دی اور مجھے پاکستان بہت اچھا لگتا ہے۔"

(۱۲) "میری پہچان؟"
"میرا پاکستان۔"

(۱۳) "مجھے دیکھتے ہی لوگ کیا ریمارکس دیتے ہیں؟"
"وہ دیکھو "یوفون" جارہا ہے۔"

(۱۴) "میرا ویڈیو جس نے مجھے مقبول کیا؟"
"سانو تیرے نال پیار ہوگیا۔"

(۱۵) "میرے پاکستان میں شفٹ ہونے کی وجہ؟"
"میرے والدین کی علیحدگی۔ اس وقت میں ۱۶ سال کا تھا۔"

(۱۶) "میں خیرات کرتا ہوں؟"
"دن میں تقریباً" 300 سے 500 تک اور کوئی بہت مستحق ہو تو پھر اسے بھی اچھا خاصا دے دیتا ہوں۔"

(۱۷) "میری عادت ہے؟"
"میں گزری باتوں کو بھول جاتا ہوں اور ہر دن کو نئے دن کی طرح گزارتا ہوں۔"

(۱۸) "مجھے بری لگتی ہیں وہ لڑکیاں؟"
"جو بلاوجہ کے نخرے دکھاتی ہیں اور ضد کرتی ہیں۔"

(۱۹) "مجھے یاد نہیں رہتا؟"
"ایئرپورٹ جاتے وقت پاسپورٹ اور ٹکٹ کو ساتھ لے جانا۔"

(۲۰) "اپنے لیے جو قیمتی چیز خریدی؟"
"ایک عدد خوب صورت کار۔"

(۲۱) "میں فضول خرچ ہوں؟"
"صرف اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہوں۔ ویسے میں فضول خرچ نہیں ہوں۔"

(۲۲) "گھر والوں کی ایک بات، جو مجھے بری لگتی ہے؟"
"کہ سگریٹ چھوڑ دو۔۔۔ بھئی کیسے چھوڑوں اب عادت پختہ ہوگئی ہے۔"

(۲۳) "مجھے دھوکا دیا؟"
"زارا شیخ نے تین سال میری اس سے منگنی رہی۔ مگر اب میں سب کچھ بھول گیا ہوں اور بہت اچھی ازواجی زندگی گزار رہا ہوں۔"

(۲۴) "میں بچپن میں کیسا تھا؟"
"بہت شرارتی اور روتو۔۔۔ ہر بات پہ رونا آجاتا تھا بچپن میں۔"

(۲۵) "میں فریش محسوس کرتا ہوں؟"
"رات کے وقت۔۔۔ واہ اللہ تعالیٰ کیا خوب صورت چیز بنائی ہے لوگوں کے آرام و سکون کے لیے۔"

(۲۶) "مجھے زندگی بری لگتی ہے؟"
"جب میرے پاس کم کام ہو یا میں اکیلا ہوں۔ تنہا رہنا میرے لیے عذاب ہوتا ہے۔"

(۲۷) "صحافیوں کا سوال جو مجھے برا لگتا ہے؟"
"جب وہ زارا شیخ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ ارے بھئی میں بھول چکا ہوں تو پلیز پلیز آپ بھی بھول جائیے۔"

(۲۸) "میری خواہش ہے؟"
"میرے والدین اور میرے بہن بھائی مجھ سے خوش رہیں۔"

(۲۹) "میری زندگی تب بدلی؟"
"جب میرے والدین میں علیحدگی ہوئی اور میں اپنے والد کے ساتھ پاکستان آگیا۔"

(۳۰) "مجھے بہت اچھا لگتا ہے؟"
"جب چھٹی کا دن ہوتا ہے پھر میں ہوتا ہوں اور بستر ہوتا ہے اپنی نیندیں پوری کرتا ہوں۔"

(۳۱) "شوٹ کے دوران کس کو وقت زیادہ دیتا ہوں؟"
"آئینے کو۔۔۔ مجھے اچھا لگتا ہے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ اللہ نے تمام خوبیوں سے نوازا ہے۔"

(۳۲) "پٹائی کرنے کو دل چاہتا ہے جب؟"
"جب کوئی مجھے گہری نیند سے اٹھا دے۔ دل چاہتا ہے خوب ماروں کٹ لگا دوں۔"

(۳۳) "مجھے سکون ملتا ہے؟"
"اپنے گھر میں اپنے کمرے میں۔"

(۳۴) "میرا دل چاہتا ہے کہ؟"
"واپس لاہور چلا جاؤں کیونکہ لاہور لاہور ہے۔"

(۳۵) "اگر مجھے حکومت مل جائے تو؟"
"تو میں تعلیم کو عام کردوں گا اور ایسا قانون بنادوں گا کہ کوئی بھی تعلیم سے دور نہیں بھاگ سکے گا۔"

(۳۶) "گھر آکر میری خواہش ہوتی ہے کہ؟"
"فوراً" کپڑے تبدیل کرکے اپنے بستر میں گھس جاؤں۔"

(۳۷) "صبح اٹھ کر دل چاہتا ہے کہ؟"
"کوئی فریش جوس دے دے۔"

(۳۸) "ناشتا جو مجھے پسند ہے؟"
"بریڈ کے ساتھ مزے دار آملیٹ۔"

(۳۹) "خراب موڈ کیسے ٹھیک کرتا ہوں؟"
"دوستوں کی گیدرنگ میں اور ان کے ساتھ مزے دار کھانا کھا کر۔"

(۴۰) "میں اس وقت بہت کھاتا ہوں؟"
"جب میں غصے میں ہوتا ہوں۔"

(۴۱) "میں اپ سیٹ ہوجاتا ہوں؟"
"اس وقت کو سوچ کر جب والدین میں علیحدگی ہوئی تھی۔"

(۴۲) "آرٹسٹ ہونے کا فائدہ؟"
"جب پولیس پکڑتی ہے اور میری شکل دیکھتی ہے تو فوراً" چھوڑ بھی دیتی ہے کہ اوجی آپ تو آرٹسٹ ہو۔"

(۴۳) "آنکھ کھلتے ہی کیا کرتا ہوں؟"
"سگریٹ سلگاتا ہوں اور پھر موبائل فون چیک کرتا ہوں۔"

(۴۴) "میں برا بھلا کہتا ہوں؟"
"جب اچانک لائٹ چلی جائے، جب اچانک چوٹ لگ جائے۔"

(۴۵) "میں موسم انجوائے کرتا ہوں؟"
"اپنے دوستوں کے ساتھ اور اب اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ۔"

(۴۶) "مجھے یقین نہیں ہے؟"
"لمبی پلاننگ پہ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی بہت مختصر ہے جو کچھ ہے آج ہے کل کچھ نہیں ہے۔"

(۴۷) "میں خوف زدہ رہتا ہوں؟"
"اپنے اللہ سے کہ اسے میری کوئی بات بری نہ لگ جائے۔"

(۴۸) "میں برداشت نہیں کرسکتا؟"
"کہ کوئی میری عدم موجودگی میں میری برائیاں کرے۔"

(۴۹) "میں نے آزمایا ہے کہ؟"
"بھروسے کے قابل لڑکیاں نہیں لڑکے ہوتے ہیں۔"

(۵۰) "شوبز میری نظر میں؟"
"ایک اچھی فیلڈ ہے اور پروفیشن بھی مگر یہاں وقت کی پابندی کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا اور گھنٹوں کا

کام دنوں میں ہوتا ہے۔"

(51) "شہرت میری نظر میں؟"
"اللہ کا دیا ہوا تحفہ ہے، جس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے لوگ عزت بھی کرتے ہیں اور کام بھی آسانی سے ہو جاتے ہیں۔"

(52) "اپنی ایک عادت جس پر ہنسی آتی ہے؟"
"کہ میں جھوٹ بولتا ہوں اپنے کام نکلوانے کے لیے یا شوٹنگ پہ دیر سے پہنچنے پر ویسے میرے جھوٹ بہت ہی معصومانہ قسم کے ہوتے ہیں۔"

(53) "بھوک چمک اٹھتی ہے؟"
"جب لذیذ و مزے دار کھانوں کو دیکھتا ہوں یا جب خوشبو آتی ہے کھانوں کی۔"

(54) "پہلی ملاقات میں جائزہ لیتا ہوں؟"
"انسان کی پوری شخصیت کا اور آئیڈیا ہو جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے۔"

(55) "سیاست داں جو مجھے پسند ہے؟"
"بارک اوباما۔ اس نے بڑی محنت کے بعد اعلا مقام پایا ہے۔"

(56) "گھر سے کیا کیا لے کر نکلتا ہوں؟"
"سب سے پہلے اپنے آپ کو پھر میرا ایک بریف کیس ہے، جس میں دنیا جہاں کی چیزیں ہیں اسے لے کر نکلتا ہوں۔"

(57) "میری پہلی محبت؟"
"محبت ایک بار کہاں ہوتی ہے بار بار کے تجربے سے ہی انسان کسی کو پرکھ سکتا ہے۔ یہ تو کتابوں کہانیوں کی باتیں ہیں کہ محبت ایک بار ہوتی ہے۔ بھئی اگر ایک شخص یا ایک لڑکی آپ کے ساتھ برا سلوک کرتی ہے تو کیا پھر بھی آپ اس کی محبت میں گرفتار رہیں گے ایسا ناممکن ہے۔"

(58) "کب اپنے آپ پر غصہ آتا ہے؟"
"جب چیزیں بھول جانے پر مجھے دوبارہ گھر آنا پڑتا ہے۔ بہت ٹائم ضائع ہوتا ہے۔"

(59) "ایک اچھی بیوی میں کیا خوبی ہونی چاہیے؟"
"اسے کھانا پکانا اچھا آتا ہو۔"

(60) "میری نظر میں سائنس کی بہترین ایجاد؟"
"بجلی، جو کہ ہمارے ملک میں نایاب ہے۔"

(61) "لوگ حیران ہوتے ہیں؟"
"میرا کمرہ دیکھ کر۔ اتنا بکھرا رہتا ہے کہ بس کیا بتاؤں۔ کہیں چارجر، کہیں موبائل، کہیں کتابیں تو کہیں کچھ۔"

☆ ☆

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

حدیث مبارک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
سیدنا ابو موسیٰؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی۔ مشک والا یا تو تجھے یوں ہی تحفے کے طور پر سونگھنے کو دے گا یا تو اس سے خریدے گا یا تو اس سے اچھی خوشبو پائے گا اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تجھے بری بو سونگھنی پڑے گی۔ (یعنی اچھے اور برے ساتھی کے اثرات آدمی پر مرتب ہوتے ہیں۔)
(صحیح مسلم)

امبر گل۔۔۔ جھنڈو (سندھ)

حضرت سلمان فارسیؓ کا خوف خدا

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ "اس میں تو کسی کو شک نہیں کہ حضرت سلمانؓ فارسی کی عمر ڈھائی سو برس تھی، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں علیل ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا۔
"آپ روتے کیوں ہیں؟ اب موت قریب آرہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے خوش دنیا سے رخصت ہوئے۔ اب آپؓ وہاں ان سے جاکر ملیں گے۔
فرمایا "اللہ کی قسم، میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص میری دامن گیر ہے۔ رونا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہمارا سامان ایک مسافر کے سامان رحلت سے زیادہ نہ ہو اور میرے پاس اس قدر سانپ جمع ہیں۔" حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ کل سامان جسے سانپ سے تعبیر کیا گیا تھا یہ تھا ایک بڑا پیالہ، ایک لگن اور ایک تسلہ (برتن) اس کے بعد حضرت سعدؓ نے کہا۔ "مجھے کوئی نصیحت کیجیے" فرمایا۔ "جب کسی کام کا قصد کرو، فیصلہ کرو، تقسیم کرو تو اللہ کو یاد رکھو۔"

کرنیں

☆ اہمیت دکھ کی نہیں دکھ دینے والوں کی ہوتی ہے۔
☆ جذبے لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے، نہ ہی ہندسوں کی مدد سے ان کی سچائی اور گہرائی معلوم کی جاسکتی ہے۔
☆ اخلاق کا اچھا ہونا قرب الٰہی کی دلیل ہے۔ جس میں دریا جیسی سخاوت آسمان جیسی وسعت اور زمین جیسی تواضع ہو۔
☆ بددعا کبھی زبان سے نہیں دی جاتی، بلکہ دکھا ہوا دل خود ایک بڑی بددعا کا گزر بن جاتا ہے۔
☆ جن سے ہم محبت کرتے ہیں انہیں کبھی بھلا نہیں سکتے اور جن سے نفرت کرتے ہیں وہ تو بالکل ناقابل فراموش ہوتے ہیں۔

حور العین اقبال۔۔۔ کراچی

دنیا کا پہلا کیلنڈر

قدیم مصری دنیا کی پہلی قوم تھی جنہوں نے دریائے نیل کی طغیانیوں کے چڑھنے اور اترنے اور ستارہ شعری یمانی sirius کے ہر سال طلوع ہونے کے مشاہدے کی مناسبت سے دنیا کی پہلی سالانہ رقوم یا

کیلنڈر ترتیب دیا۔ اگرچہ ان کا کیلنڈر قمری تھا۔ مگر شمسی اور قمری سالوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔ پہلے پہل قمری مہینے ہی مستعمل تھے۔ مگر مصر میں معاشرے کا انحصار زراعت پر ہونے کی وجہ سے ان کے ہاں شمسی تقویم پر توجہ دی گئی۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں قمری، شمسی، ستارہ شعری یمانی کی تقویمیں بیک وقت مستعمل تھیں۔

پہلے پہل قمری سال کے مطابق سال کے 360 دن لکھے گئے تھے اور انہیں بارہ مہینوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جب مہینوں کے حساب سے موسموں میں ردوبدل ہونے لگا تو انہوں نے پانچ دنوں کا اضافہ کرلیا اور سال کو 365 دن کا قرار دے کر اسے موسموں کے تغیر کے اعتبار سے 4،4 مہینوں کے تین حصوں میں منقسم کردیا۔ سال کے بارہ مہینے 30 دنوں پر مشتمل تھے۔ مگر ہر سال کے آخر میں پانچ دن کا اضافہ کردیا جاتا تھا۔ یہ پانچ دن مصر کے پانچ دیوتاؤں سے منسوب تھے۔

(تاریخ عالم)

مسز فائزہ حبیب۔۔۔ امریکہ

وہ کہتے ہیں کہ

☆ زندگی کا مفہوم سمجھ میں آتے آتے ساری زندگی بیت جاتی ہے۔

☆ جو لوگ خود سے ہم کلام رہتے ہیں، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

☆ جو لوگ ہنسنا بھول جاتے ہیں۔ وہ کھنڈر ہوجایا کرتے ہیں۔

☆ دوست وہ ہے جو تمہارے مزاج کے ہر موسم کو ہنس کر سہہ جائے۔

☆ جو راستوں کے عشق میں گرفتار ہوتے ہیں، منزلیں ان سے دور ہوجایا کرتی ہیں۔

☆ کامیابی کے شہر میں شکست، مایوسی، محنت اور ہر قسم کے دکھ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

☆ بڑا آدمی وہ ہے جو ہر آدمی کے اندر بڑائی کا احساس پیدا کرے۔

فوزیہ ثمروٹ، ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

Behind the trees

محبت جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہے
اور۔۔۔
پہاڑی گاؤں کے نیچے
"دسمبر"
کئی سال پرانی جھیل کے بوڑھے کنارے پر کھڑا
سیٹی بجا کر۔۔۔
چاند کو نیچے بلا رہا تھا۔

امبر گل۔۔۔ جھڈو (سندھ)

جو کچھ کہا تم نے۔۔۔

چلو جو کچھ کہا تم نے وہ ہم تسلیم کرتے ہیں
بڑا پن ہے ہمارا آپ کی تعظیم کرتے ہیں
نظر کے سامنے واحد تمہاری ذات ہوتی ہے
ہم اپنے آپ کو جس وقت بھی تقسیم کرتے ہیں

رانی۔۔۔ کراچی

جواب

اکبر نے بیربل سے پوچھا۔

"لڑائی کے وقت کیا چیز کام آتی ہے؟"

بیربل نے ادب سے جواب دیا۔

"جہاں پناہ! اوسان۔"

بادشاہ نے کہا۔

"حیرت کی بات ہے تو نے ہتھیار اور زور کا نام کیوں نہیں لیا؟"

بیربل نے عرض کیا۔

"جہاں پناہ! اگر اوسان خطا ہوجائیں تو ہتھیار اور زور کس کام آئے۔"

حمیرا عروش۔۔۔ کراچی

اقوال زریں

☆ جب کسی انسان کو اس بات کا احساس ہوجائے کہ وہ اپنے فرائض بخوبی سرانجام نہیں دے رہا تو وہ اس کام کو چھوڑ دے۔

☆ جہاں عزت نفس اور احترام آدمیت کو مجروح کیا جائے وہاں سے چپ چاپ چلے جانا چاہیے۔

☆ اپنے خیالات اور تجاویز کو اپنی زبان دو۔

☆ خوش گوار زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تلخ یادوں کو اپنے دل کے نقش سے مٹا دو۔

☆ ملاوٹ اور منافقانہ رویوں سے خود کو بچاؤ۔

سمیرا انور۔۔۔ جھنگ

اونٹ کی تلاش

پاکستان کی افواہوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ سچ نکلتی ہیں۔ یہ عمل دس گیارہ سال تک جاری رہے تو حساس آدمی کی کیفیت سیسمو گراف کی سی ہوجاتی ہے، جس کا کام ہی زلزلوں کے جھٹکے ریکارڈ کرنا اور ہمہ وقت لرزتے رہنا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہماری سیاست کا قوام ہی آتش فشاں لاوے سے اٹھا ہے۔

دن رات ہیں اک زلزلہ تعمیر میں میری

لیڈر خود غرض، علما مصلحت بیں، عوام خوف زدہ اور راضی برضائے حاکم، دانش ور خوشامدی اور ادارے کھوکھلے ہوجائیں۔ (رہے ہم جیسے لوگ جو تجارت سے وابستہ ہیں تو کامل اس فرقہ تجار سے نکلا نہ کوئی) تو جمہوریت آہستہ آہستہ آمریت کو راہ دیتی چلی جاتی ہے۔

پھر کوئی طالع آزما آمر ملک کو غضب ناک نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ تیسری دنیا کے کسی بھی ملک کے حالات پر نظر ڈال لیجیے، ڈکٹیٹر خود نہیں آتا لایا اور بلایا جاتا ہے اور جب آجاتا ہے تو قیامت اس کے ہم رکاب آتی ہے۔ پھر وہ روایتی اونٹ کی طرح بدوؤں کو خیمے سے نکال باہر کرتا ہے۔ باہر نکالے جانے کے بعد کھسیانے بدو ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگتے ہیں۔ پھر ایک نایاب بلکہ عنقا شے کی جستجو میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے سے زیادہ غبی اور تابعدار اونٹ تلاش کرکے اسے دعوت دینے کے منصوبے بنانے لگتے ہیں، تاکہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر اپنے خیمے میں رہ سکیں۔

(مشتاق احمد یوسفی۔۔۔ آب گم)

حریم، ندا۔۔۔ کراچی

ووٹر

الیکشن میں دو امیدوار ایک دوسرے کے خلاف ڈٹ گئے۔ دریا کے کنارے ایک جھگی آباد تھی۔ اس میں ایک آدمی رہتا تھا۔

ایک دن پہلا امیدوار ووٹر کے پاس پہنچا اور ووٹ کا خواستگار ہوا۔ اس پر جھگی نشین نے کہا۔

"یہ میری بھینس کھڑی ہے اور یہ میں کھڑا ہوں۔ ووٹ اور بھینس میں سے جو جی چاہتا ہے لے لو۔"

"بابا! مجھے تمہارا ووٹ درکار ہے، بھینس نہیں۔" امیدوار بولا۔

"نہیں صاحب پھر بھی آپ فیصلہ کرلیں۔" جھگی نشین نے اصرار کیا۔

"آخر تم اپنی بھینس کیوں دینا چاہتے ہو؟" امیدوار نے پوچھا۔

"اس لیے" جھگی نشین نے کہا۔ "اگر ووٹ تمہیں دیا تو تمہارا مخالف امیدوار بھینس کھلوا لے گا اور اسے ووٹ دیا تو بھینس تم نے نہیں چھوڑنی۔ چنانچہ یہ بہتر نہیں کہ تم خود فیصلہ کرلو کہ ووٹ کسے درکار ہے اور بھینس کسے؟"

ثنا شہزاد، کراچی

☆ ☆

اس ماہ سے کرن میں نیا سلسلہ "مقابل ہے آئینہ" شروع کیا جارہا ہے جو قارئین اس میں حصہ لینا چاہتی ہیں۔ وہ ان سوالات کے جوابات اور اپنی تصویر ہمیں ارسال کریں۔ جوابات دلچسپ اور مبنی بر سچ ہوں۔

مقابل ہے آئینہ

حمیرا مہتاب

س ۔ آپ کا پورا نام ..... گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟
ج ۔ حمیرا مہتاب ... امی پیار سے شانی پکارتی تھیں۔
س ۔ کبھی آپ نے آئینے سے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟
ج ۔ آئینے نے کبھی نہیں بتایا کہ میں خوب صورت ہوں۔
س ۔ آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟
ج ۔ میری زندگی، میرے وہ لمحے جن میں، میں نے خوشیاں سمیٹیں۔
س ۔ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟
ج ۔ وہ لمحات جو میں نے اپنوں سے دور پردیس میں گزارے۔
س ۔ آپ کے لیے محبت کیا ہے؟
ج ۔ انسان اور اس جہاں کی تخلیق کی بنیاد محبت ہے یہ دنیا محبت کے بغیر نامکمل ہے۔
س ۔ مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟
ج ۔ بہت سے منصوبے ہیں جو پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے۔ یہاں میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کروں گی کہ "میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا" اس لیے مایوس کبھی نہیں ہوئی۔ ارادے تو بنتے اور ٹوٹتے ہی رہتے ہیں۔ اب بھی بہت سے ارادے، منصوبے ہیں، جو ان شاءاللہ ضرور پورے کروں گی۔
س ۔ پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا؟

ج ۔ میں اپنی ہر کامیابی کو سب سے بڑی کامیابی سمجھتی ہوں اور پوری طرح اس سے لطف اندوز ہوتی ہوں یہ ہی تو وہ لمحے ہوتے ہیں جن میں ہم زندگی جیتے ہیں۔
س ۔ آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟
ج ۔ امید۔
س ۔ اپنے آپ کو بیان کریں؟
ج ۔ بظاہر خاموش سمندر۔
س ۔ کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟
ج ۔ اپنوں سے جدائی کا خوف۔
س ۔ آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟
ج ۔ میرے رشتے ..... میرے رشتے۔
س ۔ آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟
ج ۔ خود اپنے ساتھ۔
س ۔ آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟
ج ۔ اللہ تعالیٰ کی امانت (دولت ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس امانت کو لوگوں تک پہنچانا چاہیے مختلف صورتوں میں۔

س ۔ گھر آپ کی نظر میں؟
ج ۔ عورت کے لیے جنت، مرد کے لیے ضرورت۔
س ۔ کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کردیتی ہیں؟
ج ۔ نہیں، اتنا ظرف نہیں۔
س ۔ اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟
ج ۔ اپنی ماں کی دعاؤں کو۔
س ۔ کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟
ج ۔ کامیابی سب کچھ نہیں ہے کیونکہ ناکامی آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔
س ۔ سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کرکے کاہل کردیا یا واقعی یہ ترقی ہے؟
ج ۔ ہمیں کاہل کردیا، انسان کو خالی کردیا ہے۔
س ۔ کوئی عجیب خواہش یا خواب؟
ج ۔ خواہشوں کا بھی کوئی معیار ہوا کرتا ہے
کیسی خواہش ہے کہ مٹھی میں سمندر ہوتا
س ۔ برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟
ج ۔ پانی میں خوب نہا کر چھینٹیں اڑا کر، کاغذ کی کشتیاں تیرا کر۔
س ۔ آپ جو ہیں وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟
ج ۔ پھر بھی وہ نہیں ہوتی۔
س ۔ آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب ..... ؟
ج ۔ جب میں اللہ کو دل سے یاد کرتی ہوں اس سے باتیں کرتی ہوں سمندر کے کنارے بھی مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔
س ۔ آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟
ج ۔ بچوں کی ہنسی۔
س ۔ کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟
ج ۔ الحمدللہ ..... اس سے بڑھ کر پایا۔
س ۔ اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟
ج ۔ خوبی یہ ہے کہ میں بہت جلدی غصے میں نہیں آتی۔ خامی یہ کہ چاہنے کے باوجود تلخ باتوں کو بھول نہیں پاتی۔
س ۔ کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کردیتا ہو؟
ج ۔ اپنے والدین کی خدمت نہ کرنے کا، خاص طور پر اپنے والد کی۔
س ۔ کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہوجاتی ہیں؟
ج ۔ انجوائے کرتی ہوں۔
س ۔ متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟
ج ۔ دشت سوس، اشفاق احمد۔ بازار (سمیتا پاٹیل کی)
س ۔ آپ کا غرور؟
ج ۔ میری شخصیت۔
س ۔ کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کردیتی ہو؟
ج ۔ آخری لمحوں میں ماں کے قریب نہ ہونا۔
س ۔ کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟
ج ۔ انور مقصود، معین اختر کی حاصل شدہ کامیابی۔
س ۔ مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟
ج ۔ روح کی غذا۔
س ۔ آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے، جو آپ اپنے علم، تجربہ اور مہارت میں استعمال کرتے ہیں۔
ج ۔ زندگی میں کبھی بھی ایسے لمحات آتے ہیں جب سارے فلسفے، تجربے مہارت دھری کی دھری رہ جاتی ہے اڑتی ہوئی خاک کی مانند۔

کوئی تم سے پوچھے زندگی کیا ہے
ذرا سی خاک ہتھیلی پہ رکھنا، اڑا دینا

س ۔ آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
ج ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
س ۔ ہمارا پیارا پاکستان سارا کا سارا خوب صورت ہے۔ آپ کا کوئی خاص پسندیدہ مقام؟
ج ۔ کراچی کا سمندر۔

☆ ☆

سدرہ وزیر، کی ڈائری میں تحریر
ایک خوبصورت نظم

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے پچھلے بارہ ماہ کے
دُکھ سُکھ کا اندازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اُس بیتے اک اک پل کا
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
ساری صبحیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بُلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
پھر تم کو میری طرف سے
نیا سال مبارک ہو
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا

میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے سال کچھ ایسا کرنا

رُباب ظفر، کی ڈائری میں تحریر
اعتبار ساجد کی غزل

کبھی تُو نے خود بھی سوچا کہ یہ پیاس ہے تو کیوں ہے
تجھے پا کے بھی میرا دل جو اداس ہے تو کیوں ہے

مجھے کیوں عزیز تر ہے یہ دُھواں دُھواں سا موسم
یہ ہوائے شامِ ہجراں مجھے راس ہے تو کیوں ہے

تجھے کھو کے سوچتا ہوں کہ میرے دامنِ طلب میں
کوئی خواب ہے تو کیوں ہے کوئی آس ہے تو کیوں ہے

کبھی پوچھ اُس کے دل سے کہ یہ خوش مزاج شاعر
بہت اپنی شاعری میں جو اُداس ہے تو کیوں ہے

تیرا دل کس نے بجھایا میرے اعتبار ساجد
یہ چراغِ ہجر اب تک تیرے پاس ہے تو کیوں ہے

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
جاں نثار اختر کی غزل

ہم نے کاٹی ہیں تیری یاد میں راتیں اکثر
دل سے گزری ہیں ستاروں کی باراتیں اکثر

عشق راہزن نہ سہی عشق کے ہاتھوں پھر بھی
ہم نے لٹتی ہوئی دیکھی ہیں باراتیں اکثر

ہم سے اک بار بھی جیتا ہے نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کر کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر

ان سے پوچھو کبھی چہرے بھی پڑھے تم نے
جو کتابوں کی کیا کرتے ہیں باتیں اکثر

ہم نے تند ہواؤں میں جلائے ہیں چراغ
جن جنونوں نے الٹ دی ہیں بساطیں اکثر

اور تو کوئی نہیں جو مجھ کو تسلی فقط دیتا
ہاتھ رکھ دیتی ہیں دل پر تیری یادیں اکثر

حال کہنا ہے تو کسی سے مخاطب ہے کوئی
کتنی دلچسپ ہوا کرتی ہیں باتیں اکثر

صائمہ امتیاز ساہی، کی ڈائری میں تحریر
ایک نظم

اور یہ جنوری،

تری یادوں کی روانی
اور یہ جنوری
میری باتیں، تری کہانی
اور یہ جنوری
میرا ہاتھ، ترا ساتھ، لمبی سڑک
اور یہ جنوری
گم صم شامیں، سُنہری راتیں
اور یہ جنوری
بھیگے دن، مدھم سورج، ہلکے بادل
اور یہ جنوری
بہتی ندی، گاتے پنچھی، اُڑتی دُھند
اور یہ جنوری
کافی، بستر، تری محبت
اور یہ جنوری
تنہا مان، تنہا چاند، میرا کمرہ
اور یہ جنوری
میری آنکھیں، میری نیند، میرے خواب
اور یہ جنوری

حمیرا مہتاب، کی ڈائری میں تحریر
ساحر لدھیانوی کی غزل

اہلِ دل اور بھی ہیں، اہلِ وفا اور بھی ہیں
ایک ہم ہی نہیں دُنیا سے خفا، اور بھی ہیں

کیا ہوا گر میرے یاروں کی زبانیں چُپ ہیں
میرے شاہد میرے یاروں کے سوا اور بھی ہیں

ہم پہ ہی ختم نہیں مسلکِ شوریدہ سری
چاکِ دل اور بھی ہیں، چاکِ قبا اور بھی ہیں

سر سلامت ہے تو کیا سنگِ ملامت کی کمی
جان باقی ہے تو پیکانِ قضا اور بھی ہیں

منصفِ شہر کی وحدت پہ نہ حرف آ جائے
لوگ کہتے ہیں کہ اربابِ جفا اور بھی ہیں

رانی، کی ڈائری میں تحریر
انور شعور کی غزل

یہاں چہرہ نہیں کوئی ہمارا
کریں اس بھیڑ میں کیسے گزارا

خیاباں بھی بیاباں ہیں تمہارے
مسافر پھر رہا ہے مارا مارا

خمستاں، رنجستاں، سنبلستاں
نظر آوارہ و دل پارہ پارہ

سنبھلنے ہی کہاں دیتا ہے بیڑا
زمانے کی ندی کا تیز دھارا

نظر دھوکا نہیں کھاتی عموماً
جو ہوتا ہے وہی لگتا ہے پیارا

بہ ظاہر دیکھنا آسان نہیں تھا
کیا ہے بند آنکھوں سے نظارہ

غموں سے حوصلہ بڑھتا ہے دل کا
اندھیرے میں چمکتا ہے ستارہ

بھلا کیا تفرقہ دُنیا و دل میں
کہ یہ دُنیا تمہاری، دل تمہارا

سہارے ڈھونڈنے میں وقت بیتا
رہے ہم زندگی بھر بے سہارا

شعورؔ انجام سب کا ایک ہوگا
برابر ہے، کوئی جیتا کہ ہارا

امبر گل، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجدؔ کی غزل

بستی کے منظر خاموش
گلیاں، بام اور در خاموش

جانے کس اندیشے میں
رہتے ہیں یہ گھر خاموش

منزل کی آوازیں چپ
رستوں کے پتھر خاموش

کیسی قاتل تنہائی ہے
اندر چُپ، باہر خاموش

چین چُرا کر آنکھوں کا
رہتا ہے دلبر خاموش

اندر کیا کیا ہنگامے ہیں
دیکھو تو ساگر خاموش

کس کی دُھن میں امجدؔ جی
رہتے ہو اکثر خاموش

رابعہ اسلم رابی، کی ڈائری میں تحریر
محسنؔ نقوی کی غزل

مثالِ موجِ ہوا دربہ در وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ ملا، ہمسفر وہ ایسا تھا

خود اپنے سر لیا الزامِ بے وفائی تک
کہا نہ کچھ بھی اُسے، معتبر وہ ایسا تھا

اُسے بسلئے ہوئے تھی بلا کی ویرانی
دیارِ ہجر میں آباد گھر وہ ایسا تھا

بس ایک خواب نے نیندیں نچوڑ لیں اپنی
سما گیا میری نس نس میں، ڈر وہ ایسا تھا

لہو لہو مری آنکھیں، ہیں تار تار قبا
کہ حادثہ ہی مری جاں مگر وہ ایسا تھا

اُسی کا کام تھا زخموں کی پرورش محسنؔ
اُسی کے نام دعا، چارہ گر وہ ایسا تھا

شگفتہ سلیمان

سدرہ وزیر ________ خوشاب (پپیل)
یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح
کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

صائمہ امتیاز ساہی ________ منگووال غربی
حسنِ دل آرا کی خاطر پائی رسوائی بہت
ہم نے اپنے عشق کی سچائی دکھلائی بہت
کیا ملے تجھے زنجیرِ رفاقت توڑ کر
تو بھی تنہا میں بھی تنہا اور تماشائی بہت

آسیہ جاوید ________ علی پور چٹھہ
نئی زمیں، نئے خواب ہیں اور چاہتوں کے سلسلے
سالِ نو کے سنگ ہیں تری گلاب رفاقتوں کے سلسلے
کبھی دن بھر تجھے سوچنا کبھی رات بھر ہے جاگنا
تری یاد ہے، میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

صائمہ جبیں ________ کراچی
ہزاروں مشغلے ہیں جو مجھے معروف رکھتے ہیں
مگر محسنؔ وہ ایسا ہے کہ پھر بھی یاد آتا ہے

سونیا ربانی ________ قاضیاں محلہ بالا
وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم اک زندگی کا سال ہوا
کتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا

سعدیہ، مریم ________ کراچی
وہ خنک رُت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دُکھ بھی کیا کیا ہمیں یادوں کے سبب یاد آئے

نادیہ، طوبیٰ فیصل ________ گجرات
نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

پروین اختر ________ ریاض
لوگوں نے جشن رات نئے سال کا کیا
ہم اپنے گھر میں تیرے لیے سوچتے رہے

شفق راجپوت ________ نواب شاہ
یہ سال تیرے واسطے خوشیوں کا نگر ہو
کیا خوب ہو ہر روز تیری عید اگر ہو
ہر رات مسرت کے نئے گیت سنائے
لمحات کے پیڑوں پہ بھی شبنم کا ثمر ہو

عائشہ ________ گوجرہ
آج اک اور برس بیت گیا اس کے بغیر
جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے

سعدیہ نازلی ________ کسووال
ایک خوشبو کی طرح کوچۂ روز و شب سے
جو دبے پاؤں گزر جائے وہ سال اچھا ہے

دُعا گل ________ اورنگی کراچی
بات کردار کی ہوتی ہے وگرنہ عارف
قد میں تو سایا بھی انساں سے بڑا ہوتا ہے

شفق راجپوت ________ گوجرہ
جو ہو اجازت تو تم سے اک بات پوچھوں میں
جو ہم سے عشق سیکھا تھا وہ اب تم کس سے کرتے ہو

نمرہ، اقراء ________ کراچی
مجھ سے بچھڑ گیا جو گئے سال کی طرح
اس کا بھی حال ہوگا میرے حال کی طرح
آیا نہیں وہ رہ گئے رستے سجے ہوئے
یہ سال بھی گزر گیا ہر سال کی طرح

عذرا ناصر ______ کراچی

یہ سال بھی گزرا ہے تیرے پیار کی مانند
آتے ہوئے کچھ اور تھا جاتے ہوئے کچھ اور

حمیرہ عروش ______ کراچی

وہ سالِ نو پہ ملا بھی تو سرسری اب کے
اُداس کر گئی پہلی ہی جنوری اب کے

نازیہ ______ تھوہار اجگان

انہی دِنوں میں ملے تھے گزشتہ موسم میں
یہ ایک سال تو پل میں گزر گیا جاناں

ندا، فضہ ______ کراچی

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
ہم نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے

صائمہ سندھو ______ گوجرہ

آنکھوں کی طرح تھک گئے پھیلے ہوئے بازو
وہ میرا پتا بھول گیا اب کے برس بھی

مسرت طارق ______ آزاد کشمیر

ہمیشہ اک یہی تصویر رہ جاتی ہے آنکھوں میں
یہ پہلا ہجر ہے اور ایسا منظر کب بدلتا ہے
کسی کو سالِ نو کی کیا مبارک باد دی جائے
کیلنڈر کے بدلنے سے مقدر کب بدلتا ہے

اریبہ ساجد ______ تھوہار اجگان

منظر بدل گئے پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
پہلے سے خدوخال نہ پہلے سے ہیں خیال
ہم کتنا ایک سال کے اندر بدل گئے

فرزانہ ______ ڈیفنس

کچھ خوشیاں کچھ آنسو دے کر ٹال گیا
جیون کا اک اور سنہرا سال گیا

اقصیٰ، عائشہ ______ ہارون آباد

یہ خنک رُت یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل کی خواہش ہے محسن کہ کوئی یاد آئے

زبیدہ، ثمینہ ______ کراچی

انہی دِنوں میں ملے تھے گزشتہ موسم میں
یہ ایک سال تو پل میں گزر گیا جاناں

عائشہ، تحریم ______ فیصل آباد

اس برس کا بھی نام ہم نے تو
تیری یادوں کا سال رکھا ہے

صائمہ جبیں ______ کراچی

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

صدف عمران ______ کے ڈی اے

ایک خوشبو کی طرح کوچۂ روز و شب سے
جو دبے پاؤں گزر جائے وہ سال اچھا ہے

مریم شہباز ______ کراچی

پچھلے برس تھا خوف تجھے کھو نہ دوں کہیں
اب کے برس دُعا ہے ترا سامنا نہ ہو

عظمیٰ غلام نبی ______ کراچی

نیا سال آیا ہے نئے غم ملیں گے
ستم گر بہت مہرباں کم ملیں گے

انیقہ انا ______ چکوال

بے دلی کیا یونہی دن گزر جائیں گے
صرف زندہ رہے ہم تو مر جائیں گے
کتنی دل کش ہو تم اکتنا دل جُو ہوں میں
کیا ستم ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے

عابدہ نشاد ______ کراچی

مدت سے تھی کسی کے ملنے کی آرزو
خواہشِ دیدار میں سب کچھ گنوا دیا
کسی نے دی خبر کہ وہ آئیں گے رات کو
اتنا کیا اُجالا کہ گھر تک جلا دیا

مہوش، اقصیٰ ______ ہارون آباد

ہمیں تو عہدِ اُلفت کو قیامت تک نبھانا ہے
وہ رہتا ہے اگر ہم سے رہے بے زار بسم اللہ

کرن، بینش ______ فیصل آباد

آج پھر یاد بہت آیا وہ
آج پھر اُس کو دعا دی ہم نے
کوئی تو بات تھی اُس میں فیض
ہر خوشی جس پہ لٹا دی ہم نے

☆ ☆

جھگڑے کا فائدہ

اخباری رپورٹر نے عمر رسیدہ دیہاتی کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کی عمر نوے سال ہے اور آپ نے زندگی میں کبھی کوئی دوا استعمال نہیں کی' یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟" دیہاتی نے سادگی سے کہا۔ "چالیس کی عمر تک تو مجھے دوا کی ضرورت ہی نہیں پڑی' اس کے بعد ایک روز راستے میں کسی بات پر میرا گاؤں کے اکلوتے ڈاکٹر سے جھگڑا ہو گیا اور میں پچاس سال تک ان کے کلینک کے قریب سے بھی نہیں گزرا۔ اب ان کا بھی انتقال ہو گیا ہے' بس اس طرح میں دوا سے بچا رہا۔"

نازی۔ صادق آباد

استفسار

ایک زمانے میں لکھنؤ میں گھروں پر چاٹ بیچنے کے لیے خوانچے والے آیا کرتے تھے۔ ایک روز کسی خوانچے فروش کو ساغر خیامی نے روکا اور اس سے کہا۔ "آٹھ آنے کی چاٹ دے دو۔"

اس نے چاٹ دے دی اور ساغر صاحب نے چاٹ کھالی۔ جب پیسے دینے کا وقت آیا تو خوانچے والے نے آٹھ آنے کے بجائے ایک روپیہ رکھ لیا۔

ساغر صاحب بگڑ کر بولے۔ "آٹھ آنے واپس کرو۔"

وہ بولا "چاٹ ایک روپے کی تھی۔"

ساغر صاحب نے کہا۔ "میں نے آٹھ آنے کی مانگی تو تم نے ایک روپے کی کیوں دی؟"

اس پر چاٹ والا بولا۔ "کیا کروں میاں' مجھے کم سنائی دیتا ہے۔"

ساغر صاحب بولے۔ "کم سنائی دیتا ہے یا زیادہ؟ کم سنائی دیتا تو چار آنے کی دیتے۔"

فائزہ۔۔۔ کراچی

شریف آدمی

ایک مال دار کاروباری اپنے ملاقاتی کو اپنی نئی کوٹھی دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں چاہتا ہوں کہ یہ مکمل ہو کر ایسی ہو جائے کہ اس میں ایک شریف آدمی رہ سکے۔"

"اچھا تو آپ اسے کرائے پر چڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" ملاقاتی نے کہا۔

آمنہ۔ ٹنڈوالہ یار

مشابہت

ایک شخص ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی باہر سے آیا۔ کچھ دیر بعد وہ قریبی کرسی پر بیٹھ کر اسے گھورنے لگا۔ پہلے تو وہ شخص خاموش بیٹھا رہا لیکن پھر مضطرب ہو کر بولا۔ "کیوں صاحب! کیا بات ہے؟"

آنے والے آدمی نے قدرے خفیف ہو کر کہا۔ "صرف مونچھوں کا فرق ہے' ورنہ آپ کی شکل میری بیوی سے ملتی ہے۔"

"لیکن میری تو مونچھیں نہیں ہیں۔" اس شخص نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں! لیکن میری بیوی کی ہیں۔" اس آدمی نے جواب دیا۔

فریدہ محمد۔ ہزارہ

دوراندیشی

ایک کمپنی کے مالک سے اس کے دوست دفتر میں ملنے آئے۔ باتوں باتوں میں دوست نے کہا۔ "یہ تم نے کیسے آدمی کو کیشئر رکھ لیا ہے؟ اس کی آنکھیں بھینگی، کان بڑے بڑے اور ناک طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی ہے، کچھ عجیب سا آدمی ہے۔"

"اسی لیے تو میں نے اسے ملازم رکھا ہے۔" کمپنی کے مالک نے گویا اپنی ذہانت کا اظہار کیا۔ "اگر یہ کبھی کیش لے کر یا غبن کر کے بھاگا تو اسے تلاش کرنا کچھ آسان ہو گا۔"

مدیحہ جیلانی۔لیہ

فریاد

فقیر نے راستے میں ایک خاتون کو روک کر کہا۔ "خدا کے نام پر دس روپے دے دو ورنہ مجھے ایسا خوفناک کام کرنا پڑے گا، جس کے خیال ہی سے میری روح کانپ جاتی ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔"

خاتون نے دہشت زدہ ہو کر فقیر کو دس روپے دے دیے اور ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "بتاؤ... وہ کون سا خوفناک کام ہے؟"

فقیر نے جواب دیا "محنت مزدوری"

عاصمہ مجید۔کراچی

خبر کی تصدیق

ایک سیاسی لیڈر اخبار پڑھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر اپنی موت کی خبر پر پڑی۔ وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور فوراً اخبار کے ایڈیٹر کو ٹیلی فون کر ڈالا۔ "تم... تم لوگ جھوٹے، بے ایمان اور... اور دغاباز ہو۔ میں یہاں زندہ بیٹھا ہوں اور تم لوگوں نے میرے مرنے کی خبر چھاپ دی۔"

اخبار کا ایڈیٹر خاموشی سے سیاسی لیڈر کا غصہ سہتا رہا، پھر بڑے پرسکون انداز میں بولا۔ "اچھا! یہ بتائیے کہ اس وقت آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"جہنم سے!" سیاسی لیڈر نے غیظ و غضب کے عالم میں جواب دیا۔

"پھر تو جناب، ہماری خبر کی تصدیق خود آپ نے کر دی۔" ایڈیٹر نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

آراے۔کراچی

خوشخبری

ہوٹل میں ایک صاحب نے فرائی مچھلی کا آرڈر دیا اور انتظار کرنے لگے۔ انتظار کی گھڑیاں بہت طویل ہو گئیں۔ آخر کار ویٹر ان کے پاس آیا اور خوشخبری سنانے کے انداز میں بولا۔ "بس جناب... آپ کی مچھلی آنے ہی والی ہے۔"

"اچھا... واقعی؟" ان صاحب نے خوشی کا اظہار کیا۔ "ویسے یہ تو بتاؤ کہ مچھلی پکڑنے کے لیے کانٹے میں چارے کے طور پر تم نے کیا چیز لگائی ہے؟"

ناعمہ۔لطیف آباد

وضاحت

ایک صاحب ریلوے کا ٹائم ٹیبل پکڑے "انکوائری" کی کھڑکی پر پہنچے اور ایک ٹرین کا نام لے کر بولے۔ "اس ٹائم ٹیبل میں لکھا ہے کہ یہ ٹرین پانچ بارہ پر آتی ہے، اب تو ساڑھے پانچ بج چکے ہیں لیکن ٹرین اب تک نہیں آئی۔"

"جناب... پانچ بارہ کا مطلب ہے کہ یہ ٹرین پانچ سے بارہ بجے کے درمیان کسی بھی وقت آسکتی ہے، ابھی بارہ تو نہیں بجے ہیں نا...."

عائلہ شفیق۔سرگودھا

صرف ایک...!

ایک لڑکی نے اپنے محبوب سے کہا۔ "کتنا اچھا ہوتا اگر تم سمجھوتے کی دہلیز سے پہلے ہی لوٹ جاتے۔ مگر اب جانے سے پہلے میرے آخری سوال کا جواب ضرور دیتے جانا۔

میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میرے لیے آسمان سے تارے توڑ کر لاؤ اور مجھے خوابوں کے دیس میں لے چلو... بگلے! میں حقیقت کی دنیا میں رہنے والی ایک عام سی لڑکی ہوں۔ میں نے تم سے کوئی انہونی فرمائش تو نہیں کی تھی۔ صرف ایک عدد ہیرے کا سیٹ ہی تو مانگا تھا۔

فرزانہ۔میرپور خاص

ہیئر ڈریسر کارنر

○ "میرا استرا کیسا تھا، جس سے میں نے آپ کا شیو بنایا۔"

○ "اچھا...! تو تم استرے سے میرا شیو بنا رہے تھے، میں تو سمجھا تھا کہ اس کام کے لیے ریگ مال استعمال کر رہے ہو۔"

○ "سر! میں شیو بنانے کے لیے آپ کے منہ پر جھاگ بنانے لگا ہوں، آپ اپنا منہ بند کر لیں۔"

○ "نہیں.... !پہلے تم اپنا منہ بند کرو۔"

☆ "سر! آپ کس طرح اپنی حجامت بنوانا پسند کریں گے؟"

☆ "تمہاری آواز سنے بغیر۔"

فوزیہ۔کراچی

مہارت

انور صاحب اپنے دوست جمال صاحب کو اپنی موٹر سائیکل پر پیچھے بٹھا کر روانہ ہوئے تو جمال صاحب کافی گھبرا رہے تھے کیونکہ وہ موٹر سائیکل پر سفر کرنے کے عادی نہیں تھے۔ انور صاحب نے تیز رفتاری سے ایک شارع پر موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے اونچی آواز میں جمال صاحب کو تسلی دی۔ "آپ کو گھبرانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ میں دن کئی مرتبہ اس سڑک سے گزرتا ہوں، اس کا چپا چپا میرا جانا پہچانا ہے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ اس سڑک پر کہاں کہاں گڑھا ہے۔"

عین اسی وقت موٹر سائیکل ایک گڑھے سے گزری اور بری طرح اچھلی۔ جمال صاحب گرتے گرتے بچے۔ انور صاحب بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔ "اور یہ انہی گڑھوں میں سے ایک گڑھا تھا۔"

اریبہ۔کراچی

گم شدہ

ایک خاتون اپنے گمشدہ شوہر کی رپورٹ درج کروانے پولیس اسٹیشن گئی۔

انسپکٹر۔ "اس کا قد کتنا ہے؟"

خاتون۔ "میں نے کبھی غور نہیں کیا۔"

انسپکٹر۔ "موٹا ہے یا دبلا؟"

خاتون۔ "قدرے صحت مند کہہ سکتے ہیں۔"

انسپکٹر۔ "آنکھوں کا رنگ کیسا ہے؟"

خاتون۔ "کبھی غور نہیں کیا۔"

انسپکٹر۔ "بالوں کا رنگ کیسا ہے؟"

خاتون۔ "میرے خیال میں کالا ہے۔"

انسپکٹر۔ "اس نے کیا پہن رکھا ہے؟"

خاتون۔ "مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔"

انسپکٹر۔ "کیا کوئی اس کے ساتھ ہے؟"

خاتون۔ "ہاں، ہاں میرا عزیز کتا رومیو۔ وہ سنہری زنجیر سے بندھا ہے۔ اس کا قد تیس انچ ہے، صحت مند ہے۔ نیلی آنکھیں اور بھورے مائل کالے بال ہیں۔ اس کے الٹے پاؤں کا ناخن تھوڑا ٹوٹا ہوا ہے، وہ بھونکتا بھی نہیں ہے۔ اس کی گردن میں زنجیر بیلٹ ہے، جس میں نیلی گھنٹی بندھی ہے۔ وہ گوشت خور ہے۔ ہم کھانا ساتھ کھاتے ہیں۔ چہل قدمی ساتھ کرتے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی خاتون نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

انسپکٹر گھبرا کر بولا۔ "آپ روئیں نہیں پہلے ہم کتے کو ڈھونڈنے چلتے ہیں۔"

وجیہہ رحمٰن۔کراچی

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

پالک کے رول

اجزا :

پالک باریک کاٹ کر — دو پیالی
بیسن — ایک پیالی
کٹی ہوئی سرخ مرچ — آدھا کھانے کا چمچہ
ثابت زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا — آدھا چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
کوکنگ آئل — حسب ضرورت

ترکیب :

پالک میں بیسن اور دیگر تمام اشیا اچھی طرح مکس کرلیں اور بغیر پانی ملائے ہاتھ سے گوندھ لیں اور پھر اس کے رول بنالیں۔ چولہے پر پانی سے بھری دیگچی رکھیں اور اس پر چھلنی یا ململ کا کپڑا ڈھانپ دیں اور اس پر تیار کیے ہوئے رول رکھ کر ڈھکن ڈھانپ دیں۔ 15 سے 20 منٹ کے بعد جب رول سخت ہوجائیں تو انہیں اتار کر ایک ایک انچ کے گول ٹکڑے کاٹ لیں۔ کڑاہی میں آئل گرم کرکے اس میں یہ ٹکڑے فرائی کرلیں اور چٹنی کے ساتھ تناول کریں۔

لاہوری وائٹ چکن کڑاہی

اجزا :

چکن — ایک کلو (چھوٹے پیس)
پیاز — آدھا پاؤ (باریک کاٹ لیں)
لہسن کا پیسٹ — ایک کھانے کا چمچہ
ادرک — 50 گرام (ہوائیاں کاٹ لیں)
ہری مرچ (باریک کتری ہوئی) — چھ سے آٹھ عدد
پسی کالی مرچ — ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچہ (بھون کر پیس لیں)
پسا گرم مسالا — ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا — آدھا کپ
فریش کریم — ایک کپ
نمک — ایک کھانے کا چمچہ
کوکنگ آئل — ایک کپ

ترکیب :

کڑاہی میں آئل گرم کرکے چکن اور پھر نمک ڈال کر پانچ منٹ تک ڈھانپ کر پکائیں۔ پیاز اور لہسن شامل کرکے مزید دس منٹ پکانے کے بعد ہری مرچیں بھی ڈال دیں اور بھونیں تاکہ مرچوں کا ذائقہ چکن میں بس جائے۔ جب چکن آئل چھوڑدے تو اس میں فریش کریم ڈال کر صرف دو منٹ تک پکائیں اور آخر میں ادرک، کالی مرچ، سفید زیرہ، پسا ہوا گرم مسالا ڈال کر فوری طور پر چولہے سے اتار لیں اور ہرا دھنیا چھڑک کر سلاد اور گرم نان کے ساتھ تناول کریں۔ (اس ڈش میں پانی کا استعمال بالکل نہیں کرنا ہے۔)

مچھلی کے سیخ کباب

اجزا :

بڑی مچھلی کے قتلے — آدھا کلو
دہی — آدھا پاؤ
گرم مسالا پسا ہوا — دو چائے کے چمچے
سرخ مرچ (پسی ہوئی) — دو چائے کے چمچے
بھنے ہوئے چنوں کا آٹا — ایک چھٹانک
نمک — حسب ذائقہ
پیاز — ایک عدد درمیانی
لیموں — دو عدد
لہسن (پیسٹ) — تین کھانے کے چمچے
بالائی — ایک چھٹانک

انڈا — ایک عدد
آٹا — نصف پیالی
بناسپتی گھی — ایک پیالی

ترکیب :

سب سے پہلے مچھلی کے ٹکڑوں کو نمک لگا کر رکھ دیں۔ اس کے بعد آٹا مل کر مچھلی دھولیں۔ اب مچھلی کے ٹکڑے (ایک انچ مربع سائز میں) کاٹ لیں اور ان پر لیموں کا رس اور لہسن کا پانی لگا کر دھولیں۔ ڈالڈا بناسپتی گھی آدھی پیالی گرم کریں اور اس میں پیاز لچھے دار کاٹ کر بادامی رنگ کی کرلیں اور اسے کسی اخبار پر نکال کر پھیلادیں۔ پھر سارے مسالے، لال مرچ، گرم مسالا، نمک، لہسن، تلی ہوئی پیاز، بھنے چنوں کا آٹا، سل پر باریک پیس کر پیسٹ بنالیں۔ اس پیسٹ میں دہی، بالائی اور ایک انڈے کی زردی ملادیں۔ اب مچھلی کے ٹکڑوں کو ان مسالوں کے پیسٹ میں ڈبو دیں اور پندرہ، بیس منٹ کے بعد ان کو سیخوں میں پرولیں اور کوئلوں پر سینک لیں۔ ساتھ تھوڑا تھوڑا گھی ان پر لگاتے جائیں۔ جب یہ کباب براؤن ہوجائیں تو اتار لیں اور املی کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

بریڈ کا حلوہ

اجزا :

بریڈ سلائس بڑے سائز — چار عدد
چینی — حسب ذائقہ
دودھ — ڈیڑھ کپ
انڈے — دو عدد
بادام، پستہ، اخروٹ، کشمش — حسب ضرورت

ترکیب :

بریڈ سلائس کے کنارے الگ کرکے ہاتھ سے چورا کرلیں۔ ایک پین میں گھی گرم کرکے سلائس کے چورے کو گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کریں۔ پھر اس میں دودھ اور چینی شامل کرلیں۔ جب دودھ خشک ہوجائے تو بالائی شامل کریں اور گھی نظر آنے پر انڈوں کو الگ کسی برتن میں پھینٹ کر تھوڑے سے گھی میں فرائی کرکے حلوے میں شامل کردیں۔ ساتھ خشک میوے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ مزے دار بریڈ کا حلوہ تیار ہے۔

بھنڈی ناریل کے ساتھ

اجزا :

بھنڈی — ایک کلو
ناریل — ایک ٹکڑا
نمک — حسب ذائقہ
ہری مرچ — چھ عدد
پسا ہوا لہسن و ادرک — تین کھانے کے چمچے
سونف — ایک چائے کا چمچہ
رائی، میتھی دانہ، ٹماٹر، خشخاش، تل
ثابت لال مرچ — دو چائے کے چمچے
تمام چیزیں حسب ذائقہ لے لیں
کوکنگ آئل — حسب ضرورت

ترکیب :

سب سے پہلے خشخاش اور تل، پسا ہوا ناریل توے پر بھون لیں۔ لائٹ براؤن ہوجائے تو اسے نکال لیں اور اب پھر اسے اچھی طرح سے پیس لیں۔ پھر ایک پتیلی میں آئل گرم کریں اور اس میں رائی، میتھی دانہ، لہسن و ادرک، ٹماٹر، ہری مرچ، لال مرچ اور نمک ڈال کر تھوڑی سی دیر کے لیے بھونیں۔ اب اس میں بھنڈی ڈال دیں اور آخر میں پہلے سے پسی ہوئی تینوں چیزیں (ناریل، تل، خشخاش) بھنڈی میں شامل کردیں اور صرف پانچ منٹ بعد اتار لیں۔ گرم نان کے ساتھ مزے دار بھنڈی کا لطف اٹھائیں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

سیما سونا۔۔۔ بکیرا شریف

س ۔ ساس کو زیر کرنے کا طریقہ بتائیں؟
ج ۔ سنا ہے لوگ اس چکر میں بیوی کو خوب مکھن لگایا کرتے ہیں۔

شائستہ اقبال۔۔۔ گجرات

س ۔ جب ہر شخص خود کو ایماندار سمجھتا ہے تو دنیا میں اتنی بے ایمانی کدھر سے آگئی؟
ج ۔ خود کو ایمان دار سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے نا۔

صائمہ اشفاق۔۔۔ کراچی

س ۔ ذوالقرنین بھیا! شادی بیاہ کے گیت کی ہم نے خوب پریکٹس کرلی ہے۔ اب آپ اپنی شادی کر ہی ڈالیں؟
ج ۔ بھئی یہ تم لوگوں کی پریکٹس سے میری شادی کا کیا تعلق؟

رخسانہ جمیل۔۔۔ شاہ کوٹ

س ۔ ذوقی بھیا! پنچھی اور پردیسی کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا؟
ج ۔ کیونکہ دونوں کو ہے اک دن جانا۔

عظمیٰ رانی۔۔۔ سیالکوٹ

س ۔ آپ کی بڑھتی ہوئی صحت کا راز کیا ہے؟
ج ۔ آئندہ گھٹتی ہوئی صحت کا راز پوچھنا۔

شہناز پروین۔۔۔ منچن آباد

س ۔ بھیا! آپ کی اس ناچیز بہن نے آپ کی رخصتی کے لیے جہیز اکٹھا کیا ہے۔ اس میں دو اہم چیزوں کی ضرورت ہے۔ جبڑے اور سر کا سائز بھیج دیں۔ مجھے وگ اور بتیسی خریدنی ہے ورنہ؟
ج ۔ آپریشن کلین اپ مکمل ہونے دو سندھ میں پھر؟

نیلوفر ضیاء۔۔۔ کمالیہ

س ۔ عورت شادی سے پہلے سپنوں کی رانی ہوتی ہے اور بعد میں؟
ج ۔ عورت کی مرضی پر منحصر ہے۔ بعد والی بات تو۔

شگفتہ ناز۔۔۔ بکھر

س ۔ انکل دل دینا آسان ہے یا دل لینا؟
ج ۔ مجھے دینا کچھ نہیں آتا بس جو آسانی سے مل جائے لے لیتا ہوں۔

زلیخا منیر۔۔۔ وہاڑی

س ۔ نین بھائی کسی شخص کو طوطا چشم کیوں کہتے ہیں؟
ج ۔ بھئی نور چشمی کو طوطا چشم کیسے کہہ دے کوئی۔

بشریٰ بٹ۔۔۔ گوجرانوالہ

س ۔ اس دفعہ آپ کے لیے پھندنے والی ٹوپی جس کی آپ نے ترکیب بتائی ہے۔ بنوا کر بھجوائیں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اگلی دفعہ اس ٹوپی کے ساتھ اپنی تصویر دیں، دیں گے نا؟
ج ۔ مجھے پھندنے والی ٹوپی کا شدت سے انتظار ہے۔ کیونکہ اسے پہننے کے امیدوار بھی اب بہت ہیں۔

حمیرا طارق۔۔۔ بہاول پور

س ۔ کیا آپ نے اتنی بڑی بڑی مونچھیں بچوں کے جھولا جھولنے کے لیے رکھی ہوئی ہیں؟
ج ۔ تم اگر اپنے بچوں کو اسی طرح خوش کرنا چاہتی ہو تو مونچھیں حاضر ہیں۔

ثمینہ یاسمین جعفری۔۔۔ کبیروالا

س ۔ نین بھائی! ساری زندگی آپ پہاڑ کھودتے رہیں اور آخر میں مریل سا چوہا نکل آئے تو آپ کے تاثرات کیا ہوں گے؟
ج ۔ کچھ نہیں، اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ کچھ نکلا تو سہی شیر نہ سہی پر عزت تو بنی رہی۔

عمرانہ بتول۔۔۔ کبیروالا

س ۔ پیار کو پیار میں جمع کیا جائے تو کیا جواب ہوگا؟
ج ۔ شادی اور خوش حال گھرانا۔

س ۔ انسان اپنی اوقات کب بھولتا ہے؟
ج ۔ یہ پوچھیں کب نہیں بھولتا۔

فرح۔۔۔ حافظ آباد

س ۔ اگر آپ کے آنگن میں چاند اتر آئے تو؟
ج ۔ اب ایسے سپنے دیکھنے چھوڑ دیے میں نے۔

ارم ناہید۔۔۔ کراچی

س ۔ نین! وہ آپ کو کس موسم میں شدت سے یاد [illegible]
ج ۔ شاید شدید گرمی میں۔

مسرت فیض۔۔۔ آزاد کشمیر

س ۔ میرا سوال پڑھ کر شاید تمہیں غصہ آئے۔ یا شاید سمجھ ہی نہ آئے۔ میں نے اکثر بڑوں کو کہتے سنا ہے کہ اگر بندہ شادی کیے بغیر مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہوتا؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟
ج ۔ اور جو لوگ شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد حادثاتی طور پر انتقال کر جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بڑوں نے کچھ نہیں کہا۔

حرا نورین۔۔۔ کراچی

س ۔ سائیں! یہ بتائیں کہ غم اور خوشی میں دوست ساتھ دیتے ہیں کہ نہیں؟
ج ۔ سائیں کیدھر کے دوست، کہاں کے دوست، کال پڑا ہے اس تعلق کا۔

تبسم زہرا۔۔۔ کراچی

س ۔ "دیکھ کر مجھ کو غور سے پھر وہ چپ سے ہو گئے! دل میں خلش ہے آج تک اس ان کہے سوال کی۔
ج ۔ ارے چھوڑیں کوئی یاد آگیا ہوگا۔

فرزانہ شفیق۔۔۔ لاہور

س ۔ نین بھیا! آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے۔ "انسان خدا کو کثرت سے کب یاد کرتا ہے؟"
ج ۔ جب وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔

فاطمہ وفا۔۔۔ کراچی

س ۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی قسم آسانی سے کھا لیتے ہیں۔ مگر والدین، بہن بھائی کی قسم کھاتے وقت کیوں ڈرتے ہیں؟
ج ۔ کیونکہ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں معاف کرنے والا ہے۔

☼ ☼

حسن و صحت

ادارہ

آیوڈین/غذا اور صحت

آیوڈین ایک لازمی غذائی عنصر ہے۔ جس کا ایٹمی وزن دیگر غذائی عناصر سے کہیں زیادہ ہے۔ اس عنصر کی غذا میں کمی سے بے شمار بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ آیوڈین حسب ذیل مقامات پر پایا جاتا ہے۔

☆ سمندر میں
☆ سمندری غذا" جیسے مچھلی اور جھینگے میں۔"
☆ زمین کی سب سے اوپری سطح میں
☆ پودے سطح زمین سے آیوڈین حاصل کرتے ہیں۔ یعنی ایسی جگہوں پر جہاں کی سطح زمین میں آیوڈین ہو۔ پودوں میں آیوڈین موجود ہوتا ہے۔ لیکن وہ ممالک جہاں سیلاب زیادہ آتے ہیں۔ شدید بارشیں ہوتی ہیں۔ تو سطح زمین سے یہ عنصر بہہ کر چلا جاتا ہے۔ پھر وہاں اگنے والی فصلوں میں آیوڈین کی کمی ہو جاتی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کا شمار بھی ایسے ہی ممالک میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں آیوڈین کی کمی ہوتی ہے اور ایک اندازے کے مطابق دنیا کے 400 ملین افراد جو پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔ آیوڈین کی کمی کا شکار ہوتے ہیں۔

پاکستان اور آیوڈین

ایک سروے کے مطابق پاکستان میں پانچ کروڑ افراد آیوڈین کی کمی کی وجہ سے مختلف امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ آیوڈین کی قلت کا سب سے زیادہ متاثرہ علاقہ شمالی پاکستان ہے۔ جہاں 70 فیصد آبادی آیوڈین کی قلت کی وجہ سے ذہنی و جسمانی امراض کا شکار ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ملک کے دیگر حصوں کے علاوہ کراچی جیسے شہر میں جہاں کی آبادی زیادہ تر تعلیم یافتہ ہے 67 فیصد نوزائیدہ بچے آیوڈین کی قلت کا شکار ہوتے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت یونی سیف کے مطابق جہاں آیوڈین کی قلت اور 40 فیصد بچے اس کا شکار ہوں تو یہ ایک سنگین نوعیت کا مسئلہ ہے۔ اس سے ہنگامی بنیادوں پر ہی نہیں بلکہ جنگی بنیادوں پر نبٹا جائے۔

آیوڈین کی روزانہ خوراک

ہماری گردن میں بالکل سامنے کی طرف ایک غدود پایا جاتا ہے۔ جسے تھائی رائیڈ غدود کہتے ہیں۔ اس سے پیدا ہونے والے ہارمونز کو تھائی رائیڈ ہارمونز کہتے ہیں۔ آیوڈین تھائی رائیڈ ہارمونز کی تیاری کے لیے آیوڈین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہضم شدہ آیوڈین آیوڈائیڈ بن کر جسم میں جذب ہو جاتا ہے۔

☆ ایک بالغ فرد کو تھائی رائیڈ کے نارمل فنکشن کے لیے کم از کم 150 مائیکرام آیوڈین روزانہ درکار ہوتی ہے۔
☆ لیکن امریکہ میں ایک بالغ فرد کی روزانہ آیوڈین خوراک 500 مائیکرام ہے۔

آیوڈین کی کمی

قلت آیوڈین سے پیدا ہونے والی بیماریوں کو مجموعی طور پر IDD کا نام دیا گیا ہے۔ جو کہ حسب ذیل ہیں۔

گائی ٹر

آیوڈن کی قلت کی وجہ سے تھائی رائیڈ غدود پھول جاتا ہے۔ آیوڈین کی کمی کی یہ ایک ظاہری علامت ہے۔ آیوڈین کی کمی سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں یہ سب سے کم ہوتی ہے۔ یہ بیماری صرف اس وقت ہوتی ہے جب آیوڈین کی روزانہ خوراک 10 مائیکروگرام سے بھی کم ہو جائے۔ اسے "اینڈیمک گائی ٹر" بھی کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ آیوڈین کی کمی سے درج ذیل بیماریاں بھی عام ہیں۔

1۔ دماغی کمزوری
2۔ ذہنی معذوری
3۔ ذہنی پسماندگی
4۔ IQ میں کمی
5۔ قد کا چھوٹا رہ جانا۔
6۔ اسقاط حمل (صرف خواتین میں)
7۔ مردہ بچے کی پیدائش۔
8۔ اعصابی نقائص جیسے سوچ اور جسمانی حرکات میں رابطہ کا نہ ہونا۔
9۔ ایسی حاملہ خواتین جن میں آیوڈین کی کمی ہو' ان کے بچے پیدائشی طور پر آیوڈین کی کمی سے ہونے والی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کی تعداد ایک لاکھ سالانہ ہے۔
10۔ گونگا اور بہرہ پن
11۔ جسمانی معذوری وغیرہ۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا کے تمام علاقوں بشمول پہاڑی علاقہ جات کے ڈیڑھ ارب افراد ایسے ہیں جو آیوڈین کی کمی سے دوچار ہیں۔ یہ نتائج انتہائی پریشان کن ہیں کہ کمپیوٹر کے دور میں داخل ہونے کے باوجود دنیا کی کثیر آبادی آیوڈین کی کمی کا شکار ہے۔ اگر ہم مستقبل کو صحت مند و توانا نسل دینا چاہتے ہیں تو ہمیں آیوڈین کی کمی کو پورا کرنے کے مسئلہ کو جلد از جلد جنگی بنیادوں پر حل کرنا ہوگا۔

یاد رکھیں

☆ ایسے افراد جو غذا میں زیادہ کیلشیم لیتے ہیں۔ آیوڈین کی کمی کا شکار ہوتے ہیں۔ کیونکہ کیلشیم جسم میں آیوڈین کے انجذاب کے عمل کو کم کر دیتا ہے۔
☆ حاملہ خواتین کو عام خواتین کی نسبت حمل کے دنوں میں خوراک میں زیادہ مقدار میں آیوڈین درکار ہوتی ہے۔

اگر ایسی خواتین میں آیوڈین کی کمی رہ جائے تو ان کے بچوں میں پیدائشی طور پر آیوڈین کی کمی رہتی ہے۔

آیوڈین کی کمی کا تدارک

آیوڈین کی کمی یوں ہی بڑھتی رہی تو یہ ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم حسب ذیل تبدیلیاں اپنی غذا میں پیدا کریں۔

☆ آیوڈین کی کمی کو پورا کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر فرد ہفتہ میں ایک بار ضرور بہ ضرور مچھلی یا جھینگے کھانے میں استعمال کرے۔

مچھلیاں اور جھینگے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ٹونک میں سے ایک ہیں کیونکہ۔

☆ مچھلی کا گوشت کولیسٹرول سے پاک ہوتا ہے۔
☆ آیوڈین کی مناسب مقدار موجود ہوتی ہے۔
☆ ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔

اس کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں آیوڈین ملے نمک کا استعمال عام ہے۔ اس نمک میں معمولی سی مقدار آیوڈین کی بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بہت زیادہ مفید ہے۔ لوگ نمک کا استعمال بہت کم صرف کھانوں میں کرتے ہیں۔ اس لیے آیوڈین کی زیادتی کا خدشہ نہیں رہتا ہے۔ اس کے علاوہ زائد آیوڈین جسم سے پیشاب کے ساتھ خارج ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیوڈین ملا نمک کتنے عرصہ استعمال کیا جائے تو جناب جواب یہ ہے کہ آیوڈین چونکہ لازمی غذائی عنصر ہے۔ اس لیے آیوڈین ملا نمک تمام عمر استعمال کیا جائے تو آپ چاق و چوبند رہیں گے۔

☆ جلدی نہیں تھکیں گے۔
☆ IQ برقرار رہے گا۔
☆ آیوڈین کی کمی کا شکار نہیں ہوں گے۔
☆ ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند رہیں گے۔
☆ گائی ٹر کے امکانات نہیں ہوں گے۔
☆ آپ کے بچے صحت مند اور توانا ہوں۔
☆ بچے پیدائشی طور پر صحت مند' ذہین اور چاق و چوبند ہوں گے۔

عقیلہ ترابی.... سکھر

دسمبر 2012ء کا کرن ہاتھوں میں ہے۔ سرورق پر کھڑی دلہن نما دوشیزہ اپنی تمام تر حشر انگیزیوں کے ساتھ نگاہوں کو خیرہ کررہی ہے۔ حمد و نعت میں اقبال آرزو کا کلام بہت اچھا لگا۔ شاہین رشید صاحبہ سے ایک گزارش کرنا چاہوں گی کہ ہم لوگ جو ڈائجسٹ کے قارئین ان چند مظلوم لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں آج کے اس دور میں بھی پڑھنے لکھنے سے لگاؤ ہے۔

ہمارا میڈیا اتنا ترقی کرچکا ہے، ٹیکنالوجی اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ قاری اور کتاب کے درمیان لامحدود فاصلے پیدا ہوگئے ہیں۔ لوگ انٹرنیٹ، موبائلز اور لاتعداد چینلز کی بھرمار میں الجھ کر رہ گئے ہیں اور آپ ہیں کہ آپ بھی ریڈیو اینکرز، ٹی وی فنکار اور ایکٹرز کے انٹرویو کرتی رہتی ہیں۔ ان لوگوں کے پاس اپنی شہرت کے لیے اور ہم لوگوں کے پاس ان لوگوں کو جاننے کے لیے الیکٹرونک میڈیا کے بے شمار وسائل ہیں۔ پلیز ان لوگوں کی جان چھوڑ دیں۔ ہم گنے چنے افراد جو پڑھنے کی غلطی کرتے ہیں ہمیں ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اگر آپ نے یہ سلسلہ کرنا ہی ہے تو اس ملک میں بہت سے شاعر، ادیب اور قلم کار موجود ہیں، آپ براہ کرم ان لوگوں کو سامنے لائیں جو ہمارے لیے پس پردہ رہ کر لازوال تحریریں تخلیق کرتے ہیں، ہمیں خوشی ہوگی۔

اب آتے ہیں ناولز کی طرف۔ نبیلہ عزیز کا "در دل" بہت اچھا چل رہا تھا۔ ولاور شاہ اور زری کے کردار بہت جان دار ہیں، لیکن اتنا طویل ناول بعض جگہوں پر کمزور پڑ جاتا ہے، کہانی میں ایک ٹھہراؤ سا آجاتا ہے۔ امید ہے وہ میری بات سے اتفاق کریں گی۔

فوزیہ یاسمین کا "دست کوزہ گر" اسی خامی کا شکار ہوچکا ہے، پلیز اب اسے وائنڈ اپ کردیں۔ ریحانہ امجد بخاری کا "وہ اک پری ہے" بالکل منفرد اسٹائل اور اچھوتے طرز تحریر پر مبنی ہے، لیکن اس میں بھی ایک خامی پیدا ہوچکی ہے۔ اس کہانی میں صرف ایک فرزان کا کردار تھا جس کے ساتھ قارئین کی تمام تر دلچسپیاں جڑی ہوئی تھیں، لیکن اس کردار کو مصنفہ نے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب کردیا۔ پلیز کہانی کے ساتھ یہ ظلم مت کریں اور پلیز، پلیز، پلیز اس کے صفحات بھی بڑھادیں۔ آخری بات یہ کہ نفیسہ سعید کا مکمل ناول اچھا لگا۔ آپ کے ہاں جواب دینے کی روایت تو نہیں ہے، لیکن پھر بھی ضرور پوچھوں گی کہ اس کی کتنی اقساط باقی ہیں؟

فرح بھٹی.... کراچی

بزم کرن میں شامل تمام لوگوں کو میری طرف سے سلام! پچھلے چار سال سے میں کرن کی ریگولر ریڈرز میں شامل ہوں۔ پڑھائی کی مصروفیات کے باعث میں کرن کے کسی سلسلے میں شریک نہ ہوسکی۔ اس وقت بھی مختصر سا تبصرہ کروں گی، وہ بھی صرف سلسلہ وار ناولز پہ۔

سب سے پہلے فوزیہ یاسمین صاحبہ سے گزارش ہے کہ پلیز دو، چار صفحے زیادہ لکھ لیا کریں۔ بالکل تھوڑا سا لکھتی ہیں۔ کئی بار تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی کردار پہ دو ماہ لگ جاتے ہیں۔ براہ مہربانی شائستہ خالہ کا قصہ جلدی ختم کردیں۔ بوریت ہونے لگی ہے۔ ویسے بہت

زبردست ناول ہے۔

نبیلہ عزیز بہت طویل لکھتی ہیں۔ ناول ٹھیک جارہا ہے۔ "ساڈا چڑیا دا چنبا" بہت اچھا جارہا ہے۔ نیبو سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔ سکندر بے حد برا لگتا ہے۔ امید ہے انجام اچھا ہوگا۔

"وہ ایک پری ہے" میں فرزان صرف شروع میں اچھا لگا۔ بعد میں اس کی حرکتوں پر غصہ ہی آیا۔

آخر میں ایک شکوہ نایاب جیلانی سے کہ انہوں نے "اورے پیا" کا اختتام متاثر کن نہیں کیا۔ اینڈ نے ناول کا سارا مزا خراب کردیا۔ ایک چھوٹی سی کہانی بھی بھیج رہی ہوں۔ امید ہے آپ اسے کرن کے صفحات میں جگہ دیں گے۔ یہ میری پہلی کہانی تو نہیں، لیکن اگر شائع ہوگئی تو چھپنے والی پہلی ہوگی۔ مزید ناول بعد میں بھیج دوں گی۔ اب اجازت دیجیے۔

نفیسہ بلوچ.... ڈیرہ غازی خان

سال نو کے لیے یہ لب پہ دعا ہے تاباں
لطف کا دور بنے پیار کا موسم بن جائے

سب سے پہلے کرن کے اسٹاف اور تمام قارئین بہنوں کو نیا سال بہت مبارک ہو، خدا کرے یہ نیا سال تمام مسلمانوں کے لیے امن کا پیامبر اور خوشیوں کا گہوارہ ثابت ہو۔ (آمین)

اب ذکر کرتے ہیں دسمبر کے شمارے کا جو کہ سولہ تاریخ کو ملا۔ میرے فیورٹ کلر کی ساڑھی میں اور میرے فیورٹ ہیئر اسٹائل میں ٹائٹل گرل نائس لگ رہی تھی۔ انٹرویوز بس سو سو لگے، مجھے ملنے میں سلوی علی بٹ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔

"دست کوزہ گر" میں حالات یہی بتاتے ہیں کہ اب حمید کے ذریعے ہی شائستہ خالہ کی روح والا مسئلہ حل ہوگا۔

"در دل" میں دل آور شاہ کی نفرت سے بخوبی آگاہ ہونے کے باوجود بھی علیزے کا یوں دل آور شاہ سے شادی کا کہنا حیران کرگیا۔ علیزے کو شاید آنے والے کڑے وقت کا ڈر ہے۔ جب دل آور شاہ سے رہائی کے بعد سب کو اس بات کا علم ہوگا کہ وہ بغیر کسی رشتے کے اتنا عرصہ دل آور شاہ کے پاس رہی اور وہ وقت علیزے کے لیے مزید ذلت بھرا ہوگا۔ یہ قسط پڑھنے کے بعد دل آور کے لیے دل پھینک کہنا زیادہ مناسب لگ رہا ہے۔ کیونکہ زری کی محبت سے وہ اچھی طرح آگاہ ہے۔ ادھر علیزے کے سامنے رومانوی ڈائیلاگ جھاڑنا ایسا لگتا ہے جیسے کسی انتقام کی بجائے علیزے کی محبت میں گرفتار ہوکر اسے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ خیر اگلی قسط کا بڑی شدت سے انتظار ہے کہ دل آور شاہ کا جواب کیا ہوگا۔

"ساڈا چڑیا دا چنبا" میں نیبو کا فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔ اسے ابوذر کو اپنے ساتھ لے کر ہی پاکستان جانا چاہیے۔ سکندر جیسے گھٹیا مرد کو سبق سکھانا ضروری ہے۔ کہانی کے آخری حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔

"وہ اک پری ہے" میں نئے کرداروں کی آمد ہوتے ہی فرزان صاحب جانے کہاں غائب ہوگئے ہیں اور شکر ہے اذان کی دیرینہ خواہش تو پوری ہوئی۔ ماہم کا موبائل نمبر حاصل کرنے کی۔

"ہوئے تم مہربان" بہت اچھا ناولٹ تھا۔ اس کہانی میں سچ تھا۔ لڑکیاں اتنی کمزور ہوتی نہیں ہیں رشتے اور محبتیں ان کو کمزور بنادیتے ہیں۔

"ڈھل گئی شام ہجر" صدف ریحان کی تحریر بہت زبردست تھی۔ مائنڈ ایک دم فریش کردیا۔ فرجاد کی سرپھری محبت اور لاجورد کا رشتے نبھانے کا انداز بہت پسند آیا۔

موسم کی سختیوں کا اثر ہماری مصنفین پر بھی شدت سے ہوا ہے۔ ناسازی طبع کے باعث نبیلہ عزیز اور فوزیہ یاسمین اس ماہ قسط لکھنے سے قاصر رہیں۔ لہٰذا "دست کوزہ گر" اور "در دل" کی اقساط قارئین فروری کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

افسانوں میں "بھولا" اور "بلیک کیٹ" بیسٹ لگے۔ بلیک کیٹ میں فرزین سے سخت نفرت محسوس ہوئی۔ بجائے اس کے وہ گل بہار سے اپنے بیٹے کے کرتوتوں کی معافی مانگتی الٹا اسے ہی سنانے لگی۔ بہت افسوس کی بات ہے یہ اور ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت بھی ہے' دولت کے نشے میں چور لوگوں کو غریب کی عزت بے مول لگتی ہے۔

"یادوں کے دریچے" میں ام رومان اور شانی سیال کا انتخاب اچھا لگا۔ "حسن و صحت" میں گرتے بالوں کا علاج پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ کیونکہ میرے بالوں کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ اس دعا کے ساتھ ہی اب اجازت چاہتی ہوں۔ خدا ہمیشہ کرن کو ترقی اور کامیابی سے نوازے۔ (آمین)

زینب منصور..... کراچی

السلام علیکم! آج پورے دو سال ہوگئے کرن کے ساتھ۔ کرن پڑھنے کا آغاز "عشق آتش" سے کیا تھا۔ جب میں نویں جماعت میں تھی اور اب انٹر میں آچکی ہوں۔ سعدیہ راجپوت کا وہ مکمل ناول شاید میں ساری عمر نہ بھول پاؤں۔ ماہ و سال گزر گئے۔ گرم سرد ہوائیں بیت گئیں۔ ہزاروں مصروفیات کے باوجود کرن کا ساتھ نہ چھوٹا۔ اب بھی دسمبر کی وہی سرد ہوائیں ہیں۔ بولتی خاموشیاں اور قطرہ قطرہ بھیگتی رات اور کل کی بارش نے تو موسم کو اور بھی دوبالا کردیا۔ ایک ہاتھ میں کافی کا مگ اور دوسرے ہاتھ سے رواں چلتا قلم جو کاغذ کے اس صفحہ پر اپنی روشنائی کے عکس چھوڑتا جارہا ہے۔ ٹارچ لائٹ میں دیوار پہ پڑتا اپنا عکس کمرے کا عجیب خواب ناک ماحول بنا رہا ہے۔ ویسے چھپ کے پڑھنے اور لکھنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

سردیوں کی یہ طویل راتیں کبھی آنکھوں میں نمی لاتی ہیں' تو کبھی لبوں پر مسکان' بالکل کرن کی کہانیوں کی طرح۔ کہانیوں کے کرداروں کی تصویریں ذہن کے نقش پر کبھی بنتی ہیں اور کبھی بکھرتی ہیں۔ مگر ہاں کچھ کردار اپنی چھاپ ایسی چھوڑ جاتے ہیں کہ بھلا میں تو بھول نہ پاؤں۔ جیسے کہ وجدان مصطفیٰ کا کردار اور ایک در ثمن سلیم کی کہانی میں "درید بخت" کا کردار۔ آپ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے درید بخت والی کہانی کہاں سے پڑھ لی۔ ایک اور بات بتاؤں۔ ان دو سالوں میں' میں نے صرف ان دو سالوں کے رسالے نہیں پڑھے' بلکہ ایک لمبی مدت جیسے کرن کے ساتھ بتائی ہے۔

میں نے دو ہزار تین سے لے کر دو ہزار دس تک کے تمام رسالوں کو تقریباً" پڑھ لیا۔ لہٰذا کرن کا اور میرا ساتھ محض ان دو سالوں پر محیط نہیں' بلکہ ایک لمبی مدت کا ساتھ ہے۔ کرن میرے لیے ایک اصلاح بنا۔ تمام لکھاری بہت خوب صورت لکھتے ہیں۔ آخر میں تمام لکھاریوں کو ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ الوداع کہوں گی اور میں کرن کے لیے کچھ لکھنا چاہتی ہوں' آپ کی اجازت درکار ہے؟ اللہ حافظ!

فوزیہ ثمروٹ..... گجرات

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

جی جناب سولہ دسمبر کی ٹھٹھرتی شام کو عمران صاحب نے کرن لا کر دیا' بڑی ہی منتوں کے بعد۔ حضرت فرماتے ہیں۔ یہ چودہ' پندرہ ہر مہینے اتنی جلدی کیوں آجاتی ہیں۔ کرن آنے کی اصل تاریخ تو یہی ہے نا۔ بارہ تاریخ سے میرا انتظار شروع ہوجاتا ہے اور جب تک عمران کرن میرے ہاتھوں میں پکڑا نہ دیں بھائی کی جان بخشی نہیں ہوتی۔

ماہ دسمبر کا ٹائٹل مجھے زبردست لگا۔ کیوں؟ کچھ دنوں سے میرا دل سفید شفون کی ساڑھی پہ آیا ہوا تھا۔ ویسے ریڈ شیڈ میں بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔ کبھی بیک گراؤنڈ کلر فل اور سفید شفون کی نگوں والی ساڑھی کا ٹائٹل بھی دیجیے گا۔

حسب عادت سب سے پہلے نامے میرے نام پڑھا۔ خوشی سے گال تمتمانے لگے۔ کشمیری خون ہے نا' حالانکہ آج کل تھوڑی نہیں بہت زیادہ بیمار ہوں۔

(پھر بھی گالوں کی لالی نہیں جاتی اور ہونٹوں کی ہنسی۔۔۔) پاگلوں کے سر پہ سینگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ جن بہنوں نے میری تعریف کی' تہ دل سے ان کی مشکور ہوں۔ یہ سب تو کرن والوں کا کمال ہے۔ ورنہ میرے خط میں تو اتنی بونگیاں ہوتی ہیں بے چاری مدیرہ صاحبہ کے ہر سطر کو سینسر کرکے سر میں درد شروع ہوجاتا ہے اور ہاں صائمہ امتیاز سے پیار بھرا شکوہ ہے۔ یار کیوں میری واحد خوشی کی دشمن بن رہی ہو۔ تم کرن اسٹاف سے یہ کہہ دو نا میرے نام کے صفحات بڑھائیں' مگر فوزیہ جی کا تبصرہ شارٹ مت کریں' بہرکیف۔

حسب روایت انٹرویوز سو سو رہے۔ دو کا پہاڑہ میں سارہ رضی اچھی لگی۔ نئے سال میں کوئی نیا سلسلہ شروع کریں نا دلچسپ سوالوں پر مبنی ہو۔

مکمل ناول "ساڈا چڑیا دا" نیرو بے چاری پر بڑا ترس آیا۔ کتنی جدوجہد کررہی ہے اکیلی۔ ٹھیک ہے سکندر کو بھی سزا ملنی چاہیے۔ نیرو کی واپسی اپنے بیٹے کے ساتھ ہی ہونی چاہیے۔ مجھے رائٹر صاحبہ سے پوری امید ہے۔ وہ نیرو اور سنان کا ملاپ ضرور کریں گی۔ آخر کو نیرو کو زندگی گزارنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت تو ہوگی نا۔ تو وہ سنان کی صورت میں ہی ہونا چاہیے۔

"ڈھل گئی شام ہجر" مجھے بہت اچھا لگا۔ فرجاد ہیرو کی حس مزاح حس بہت اچھی تھی۔

"ہوئے تم مہربان" شازیہ کی تحریر کی سمجھ نہیں آئی۔ پڑھتے ہوئے ایسا لگا کوئی ڈاکومنٹری موومی دیکھ رہے ہیں۔ عجیب سی تحریر تھی۔ لڑکی سانپوں کی شوقین۔ جنگل میں زخمی ہیرو مل جاتا ہے اور پھر ملن سب۔ یہ سب کیا تھا۔ اگر رائٹر صاحبہ نے سانپوں کے متعلق کچھ لکھنا ہی تھا تو پوری تحقیق سے لکھتیں۔ جو سانپ سو سال کے ہوجاتے ہیں کیا وہ سچ میں کوئی بھی روپ دھار سکتے ہیں۔ یہ سب پتا تو ہے پھر بھی کہانی میں کوئی تو ٹوئسٹ ہوتا نا۔ خیر پڑھ تو میں نے ساری لی تھی۔ تحریر بور ہو یا دلچسپ پڑھتی میں ضرور ہوں۔ کیونکہ بعد میں میں نے قیاس کے گھوڑے دوڑانے ہوتے ہیں' اس لیے۔

ناولٹ "دو شناسا" بھی واجبی سی تھی۔ اب اس پہ کیا کہوں۔ افسانہ "بلیک کیٹ" رائٹر معاشرے کا ایک بے ہودہ سچ سامنے لائی ہیں۔ یہ جو بیگمات ہوتی ہیں نا خود تو اپنے باورچی اور بٹلر سب نیک اور خوب صورت رکھتی ہیں اور ان کے ساتھ کبھی سیٹ بھی ہوجاتی ہیں اور بے چاری نوکرانیوں پہ الزام لگاتی ہیں۔

"کہنی کی چوٹ" بھی اچھی تحریر تھی۔ وقت ظالم ہوگیا ہے۔ ایسا مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے' زندگی کے لیے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھا ہے نا ادھر ادھر منہ مارنے سے بہتر ہے جائز اور حلال راستے کو اپنایا جائے۔

"بہاروں کی دستک" بھی اچھا تھا۔ ہوتے ہوں گے ایسے بھی مرد۔ دنیا رنگ رنگ کے انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ ماہا اچھی فطرت کی تھی۔ اس نے ماہین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔

بیسٹ افسانہ مجھے "بھولا" لگا۔ نسرین صاحبہ نے ہمارے معاشرے کا کڑا سچ لکھا ہے۔ یہ پتر چیز ہی ایسی ہوتے ہیں۔ مائیں اپنے خوابوں کے ساتھ بیٹوں کو پروان چڑھاتی ہیں کہ جوان ہوکر بیٹے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے۔ مگر ہائے افسوس یہ بھولے پنچھی پتا نہیں کاٹھ کے الو کیسے بن جاتے ہیں اور اپنے بھولے پن سے اپنی جنتوں کو خود اپنے ہاتھوں رول دیتے ہیں۔

مستقل سلسلے اچھے تھے۔ "مسکراتی کرنیں" میں "اظہار ہمدردی" اچھا لگا۔ بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔ (آپ یہ مت سمجھنا مجھے گھاس پسند ہے) وہ تو خیر ویسے بھی ابلتے رہتے ہیں۔ مجھے لگا وہ امیر آدمی ہمارے صدر صاحب ہیں اور وہ بھوکے لوگ ہماری عوام تھی۔ مجھے تو کچھ ایسا ہی فیل ہوا۔

شاعری میں صدف عمران کا شعر اچھا لگا۔ بالکل مجھ پہ فٹ آتا ہے۔ جب تک میں دنیا کی چالاکی کو سمجھ پاتی

ہوں تب تک لوگ اپنی ہی چال چلے ہوتے ہیں۔
"یادوں کے دریچے" میں سورتھ ساند' جاسمہ مریم کی ڈائری پسند آئی' جاسمہ نام اچھا لگا اور ہاں یہ دسمبر کے لاسٹ ڈے اتنے اداس کیوں کرتے ہیں۔ رات کو چاند پتا نہیں کس کس دکھ کی ترجمانی کر رہا ہوتا ہے۔ مجھے 31 دسمبر ہمیشہ سے سخت برا لگتا ہے۔ کاش اکتیس دسمبر کبھی نہ آیا کرے۔
سب کو سال نو بہت مبارک ہو۔ دعا گو ہوں ہم سب کے لیے آنے والا وقت خوشیوں کے تھال بھر بھر کے لائے اور جو ہمارے ملک کے حالات ہیں وہ ٹھیک ہو جائیں اور صالح حکمران ہمارے ملک کا نصیب ہوں۔ کرن اسٹاف' قارئین بہنوں' میری دوستوں کو سال نو کی بہت بہت مبارک ہو۔

صائمہ امتیاز ساہی.... منگوال عربی

اک سفر وہ بھی ہے جس میں
پاؤں نہیں دل تھکتا ہے

اس بار تو فرسٹ دسمبر سے لے کر 14 دسمبر تک کرن کا انتظار بڑی شدتوں سے کیا اور 15 دسمبر کو کرن مل ہی گیا اور سب سے پہلے تو میں نے دیکھا۔ "یادوں کے دریچے سے" امید تھی میری بھی دسمبر کے حوالے سے کوئی نظم یا غزل دسمبر میں ہی شائع ہو جائے گی۔ مگر افسوس صد افسوس انتظار لاحاصل ہی ٹھہرا۔ مگر کوئی بات نہیں' دسمبر کے حوالے سے باقی سب نظمیں اور غزلیں اچھی اور خوب صورت تھیں۔ سب کا انتخاب پسند آیا۔ مگر اک بات پہ اعتراض ہے وہ ہے ٹائٹل' دیکھیں دسمبر جیسے سنجیدہ اور اداس ماہ میں سرخ چلبلی ساڑھی کچھ خاص جچ نہیں رہی تھی۔ باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے۔ مگر میں تو کہیں بھی نہیں تھی۔ میں نے پورے ڈائجسٹ کو تین بار کھنگال کر دیکھا' مگر نامے میرے نام میں اپنا خط پا کر بے انتہا خوشی ہوئی۔
نفیسہ سعید کا ناول "ساڈا چڑا دا چنبا" بہت اچھا جا رہا ہے۔ چونکہ گزشتہ ماہ نفیسہ صاحبہ کہہ چکی تھیں کہ آخری قسط آئندہ ماہ تو اس بار پھر آئندہ ماہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی اور مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ اب نیبو کا مستقبل کیا ہو گا؟ اور صد شکر کہ وہ مایا کے چنگل سے با آسانی نکل آئی اور جنید پر تو جی بھر کے غصہ آیا۔ کیا بھائی ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ خود غرض اور بے حس! اس سے تو نہ ہونا لاکھ درجے بہتر ہے۔ ناولٹ ابھی ایک ہی پڑھا ہے۔ "دو شناسا اجنبی" سمیرا گل نے موضوع تو بہت ہی خوب صورت چنا۔ مگر پھر سمجھ نہیں آئی کہاں پہنچ کر انھوں نے اپنی کہانی کو اک روایتی سا اینڈ دے دیا۔ یونیورسٹی میں اکثر چیلنج کے طور پر ایسے کھیل ہوتے ہیں اور بعد میں محبت ہو جاتی ہے اور کچھ عرصے بعد عقل اپنے ٹھکانے پر آ جاتی ہے اور ضمیر کا بوجھ ستانے لگتا ہے۔ مگر پھر بھی فرحان کا کردار بہت پسند آیا۔ ہمارے معاشرے میں تمام لڑکے عموماً ایسے ہی ہیں۔ کچھ تو اپنی غلطیوں پر دیدہ دلیری سے پردہ ڈال کر ماضی کے کنویں میں دفن کر دیتے ہیں۔ "دو شناسا اجنبی" ٹائٹل بھی پیارا تھا۔
افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ "کہنی کی چوٹ" تو بہت ہی عام سی بات ہے۔ دنیا مرنے والوں کے ساتھ مرتی ہے نہ یاد رکھتی ہے۔ رات گئی بات گئی۔ قصہ ختم۔ مگر سب سے زیادہ حیران اور پریشان تو "بلیک کیٹ" نے کیا۔ کیسی مائیں ہوتی ہیں جو اولاد کی گندی اور غلط تربیت پر بھی خوش ہو کر انہیں بڑھاوا دیتی ہیں۔ کسی کی عزت لٹتی ہے تو لٹ جائے' کوئی فکر ہی نہیں۔ فکر ہے تو اپنے بیٹے کی کہ اس کی طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ لعنت ہے اس ہائی اسٹینڈرڈ پر۔
سلسلے وار ناولز میں "دردل" اور "دست کوزہ گر" جہاں تھے وہاں ہی ہیں۔ جب مکمل ہو جائیں گے تو ایک ہی بار تنقید یا تعریف کروں گی۔ کیونکہ "دست کوزہ گر" تو شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہے۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ میرا پچھلا ناول جو آپ کو اک امید کے ساتھ بھیجا تھا۔ یقیناً" وہ ماضی دیرینہ کا حصہ بن چکا ہے اور شاید آپ نے پڑھا بھی نہ ہو۔ اب اگر آپ کے پاس ٹائم ہو اور آپ کی اجازت ہو تو میں نے

ایک مختصر سا ناولٹ لکھ رکھا ہے وہ آپ کو ارسال کر دوں۔ پلیز مجھے اسی خط کے آخر میں ہی جواب دیں' فوزیہ ثمر بٹ سے بھی معذرت کہ میں نے پچھلے ماہ ان کا بھی اپنے خط میں ذکر کر دیا۔ اب میرا خط زیادہ طویل ہو رہا ہے' اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

کچھ خوشیاں' کچھ آنسو دے کر ٹال گیا
جیون کا اک اور سنہری سال گیا

نیا سال بھی سب کو مبارک ہو۔ خدا آپ سب کو آپ کے مقاصد میں کامیاب کرے۔ (آمین)
ج۔ پیاری صائمہ! آپ اپنی تحریر ہمیں بھیج دیں۔

انیقہ انا.... چکوال

کرن 17 دسمبر کی شام کو ملا' اب دن مصروفیت کی نذر ہوا اور رات ایک بجے تک بیٹھ کر کرن پڑھا۔ ان دنوں اسکول میں عجب مصروفیات ہیں۔ محاورتاً" نہیں' حقیقتاً" سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے۔ بہر حال ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر ہوں۔
کرن کتاب تو اس مرتبہ ابھی تک کھول کر نہیں دیکھی۔ سرورق کچھ خاص نہ لگا۔ اگرچہ سرخ رنگ میرا پسندیدہ رنگ ہے' مگر ساڑھی اب مجھے کچھ خاص نہیں بھاتی۔ "دست کوزہ گر" میں الیان اور رومیلہ کا قصہ بہت اچھی طرح بیان کیا گیا۔ شگفتہ اور بریرہ کا رویہ عین حقیقت پر مبنی ہے۔ دوسری جانب زوبیہ کے کردار میں کوئی پیش رفت تاحال ہوتی دکھائی نہیں دے رہی۔ "دردل" سچ بولوں؟ اب مجھے اس ناول کو پڑھتے ہوئے پہلے کی طرح دلچسپی محسوس نہیں ہوتی نہ دل آور کا کردار نہ زری کی محبت' کچھ بھی دل کو نہیں چھوتا۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی چیز کہیں گم ہو گئی ہو۔ دل آور نے منصور بن کر جو بھی کیا میرے دل کو اچھا نہیں لگا۔ معذرت کے ساتھ نبیلہ!
نفیسہ سعید کا ناول اگرچہ بہت طویل ہو گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود ناول میں دلچسپی ہنوز باقی ہے۔ سخت ترین حالات میں نیبو کا ثابت قدم رہنا بہت ہمت کی بات ہے نا اور حیرت روا پر ہوئی کہ ماں ہو کر ایک ماں سے کہہ رہی ہیں کہ بچے کو چھوڑ دو۔ ویسے کیسا خوب صورت رشتہ ہوتا ہے ناماں کا۔ اللہ ہم سب کی ماؤں کو سدا سلامت رکھے۔ (آمین) صدف ریحان کا ناول بھی اچھا لگا۔ سجاد جیسا ٹیڑھا مرد بھی اولاد پاتے ہی سدھر گیا۔ دوسری جانب شکر ہے کہ لاج اور فرجاد نے برابر لڑ جھگڑ کر عین وقت پر زندگی کو سنبھال لیا۔ کاش کہ حقیقی زندگی بھی ناول جیسی ہوتی نا۔ کسی مصنفہ کے ہاتھوں اپنی مرضی سے تخلیق کرتے.... ہک ہا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی....

"ہوئے تم مہربان" رائم کی طرح میرا بھی دل چاہتا تھا جنگلوں کی خاک چھاننے کو نکل جاؤں اور کوئی.... ہاہاہا.... تھا کا صیغہ اس لیے استعمال کیا کہ۔

یہ تب کی بات ہے جب آتش جوان تھا
(اب آتش بڈھا ہو گیا) ناول میں جو اہم اور خاص بات تھی وہ یہ تھی کہ اللہ پر کامل یقین ہو تو ہر منزل ملتی ہے اور میرا تو ماننا ہی یہ ہے کہ ہمارا پورا مذہب ہے ہی یقین کی بنیاد پر۔
"دو شناسا اجنبی" سچ یہی ہے کہ شناسا اجنبی کب ہوتے ہیں؟ شیطان حاوی ہو جائے تو اچھے بھلے انسان کی سدھ بدھ ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے فرحان کی ہوئی' محض چیلنج کے لیے ایک زندگی خوار کروا دی۔ تاہم ناول بہت اچھا لگا۔
افسانوں میں سب سے بہترین افسانہ "بلیک کیٹ" لگا۔ سادہ سے لفظوں میں طنز کی گہری کاٹ لیے۔ یوں سمجھیں روح تک سنسنا اٹھی۔ "کہنی کی چوٹ" بھی خوب رہا اور "بھولا" تو سچ کا بھولا تھا۔ سچ میں مزا آگیا پڑھنے کا۔ واہ....
مستقل سلسلے خوب رہے۔ قارئین کی محفل میں جس جس نے مجھے یاد رکھا ان سب کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔
اس بار تبصرہ خاصا بد مزا سا لگ رہا ہے نا آپی! بس معذرت خواہ ہوں۔

امبر گل.... جھڈو (سندھ)

کچھ خوشیاں کچھ غم دے کر ٹال گیا
لو جیون کا اک اور سنہری سال گیا

آخر کار سال 2012ء کے اختتام پر دل کے بے حد مجبور کرنے پر میں نے بہت ہمت کرکے جنوری کے کرن کے لیے تبصرہ لکھنے کی ٹھان ہی لی ہے۔ آخری تبصرہ بھی شاید جنوری کے شمارے میں ہی شائع ہوا تھا اور فروری میں لکھنے کا پورا ارادہ بھی تھا۔ مگر 14 فروری کو ایک اور حادثہ چونکہ ہمارے مقدر میں لکھا تھا سو کچھ بھی نہ کرپائی اور خالق کائنات کی رضا میں راضی بہ رضا ہوگئے۔ جی ہاں امی کے جانے کے تقریباً" سات ماہ بعد میرے اکلوتے خالہ زاد کزن آفتاب لودھی کی اچانک اور جوان موت نے تو گویا ہم سب کے ہی حواس سلب کرڈالے تھے۔ دوسروں کا تو مجھے پتا نہیں، مگر میں جو پہلے صرف اپنی ماں کی جدائی سے اداس تھی، پھر تو کچھ عرصے تک گویا کہ ہر شے سے ہی دل اچاٹ ہوگیا تھا میرا، مگر یہ سب تو انسانی زندگی کا حصہ ہیں، کبھی خوشی تو کبھی غم اور زندگی کا نظام تو اپنے طریق سے چلتا ہی رہتا ہے۔

بھائی جان کے چہلم سے اگلے ہی دن میری عزیز از جان سہیلی صبا گل کے جواں سال بھائی ذیشان کی اچانک ڈیتھ وہی روڈ ایکسیڈنٹ اوہ خدایا یہ سب کیا ہے؟ تنہائی، اداسی اور دل کی ہمہ وقت عجیب سی رہنے والی کیفیت نے ایک دم سے اس درد کو بھی بے دار کر ڈالا جو کہ 9-8 سالوں سے کبھی نہیں ہوا تھا اور پھر نہ، نہ کرنے اور لاکھ بچاؤ کی کوششیں کرنے کے باوجود بھی مجھے گلے میں ٹانسلز کا آپریشن کروانا پڑا۔ 11 نومبر کو آپریشن ہوا اور 13 نومبر کی صبح جب میرے پاس ثمرین کا میسج آیا کہ امبرامی مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو ایک اور کرب کی کیفیت مجھ پر چھا گئی کہ گلے میں درد کی وجہ سے میں تو اپنی دوست کو کوئی حرف تسلی دینے کے لائق بھی نہ رہی، جی ہاں ثمرین حبیب کی والدہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔ پلیز تمام قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت فرمادیں۔ (آمین)

اب کچھ تبصرہ ہوجائے کرن پر.....

ٹائٹل کچھ خاص نہیں لگا۔ وجہ؟ یقیناً" مشرقی لباس کا نہ ہونا ہے! کرن میں سب سے پہلے تو میں نے قسط وار ناولز ہی پڑھنے ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلے "دردل" ہی پڑھتی ہوں۔ (ڈیئر نبیلہ بے شک تم مجھے بھول گئی ہو، مگر میں تمہیں اور درثمن کو کبھی نہیں بھول سکتی، ایسی ہی ہوں میں!) اور "دست کوزہ گر" میں معذرت کے ساتھ فوزیہ جی سے صرف یہی کہوں گی کہ یہ ناول اسٹارٹ جس طرح ہوا تھا اور مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ اب یہ ویسا نہیں رہا۔

"ساڈا چڑیا دا چنبا" سوری بھئی نفیسہ جی میں نے یہ ابھی تک پڑھا ہی نہیں ہے، صدف ریحان نے بس نارمل ہی لکھا ہے اور غالباً" یہ بھی پہلے تبصرہ نگار ہوتی تھیں۔ اب رائٹر بنی ہیں شاید۔

"افسانوں میں "بلیک کیٹ" اور "کہنی کی چوٹ" اچھے تھے۔"

انٹرویوز بھی بس سو سو تھے۔ "کرن کرن خوشبو" میں سورٹھ، اقراء، فوزیہ، ہانیہ اور رباب کی تحریریں پسند آئیں۔ "یادوں کے دریچے" میں حنا رئیس، سورٹھ، نائلہ اور جاسمہ کا انتخاب اچھا لگا۔ شعروں میں سب کا انتخاب اچھا تھا۔

"مسکراتی کرنیں" میں بھی سب بہنوں کے لطائف پڑھے، ہنسی صرف دو تین پر ہی آئی۔ پھر باری آئی تبصروں کی۔ سب نے اچھے خطوط لکھے تھے۔ کچھ نے اپنے دل کے پھپھولے بھی پھوڑے تھے۔ ہم نے ہر بار ہر خط میں ہی اپنا بھی کہیں کوئی ذکر خیر ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر نہ جی ایک عرصہ ہوگیا کسی نے نہیں یاد کیا کبھی ہمیں، مگر دیکھیے پھر بھی ہماری محبت کہ ہمیں اب بھی اپنی تمام سہیلیاں یاد آتی ہیں۔ پلیز یار و زندگی بہت مختصر ہے۔ ایک پل میں زندگی بدل جاتی ہے۔ موت اور زندگی کے بیچ نظر نہ آنے والا جو مختصر سا فاصلہ ہے نہ جانے کب اور کس وقت کس کی زندگی میں آجائے تو پلیز لوٹ آؤ واپس کہ آنکھیں تمہارے بھیجے گئے محبت بھرے لفظوں کا انتظار کررہی ہیں۔

کرن کتاب اس بار بہت اچھی لگی، کچھ مطلب کی باتیں لکھی تھیں اس میں۔ کرن کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیشہ ترقی کی راہوں پر گامزن رہے اور سب سے اہم بات 29 جنوری کو میرے اکلوتے بھتیجے کی سالگرہ ہے محمد ثمامہ کو ہم سب گھر والوں کی طرف سے بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ ہمیشہ خوش رہو اور یوں ہی ہمارے آنگن میں خوشیاں بکھیرتے رہو۔ (آمین)

شفق راجپوت..... گوجرہ

السلام علیکم! میں بہت خوش ہوں۔ اتنی، اتنی، اتنی کہ میں بتا نہیں سکتی۔ کرن میں پہلی دفعہ میں نے اپنا انتخاب بھجوایا تھا اور آپ نے شائع کردیا۔ اسی سے حوصلہ تھام کے میں نے اس بار بھی کرن کے سلسلے میں بہت محبت، بہت چاہت کے ساتھ شرکت کی ہے۔ امید ہے آپ اس دفعہ بھی مجھے جگہ دیں گے۔

اب اگر کرن میں شائع ہونے والی کہانیوں کے بارے میں بات کروں تو جناب ان کے لیے تو صرف تعریف ہی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں رائٹر بہت محبت سے لکھتی ہیں۔ تنقید کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ اس ڈائجسٹ اور اس سے منسلک افراد کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین)

ایک اور فرمائش ایف ایم 95 کے آر جے مدثر کا انٹرویو بمعہ تصویر ضرور، ضرور شائع کریں، پلیز.... اور یہ کہ میں ایک کہانی لکھ رہی ہوں۔ بہت سے رائٹرز کا پڑھا ہے کہ ان کا پہلا قدم اٹھانے میں (رائٹر بننے میں یار.... آپ ہنسیں تو مت) کرن کا ہاتھ ہے۔ تو کیا کرن میرا ہاتھ تھام کے مجھے یہ پہلا قدم اٹھانے میں مدد دے گا؟ مجھے بہت زیادہ شوق ہے رائٹر بننے کا۔ ویسے میں شاعری بھی کرتی ہوں۔ بہت زیادہ اچھا تو نہیں لکھتی، مگر پڑھنے والے بہت پسند کرتے ہیں۔ کیا آپ میری لکھی کہانی شائع کرکے شکریہ کا موقع دیں گے؟ پلیز دل رکھ لیں نہ کا.... جواب کا انتظار رہے گا۔ پلیز مثبت جواب دیجیے گا۔ (اللہ حافظ)

نوشابہ منظور..... بھریا روڈ

آپی میری طرف سے کرن کے تمام اسٹاف کو نئے سال کی مبارک باد۔ اس دفعہ کرن 17 کو ملا۔ اس امید کے ساتھ کھولا کہ شاید اس دفعہ آپ نے مجھے ایک سلسلے میں ہی جگہ نہ دی ہو، مگر ہائے رے خوش فہمی صرف ایک شعر چھپا، مجھے اتنا دکھ ہوا، مجھے کسی اور سلسلے میں کبھی جگہ نہیں ملے گی کیا؟

اب آتے ہیں اس دفعہ کے کرن کی طرف، ابھی تک سلسلے وار ناول ہی پڑھے ہیں۔ فوزیہ جی آپ کی کہانی ایک ہی جگہ رکی ہوئی ہے۔ "دردل" زبردست جارہا ہے۔ باقی ابھی پڑھا نہیں۔ اس امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں کہ ہوسکتا ہے اب جگہ مل جائے۔ اگر زندگی نے اجازت دی تو پھر حاضر ہوں گی، اب اجازت دیں، شکریہ۔

نامعلوم

امید کرتی ہوں کہ آپ میرا خط ضرور شائع کریں گی۔ میرا یہ پہلا خط ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس خط میں آپ کو کوئی بناوٹ، کوئی سجاوٹ نظر نہیں آئے گی۔ کرن کی ہر کہانی لاجواب اور لازوال ہوتی ہے اور سب سے بہترین کہانی "خواب، خواہش اور زندگی" بہت اچھی لگی۔

اور نبیلہ عزیز کی "حساب دل رہنے دو" بہت عمدہ لگی۔ یہ خط لکھتے وقت مجھے الفاظ نہیں مل رہے کہ میں آپ کے ڈائجسٹ کے لیے اور کیا لکھوں، اس میں تمام کہانیاں اور افسانے، ناول سب ہی اچھے ہوتے ہیں۔ شروع میں حمد، نعت بھی بہت خوب ہوتی ہیں، جنہیں پڑھ کر سکون اور خوشی ملتی ہے۔

سونیا ربانی..... قاضیاں محلہ بالا

کبھی دن بھر تجھے سوچنا، کبھی رات بھر ہے جاگنا
تیری یاد ہے، میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

میری دعا ہے کہ یہ سال ہم سب کے دامن میں بچی خوشیاں ڈالے۔ (آمین) وقت ہے کہ ہاتھ نہیں آتا۔ میں کاموں میں لگی رہتی ہوں اور حسرت سے رسالے کی طرف دیکھتی رہتی ہوں جو میرے بستر پہ موجود تو ہوتا ہے مگر رات سے پہلے وقت نہیں ملتا کہ میں کچھ پڑھ سکوں۔ خیر سوچا ہے کہ جو وقت ہے اس میں لکھتی رہوں گی۔ ڈائجسٹ اب کافی دیر سے ملتے ہیں۔ سو لاکھ چاہ کر بھی تبصرہ نہیں کرپاتی ہوں۔ سو یہ آخری خط ہے، ہاں انتخاب روانہ کرتی رہوں گی۔ یہ خط ضرور شامل کرنا۔ 4 جنوری کو میرے عزیز بھیا عدنان کی سالگرہ ہے۔ سو میری دعا ہے بھیا اللہ تمہیں صحت، خوشیاں، سکون اور لمبی عمر عطا کرے۔ (آمین)

باقی جگہ ملتی رہے۔ شرط زندگی پھر کبھی ملاقات ہوگی۔ باقی جو 2012ء کے ساتھ ماضی کا حصہ بن گئے۔ ان سے کیا کہنا۔ صرف نایاب کے نام یہ شعر۔

اس کے رویے سے مجھ کو بس یہ معلوم ہوا ساغر
اسے دشوار لگتا ہے، اب مجھ سے تعلق رکھنا

نواب زادی سونگی، انیقہ انا، سدرہ وزیر اور فوزیہ ثمر بٹ کو سلام اور نواب زادی آپ کتاب کے بارے میں ضرور بتانا کہ آپ کی شاعری کی کتاب آئی یا نہیں؟ مدیرہ میرے خط کو ضرور جگہ دینا، پلیز۔ خوش رہو، اللہ حافظ۔

مدیحہ حرا.... کراچی

پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ یہ خط ردی کی ٹوکری کی نذر نہیں ہوگا۔ میں، میری فرینڈ اور میری کزنس مسفوہ (بہن) مبشرہ، ماہم، رخسار تینوں رسالے خواتین، کرن اور شعاع بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ اب آتے ہیں سلسلہ وار ناول "دردل" کی طرف۔ پلیز زری کی شادی دل آور شاہ سے کیجیے گا اور پلیز دل آور شاہ کا راز کھول دیں۔ مزید انتظار نہیں ہورہا ہے۔

"دست کوزہ گر" کی طوالت بور کررہی ہے۔ ویسے یہ بنیادی طور پر اچھا ناول ہے۔ "ساڈا چڑیا دا چنبا" بہت زبردست چل رہا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ آخری قسط میں کیا ہوتا ہے۔ "وہ اک پری ہے" بھی اچھا چل رہا ہے۔ "ھوئے تم مہرباں" بہت اچھا اور زبردست لگا۔

ثانیہ کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ باقی افسانوں میں "بلیک کیٹ" پڑھ کر افسوس ہوا۔ "کہنی کی چوٹ" اچھا تھا۔ "بھولا" بھی ٹھیک تھا۔ تمام مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔ ماریہ زاہد اور علی عمران سے ملاقات اچھی رہی۔ آخر میں پلیز میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔ ورنہ میری کزنز.... میرا مذاق اڑائیں گی۔

خالدہ بشیر.... سرنڈہ محمد پناہ

بے شمار دعاؤں کے ساتھ ایک بار پھر حاضر ہوں۔ کرن پندرہ کو ملا۔ ٹائٹل ٹھیک تھا۔ حمد اور نعت کے بعد آئے نامے میرے نام کی طرف۔ اپنے لیٹر کو نامے میرے نام کی زینت بنا دیکھ کر آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ دل نے دوسرا خط لکھنے کو مجبور کیا تو پھر قلم اٹھالیا۔ مکمل ناول "ساڈا چڑیا دا چنبا" بہت زبردست تھا۔ تھینک یو نفیسہ آپی ایسے ہی اچھے اچھے ناول لکھتی رہیں۔

ماہنامہ کرن ہماری زندگی کا حصہ بن گیا ہے، ہم سب فرینڈز اسے بے حد شوق سے پڑھتی ہیں۔ میں آپ کو کچھ تحریریں ارسال کررہی ہوں۔ پلیز شائع کردیجیے۔ مجھے امید ہے کہ میری تحریریں قابل اشاعت ہوں گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو کیوں یہ بھی بتا دیجیے۔ آپ کو ہماری تحریریں پسند آگئی ہیں تو کیا ہم ہر ماہ آپ کو اپنی تحریریں ارسال کرسکتے ہیں۔ پلیز جواب لازمی دیجیے۔ ہمیں آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ کرن کو بے شمار ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

ج۔ خالدہ پیاری آپ اپنی تحریریں ہمیں ہر ماہ روانہ کردیں۔